جلد اوّل

رازدانِ نبوت، رفیقِ خاص، یارِ غار

محسنِ اسلام، خلیفہ اوّل، مکینِ روضہ رسول ﷺ

سیّدنا ابوبکر صدّیق رضی اللہ عنہ

ڈاکٹر علی محمد الصلابی

رازدانِ نبوت، رفیقِ خاص، یارِ غار

محسنِ اسلام، خلیفۂ اول، مکینِ روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

جلد اول

© مكتبة دارالسلام، ١٤٣٢ هـ
فهرسة مكتبة الملك فهد الوطنية أثناء النشر
الصلابي، علي محمد
سيدنا ابوبكر الصديق / اردو. / علي محمد الصلابي - الرياض، ١٤٣٢ هـ
٢ مج. ص:٥٥٧ مقاس:٢١×١٤ سم
ردمك:٥-١٠٤-٥٠٠-٦٠٣-٩٧٨ (مجموعة)
٢-١٣٤-٥٠٠-٦٠٣-٩٧٨ (ج ١) (النص باللغة الاردية)
١- ابوبكر الصديق، عبدالله بن ابي قحافة، ت ١٣ هـ الصحابة والتابعون أ.العنوان
ديوي ٢٣٩,٩ ١٤٣٢/٣٥٩١ رقم الإيداع:١٤٣٢/٣٥٩١
ردمك:٥-١٠٤-٥٠٠-٦٠٣-٩٧٨ (مجموعة)
٢-١٣٤-٥٠٠-٦٠٣-٩٧٨ (ج ١)

جلد اوّل

رازدانِ نبوت، رفیقِ خاص، یارِ غار

محسنِ اسلام، خلیفۂ اوّل، مکینِ روضۂ رسول ﷺ

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

تالیف: فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر علی محمد محمد الصلابی

ترجمہ: مولانا محمد اجمل بھٹی

نظرِ ثانی: محمد نعمان فاروقی سوہدروی

دار السلام
DARUSSALAM

سعودی عرب (ہیڈ آفس)

شاہ عبدالعزیز بن جلاوی سٹریٹ پوسٹ بکس: 22743 الریاض: 11416 سعودی عرب

فون: 4033962-4043432 1 00966 فیکس: 4021659 www.darussalamksa.com

Email: darussalam@awalnet.net.sa info@darussalamksa.com

الریاض • العلیا۔ فون: 4614483 1 00966 فیکس: 4644945 • الملز فون: 4735220 1 00966 فیکس: 4735221

• سویدی فون: 4286641 1 00966 • سویلم فون/فیکس: 2860422 1 00966

جدّہ فون: 6879254 2 00966 فیکس: 6336270 مدینہ منورہ فون: 8234446,8230038 4 00966 فیکس: 8151121 04

الخبر فون: 8692900 3 00966 فیکس: 8691551 3 00966 خمیس مشیط فون/فیکس: 2207055 7 00966

ینبع البحر فون: 0500887341 فیکس: 8691551 قصیم (بریدہ) فون: 0503417156 فیکس: 3696124 6 00966

امریکہ • نیویارک فون: 5925 625 718 001 • ہوسٹن: 0419 722 713 001 کینیڈا • نصیرالدین الخطاب فون: 4186619 416 001

لندن • دارالسلام انٹرنیشنل پبلیکیشنز لمیٹڈ فون: 77252246 20 0044-85394885 20 0044 • دارمکہ انٹرنیشنل: 7739309 0121 0044

متحدہ عرب امارات • شارجہ فون: 5632623 6 00971 فیکس: 5632624 فرانس فون: 52928 480 01 0033 فیکس: 52997 480 01 0033

انڈیا • دارالسلام انڈیا فون: 45566249 44 0091 موبائل: 12041 98841 0091 • اسلامک بکس انٹرنیشنل فون: 4180 2373 22 0091

• ہُدیٰ بک ڈسٹری بیوٹرز فون: 4892 2451 40 0091 موبائل: 30850 98493 0091 • ایم ایس براک انٹرپرائز فون: 42157847 44 0091

سری لنکا • دارالکتاب فون: 358712 115 0094 • دارالایمان ٹرسٹ فون: 2669197 114 0094

پاکستان ہیڈ آفس و مرکزی شوروم

لاہور 36- لوئر مال، سیکرٹریٹ سٹاپ، لاہور فون: 00 4 32 372,24 400 372,34 240 373 42 0092 فیکس: 72 540 373 042

• غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور فون: 54 200 371 42 0092 فیکس: 03 207 373 042

• Y بلاک، گول کمرشل مارکیٹ، دکان: 2 (گراؤنڈ فلور) ڈیفنس، لاہور فون: 10 926 356 42 0092

کراچی مین طارق روڈ، ڈالمن مال سے (بہادر آباد کی طرف) دُوسری گلی، کراچی فون: 36 939 343 21 0092 فیکس: 37 939 343 21 0092

اسلام آباد F-8 مرکز، اسلام آباد فون/فیکس: 13 815 22 51 0092

info@darussalampk.com | www.darussalapk.com
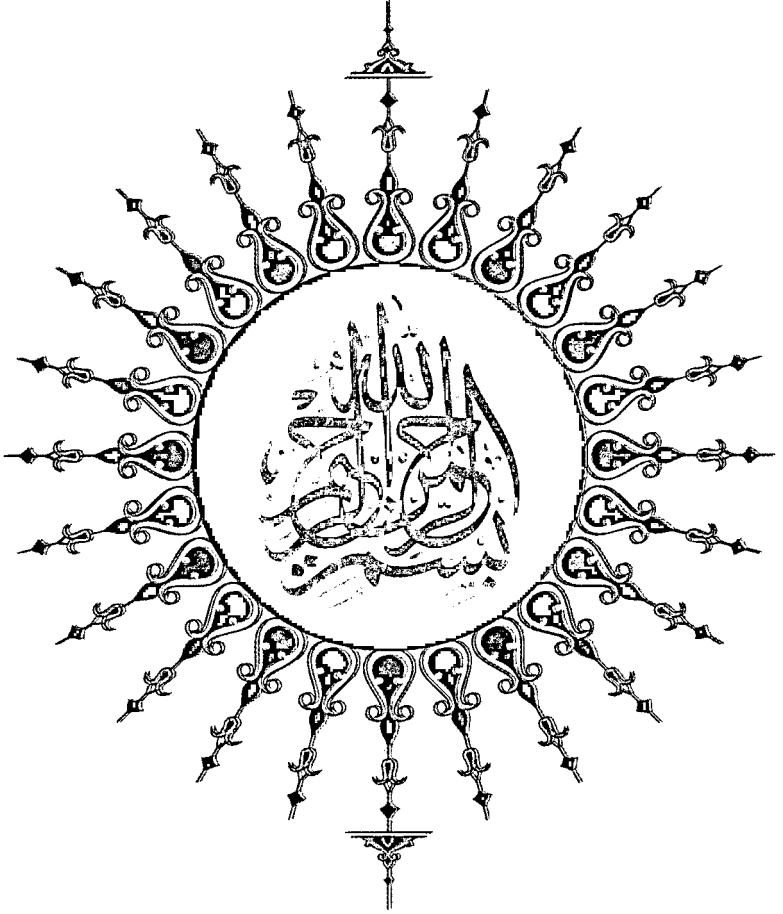
اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

ابوبکر فی الجنۃ
پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس
صدّیق کے لیے ہے خدا کا رسول بس

فہرست (جلداول)

باب 2

قبول اسلام تا ہجرتِ مدینہ

باب 3

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جہاد کے میدانوں میں

باب: 4

مدنی معاشرے میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا کردار اور فضائل ومناقب

باب: 5

وفات رسول ﷺ اور خلافت ابو بکر

باب 6

لشکر اسامہ

مرتدین کے خلاف ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا جہاد

فہرست ابواب (جلد اوّل)

فہرست نقشہ جات: (جلد اوّل)

محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ نے اپنے والد گرامی سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے سوال کیا:

أَيُّ النَّاسِ خَيْرٌ بَعْدَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ؟

قَالَ: أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ

"رسول اللہ ﷺ کے بعد لوگوں میں سے سب سے بہترین کون ہیں؟ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ابو بکر رضی اللہ عنہ۔"

(صَحِيحُ الْبُخَارِي: 3671)

عرض ناشر

رسول اللہ ﷺ ایک روز خلاف معمول دوپہر کی چلچلاتی دھوپ میں ہمدم دیرینہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے اور اندر جانے کی اجازت طلب فرمائی۔ اجازت پا کر اندر تشریف لے گئے اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا: «أَخْرِجْ مَنْ عِنْدَكَ» ''جو افراد خانہ آپ کے پاس بیٹھے ہیں انھیں یہاں سے کہیں اور بھیج دیں (ایک اہم بات کرنی ہے۔)'' ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: «إِنَّمَا هُمْ أَهْلُكَ بِأَبِي أَنْتَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ» ''اے اللہ کے رسول! یہ سب آپ ہی کے گھر والے ہیں۔'' فرمایا: «فَإِنِّي قَدْ أُذِنَ لِي فِي الْخُرُوجِ» ''مجھے ہجرت کی اجازت دے دی گئی ہے۔'' عرض کیا: «الصُّحْبَةَ بِأَبِي أَنْتَ يَارَسُولَ اللّٰهِ؟» ''کیا سفر ہجرت میں مجھے آپ کا ساتھ نصیب ہو سکے گا؟'' فرمایا: «نَعَمْ!» ''ہاں۔'' یہ سن کر خوشی سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ہم نے نبی کریم ﷺ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سفر کی تیاری مکمل کی۔ سیدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما نے کمر بند کے دو حصے کیے اور توشہ دان کا دہانہ باندھ دیا۔ نبی کریم ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ تین روز غار ثور میں ٹھہرے۔ اس دوران عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ روزانہ رات کو غار جاتے اور صبح ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ

غلام عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ بکریاں چراتے ہوئے اس طرف لے جاتے اور اس بہانے دونوں حضرات کے لیے دودھ کا انتظام کرتے۔

ہجرت تاریخ عالم کا سب سے زیادہ انقلاب آفرین واقعہ اور بے حد اہم راز (Top Secret) تھا۔ اس قدر اہم معاملے میں کسی غیر معمولی صاحب بصیرت اور انتہائی قابل اعتماد شخصیت ہی سے مشورہ کیا جاسکتا تھا۔ اِس تفصیل سے صاف ظاہر ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا پورا خاندان تاریخ عالم کے اس انتہائی اہم موقع پر پوری رازداری سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مصروف تھا۔ ''یارِ غار'' بظاہر سیدھی سادی دو حرفی ترکیب ہے مگر اس کے پیچھے ایک جہانِ معنی جگمگا رہا ہے۔ اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے محترم ''یارغار'' سے مشورے کے پس منظر میں خدمت، رفاقت اور اعتماد کے کم و بیش تیرہ برس کی مساعی جمیلہ اور انتھک محنت کام کر رہی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بابرکت اسفار میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہمیشہ آپ کے ساتھ رہے۔ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی طویل اور بے مثل رفاقت کا حال یوں بیان فرمایا ہے: ''میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے اکثر ایسے دلنشیں جملے سنا کرتا تھا:

«كُنْتُ وَ أَبُوبَكْرٍ وَّ عُمَرُ، وَ فَعَلْتُ وَ أَبُوبَكْرٍ وَّ عُمَرُ، وَانْطَلَقْتُ وَ أَبُوبَكْرٍ وَّ عُمَرُ»، «وَ ذَهَبْتُ أَنَا وَ أَبُوبَكْرٍ وَّ عُمَرُ، وَ دَخَلْتُ أَنَا وَ أَبُوبَكْرٍ وَّعُمَرُ، وَ خَرَجْتُ أَنَا وَ أَبُوبَكْرٍ وَّ عُمَرُ»

''میں تھا اور ابوبکر و عمر تھے...... میں نے اور ابوبکر و عمر نے ایسا کیا ...... میں اور ابوبکر و عمر چلے...... میں اور ابوبکر و عمر گئے ...... میں اور ابوبکر و عمر داخل ہوئے...... میں اور ابوبکر و عمر نکلے۔''

جب ہم خیرالقرون کی تاریخ کے اوراق پلٹتے ہیں تو سب سے پہلے قبولِ اسلام کی

سعادت حاصل کرنے والوں میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ درخشاں نظر آتے ہیں۔ وہ کبھی قریش کے ظلم وستم کا نشانہ بنے دکھائی دیتے ہیں، کہیں اسلام کی سرفرازی کے لیے اپنا سارا اثاثہ لٹاتے نظر آتے ہیں، کبھی ہم دعوت کے میدانوں میں ان کے مواعظ کی گونج سنتے ہیں، کبھی تپتے ہوئے صحرا کے نشیب وفراز میں ہجرت کا سفر کرتے ہوئے خیرالبشر صلی اللہ علیہ وسلم کو دھوپ کی آنچ سے بچانے کے لیے ان کے سر مبارک پر چادر کا سایہ کرتے دکھائی دیتے ہیں، کبھی بدر میں تلواروں کی چھاؤں میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت پر مامور نظر آتے ہیں، کبھی احد میں جلوہ نما ہوتے ہیں، کبھی غزوہ خندق میں چہرہ کشا نظر آتے ہیں، کبھی حدیبیہ کے موقع پر قریش کے سفیر سے مذاکرات کرتے سنائی دیتے ہیں، کبھی فتح مکہ، حنین اور طائف کی چٹانوں پر دین حنیف کا پرچم لہراتے نظر آتے ہیں، کبھی تبوک میں علم نبوی تھامے دکھائی دیتے ہیں، کبھی امیر حج کی حیثیت سے نمایاں ہوتے ہیں، کبھی ہماری آنکھیں انھیں حجۃ الوداع میں ایستادہ دیکھتی ہیں، پھر وہ وفات نبوی کے موقع پر غمزدہ مسلمانوں کے پست حوصلے بلند کرتے نظر آتے ہیں، کبھی سقیفہ بنی ساعدہ میں درپیش مسائل کی گتھی سلجھاتے اور امت مسلمہ کو سیدھی راہ دکھاتے ہیں اور کبھی مسند خلافت کی زینت بنتے ہیں۔ کبھی لشکر اسامہ کو اہم ہدایات دیتے دکھائی دیتے ہیں، کہیں مرتدین کی بیخ کنی میں مصروف ہوتے ہیں اور کہیں فارس وشام سے ٹکراتے نظر آتے ہیں...... پھر وہ وقت بھی آجاتا ہے کہ زندگی بھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دینے والا مسلمانوں کا یہ سب سے بڑا لیڈر وفات کے بعد بھی سیدالبشر امام الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی آغوش رفاقت میں ابدی نیند سو جاتا ہے۔ اللہ ان سے راضی ہو جائے۔

کافروں کو بھی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زبردست شخصیت اور اہمیت کا اندازہ تھا۔ اسی وجہ سے غزوہ اُحد کے بعد ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے، جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے، پوچھا تھا کہ کیا تم میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ کیا تم میں ابن ابی قحافہ (ابوبکر) موجود ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے فیضِ رفاقت اور تربیت سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایمان وعمل اور عزم و یقین بہت پختہ ہو چکا تھا۔ آپ کی بہت سی خوبیاں نمایاں ہو کر سامنے آنے لگی تھیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا وہ وعدہ پورا ہوا جو اس نے ایمان کے متوالوں اور عمل کے راہیوں سے آیت استخلاف میں کیا تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ....﴾

''جو تم میں سے ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے اللہ نے ان لوگوں سے وعدہ کیا ہے کہ انھیں زمین میں ضرور خلافت دے گا، جیسے اس نے ان سے پہلے لوگوں کو خلافت دی تھی اور ان کے لیے ضرور ان کا وہ دین محکم و پائیدار کر دے گا جو اس نے ان کے لیے چنا اور یقیناً ان کی حالتِ خوف کو بدل کر وہ ضرور انھیں امن دے گا......۔''

اور نبی کریم ﷺ نے انھیں «يَأْبَى اللّٰهُ وَالْمُؤْمِنُونَ إِلَّا أَبَا بَكْرٍ» ''اللہ تعالیٰ اور مومن ابوبکر کے سوا کسی کو قبول نہیں کرتے۔'' کے نشان امتیاز سے نوازا تھا۔ علاوہ ازیں زکاۃ کے مفصل احکام بھی انس رضی اللہ عنہ کے واسطے سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی مبارک زندگی کے آخری دنوں میں مصلائے امامت بھی آپ ہی کے سپرد کر دیا تھا۔

نبی کریم ﷺ کی وفات کے فوراً بعد وہ مثالی نظام حکومت و سیاست وجود میں آیا جو تاریخ کے اوراق میں ''خلافت راشدہ'' کے نام سے چمک رہا ہے۔ تاریخ اقوام میں اس سے زیادہ مقدس، مؤثر اور فیض رساں نظام حکومت و سیاست کی نہ پہلے کوئی مثال تھی نہ

اکیسویں صدی کا خلائی دور اور جدید تہذیب ایسے ثمر بار نظام کی کوئی مثال پیش کر سکی۔

نظامِ خلافت کے استحکام کا اندازہ اس امر سے کیا جاسکتا ہے کہ رسالت مآب ﷺ کی رحلت کے بعد مسلمان ہزار سال تک آدھی سے زیادہ دنیا پر حکومت کرتے رہے حتی کہ صدیوں بعد ترکی کے عثمانیوں کی حکومت ''خلافت'' ہی کے عنوان سے برسر اقتدار رہی۔ اہل یورپ ترکی کو ''یورپ کا مرد بیمار'' (Sick man of Europe) کہتے تھے مگر نظام خلافت کے اس دھندلے نقش کو مٹانے کے لیے بھی یورپ کی سامراجی طاقتوں کو پچیس سال لگے۔

خلافت صدیقی میں مختلف فتنوں نے سر اٹھایا اور طرح طرح کے بحرانوں نے جبڑے کھولے۔ کہیں کذاب مدعیان نبوت کھڑے ہوئے تو کہیں مرتدین نے بغاوت کی، کہیں اندرونی خلفشار تھا تو کہیں بیرونی خطرات لاحق تھے اور کہیں منکرین زکاۃ تھے۔ ان ساری اُلجھی ہوئی لٹوں میں مختلف آراء کی گتھیاں سلجھانے کے لیے تنہا ابن ابی قحافہ رضی اللہ عنہما کی ذاتِ گرامی تھی۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حوصلے، ولولے اور بصیرت وعزیمت کی ایسی چٹان تھے کہ زمانے اور زندگی کی کوئی آندھی انھیں سرنگوں نہ کر سکی۔ ایک لمحہ بھی ایسا نہ آیا کہ کبھی ان کا ایمان متزلزل ہوا ہو۔ وہ عزم و ہمت کے تخت پر بیٹھ کر پوری جرأت و مہارت سے امت کی قیادت کرتے رہے۔ انھوں نے موقع و محل کے مطابق سفیر، امراء اور جرنیل مقرر فرمائے۔ انتہائی نازک اور پرخطر مسائل کے مؤثر حل تلاش کیے۔ فتنہ ارتداد کا خاتمہ کیا اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ان کے محاذ سے براہِ راست عراقی فتوحات کے لیے روانہ کر دیا۔ اور مدینہ منورہ سے لے کر تمام محاذوں تک مجاہدین کا تانتا باندھ دیا۔

خلیفۂ اول ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ہر فیلڈ کے لیے ماہرین کا انتخاب کیا۔ مشاورت کے

حکم ربانی پر پابندی سے عمل کرتے رہے۔ آپ نے جغرافیہ دانی اور جنگی مہارت کا ایسا مظاہرہ کیا کہ جدید دنیا آج تک انگشت بدنداں ہے کہ ان صحرانشینوں نے یہ اسرار کہاں سے سیکھ لیے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی جنگی حکمت عملی کو دیکھیں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ مدینہ منورہ میں کوئی بہت بڑا قصر خلافت تھا، جہاں اکناف عالم کے بڑے بڑے ماہرینِ حرب وضرب کا ہجوم تھا، جن کے سامنے شام وعراق کے نقشے کھلے پڑے تھے اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ موقع محل کی مناسبت سے مجاہدینِ اسلام کے لیے ہدایات جاری فرما رہے تھے، حالانکہ ایسا کچھ نہیں تھا اور نہ ان کے پاس مہلک ہتھیاروں کے ڈھیر اور جدید وسائل و ذرائع تھے۔ بس اللہ کی نصرت تھی اور مقدور بھر کاوشیں تھیں۔ نتیجہ یہ تھا کہ مجاہدین جس طرف قدم اٹھاتے تھے باطل کے قلعے ڈھاتے چلے جاتے تھے اور کامیابیاں ان کے قدم چومتی تھیں۔ اور یہی ان فتوحات کا نقطۂ آغاز تھا جس کے باعث امتِ مسلمہ کا سر آج بھی فخر سے بلند ہے۔ بہت سے شب بیدار مسلمانوں کی پیشانیوں میں آج بھی اُس عہد رفتہ کی عظمتوں کے دھندلے نشان دیکھے جاسکتے ہیں۔

خلیفۂ اول ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مدتِ خلافت کم و بیش سوا دو سال تھی۔ آخری ایام میں باہمی مشاورت سے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا بطور خلیفہ تقرر بھی آپ ہی کی دور اندیشی اور فراست کا نتیجہ تھا۔ اور حق یہ ہے دیگر احسانات کی طرح امت مسلمہ پر یہ بھی آپ کا بہت بڑا احسان تھا ...... ان احسانات کے بدلے کے طور پر امت کی طرف سے مختلف ادوار میں کتبِ جلیلہ کی صورت میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خراج تحسین پیش کیا جاتا رہا۔ یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا۔ اور اہل ایمان رفیقِ نبوت پر عقیدت کے پھول نچھاور کرتے رہیں گے۔

خلیفہ رسول ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زندگی کے انھی درخشاں پہلوؤں کو زیر نظر کتاب میں

پوری شرح و بسط سے بیان کیا گیا ہے۔ اتنی جلیل القدر شخصیت کے ایمان و عمل کی داستان اتنی بابرکت ہے کہ کتاب کا ہر لفظ نور کی کرن معلوم ہوتا ہے۔

مؤلف کتاب دکتور علی محمد محمد صلابی دور حاضر کے مایہ ناز مؤرخِ اسلام ہیں۔ ان کا اسلوبِ تحریر تحقیقی اور اصلاحی ہے۔ وہ جدید تحقیقی معیار اور اس کے تقاضوں سے بخوبی آگاہ ہیں۔ وہ الفاظ کی مدد سے دور قدیم کو دور جدید سے مربوط کرتے اور قاری کے دل و دماغ کو عہد گزشتہ سے پیوستہ کر دیتے ہیں۔ آئینہ ایامِ تاریخ سامنے رکھ کر دعوتِ اصلاح و فکر دیتے ہیں اور بہت عمدہ پیرائے میں خلافت راشدہ کا دفاع کرتے ہیں۔ ان کے سامنے اسلام دشمن عناصر، مستشرقین اور ان کے حاشیہ نشین سبھی دست بستہ نظر آتے ہیں۔ وہ تمام واقعات و اَحداث سے دُروس و عِبر کشید کر کے ان کی مدد سے امت مسلمہ کے موجودہ امراض کا حل تلاش کرتے ہیں۔

دارالسلام، خلفائے راشدین کے سیرت و سوانح پر مشتمل دکتور صلابی کی تحقیقی کتب کو اردو میں نہایت خوبصورت اور شایانِ شان انداز سے پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ.

''سیرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ'' مختلف مراحل سے گزرتی ہوئی اب آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس کتاب کی تیاری کے لیے محترم حافظ عبدالعظیم اسد مینجر دارالسلام، لاہور کی سرپرستی میں کام کا آغاز ہوا اور مولانا محمد اجمل بھٹی فاضل مدینہ یونیورسٹی نے اس کا شگفتہ اُردو میں ترجمہ کیا، رفیقِ ادارہ جناب احمد کامران نے اس کی نوک پلک سنواری، جناب محمد نعمان فاروقی سوہدروی نے نظرثانی کی۔ حافظ سیف اللہ لغاری اور جناب محمد فاروق نے اس کی تیاری میں بڑی جاں فشانی کا مظاہرہ کیا۔ توضیحی نقشوں اور جغرافیائی تشریحات کے لیے جناب محسن فارانی اور مولانا جناب ابوالاعلیٰ نے بڑی محنت سے کام

کیا۔ کمپوزنگ اور ڈیزائننگ کی ذمہ داریاں علی الترتیب ابومصعب، ان کے رفقاء اور اسد علی نے نبھائیں ...... یہ سب افراد راقم کے شکرو سپاس کے ہمیشہ مستحق رہیں گے۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب احباب کرام سے تادیر دین کی سربلندی کا کام لے اور آخرت میں ہم سب کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ساتھ نصیب فرمائے۔ آمین!

خادم کتاب وسنت

عبدالمالک مجاہد

مینجنگ ڈائریکٹر دارالسلام الریاض، لاہور

ربیع الثانی 1432ھ / مارچ 2011ء

مقدمہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

«إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِينُهٗ وَنَسْتَهْدِيهِ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَأَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيكَ لَهٗ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُولُهٗ»

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ○﴾

﴿يَاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ○﴾

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۙ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ○﴾

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سیرت مطہرہ سے مجھے بچپن ہی سے نہایت گہری دلچسپی اور اس کے مطالعے کا بے حد شوق تھا۔ زندگی کے شب و روز گزرتے رہے۔ میری خوش قسمتی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں طلب علم کی سعادت بخشی۔ تاریخ اسلامی کے مقررہ نصاب میں سے مجھے تاریخ خلفائے راشدین پڑھنے کا اعزاز حاصل ہوا۔ محترم استاذ نے شیخ محمود شاکر کی کتاب التاریخ الاسلامی ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ تاریخ اسلامی کے معتبر مصادر البداية والنهاية اور الكامل في التاريخ الإسلامي میں سے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سیرت کا مطالعہ کرنے کی بھی ترغیب دلائی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان کے بعد استاذ محترم کے ارشادات سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شخصیت اور ان کے عہد کے حالات و واقعات سے آگہی اور تفہیم کا اہم سبب بنے۔ پھر جامعہ ام درمان الاسلامیہ میں پی ایچ ڈی کے لیے میرے زیر قلم مقالے کا عنوان فقه التمكين في القرآن الكريم وأثره في تاريخ الأمة تھا۔ یہ بحث تین ابواب فقه التمكين في القرآن الكريم، فقه التمكين في السيرة النبوية اور فقه التمكين عند الخلفاء الراشدين پر مشتمل تھی۔ بحث کے صفحات 1200 سے متجاوز ہوئے تو ہمارے نگران نے مناسب سمجھا کہ صرف ایک باب فقه التمكين في القرآن الكريم ہی پر اکتفا کیا جائے۔ اسی خیال کے زیر اثر انھوں نے مقالے کی ترتیب و تنسیق میں کچھ ردوبدل کر کے اپنی یہ رائے کلیہ کی کمیٹی کے سامنے پیش کی جس پر کمیٹی نے اتفاق ظاہر کیا۔

چنانچہ نگران صاحب نے مجھ سے کہا کہ اس مقالے سے فراغت کے بعد فقه التمكين في السيرة النبوية اور فقه التمكين عند الخلفاء الراشدين جیسے موضوعات کو کتابی شکل میں سامنے لایا جاسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق اور نگران کی اس رہنمائی سے میں نے فقه التمكين في السيرة النبوية کو کتابی شکل میں پیش کیا، اس

کتاب کو اس حد تک قدر و منزلت نصیب ہوئی کہ یہ وقائع عالم کا آئینہ بن کر احداث زمانہ کا مؤثر حل پیش کرنے لگی۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی شخصیت اور ان کے عہد مبارک کے بارے میں پیش نظر کتاب جس کا میں یہ مقدمہ تحریر کر رہا ہوں، اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے بعد اس کا سہرا میرے محترم نگران اور ان محسن علماء و مشائخ عظام کے سر ہے جنھوں نے مجھے تاریخ خلفائے راشدین کے مطالعے کی ترغیب دلائی، حتیٰ کہ ان میں سے ایک صاحب نے ان الفاظ میں میری رہنمائی کی کہ اس وقت امتِ مسلمہ اور عہد خلفائے راشدین کے مابین ایک بڑا خلا پیدا ہو چکا ہے، حق و باطل کی میزان اور کسوٹی بدل چکی ہے اور پیمانوں میں فرق آچکا ہے۔ اب نسلِ نو خلفائے راشدین کی سیرت کے مقابلے میں معاصر علماء و داعیان اور مصلحین کی سوانح عمریوں کے مطالعے کا زیادہ اہتمام کرنے لگی ہے، جبکہ خلفائے راشدین کا عہد زریں ہماری سیاسی، اخلاقی، فکری، اقتصادی، فقہی اور جہادی زندگی کی مکمل رہنمائی کرتا ہے، لہٰذا اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ تاریخ کے دریچوں سے اسلامی مملکت کے مختلف شعبوں کا بنظر غائر جائزہ لیا جائے اور دیکھا جائے کہ مرورِ زمانہ کے ساتھ انھوں نے عدالتی شعبوں، مالی محکموں، نیز نظام خلافت و ریاست اور عسکری شعبوں میں کس طرح امتیازی حیثیت حاصل کی؟ پھر جب اسلامی ثقافت کا فارسی اور رومی تہذیب و تمدن کے ساتھ اختلاط ہوا تو اس وقت اجتہاد کی نوعیت اور اسلامی فتوحات کی تحریک کا مزاج کیا تھا؟

اس کتاب کا آغاز محض ایک خیال سے ہوا جسے اللہ تعالیٰ کی توفیق و تائید نے حقیقت کا روپ دے دیا۔ ذات باری تعالیٰ نے میری مشکلات کو آسان فرمایا اور مصادر و مراجع کے حصول میں میری اعانت فرمائی۔ اس مبارک عمل کی تکمیل میرا مقصد بن گئی جس کی خاطر میں نے راحت و آرام کو قربان کیا اور مصائب و مشکلات کی کوئی پروا نہ کی، یقیناً یہ

سب اللہ تعالیٰ کی نصرت و تائید سے ہی ممکن ہوا۔ بقول شاعر ؎

اَلْهَوْلُ فِي دَرْبِي وَ فِي هَدَفِي   وَ أَظَلُّ أَمْضِي غَيْرَ مُضْطَرِبِ

مَا كُنْتُ مِنْ نَّفْسِي عَلٰى خَوَرٍ   أَوْ كُنْتُ مِنْ رَّبِّي عَلٰى رَيْبِ

مَا فِي الْمَنَايَا مَا أُحَاذِرُهٗ   اَللّٰهُ مِلْءُ الْقَصْدِ وَالْأَرَبِ

''میرے راستے اور میرے مقصد پر خوف و دہشت کے سائے منڈلا رہے ہیں لیکن میں پریشان نہیں ہوا، اپنے مقصد پر گامزن رہا۔ میرا نفس کسی بزدلی کا شکار ہے نہ میں نصرت الٰہی کے بارے میں کسی شک میں مبتلا ہوں۔ موت میں ایسی کوئی چیز نہیں جس سے مجھے خوف ہو کیونکہ (مجھے یقین ہے کہ) اللہ تعالیٰ ہی ضروریات اور مقاصد کو پورا کرنے والا ہے۔''

بلاشبہ خلفائے راشدین کے عہد کی تاریخ دروس وعبر کا بہترین مرقع ہے۔ یہ مختلف تاریخی، حدیثی، فقہی، ادبی اور تفسیری کتب و مصادر میں منتشر ہے۔ اس کی جمع و ترتیب، تصحیح و توثیق اور اس کے مطابق عصری مشکلات کا حل تلاش کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ اس عہد زریں کو احسن انداز میں پیش کرنا نہایت ضروری ہے۔ اسی صورت میں یہ تہذیب و تمدن کی رہنمائی کا وسیلہ، عقل و شعور کو جلا بخشنے کا ذریعہ، دروس وعبر کا بہترین مرقع اور افکار و نظریات کی پختگی میں اہم کردار ادا کرسکتا ہے۔ اس کے عملی نفاذ سے ہم ایک خالص اسلامی معاشرہ اور نبوی منہج کے مطابق تربیت کا بہترین ماحول پیدا کرسکتے ہیں اور اسی ذریعے سے ہمیں ان نفوسِ قدسیہ کے احوال سے آگاہی حاصل ہوتی ہے جن کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾

''اور مہاجرین اور انصار میں سے (قبول اسلام میں) سبقت کرنے والے اور وہ لوگ جنھوں نے احسان کے ساتھ ان کی پیروی کی، اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اس سے راضی ہوگئے اور اللہ نے ان کے لیے ایسے باغ تیار کیے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔''[1]

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ؗ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۚۛ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۚ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۝﴾

''محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں، وہ کافروں پر بہت سخت ہیں، آپس میں نہایت مہربان ہیں، آپ انھیں رکوع و سجود کرتے دیکھیں گے، وہ اللہ کا فضل اور (اس کی) رضامندی تلاش کرتے ہیں، ان کی خصوصی پہچان ان کے چہروں پر سجدوں کا نشان ہے، ان کی یہ صفت تورات میں ہے اور انجیل میں ان کی صفت اس کھیتی کے مانند ہے جس نے اپنی کونپل نکالی، پھر اسے مضبوط کیا اور وہ (پودا) موٹا ہوگیا، پھر اپنے تنے پر سیدھا کھڑا ہوگیا، کسانوں کو خوش کرتا ہے، (اللہ نے یہ اس لیے کیا) تاکہ ان (صحابۂ کرام) کی وجہ سے کفار کو خوب غصہ دلائے، اللہ نے ان لوگوں سے جو ان میں سے ایمان

[1] التوبۃ 9:100

لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے، مغفرت اور بہت بڑے اجر کا وعدہ کیا ہے۔''[1]

اور ہم ان نفوسِ قدسیہ کے حالات سے بہرہ ور ہوتے ہیں جن کی عظمت کا اعتراف رسول اکرم ﷺ کے اس ارشادِ گرامی میں ہے: «خَيْرُ أُمَّتِي الْقَرْنُ الَّذِي بُعِثْتُ فِيهِمْ»
''میری امت میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جن میں مجھے مبعوث کیا گیا۔''[2]

اور انھی کے بارے میں سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہے:

«مَنْ كَانَ مُسْتَنًّا فَلْيَسْتَنَّ بِمَنْ قَدْ مَاتَ، فَإِنَّ الْحَيَّ لَا تُؤْمَنُ عَلَيْهِ الْفِتْنَةُ، أُولٰئِكَ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ ﷺ، كَانُوا وَاللّٰهِ! أَفْضَلَ هٰذِهِ الْأُمَّةِ وَأَبَرَّهَا قُلُوبًا وَّ أَعْمَقَهَا عِلْمًا وَّ أَقَلَّهَا تَكَلُّفًا، اِخْتَارَهُمُ اللّٰهُ لِصُحْبَةِ نَبِيِّهِ وَ إِقَامَةِ دِينِهِ، فَاعْرِفُوا لَهُمْ فَضْلَهُمْ وَاتَّبِعُوهُمْ فِي آثَارِهِمْ وَتَمَسَّكُوا بِمَا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ أَخْلَاقِهِمْ وَدِينِهِمْ، فَإِنَّهُمْ كَانُوا عَلَى الْهُدَى الْمُسْتَقِيمِ»

''اگر کوئی کسی کی پیروی کرنا چاہتا ہے تو وہ ان کی پیروی کرے جو فوت ہو چکے ہیں، یعنی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی کیونکہ زندہ لوگوں کے بارے میں اندیشہ ہے کہ وہ کسی فتنے میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ اللہ کی قسم! رسول اکرم ﷺ کے صحابۂ کرام اس امت کے افضل ترین افراد تھے، دلوں کے سچے، علم میں پختہ اور تکلف سے بے نیاز تھے۔ ایسے لوگ جنھیں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے مخلص جان نثار کی حیثیت اور اپنے دین کی مضبوطی اور نفاذ کے لیے منتخب فرما لیا۔ تم ان کے شرف و فضل کے معترف رہو، انھی کے نقشِ قدم پر چلو اور حتی الامکان ان کے اخلاق اور دین کو تھامے رکھو، بلاشبہ وہ صراطِ مستقیم پر گامزن تھے۔''[3]

[1] الفتح 29:48. [2] صحيح مسلم، حديث: 2534. [3] شرح السنة للبغوي 1: 215,214.

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم دعوت وعمل کے عظیم پیکر تھے۔ خیر القرون میں جنم لینے والے انھی لوگوں نے امت کو قرآن کریم کی تعلیم دی، حدیث کو روایت کیا اور علم کی کرنوں سے زمین کو منور کیا۔ ان کی تاریخ ہی وہ بیش قیمت خزانہ ہے جس نے امت کے علمی، فکری، ثقافتی اور جہادی ورثے کو محفوظ رکھا۔ فتوحات کی تحریک اور دوسری قوموں کے ساتھ تعلقات کی نوعیت کو یہی تاریخ اپنے گوشوں میں سموئے ہوئے ہے۔ اس پُرعظمت تاریخ کے باکردار لوگوں کے دامن میں وہ علمی خزانہ تھا جس کی بدولت انھوں نے اپنی زندگی کا سفر صحیح منہج اور روشن ہدایت پر جاری رکھا۔ اسی تاریخ کی بدولت ان کے پیغام کی حقیقت اور اپنے مابعد لوگوں کے لیے ان کی عظیم کاوش کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

یہودی، عیسائی، مارکسی، رافضی اور اہل استشراق جیسی مسلم دشمن قوموں نے انسانی نفوس کی تعمیر میں تاریخ کے اس اعلیٰ کردار اور دشمن قوتوں کے لیے اس کے تباہ کن اثرات کو محسوس کیا تو انھوں نے اسے مسخ کرنے، حقائق کو سبوتاژ کرنے، خود ساختہ واقعات پھیلانے اور ملت اسلامیہ کو اس کے متعلق شکوک و شبہات میں مبتلا کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔

ماضی میں بھی ہماری تاریخ اغیار کی سازشوں کا شکار رہی اور عصر حاضر میں بھی مستشرقین کے ہاتھوں تغیر و تبدل اس کا مقدر ٹھہرا۔ ماضی میں اسلامی تاریخ یہود و نصاریٰ، مجوسیوں اور رافضیوں کا تختۂ ستم بنی رہی۔ انھوں نے اسے مسخ کرنے کا گھناؤنا کردار ادا کیا کیونکہ انھوں نے اس حقیقت کا ادراک کر لیا تھا کہ دھوکے اور فریب جیسے سازشی ہتھکنڈے استعمال کرنا اسلام اور مسلمانوں کے لیے زیادہ باعث نقصان ہوگا، لہٰذا طرح طرح کے پروپیگنڈوں کے ذریعے سے درپردہ مملکت اسلامیہ کے انہدام اور اہل اسلام کے انتشار و افتراق کی کوششیں کی گئیں۔ یہ کام انھوں نے جھوٹی افواہوں کے ذریعے سے حقیقت کا چہرہ مسخ کر کے اور خلیفۂ راشد سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے خلاف فتنوں کا بازار گرم

کر کے انجام دیا۔ عبداللہ بن سبا یہودی اور اس کے ہمنواؤں نے فتنے کی آگ کو خوب بھڑکایا جس کے نتیجے میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا سانحہ پیش آیا۔ اسی طرح انھوں نے معرکۂ جمل میں عین صلح کے موقع پر مسلمانوں کے درمیان جنگ کو ہوا دی، الغرض مختلف تحریکوں اور پروپیگنڈوں کے ذریعے سے اسلام اور اہل اسلام کو گزند پہنچانے کی کوششیں کی گئیں۔ علاوہ ازیں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی سیرت پر کیچڑ اچھالنے اور طعن و تشنیع کی غرض سے تاریخ اسلامی کے مصادر میں موضوع اور ضعیف روایات شامل کر دی گئیں۔

اس کی ایک مثال سیدنا علی اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان تحکیم والی مشہور روایت ہے جو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو دھوکے بازی، حب جاہ و حشمت اور بعض کو کند ذہنی کا موردِ الزام ٹھہراتی ہے۔ ایسی روایات وضع کرنے کا مقصد اسلام کو غیر محسوس طریقے سے طعن و تشنیع کا نشانہ بنانا تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمیں اسلام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ذریعے سے پہنچا اور صحابہ کی عدالت و دیانت میں شکوک پیدا کرنا اسلام کی حقانیت اور صداقت میں شبہات جنم دینے کے مترادف ہے۔ یہیں بس نہیں مستشرقین اور ابنائے ملت اسلامیہ میں سے ان کے نمک خوروں نے ان خود ساختہ روایات اور واقعات سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے انھیں خوب عام کیا۔ ان جھوٹی روایات کو انھوں نے مال غنیمت کی طرح ایک دوسرے سے بڑھ کر ہاتھوں ہاتھ لیا۔ صرف اس لیے کہ اس سے اسلام پر طعن و ملامت کرنے اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی عزت و وقار سے کھیلنے جیسے مذموم مقاصد وابستہ تھے۔[1]

دشمنان اسلام نے تاریخ اسلامی کو اپنے فاسد اور منحرف مناہج و نظریات کے مطابق ڈھالا اور بعض مسلمان مورخین بھی ان خود ساختہ نظریات سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ ان کی کتابوں میں بھی یہودیوں، مارکسیوں، رافضیوں اور مستشرقین جیسے اعدائے اسلام کی تحریف شدہ تاریخ نویسی کی جھلک نظر آنے لگی۔ اس لیے کہ تاریخ نویسی کے لیے اسلامی

[1] خالد بن الولید الصادق الوعد، جولائی، ص: 5

نظریات کے مکمل ادراک اور واقعات اور اشیاء کے وسیع مشاہدے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ لوگوں میں رائج اقدار کے مطالعے، قلوب و اذہان پر اسلامی نظریات کی اثر آفرینی اور اس کے مطابق جسم و جان کو ڈھال لینا ناگزیر ہوتا ہے لیکن یہ سب خصوصیات ان میں ناپید تھیں۔ تاریخ اسلام کی قابل ذکر شخصیات کی سیر و سوانح لکھنے کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ ان کے نظریات و افکار کیا تھے کیونکہ کسی بھی سیرت نگار کے لیے یہ بات انتہائی اہمیت کی حامل ہے۔

درحقیقت اسلامی افکار اور اسلامی شخصیات کے نظریات کو ایک مسلمان تاریخ نویس ہی سمجھ سکتا ہے جو اسلامی تعلیمات پر دل کی گہرائیوں سے ایمان رکھتا ہو اور اس کا یہ یقین اس کے ضمیر کی آواز ہو، نہ کہ ایمانی قوت سے عاری باطل نظریات کا حامی محض ایک واقعہ نویس۔ [1]

اس منہج کے ناپید ہونے کی وجہ سے بعض معاصر مورخ، کاتب اور ادیب حضرات ملت اسلامیہ کے اسلاف کے مثالی کردار کو مسخ کر کے پیش کرنے لگے۔ انھوں نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو (العیاذ باللّٰہ) دنیا پر ٹوٹ پڑنے والوں اور ایک دوسرے کا خون بہانے والوں کے روپ میں پیش کیا۔ ان کے مطابق صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم محض حکومت کے حصول اور دشمن سے انتقام جیسے مقاصد ہی کو پیش نظر رکھتے تھے۔ وہ اس سنہرے دور کے رجال باکمال اور مصطفوی مدرسہ کے فیض یافتگان کا صحیح ادراک نہیں کر سکے اور ان پر اسلام کے روحانی اثر اور اعلیٰ عقائد و نظریات کا جائزہ لینے سے بھی قاصر رہے۔ ایسی تحریروں سے سطحی ذہن کے حامل لوگوں نے تاریخ اسلامی کو جنگ وجدل، خونریزی اور مکر و فریب ہی سے وابستہ سمجھا۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی سیرت و کردار کو اس حد تک مسخ کر کے پیش کیا گیا کہ بعض سادہ لوح مسلمان صحیح صورت حال کو سمجھے بغیر اس باطل تاریخ کی محض اس لیے تردید کرنے

[1] خالد بن الولید، صادق عرجون، ص: 5

لگے کہ یہ غیر معتبر مورخین سے وابستہ ہے۔ ①

اہل سنت کے منہج کے مطابق تاریخ نویسی اوراس کی تہذیب نو وقت کا اہم تقاضا ہے۔ ادباء و محققین کی اس سمت پیش رفت قابل تحسین ہے۔ اور محقق قلمکاروں کی راہ میں اب یہ مشکل حائل نہیں کہ صحیح تاریخ نویسی کے لیے مصادر و مراجع دستیاب نہ ہوں بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کے ساتھ ساتھ حاملین کتاب و سنت کی بھی حفاظت فرمائی ہے اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی تاریخ کو محفوظ رکھنے کے لیے ایسے رجال پیدا فرما دیے جنھوں نے اخبار و واقعات کی تحقیق کر کے انھیں ان کی صحیح صورت میں پیش کیا اور افترا پردازوں اور کذاب لوگوں کو بے نقاب کیا۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور ان ائمہ، فقہاء و محدثین کے اس امت پر احسان کی بدولت ہی ممکن ہوسکا، جن کی کتابوں میں صحیح روایات و واقعات کی نشاندہی اور خودساختہ جھوٹے افسانوں کی تردید موجود ہے۔ ②

پیش نظر کتاب میں اہل سنت کے منہج پر عمل کرتے ہوئے میں نے قدیم و جدید مصادر پر اعتماد کیا ہے۔ تاریخی مواد کی جمع و ترتیب کے حوالے سے میں نے فقط طبری، ابن اثیر اور ذہبی جیسے تاریخ نگاروں اور محض مشہور تاریخی کتابوں ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ کتب تفسیر، حدیث، اس کی شروحات، فقہ کے معتمد مصادر اور جرح و تعدیل کی کتب کی طرف بھی مراجعت کی ہے۔ ان کتب سے مجھے ایسا قابل قدر تاریخی مواد ملا ہے جس سے آگاہی محض معروف تاریخی کتابوں پر اکتفا کرنے سے ممکن نہ تھی۔ یہ اللہ رب العزت کا فضل و احسان ہے کہ اس نے مجھے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سیرت مطہرہ قلمبند کرنے کی سعادت بخشی۔ بلاشبہ آپ ان خلفاء کے سرخیل ہیں جن کی پیروی کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

① أبوبكر الصديق لمحمد مال الله، ص: 16,15. ② المنهج الإسلامي لكتابة التاريخ للدكتور محمد المحزون، ص: 4.

«عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَ سُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ»

”میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کے طریقے کو تھامے رکھو۔“ ①

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ صدیقین کے سردار اور انبیائے کرام کے بعد افضل ترین فرد ہیں۔ آپ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سب سے افضل، علم و عمل میں برتر اور سب سے زیادہ عظمت و رفعت کے پیکر ہیں۔ آپ کے بارے میں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

«لَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا مِّنْ أُمَّتِي خَلِيلًا لَّاتَّخَذْتُ أَبَابَكْرٍ وَّلٰكِنْ أَخِي وَصَاحِبِي»

”اگر مجھے اپنی امت میں سے کسی کو خلیل بنانا ہوتا تو ابوبکر کو خلیل بناتا لیکن وہ میرے بھائی اور ساتھی ہیں۔“ ②

ایک اور حدیث میں سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

«اِقْتَدُوا بِاللَّذَيْنِ مِنْ بَعْدِي: أَبِي بَكْرٍ وَّ عُمَرَ»

”میرے بعد ان دو شخصیات ابوبکر اور عمر کی پیروی کرنا۔“ ③

آپ کی عظمت کی گواہی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ان الفاظ سے دی:

«أَنْتَ سَيِّدُنَا وَ خَيْرُنَا وَ أَحَبُّنَا إِلٰى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ»

”آپ ہمارے سردار، ہم میں سے بہتر اور رسول اکرم ﷺ کو سب سے زیادہ عزیز ہیں۔“ ④

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے ان کے بیٹے محمد بن حنفیہ نے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد سب سے زیادہ افضل کون ہے؟ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ”ابوبکر۔“ ⑤

① جامع الترمذي، حديث:2676، وسنن ابن ماجه، حديث:42. ② صحيح البخاري، حديث: 3656. ③ جامع الترمذي، حديث:3662، وسنن ابن ماجه، حديث: 97. ④ صحيح البخاري، حديث:3668. ⑤ صحيح البخاري، حديث:3671.

تاریخ اسلامی کو دوسری تمام تاریخوں پر فوقیت و برتری حاصل ہے اور جس شرف و فضل، عظمت و رفعت اور دعوت و جہاد کی عملی صورت کو تاریخ اسلامی اپنے دامن میں سموئے ہوئے ہے، تاریخ امم اس کا احاطہ کرنے سے قاصر ہے۔ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سیرت اسی تاریخ اسلامی کا ایک روشن باب ہے۔ میں نے آپ رضی اللہ عنہ کی حیات مبارکہ کے اخبار و واقعات کو مصادر و مراجع سے جمع کرنے، ان کی ترتیب و تنقیح اور توثیق کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے تاکہ آپ کی سیرت مطہرہ کے اوراق علماء و خطباء، داعیان و حکماء، طلباء اور دانشورانِ عالم میں معروف و متداول ہوں اور وہ ان سے مستفید ہو کر اپنی سیرت و کردار کو مضبوط بنائیں اور دنیا و آخرت میں کامیابی سے ہمکنار ہوں۔

سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صفات و فضائل میں سے آپ کی معاشرتی زندگی کی جھلک اور جہاد و قتال کے میدان میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شانہ بشانہ کھڑا ہونے کا تذکرہ کیا گیا ہے، اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد کٹھن مراحل میں آپ کی ثابت قدمی اور سقیفہ بنی ساعدہ کے موقع پر آپ کا عظیم اور غیر متزلزل موقف بیان کرتے ہوئے ان شبہات اور غلط روایات کی حقیقت سے پردہ اٹھایا گیا ہے جو تاریخ سقیفہ بنی ساعدہ پر مستشرقین اور ان کے ہمنواؤں کی طرف سے پھیلائی گئیں۔ جیش اسامہ کے بارے میں سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا موقف، اس واقعہ کے دروس و عبر، نزاع و اختلاف کی صورت میں کتاب اللہ اور سنت رسول کی جانب رجوع اور آداب قتال و جہاد جیسے موضوعات پر قلمکاری کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ فتنۂ ارتداد کے اسباب، مرتدین کے متعلق بے باک موقف اور اس فتنے کو قلع قمع کرنے میں آپ کے ناقابل فراموش کردار پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

آپ کے عہد خلافت کے احوال بیان کرتے ہوئے یہ حقیقت بھی عیاں کی گئی ہے کہ خلافت اسلامیہ کو ثبات و استقرار کیسے حاصل ہوا اور سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت

قوم کی صفات کیا تھیں؟ نیز آپ کی خارجی سیاست اور فتنۂ ارتداد کے نتائج، مثلاً: باطل تصورات و نظریات سے دین اسلام کی تطہیر، معاشرے کو صحیح خطوط پر استوار کرنے کے لیے مضبوط قانون کی ضرورت، فتوحات کی تحریک کے لیے ٹھوس اور مضبوط قیادت کی تیاری، فتنۂ ارتداد کی اصل حقیقت اور سازشی عناصر پر عذاب الٰہی کا تذکرہ کیا گیا ہے اور اس بات کی وضاحت بھی کی گئی ہے کہ جزیرہ نمائے عرب میں ٹھوس بنیادوں پر حکومت کا قیام کس طرح عمل میں لایا گیا۔

عہد صدیقی میں فتوحات کی تحریک پر روشنی ڈالتے ہوئے فتح عراق میں آپ کے جنگی نقطۂ نظر کو بیان کیا گیا ہے، علاوہ ازیں فتوحات عراق میں سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی عظیم قیادت کا تذکرہ کرتے ہوئے سیدنا مثنّٰی بن حارثہ اور قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہما جیسے بہادر جرنیلوں کے کردار کی جھلک بھی پیش کی گئی ہے۔ یہ معرکے ان بڑی فتوحات کے لیے سنگ بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں جو عہد صدیقی کے بعد حاصل ہوئیں۔ ان عظیم فتوحات اور جہاد و قتال کی برکات سے دین اسلام کی نشر و اشاعت اور ملت اسلامیہ کی تاریخ روشن اور تابناک ہوئی۔ بقول شاعر:

فَالْقَادِسِيَّةُ مَا يَزَالُ حَدِيثُهَا — عِبَرًا تُضِيءُ بِأَطْيَبِ الْأَقْوَالِ

تَحْكِي مَفَاخِرَنَا وَ تَذْكُرُ مَجْدَنَا — فَتُجِيبُهَا حِطِّينُ بِالْمِنْوَالِ

صَفْحَاتُ مَجْدٍ فِي الْخُلُودِ سُطُورُهَا — دَانَ الرِّجَالُ لَهَا بِغَيْرِ جِدَالِ

وَ كَأَنَّنِي بِابْنِ الْوَلِيدِ وَ جُنْدِهِ — وَ بِكُلِّ كَفٍّ لَّامِعِ الْأَنْصَالِ

نَشَرُوا عَلٰى أَرْضِ الْخَلِيلِ لِوَائَهُمْ — فَغَدَا يُظَلِّلُ أَطْهَرَ الْأَطْلَالِ

وَ عَنِ الْيَمِينِ أَبُو عُبَيْدَةَ قَدْ أَتٰى — وَ أَتٰى صَلَاحُ الدِّينِ صَوْبَ شِمَالِ

يَسْعٰى إِلَيْهِمْ قَدْ شَرَوْا أَرْوَاحَهُمْ — لِلّٰهِ بَعْدَ تَسَابُقٍ لِّقِتَالِ

فَهُمُ الْأَعِزَّةُ فِي كِتَابٍ خَالِدٍ   مَا بَعْدَ قَوْلِ اللّٰهِ مِنْ أَقْوَالِ

''قادسیہ کی داستانیں پاکیزہ اور عمدہ اقوال بن کر ہمیشہ جگمگاتی رہیں گی۔ یہ داستانیں ہمارے کارناموں کے قصے بیان کریں گی اور ہماری عظمت، شرافت اور ناموری کے گن گائیں گی۔ حطین (علاقے کا نام) بھی اسی ڈھنگ اور اسلوب سے برابر کا تائیدی جواب دے گا۔ ہماری بزرگی اور ناموری کے صفحات ایسے ہیں کہ ان کی سطور دائمی طور پر مرقوم ہیں۔ یہ کارنامے بھلائے جاسکتے ہیں نہ کتابوں سے محو کیے جاسکتے ہیں۔ نامور رجال کار نے حجت بازی اور جھگڑے کے بغیر ان اوراق کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیے۔ میں تو گویا اپنے آپ کو خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور ان کے لشکر کا ہم رکاب خیال کرتا ہوں اور اپنے آپ کو ہر چمکتی ہوئی روشن پیکان والی تلوار کے ساتھ مصروف کار سمجھتا ہوں۔ ان اولین مجاہدین نے اپنی فتح کا جھنڈا سیدنا ابراہیم خلیل علیہ السلام کی ارض مقدس میں چاروں طرف لہرا دیا جو پاکیزہ ترین کھنڈروں پر سایہ فگن ہوگیا۔ اس مقدس سرزمین پر دائیں طرف سے سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اور بائیں (شمال کی) جانب سے صلاح الدین رحمہ اللہ فتح و کامرانی کے جھنڈے گاڑتے ہوئے آئے، جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی خاطر اپنی روحوں کو نیلام کر دیا تھا وہ جہاد و قتال کے لیے باہم مسابقت کرتے ہوئے ان کی طرف کھچے چلے آتے تھے۔ یہی ہیں وہ لوگ جو لافانی کتاب میں معزز شمار ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے قول متین کے بعد کوئی قول کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔''

زیرِ نظر کتاب میں وہ خطوط و رسائل بھی احاطۂ تحریر میں لائے گئے ہیں جو سیدنا ابوبکر، خالد بن ولید اور عیاض بن غنم رضی اللہ عنہم کے مابین لکھے گئے اور فتوحات شام کی بحث میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اقدامات کی تفصیل بھی پڑھنے کو ملے گی۔ روم پر لشکر کشی کا منصوبہ،

اور اس بارے میں کبار صحابہٴ کرام رضی اللہ عنہم سے مشاورت، اہل یمن سے استفسار، آپ کے جنگی اصول، محاذ شام کے قائدین کو وصیت، سامان رسد اور کمک کی مسلسل فراہمی، سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو عراق کے میدان کارزار سے شام کے لشکروں کی قیادت کے لیے بھیجنا، علاوہ ازیں معرکہٴ اجنادین و یرموک، یہ تمام بحثیں تفصیل سے قلمبند کی گئی ہیں۔

ان فتوحات کی تحریک سے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خارجی سیاست بھی عیاں ہوتی ہے کہ کس طرح انھوں نے مفتوحہ اقوام کے دلوں میں مملکت اسلامیہ کا رعب بٹھا دیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق علم جہاد کو بلند، مفتوحہ اقوام سے جبر و اکراہ کا خاتمہ اور عدل و انصاف کی فراہمی کے ساتھ ساتھ دین اسلام کی اشاعت کے لیے میدان دعوت سے ساری رکاوٹوں کو صاف کر دیا۔ مفتوحہ علاقوں کی سرحدوں کی حفاظت، اسلامی لشکر کو مضبوط رکھنے کے اسلوب، منظّم و مسلسل کمک کی فراہمی، جہاد کے مقاصد کی تعیین، میدان کارزار کو دیگر انتظامی معاملات پر فوقیت دینے، میدان کارزار سے باہر رہ کر دانشمندانہ سیاست، حرب و قتال کے اسلوب کی نئے طرز پر تشکیل اور دربار خلافت اور قائدین محاذ کے درمیان مسلسل رابطہ رکھنے سے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حربی منصوبہ بندی کی پالیسی نمایاں ہوتی ہے۔ کتاب میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اپنے جرنیلوں کو کی گئی وصیتوں کی روشنی میں حقوق اللہ، قائدین اور مجاہدین کے حقوق کی وضاحت کی گئی ہے، اسی طرح آپ کی طرف سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ مقرر کرنے کے بارے میں وضاحت کی گئی ہے۔

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے آخری ایام کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس دنیا سے رخصت ہوتے وقت جو آخری بول بولے، وہ کلام الٰہی کی یہ آیت تھی:

﴿ تَوَفَّنِي مُسْلِمًا وَأَلْحِقْنِي بِالصَّالِحِينَ ﴾

”(اے میرے رب!) تو مجھے اسلام پر موت دے اور مجھے صالحین کے ساتھ ملا۔“ ①

اس کتاب میں سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا فہم دین اور عمل، معاشرے کے معمولات زندگی پر آپ کا گہرا اثر، نیز آپ کی شخصیت کے مختلف سیاسی، عسکری اور انتظامی پہلوؤں کو بھی بیان کیا گیا ہے اور اسلامی معاشرے کے ایک فرد اور بعدازاں خلیفۃ المسلمین کی حیثیت سے آپ کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کیا گیا ہے، بالخصوص بطور خلیفہ آپ کے طرز عمل، داخلی وخارجی سیاست اور مملکت کے حسن انتظام اور عدالتی شعبہ جات کی کارکردگی پر بحث کی گئی ہے تاکہ خلافت اسلامیہ کے مختلف شعبوں میں ترقی کا بنظر غائر جائزہ لیا جاسکے۔

پیش نظر کتاب سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی عظمت وجلالت کی ایک خوبصورت دستاویز ہے۔ اس کا مطالعہ قارئین کرام پر یہ حقیقت روشن کردے گا کہ آپ رضی اللہ عنہ اپنے ایمان و یقین، علم وعرفان، افکار ونظریات، اخلاق وکردار اور زبان و بیان کے لحاظ سے عظیم ترین شخصیت تھے۔ یقیناً آپ ہر پہلو سے بے پناہ عظمت کے مالک تھے۔ آپ کی یہ عظمت اسلام کے فہم، اس پر حسن عمل، اللہ کے ساتھ نہایت محکم تعلق اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بے انتہا محبت واتباع کا ثمرہ تھی۔

بلاشبہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ان ائمہ اسلاف میں سے ہیں جن کی زندگی لوگوں کے لیے مشعل راہ ہے۔ آپ کی سیرت ایمان کے خالص جذبے اور فہم سلیم کا مظہر ہے۔ میں نے بقدر وسعت آپ کی شخصیت اور عہد کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔

غلطیوں سے کوئی انسان پاک نہیں، تحریر و بیان میں مجھ سے یقیناً لغزشیں سرزد ہوئی ہوں گی، اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمائے۔ اپنے اس عمل سے میں صرف اللہ کی رضا اور حسن ثواب کا خواستگار ہوں اور ذات باری تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ وہ اس عظیم عمل میں میری

① یوسف 101:12

اعانت فرمائے اوراسے نفع بخش بنائے، بے شک وہی پاکیزہ اسماء و صفات کا مالک اور دعائیں سننے والا ہے۔

5 محرم 1422ھ بمطابق 30 مارچ 2001ء بروز جمعۃ المبارک نماز عشاء کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان سے یہ مبارک عمل اختتام پذیر ہوا۔ اللہ تعالیٰ اسے قبولیت سے نوازے اور روز قیامت ہمیں انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کی صحبت سے ہمکنار فرمائے۔ آمین

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا يُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○ ﴾

''اللہ لوگوں کے لیے (اپنی) رحمت سے جو کھول دے تو اسے کوئی بند کرنے والا نہیں اور جسے وہ بند کردے اس کے بعد کوئی اسے بھیجنے (کھولنے) والا نہیں اور وہ غالب، خوب حکمت والا ہے۔''[1]

اس مقدمے کے اختتام پر میں عجز و انکسار کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان کا معترف ہوں اور میں اس ذات کے اسماء و صفات کے وسیلے سے دعا گو ہوں کہ وہ اس عمل کو اپنی رضا کے لیے خالص، اپنے بندوں کے لیے نفع بخش اور میرے میزان حسنات میں اضافے کا ذریعہ بنائے اور میرے ان بھائیوں کو اجر جزیل سے نوازے جنھوں نے اس کتاب کی تکمیل میں میری معاونت کی۔ میں اس کتاب کے ہر قاری سے امید کرتا ہوں کہ وہ اپنی دعاؤں میں مجھے فراموش نہیں کرے گا۔

﴿ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰي وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ ○ ﴾

[1] فاطر 35:2

''اے میرے رب! مجھے توفیق دے کہ میں تیری اس نعمت کا شکر کروں جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر انعام کی ہے اور اس بات کی بھی کہ میں ایسے نیک کام کروں جو تو پسند کرے اور مجھے اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں میں داخل فرما۔''[1]

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ أَشْهَدُ أَن لَّا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ.

عفوورضا کا طالب
علی محمد محمد الصلابی
5 محرم 1422ھ
30 مارچ 2001ء

[1] النمل 19:27

1
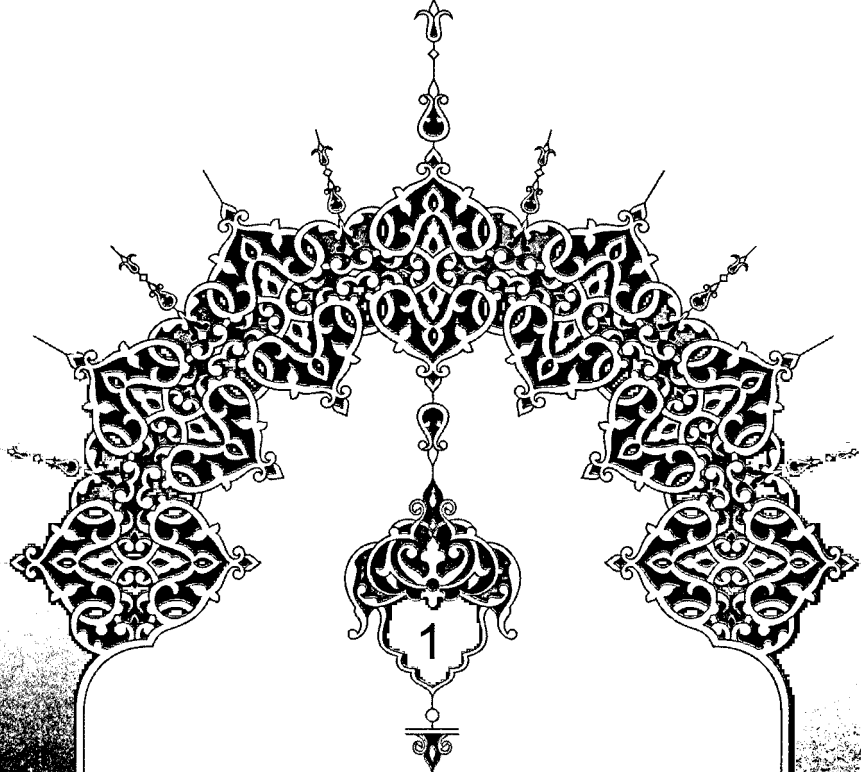
سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

(ولادت تا قبل از اسلام)

- نام ونسب، ولادت، قبیلہ و خاندان
- عہد جاہلیت اور صفات

﴿ اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ﴾

''اگر تم اس (نبی) کی مدد نہیں کرو گے تو تحقیق اللہ نے اس کی (اس وقت) مدد کی (تھی) جب کافروں نے اس کو (مکہ سے) نکال دیا تھا، (وہ) دو میں دوسرا تھا، جبکہ وہ دونوں غار (ثور) میں تھے، جب وہ (نبی) اپنے ساتھی (ابوبکر) سے کہہ رہا تھا: غم نہ کرو، یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے۔''

(التوبة9:40)

ابن دغنہ نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی یوں تعریف کی:

«إِنَّكَ تَكْسِبُ الْمَعْدُومَ وَ تَصِلُ الرَّحِمَ وَ تَحْمِلُ الْكَلَّ وَ تَقْرِي الضَّيْفَ وَ تُعِينُ عَلٰى نَوَائِبِ الْحَقِّ»

''آپ محتاج لوگوں کی ضروریات پوری کرتے ہیں، صلہ رحمی کرتے ہیں، درماندہ اور غریب لوگوں کے قرض کے اور دوسرے بوجھ اپنے سر لے لیتے ہیں اور حق کی راہ میں پیش آنے والے مصائب میں لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔''

(صحيح البخاري، حديث:3905)

نام ونسب، ولادت، قبیلہ و خاندان

نام ونسب، کنیت اور القاب

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نام ونسب یہ ہے: ''عبداللہ بن عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر القرشی التیمی۔''[1] آپ کا نسب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چھٹی پشت میں مرہ بن کعب سے جاملتا ہے۔[2] آپ کی کنیت ''ابوبکر'' ہے۔ یہ لفظ ''بکر'' سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں: ''نوجوان اونٹ'' اس کی جمع ''ابکر'' ہے۔ عرب کے ہاں (بچوں کو) ''بکر'' کے نام سے موسوم کرنا مروج ہے۔ ایک بہت بڑے قبیلے کے جد اعلیٰ کا نام بھی ''بکر'' تھا۔

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متعدد القاب ہیں جو ان کی عظمت و رفعت پر دلالت کرتے ہیں۔ ان القاب کا تذکرہ مندرجہ ذیل ہے:

عتیق

یہ لقب آپ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرحمت فرمایا، اس کی دلیل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ

[1] الإصابة: 4/144، 146. [2] سيرة وحياة الصديق لمجدي فتحي السيد، ص: 27.

شجرۂ طیبہ امام الانبیاء
اور
سیدنا ابوبکر صدیق
خاندانِ قریش
فہر (قریش)
غالب
محارب
حارث
لؤی
تیم الادرم
عامر
زمعہ
سودہ
کعب
خزیمہ
حارث
ہصیص
عدی
مرہ
عمرو
رزاح
قرط
عبداللہ
کلاب
یقظہ
تیم
زہرہ
قصی
مخزوم
سعد
سہم
جمح
عبدمناف
عمرو
کعب
سعید
ریاح
حارث
عمر
ہاشم
عبدالعزی
عبد
ہاشم
عبدالعزی
ابوامیہ
عمرو
وائل
نفیل
عبدعوف
مطلب
اسد
عبداللہ
عامر
عاص
عمرو
عوف
حارث
خویلد
خدیجہ
صخر
عمرو
خطاب
زید
عبدالرحمٰن
عبیدہ
عوام
مغیرہ
اسد
سلمیٰ
عبداللہ
عمر
سعید
(شہید بدر)
زبیر
(والدہ ابوبکر صدیق)
عبدمناف
ولید
عبدمناف
ابوقحافہ
وہب
عبدشمس
وہیب
آمنہ
امیہ
عبداللہ
خالد
ارقم
ابی وقاص
حرب
ابوالعاص
ابوبکر
سعد
ابوسفیان
حکم
عفان
عبدالمطلب
ام حبیبہ
مروان
عثمان
عبدالرحمٰن
محمد
عبداللہ
اسماء
ام کلثوم
عائشہ
عبدالکعبہ
زبیر
عاتکہ
ام حکیم بیضاء
مقوم
ابولہب
غیداق
ضرار
قثم
حارث
عبداللہ
(والدہ عثمان)
اروی
ابوسفیان
اروی
برہ
ابوطالب
امیمہ
عبداللہ
صفیہ
حمزہ
عباس
حجل
(والدہ زبیر بن عوام)
علی
جعفر
عقیل
طالب
عبداللہ
فضل
قثم
عبداللہ
ام ہانی
محمد رسول اللہ
زینب
ام کلثوم
محسن
حسین
حسن
عبداللہ
عبدالرحمٰن
فاطمہ کی اولاد
ابراہیم
فاطمہ
ام کلثوم
رقیہ
زینب
عبداللہ
قاسم
ماریہ قبطیہ کی اولاد
خدیجہ کی اولاد
فہر (قریش) سے محمد ﷺ تک شجرۂ نسب
صحابہ وصحابیات
جنت کی بشارت پانے والے صحابہ کرام
نبی کریم ﷺ کی اولاد
قبائل کے بانی سردار
سیدنا ابوبکر کی اولاد
خلفائے راشدین
عبدالمطلب کی اولاد
نبی کریم ﷺ کی قرشی ازواج
★ عبداللہ بن عبدالمطلب کے ماں جائے بھائی بہنیں (فاطمہ بنت عمرو مخزومی کی اولاد)
نقشہ: 01

ارشاد گرامی ہے: «أَنْتَ عَتِيقُ اللّٰهِ مِنَ النَّارِ»

’’اللہ تعالیٰ نے آپ کو جہنم کی آگ سے آزاد فرما دیا ہے۔‘‘ ①

اسی مناسبت سے آپ کا لقب عتیق پڑ گیا۔ ایک اور روایت میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: «أَنْتَ عَتِيقُ اللّٰهِ مِنَ النَّارِ»

’’اللہ تعالیٰ نے آپ کو جہنم کی آگ سے آزاد فرما دیا ہے۔‘‘

اسی دن سے آپ عتیق کے لقب سے مشہور ہو گئے۔ ②

مورخین نے اس لقب کے متعدد اسباب بتائے ہیں کہ آپ کو یہ لقب حسن و جمال کی بدولت ③ یا قدیم خیر وخوبی کے مالک ہونے کی وجہ سے ④ یا جہنم سے آزادی کے سبب ⑤ دیا گیا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی والدہ کے ہاں کوئی اولاد زندہ نہ رہتی تھی، جب آپ کی ولادت ہوئی تو آپ کی والدہ نے قبلہ رو ہو کر دعا مانگی:

«اَللّٰهُمَّ! إِنَّ هٰذَا عَتِيقُكَ مِنَ الْمَوْتِ فَهَبْهُ لِي»

’’اے اللہ! اسے موت سے آزاد اور میرے لیے سلامت رکھ۔‘‘ ⑥

لہٰذا آپ کی والدہ کے ان الفاظ کی وجہ سے آپ کا لقب عتیق پڑ گیا۔

ان سب مذکورہ اسباب کو آپ کے لقب ’’عتیق‘‘ کی بنیاد قرار دیا جا سکتا ہے کیونکہ اس میں کوئی شک نہیں کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حسنِ صورت اور حسنِ نسب کے پیکر، خیر و بھلائی میں سبقت لے جانے والے اور نبی اکرم ﷺ کی بشارت کی بدولت جہنم کی

① الإحسان في تقريب صحيح ابن حبان: 280/15، إسناده صحيح. ② جامع الترمذي، حديث: 3679. ③ المعجم الكبير للطبراني: 52/1. ④ الإصابة: 146/1. ⑤ المعجم الكبير للطبراني: 53/1، والإصابة: 146/1. ⑥ الكنى والأسماء للدولابي: 6/1 بحوالہ خطب أبي بكر للدكتور أحمد عاشور، ص: 11.

آگ سے آزاد تھے۔ ①

صدیق

یہ لقب بھی آپ کو نبی اکرم ﷺ ہی نے دیا، جیسا کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ ایک دفعہ نبی اکرم ﷺ، سیدنا ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے ہمراہ احد پہاڑ پر چڑھے تو وہ حرکت کرنے لگا، رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

«اُثْبُتْ أُحُدُ! فَإِنَّمَا عَلَيْكَ نَبِيٌّ وَّصِدِّيقٌ وَّشَهِيدَانِ»

''اے احد! پرسکون ہو جا، تجھ پر اس وقت ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید موجود ہیں۔'' ②

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو صدیق کا لقب نبی اکرم ﷺ کی بکثرت تصدیق کی وجہ سے دیا گیا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب رسول اکرم ﷺ کو رات کے وقت مسجد اقصیٰ کی سیر کرائی گئی تو آپ ﷺ نے صبح لوگوں سے یہ واقعہ بیان فرمایا۔ کچھ لوگ جو پہلے ایمان لا چکے تھے، مرتد ہوگئے۔ بعض افراد نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا: ''اپنے ساتھی کی خبر لیجیے۔ اُس کا خیال ہے کہ اسے رات ہی میں بیت المقدس کی سیر کرائی گئی ہے؟''

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: «وَ قَدْ قَالَ ذٰلِكَ؟» ''کیا واقعی آپ ﷺ نے یہ فرمایا ہے؟''

لوگوں نے کہا: ''ہاں، واقعی آپ نے ایسا ہی فرمایا ہے۔''

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ فوراً بولے: «لَئِنْ قَالَ ذٰلِكَ فَقَدْ صَدَقَ»

''اگر یہ آپ ﷺ ہی کا ارشاد ہے تو بالکل سچ ہے۔''

لوگوں نے کہا: ''کیا واقعی آپ اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ وہ (نبی ﷺ) رات کو بیت المقدس گئے اور صبح ہونے سے پہلے واپس آ گئے؟''

① تاريخ الدعوة إلى الإسلام للدكتور يسري محمد هاني، ص: 36. ② صحيح البخاري، حديث: 3675.

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا:

«نَعَمْ، إِنِّي لَأُصَدِّقُهُ فِيمَا هُوَ أَبْعَدُ مِنْ ذٰلِكَ، أُصَدِّقُهُ بِخَبَرِ السَّمَاءِ فِي غُدْوَةٍ أَوْ رَوْحَةٍ»

"مجھے اس بات کی تصدیق کرنے میں کوئی عار نہیں بلکہ میں تو اس سے بھی آگے بڑھ کر یہ ایمان رکھتا ہوں کہ آپ کے پاس صبح وشام آسمان کی خبریں آتی ہیں۔"

اسی شدت تصدیق کی بنا پر آپ کا لقب صدیق پڑ گیا۔[1]

آپ کے لقب "صدیق" پر امت کا اجماع ہے کیونکہ آپ رسول اللہ ﷺ کی تصدیق میں سب سے سبقت لے گئے اور ہمیشہ پیکر صداقت رہے، شر وفساد اور جھوٹ کبھی آپ سے سرزد نہ ہوا،[2] اسی لیے آپ صدیق جیسے عالی لقب سے نوازے گئے۔ شعراء نے بھی آپ کی مدح سرائی کی ہے، چنانچہ ابو محجن ثقفی کہتا ہے:

وَسُمِّيتَ صِدِّيقًا وَّكُلُّ مُهَاجِرٍ سِوَاكَ يُسَمّٰى بِاسْمِهٖ غَيْرَ مُنْكَرِ

سَبَقْتَ إِلَى الْإِسْلَامِ وَاللّٰهُ شَاهِدٌ وَّ كُنْتَ جَلِيسًا فِي الْعَرِيشِ الْمُشَهَّرِ

"آپ صدیق کے لقب سے مشہور ہو گئے، جبکہ آپ کے سوا ہر مہاجر کو اس کے اپنے نام ہی سے پکارا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ اس بات پر شاہد ہے کہ آپ قبول اسلام میں سبقت لے گئے ہیں اور آپ (بدر کے دن) مشہور ومعروف چھپر میں رسول اللہ ﷺ کے ہم نشین تھے۔"[3]

اصمعی[4] یوں رقمطراز ہے:

وَلٰكِنِّي أُحِبُّ بِكُلِّ قَلْبِي وَأَعْلَمُ أَنَّ ذَاكَ مِنَ الصَّوَابِ

---

[1] المستدرك للحاكم: 63,62/3، امام حاکم نے اس روایت کو صحیح کہا ہے اور امام ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔ [2] الطبقات لابن سعد: 172/2. [3] أسد الغابة: 310/3. [4] ان کا نام عبدالملک بن قُریب الباہلی تھا۔ [illegible] بغداد [illegible] گزارتے تھے۔

رَسُولَ اللّٰهِ وَ الصِّدِّيقَ حُبًّا بِهٖ أَرْجُو غَدًا حُسْنَ الثَّوَابِ

”میں دل کی گہرائیوں سے رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے محبت کرتا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ میرا یہ عمل بالکل صحیح ہے۔ میں اس کے ذریعے سے روزِ محشر اللہ تعالیٰ سے حسن ثواب کی امید رکھتا ہوں۔“ [1]

صاحب

اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں آپ کو یہ لقب دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ؕ وَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ ﴾

”اگر تم اس (نبی) کی مدد نہیں کرو گے تو تحقیق اللہ نے اس کی (اس وقت) مدد کی (تھی) جب کافروں نے اس کو (مکہ سے) نکال دیا تھا، (وہ) دو میں دوسرا تھا، جبکہ وہ دونوں غار (ثور) میں تھے، جب وہ (نبی) اپنے ساتھی (ابوبکر) سے کہہ رہا تھا: غم نہ کرو، یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے، پھر اللہ نے اس پر اپنی سکینت نازل کی اور ایسے لشکروں سے اس کی مدد کی جنھیں تم نے نہیں دیکھا اور اس نے کافروں کی بات کو پست کر دیا اور بات تو اللہ ہی کی بلند ہے۔ اور اللہ بہت زبردست اور خوب حکمت والا ہے۔“ [2]

علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس آیت میں ”صاحب“ سے مراد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔ [3] حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہجرت کی رات حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے غار میں نبی اکرم ﷺ سے کہا: «لَوْ أَنَّ أَحَدَهُمْ نَظَرَ إِلٰى قَدَمَيْهِ لَأَبْصَرَنَا تَحْتَ قَدَمَيْهِ»

[1] أبوبكر الصديق للطنطاوي، ص: 49. [2] التوبة 9:40. [3] تاريخ الدعوة إلى الإسلام للدكتور يسري محمد هاني، ص: 39.

''اے اللہ کے رسول! اگر ان مشرکین میں سے کسی نے اپنے پاؤں کی جانب نگاہ دوڑائی تو وہ ہمیں بآسانی دیکھ لے گا۔''

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: «مَا ظَنُّكَ يَا أَبَا بَكْرٍ بِاثْنَيْنِ اللّٰهُ ثَالِثُهُمَا؟»

''اے ابوبکر! ایسے دو افراد کے بارے میں تمھارا کیا خیال ہے جن کا تیسرا اللہ تعالیٰ ہے۔''[1]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''آیت: ﴿إِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ ....﴾ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عظیم فضائل ومناقب میں سے ہے، اس آیت میں بالاتفاق ''صاحب'' سے مراد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔ بہت سی احادیث اس بات پر شاہد ہیں کہ غار میں حضرت ابوبکر نبی اکرم ﷺ کے ساتھ تھے اور اس فضیلت میں آپ کا کوئی ہمسر نہیں۔''[2]

اتقیٰ

یہ لقب اللہ عزوجل نے آپ کو بذریعہ قرآن حکیم دیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى ۝﴾

''اور بڑا متقی اس (بھڑکتی آگ) سے ضرور دور رکھا جائے گا۔''[3]

اس لقب کی مزید وضاحت ''مالِ صدیقی سے آزادی پانے والے دوسرے مسلمان'' کے عنوان کے تحت آگے آرہی ہے۔

اوّاہ

یہ بھی آپ کے القاب میں سے ہے۔ یہ لقب اللہ تعالیٰ سے خوف وخشیت پر دلالت کرتا ہے۔ امام ابراہیم نخعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ان کی نرم دلی اور مزاج میں رحمت وشفقت کے باعث ''اواہ'' کہا جاتا تھا۔''[4]

[1] صحيح البخاري، حديث: 3653. [2] الإصابة: 148/4. [3] الّيل 17:92. [4] الطبقات لابن سعد: 171/3.

ولادت

اس میں کسی کو اختلاف نہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ عام الفیل کے بعد پیدا ہوئے، البتہ اس بات میں اختلاف ہے کہ آپ کی پیدائش عام الفیل سے کتنی مدت بعد ہوئی، اس مدت کے متعلق عام الفیل کے بعد تین سال، اڑھائی سال اور دو سال چند ماہ جیسے متعدد اقوال مروی ہیں۔[1] آپ نے اپنے والدین کے ہاں عمدہ پرورش پائی۔ آپ کے والدین کا شمار اپنی قوم کے معزز اور سرکردہ لوگوں میں ہوتا تھا، لہٰذا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی خصائل حمیدہ کے پیکر اور قوم کے معزز فرد ٹھہرے۔[2]

حلیہ مبارک

جہاں تک آپ کے حلیۂ مبارک کا تعلق ہے تو کہا جاتا ہے کہ آپ سفید رنگت، چست اور نحیف بدن کے مالک تھے۔ قیس بن ابی حازم کا بیان ہے کہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ چست اور نحیف جسم اور سفید رنگت والے آدمی تھے۔[3]

سیرت نگاروں نے مختلف راویوں سے آپ کا حلیۂ مبارک یوں بیان کیا ہے:

''آپ سفید زردی مائل رنگت، خوبصورت قد وقامت، نازک بدن، جھکتی ہوئی کمر، پتلے چہرے، چھوٹی آنکھوں، اٹھے ہوئے بانسے اور تنگ نتھنوں والی ناک، پتلی پنڈلیوں، مضبوط رانوں، ابھری ہوئی پیشانی کے مالک تھے۔ آپ کی انگلیوں کے جوڑ

[1] سیرۃ وحیاۃ الصدیق لمجدي فتحي السید، ص: 29، وتاریخ الخلفاء للسیوطي، ص: 56. [2] تاریخ الدعوۃ إلی الإسلام للدکتور یسري محمد هاني، ص: 30. [3] الطبقات لابن سعد: 188/3، اس کی سند صحیح ہے۔

نمایاں تھے۔ آپ اپنے سفید بالوں اور ڈاڑھی کو مہندی سے رنگ دیتے تھے۔'' [1]

کنبہ وقبیلہ اور خاندان
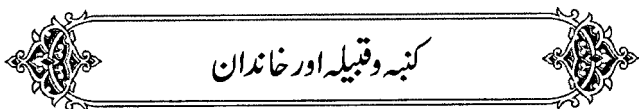
سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے والد گرامی

آپ کے والد کا نام عثمان بن عامر بن عمرو اور کنیت ابو قحافہ تھی۔ فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ انھیں اپنے ساتھ لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں دیکھ کر فرمایا:

«يَا أَبَا بَكْرٍ! هَلَّا تَرَكْتَهُ حَتّٰى نَأْتِيَهُ»

''اے ابوبکر! آپ انھیں رہنے دیتے ہم خود ہی ان کے پاس چلے آتے۔''

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

«هُوَ أَوْلٰى أَنْ يَّأْتِيَكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ!»

''اے اللہ کے رسول! انھی کا حق بنتا تھا کہ آپ کے پاس آئیں۔''

ابو قحافہ مسلمان ہوگئے اور انھوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی۔ [2]

ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ان کے والد کے اسلام کی بشارت دی تھی۔ [3] ابو قحافہ کے سر کے بال سفیدی میں ثغامہ (ایک سفید بوٹی) کی مانند تھے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

«غَيِّرُوا هٰذَا بِشَيْءٍ» ''ان کے بالوں کی رنگت بدل دو۔'' [4]

مذکورہ روایت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بڑی عمر کے لوگوں کی توقیر واحترام کی

[1] صحيح البخاري، حديث:3920,3919، وصحيح مسلم، حديث:2341 اور دیکھیے: أبوبكر الصديق لمجدي فتحي السيد، ص: 36. [2] الإصابة:375/4. [3] السيرة النبوية في ضوء المصادر الأصلية للدكتور مهدي رزق اللّٰه، ص: 577. [4] الإصابة:375/4.

عمدہ مثال ملتی ہے۔ اس کی تاکید آپ ﷺ نے اپنے اس ارشاد گرامی میں بھی فرمائی ہے:

«لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ يَرْحَمْ صَغِيرَنَا وَ يُوَقِّرْ كَبِيرَنَا»

''جو چھوٹوں پر شفقت اور بڑوں کی عزت و توقیر نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں۔''[1]

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی والدہ محترمہ

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی والدہ کا نام ونسب سلمٰی بنت صخر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم اور کنیت ام الخیر تھی۔ آغاز اسلام ہی میں مشرف بہ اسلام ہوئیں جس کی تفصیل ''دعوتِ اسلام کے پہلے بے باک خطیب'' کے ضمن میں ملے گی۔[2]

بیویاں

آپ کی بیویوں کی تعداد چار تھی جن سے آپ کے تین بیٹے اور تین بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ تفصیل درج ذیل ہے:

قتیلہ بنت عبدالعزیٰ بن اسعد بن جابر بن مالک: قتیلہ کے قبول اسلام کے بارے میں اختلاف ہے۔ عبداللہ اور اسماء کی والدہ تھیں، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انھیں عہدِ جاہلیت ہی میں طلاق دے دی تھی۔ ایک دفعہ یہ چند تحائف لے کر جن میں گھی اور پنیر بھی تھا، اپنی بیٹی اسماء کے پاس مدینہ آئیں۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے یہ تحائف قبول نہ کیے اور انھیں گھر میں داخل ہونے سے بھی منع کر دیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس پیغام بھیجا کہ وہ نبی اکرم ﷺ سے اس کے متعلق استفسار کریں، آپ ﷺ نے جواب دیا:

«لِتُدْخِلْهَا وَلْتَقْبَلْ هَدِيَّتَهَا»

''اسے اپنی والدہ کو گھر میں داخل ہونے کی اجازت دینی چاہیے اور تحائف بھی

[1] جامع الترمذي، حديث: 1921، والسلسلة الأحاديث الصحيحة، حديث: 2196. [2] تاريخ الدعوة إلى الإسلام للدكتور يسري محمد هاني، ص: 30.

قبول کرنے چاہئیں۔‘‘

اسی موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمادی:

﴿لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ○﴾

’’اللہ تمھیں ان لوگوں کی بابت نہیں روکتا جو تم سے دین پر نہیں لڑے اور انھوں نے تمھیں تمھارے گھروں سے نہیں نکالا، کہ تم ان سے بھلائی کرو اور ان سے انصاف کرو، بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔‘‘[1]

یعنی اللہ تعالیٰ تمھیں ان کفار کے ساتھ نیکی اور احسان کرنے سے منع نہیں فرماتا جنھوں نے تم سے مصالحت اختیار کیے رکھی، تم سے تمھارے دین کے بارے میں کوئی تعرض نہیں کیا اور تمھیں تمھارے گھروں سے بے دخل نہیں کیا جیسا کہ عورتیں اور ضعفاء ہیں۔ ان کے ساتھ صلہ رحمی، مہمان نوازی اور حق ہمسائیگی جیسے تعلقات روا رکھنا جائز ہیں اور اس میں بھی کوئی رکاوٹ نہیں کہ ان کے ساتھ تمام معاملات میں عدل و انصاف برتا جائے۔ ان معاملات میں ادائے حقوق، ایفائے عہد، ادائے امانت اور لین دین میں ایمانداری جیسے معاملات شامل ہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ عدل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے اور ظالموں کو ناپسند کرتا ہے اور انھیں سزا سے دوچار کرے گا۔[2]

ام رومان بنت عامر بن عویمر رضی اللہ عنہا: ام رومان کا تعلق بنی کنانہ بن خزیمہ سے تھا۔ مکہ میں ان کا شوہر حارث بن سخبرہ انتقال کر گیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان سے شادی کر لی۔ آپ آغاز اسلام ہی میں مسلمان ہوگئی تھیں اور مدینہ کی طرف ہجرت بھی کی۔ آپ سیدنا عبدالرحمن اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہما کی والدہ تھیں۔ 6ھ میں مدینہ میں فوت ہوئیں۔[3]

[1] الممتحنة 8:60. الطبقات لابن سعد: 169/3و 249/8. [2] التفسير المنير للزحيلي: 135/28. [3] الإصابة: 391/8.

اسماء بنت عمیس بن معبد بن حارث رضی اللہ عنہا: اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کی کنیت ام عبداللہ تھی۔ اسلام کے ابتدائی ایام میں نبی اکرم ﷺ کے دارارقم جانے سے پہلے ہی آپ مشرف بہ اسلام ہوئیں۔ اولین مہاجرین میں سے ہیں۔ آپ نے اپنے شوہر جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی، پھر انھی کے ساتھ ہجرت مدینہ بھی کی، حضرت جعفر رضی اللہ عنہ غزوۂ موتہ میں شہید ہوگئے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان سے شادی کر لی۔ ان سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا بیٹا محمد پیدا ہوا۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا حدیث کی راویہ ہیں۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے حضرت عمر، ابوموسیٰ، عبداللہ بن عباس اوران کی بیوی ام فضل رضی اللہ عنہم نے آپ سے حدیث روایت کی ہے۔[1] آپ سسرالی اعتبار سے سب سے معزز تھیں۔ آپ کے سسرالی رشتہ داروں میں رسول اللہ ﷺ، سیدنا حمزہ اور عباس رضی اللہ عنہما شامل تھے کیونکہ یہ سب آپ کے سابقہ خاوند سیدنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے قریبی تھے۔

حبیبہ بنت خارجہ بن زید بن ابی زہیر الانصاریہ الخزرجیہ رضی اللہ عنہا: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حبیبہ بنت خارجہ کے ساتھ مقامِ سنح[2] پر قیام کیا تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ان سے آپ کی بیٹی ام کلثوم پیدا ہوئی۔

اولاد

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اولاد میں تین بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں۔ تفصیل درج ذیل ہے:

عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما: عبدالرحمٰن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سب سے بڑے بیٹے تھے، صلح حدیبیہ کے موقع پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اور ایک اچھے مسلمان ثابت ہوئے۔ آپ شجاعت و بہادری میں معروف تھے۔ اسلام لانے کے بعد کئی مواقع پر آپ نے

[1] سير أعلام النبلاء: 282/2. [2] سنح: مدینہ کے بالائی علاقے کا نام ہے جہاں بنوحارث بن خزرج قبیلہ آباد تھا۔ جب نبی کریم ﷺ کی وفات ہوئی اس وقت سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اسی جگہ تھے۔

بہترین کردار ادا کیا۔[1]

عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہما: ہجرت مدینہ کے معاملے میں عبداللہ کا کردار ناقابل فراموش ہے۔ دن کے وقت اہل مکہ کے درمیان رہ کر ان کی باتیں سنتے اور رات کے اندھیرے میں چپکے سے غار ثور پہنچ کر نبی اکرم ﷺ اور اپنے والد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حالات کی رفتار سے خبردار رکھتے۔ غزوۂ طائف میں انھیں ایک تیر لگا جس کا زخم تادیر باقی رہا حتی کہ اسی کے نتیجہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوران مدینہ میں شہید ہوئے۔[2]

محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہما: محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہما سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کے بیٹے ہیں۔ حجۃ الوداع کے سال پیدا ہوئے۔ قریش کے نامور نوجوانوں میں شمار ہوتا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی گود میں پرورش پائی۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں انھیں والی مصر بنایا اور وہیں شہید ہوئے۔[3]

اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما: اسماء بنت ابی بکر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے بڑی تھیں۔ رسول اکرم ﷺ نے ان کا نام ذاتِ النطاقین رکھا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ انھوں نے ہجرت کے موقع پر نبی اکرم ﷺ اور اپنے والد کے لیے کھانا تیار کیا۔ جب کھانے کی پوٹلی اور مشکیزے کو باندھنے کے لیے کچھ نہ ملا تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے کہنے پر اپنے کمر بند کو پھاڑ کر ایک حصے سے کھانے کی پوٹلی باندھی اور دوسرے حصے سے مشکیزہ باندھا، اسی مناسبت سے ان کا نام ذات النطاقین پڑ گیا۔[4]

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں۔ ہجرت مدینہ کے موقع پر حاملہ تھیں، اسی حمل کے نتیجے میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما پیدا ہوئے جو ہجرت کے بعد اسلام کے سب سے پہلے فرزند تھے۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سو سال کی عمر کو پہنچیں اس کے

[1] البداية والنهاية: 346/6. [2] نسب قريش لأبي عبدالله مصعب الزبيري، ص: 275.
[3] نسب قريش لأبي عبد الله مصعب الزبيري، ص: 277، والاستيعاب لابن عبدالبر: 1366/3.
[4] دیکھیے: صحيح البخاري، حديث: 2979، وأسد الغابة: 309/3.

باوجود عقل سلیم کی مالک رہیں اور دانت بھی صحیح سلامت رہے۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے رسول اکرم ﷺ سے 56 احادیث روایت کی ہیں۔ آپ کے بیٹوں عبداللہ بن زبیر اور عروہ بن زبیر کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن ابی ملیکہ رضی اللہ عنہم نے آپ سے احادیث کو روایت کیا۔ آپ انتہائی سخی اور جود وکرم جیسی اعلیٰ صفات کی حامل خاتون تھیں۔ آپ نے مکہ میں 73ھ میں وفات پائی۔ [1]

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا: رسول اکرم ﷺ سے نکاح کے وقت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر چھ برس اور رخصتی کے وقت 9 برس تھی۔ صحابیات میں سب سے بڑھ کر علم وفضل کی مالک تھیں۔ رسول اکرم ﷺ نے ان کی کنیت ام عبداللہ رکھی۔ اُن سے آپ ﷺ کی محبت مثالی تھی۔ [2]

امام شعبی بیان کرتے ہیں کہ امام مسروق جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کوئی حدیث روایت کرتے تو کہتے: ''مجھے صدیقہ بنت صدیق، جن کی براءت اللہ تعالیٰ نے آسمان سے نازل فرمائی اور جو رسول اکرم ﷺ کی سب سے محبوب بیوی تھیں، نے روایت بیان کی ہے۔'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی احادیث کی تعداد 2210 ہے۔ ان میں سے 174 احادیث بخاری ومسلم کے درمیان متفق علیہ ہیں، جبکہ صحیح بخاری میں 54 احادیث اور صحیح مسلم میں 69 احادیث ان کے علاوہ ہیں۔ [3] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا 63 سال اور چند ماہ عمر پاکر 57ھ میں فوت ہوئیں۔ آپ کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ [4]

ام کلثوم بنت ابی بکر: ام کلثوم کی والدہ کا نام حبیبہ بنت خارجہ تھا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے اپنی وفات کے وقت کہا: «إِنَّمَا هُمَا أَخَوَاكِ وَ أُخْتَاكِ»

---

[1] سير أعلام النبلاء: 287/2. [2] تاريخ الدعوة إلى الإسلام للدكتور يسري محمد هاني، ص: 34. [3] سير أعلام النبلاء: 2/135-139. [4] الطبقات لابن سعد: 58/8

''میں تمھارے دو بھائی اور دو بہنیں چھوڑے جارہا ہوں۔''

حضرت عائشہ نے سوال کیا: ''اپنی بہن اسماء کو تو میں جانتی ہوں یہ دوسری کون ہے؟''

آپ نے فرمایا: «ذُو بَطْنِ بِنْتِ خَارِجَةَ، قَدْ أُلْقِيَ فِي خَلَدِي أَنَّهَا جَارِيَةٌ»

''یہ بنت خارجہ کا حمل ہے اور میرے دل میں یہ بات ڈالی گئی ہے کہ وہ لڑکی پیدا ہوگی۔''

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خیال کے عین مطابق آپ کی وفات کے بعد لڑکی ہی پیدا ہوئی۔ [1]

ام کلثوم سے حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے شادی کی، وہ معرکۂ جمل کے دوران شہید ہوگئے۔ آپ کی عدت کے دوران حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کو مکہ مکرمہ لے گئیں اور آپ کو حج کرایا۔ [2]

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مبارک خاندان کا یہ مختصر سا تذکرہ تھا جسے اللہ تعالیٰ نے نعمت اسلام سے نوازا۔ علماء نے لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر کے گھرانے کے علاوہ کسی بھی خاندان کے نسل درنسل چار اشخاص ایسے نہیں ہیں جنھیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا شرف حاصل ہوا ہو۔ صرف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی کے مبارک خاندان میں شرف صحابیت کی یہ درخشاں مثال موجود ہے۔ عبداللہ بن زبیر، آپ کی والدہ اسماء، اسماء کے والد ابوبکر اور حضرت ابوبکر کے والد ابو قحافہ، یہ سب شرف صحابیت کے رتبے پر فائز تھے، اللہ تعالیٰ سب سے راضی ہو جائے۔ اسی طرح محمد اور ان کے والد عبدالرحمٰن بن ابی بکر بن ابی قحافہ رضی اللہ عنہم کو بھی شرفِ صحابیت حاصل ہے۔ [3]

اسی طرح سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی اور صحابی کو یہ شرف حاصل نہیں کہ اس کے والد، والدہ اور اولاد سب مسلمان ہوں اور انھیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہونے کا

[1] الطبقات لابن سعد: 195/3. [2] الإصابة: 466/8، ونسب قريش لأبي عبدالله مصعب الزبيري، ص: 278. [3] أبوبكر الصديق لمحمد رشيد رضا، ص: 7.

اعزاز بھی حاصل ہو۔ یہ یگانہ شرف صرف آپ ہی کے حصے میں آیا۔ آپ کا باعظمت خاندان انتہائی مخلص صاحب ایمان خاندان تھا جس میں کوئی منافق نہ تھا۔ کیونکہ ایمان اورنفاق دونوں کے الگ الگ ٹھکانے ہیں۔ مہاجرین میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور انصار میں بنونجار کا گھرانہ ایمان کا سرچشمہ تھا۔ ①

① أبو بكر الصديق لمحمد مال الله: 230/1.
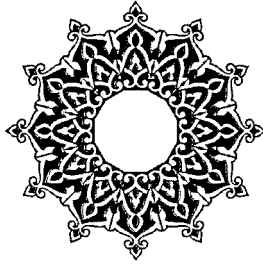
عہد جاہلیت اور صفات

جاہلیت میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا مقام و مرتبہ اور اخلاق و کردار

عہد جاہلیت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا شمار قریش کے معزز اور سرکردہ لوگوں میں ہوتا تھا۔ قریش کے متعدد قبیلوں کے منتخب افراد انتہائی شرف و اعزاز کے مالک تھے جن میں ایک حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ ان دس عظمت و رفعت کے حامل افراد کا تذکرہ درجِ ذیل ہے:

❁ بنو ہاشم میں حضرت عباس بن عبدالمطلب عظیم شخصیت تھے۔ وہ حجاج کرام کے لیے پانی کا انتظام کرتے تھے، عہد اسلام میں بھی آپ یہ خدمت انجام دیتے رہے۔

❁ بنو امیہ میں ابوسفیان بن حرب سرکردہ تھے۔ ان کے پاس قریش کا علم اور جھنڈا تھا۔ جب قریش کا کسی پر اتفاق نہ ہو پاتا تو وہ ابوسفیان ہی کو اپنا سردار مانتے تھے۔

❁ بنو نوفل میں حارث بن عامر معزز ترین فرد تھے۔ قریش کے جمع شدہ مال میں سے پریشان حال مسافروں اور پردیسیوں کی مدد کرتے تھے۔

❁ بنو اسد میں عثمان بن طلحہ بن زمعہ بن اسود ایک اہم مشیر کی حیثیت رکھتے تھے۔ قریش

اس وقت تک کسی معاملے پر اتفاق نہ کرتے جب تک اس معاملے کو عثمان بن طلحہ کے آگے پیش نہ کرتے۔ اگر وہ موافقت کرتے تو قریش اس کام کو کر گزرتے ورنہ عثمان ان کے لیے کوئی متبادل معاملہ یا رائے اختیار کرتے اور باقی سب لوگ اس کی تکمیل میں ان کے دست و بازو بن جاتے تھے۔

❁ بنو مخزوم کے سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سپہ سالار سمجھے جاتے تھے۔ ان کے پاس لشکر کشی کے لیے مال و اسباب جمع کیا جاتا تھا۔ میدان کارزار میں آپ قریش کے نمائندہ گھوڑے پر سوار ہوتے تھے۔

❁ بنو عدی میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سرکردہ شخصیت تھے۔ آپ زمانۂ جاہلیت میں سفیر کے منصب پر فائز رہے۔

❁ بنو جمح کے صفوان بن امیہ تیروں سے قسمت کا حال بتاتے تھے۔

❁ بنو سہم کے حارث بن قیس فرمان روائی کے منصب پر فائز تھے۔ علاوہ ازیں ان کے پاس معبودان باطلہ اور بتوں کے نذرانے جمع کرائے جاتے تھے۔

❁ بنو تیم میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ عظیم ترین شخصیت تھے۔ دیت اور جرمانوں کی رقوم ادا کرنے کے سلسلے میں آپ ہی پر اعتماد کیا جاتا تھا۔ آپ اگر کسی کی ذمہ داری اٹھا لیتے تو قریش اس کا پاس کرتے اور جس پر دیت اور جرمانے وغیرہ کا بار ہوتا، آپ کے کہنے پر اس کے ساتھ خوب تعاون کرتے حتیٰ کہ وہ ادائے واجبات سے عہدہ برآ ہو جاتا۔ اس معاملے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی اور پر اعتماد نہیں کیا جاتا تھا۔ زمانۂ جاہلیت میں آپ کو بڑا اعزاز اور امتیاز حاصل تھا۔[1] آپ قریش کے ممتاز سرداروں میں شمار کیے جاتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ ہر مصیبت زدہ شخص کے کام آتے تھے۔ مکہ بھر میں آپ سے زیادہ کوئی مہمان نواز نہیں تھا۔[2]

---

[1] أشهر مشاهير الإسلام لرفيق العظم: 10/1. [2] نهاية الأرب للآلوسي: 10/19.

ذاتی صفات

علم انساب

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ انساب اور اخبار عرب کے بہت بڑے عالم تھے۔ اس فن میں آپ کی مہارت کا یہ عالم تھا کہ آپ اس علم میں سیدنا عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ جیسے ماہرین علم انساب کے استاذ تھے۔ آپ میں ایک بڑی خوبی یہ بھی تھی کہ آپ کسی کے نسب کو بیان کرتے ہوئے کسی کا عیب ظاہر کرنے کی بجائے ستر پوشی سے کام لیتے تھے۔[1] یقیناً آپ قریش میں بہترین نسّاب اور اس فن میں یگانۂ روزگار تھے۔[2] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «إِنَّ أَبَابَكْرٍ أَعْلَمُ قُرَيْشٍ بِأَنْسَابِهَا» ''ابوبکر قریش کے انساب کا سب سے زیادہ علم رکھنے والے ہیں۔''[3]

تجارت

عہد جاہلیت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تجارت کرتے تھے۔ آپ نے سرزمین شام سے بصرہ تک تجارت کی غرض سے دورہ کیا، اس کے علاوہ بھی آپ نے مختلف علاقوں کے تجارتی سفر کیے۔ آپ کے راس المال کا اندازہ چالیس ہزار درہم لگایا گیا ہے۔ تجارت کے ساتھ ساتھ آپ انفاق فی سبیل اللہ اور جود وکرم جیسی صفات میں بے نظیر تھے۔[4]

قوم میں مقبولیت

ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ آپ کی قوم کے لوگ آپ سے بہت محبت کرتے

① التهذيب: 183/2. ② الإصابة: 146/4. ③ صحيح مسلم، حديث: 2490. ④ أبوبكر الصديق للطنطاوي، ص:66، والتاريخ الإسلامي لمحمود شاكر، ص:30.

تھے اور آپ کے شرف و فضل اور عمدہ اخلاق کے معترف تھے۔ آپ کے علم، فن تجارت اور حسن سلوک کی وجہ سے لوگ بڑی عقیدت و احترام کے ساتھ آپ کی خدمت میں آتے تھے۔ جب آپ حبشہ کی طرف ہجرت کی غرض سے جا رہے تھے تو ابن دغنہ نے آپ رضی اللہ عنہ سے کہا:

«إِنَّكَ تَكْسِبُ الْمَعْدُومَ وَ تَصِلُ الرَّحِمَ وَ تَحْمِلُ الْكَلَّ وَ تَقْرِي الضَّيْفَ وَ تُعِينُ عَلٰى نَوَائِبِ الْحَقِّ»

''آپ محتاج لوگوں کی ضروریات پوری کرتے ہیں، صلہ رحمی کرتے ہیں، درماندہ اور غریب لوگوں کے قرض کے اور دوسرے بوجھ اپنے سر لے لیتے ہیں اور حق کی راہ میں پیش آنے والے مصائب میں لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔''[1]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ابن دغنہ کے قول پر یہ تشریحی جملے لکھے ہیں: ''یہ بات حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عظیم فضائل و مناقب میں سے ہے کہ خطہ کے سردار ابن دغنہ نے جب آپ کے مکہ میں قیام کے دوران آپ کی معروف خوبیوں کا تذکرہ کیا تو بعینہ وہی صفات بیان کیں جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کی تھیں۔ دونوں کی صفات کا مختلف زبانوں سے ایک جیسا اظہار و اعلان ہو جانا حسن اتفاق ہے جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عظیم شرف و فضل کی دلیل ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کامل ترین تھیں اور ابوبکر صدیق بھی انھی صفات کا پیکر قرار دیے گئے تھے۔''[2]

عہد جاہلیت میں شراب نوشی سے پرہیز

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ عہد جاہلیت میں بھی پاکیزہ سیرت کے حامل تھے۔[3] حتی کہ آپ نے اسلام سے پہلے ہی اپنے اوپر شراب کو حرام قرار دے دیا تھا۔

[1] صحیح البخاري، حدیث: 3905. [2] الإصابة: 147/4. [3] تاریخ الخلفاء للسیوطي، ص: 48.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے شراب کو اپنے اوپر حرام قرار دیا۔ عہد جاہلیت اور اسلام دونوں میں آپ کبھی شراب کے قریب بھی نہ پھٹکے۔ اس کا سبب یہ تھا کہ ایک دفعہ آپ ایک شرابی کے پاس سے گزرے جو نشے کے غلبے کی وجہ سے گندگی کو ٹٹول ٹٹول کر اپنے منہ کے قریب لاتا اور پھر بدبو کی وجہ سے اس سے منہ پھیر لیتا۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھ کر کہا کہ اسے معلوم ہی نہیں کہ وہ بدبو آنے کے باوجود کیا کر رہا ہے، لہٰذا انھوں نے اپنے آپ پر شراب کو حرام کر لیا۔[1] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک اور روایت میں ہے کہ ابوبکر اور عثمان رضی اللہ عنہما نے جاہلیت میں بھی شراب سے پرہیز کیا۔[2]

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کسی نے سوال کیا کہ کیا آپ نے کبھی جاہلیت میں شراب پی؟ آپ نے جواب دیا: «أَعُوذُ بِاللّٰهِ» ''اللہ کی پناہ!''

پوچھا گیا کہ ایسا کیوں؟ آپ نے جواب دیا:

«كُنْتُ أَصُونُ عِرْضِي وَ أَحْفَظُ مُرُوئَتِي، فَإِنَّ مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ كَانَ مُضَيِّعًا فِي عِرْضِهِ وَ مُرُوءَتِهِ»

''میں اپنی عزت اور اخلاق کو پراگندہ ہونے سے بچاتا تھا، جو انسان شراب پیتا ہے اس کی عزت اور اخلاق ضائع ہو جاتا ہے۔''

یہ بات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«صَدَقَ أَبُو بَكْرٍ، صَدَقَ أَبُو بَكْرٍ» ''ابوبکر نے سچ کہا ہے، ابوبکر نے سچ کہا ہے۔''[3]

بتوں کی پوجا سے بیزاری

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کبھی کسی بت کو سجدہ نہ کیا۔ ایک دفعہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک

[1] سيرة وحياة الصديق لمجدى فتحي السيد، ص: 34. [2] تاريخ الخلفاء للسيوطي، ص: 49.
[3] تاريخ الخلفاء للسيوطي، ص: 29.

مجلس میں آپ نے فرمایا:

«مَا سَجَدْتُّ لِصَنَمٍ قَطُّ وَ ذٰلِكَ أَنِّي لَمَّا نَاهَزْتُ الْحُلُمَ أَخَذَنِي أَبُوقُحَافَةَ بِيَدِي فَانْطَلَقَ بِي إِلٰى مَخْدَعٍ فِيهِ الْأَصْنَامُ، فَقَالَ لِي: هٰذِهِ آلِهَتُكَ الشُّمُّ الْعَوَالِي وَ خَلَّانِي وَ ذَهَبَ، فَدَنَوْتُ مِنَ الصَّنَمِ وَ قُلْتُ: إِنِّي جَائِعٌ فَأَطْعِمْنِي فَلَمْ يُجِبْنِي، فَقُلْتُ: إِنِّي عَارٍ فَاكْسُنِي فَلَمْ يُجِبْنِي، فَأَلْقَيْتُ عَلَيْهِ الصَّخْرَةَ فَخَرَّ لِوَجْهِهٖ»

''میں نے کبھی بتوں کو سجدہ نہیں کیا۔ جب میں سن بلوغت کو پہنچا تو میرے والد ابو قحافہ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے بت کدے میں لے گئے اور کہا: ''یہ عظمت و رفعت کے مالک تمھارے معبود ہیں۔'' پھر وہ مجھے وہیں اکیلے چھوڑ کر چلے گئے۔ ''میں نے ایک بت کے قریب ہو کر کہا: ''میں بھوکا ہوں، مجھے کھانا دو! مجھے ستر پوشی کے لیے کپڑا دو۔'' اس نے کوئی جواب نہیں دیا، پھر میں نے اسے ایک پتھر مارا جس سے وہ منہ کے بل گر پڑا۔''[1]

اس طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ان کی روشن عقل، سلیم فطرت اور عمدہ اخلاق نے جہلاء والے ان تمام افعال سے بچائے رکھا جو عزت و کرامت اور اخلاق و کردار کو پراگندہ کرتے ہیں اور عقل سلیم و انسانی فطرت کے منافی ہیں۔[2]

یقیناً ایسے لوگ ہی تبلیغی و دعوتی تحریکوں کا ہراول دستہ بنتے ہیں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امت کے افضل ترین فرد ہونے کا اعزاز پاتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

«خِيَارُكُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُكُمْ فِي الْإِسْلَامِ إِذَا فَقِهُوا»

[1] المصباح المضيئ لأبي عبدالله محمد بن علي الأنصاري:38/1. [2] أصحاب الرسول لمحمود المصري:58/1، والتاريخ الإسلامي لمحمود شاكر، ص:31.

"جو جاہلیت میں خیر وخوبی کے مالک تھے وہی اسلام میں بھی خیر و بھلائی کے پیکر ہیں بشرطیکہ وہ دین کا فہم حاصل کریں۔"[1]

استاذ رفیق العظم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی جاہلی زندگی پر یوں تعلیق لگائی ہے:

"وہ شخصیت جس نے بتوں کے درمیان پرورش پائی، جبکہ رہنمائی کے لیے کسی دین یا شرع کا وجود نہ تھا، ان کے شرف وفضل اور اخلاق و کردار کی عظمت کا یہ عالم ہے۔ انھی کا یہ مقام ہے کہ وہ دل کی گہرائیوں سے قبول اسلام میں سبقت لے گئے اور وقت کے طاغوتوں کا سر نیچا کر کے اللہ کے اس سچے دین کی دعوت کے لیے راستہ ہموار کیا جس نے اپنے ماننے والوں اور ہدایت یافتہ لوگوں کے دلوں سے گندگی دھوڈالی۔"[2]

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی عظمت کے کیا کہنے! آپ جاہلیت میں بھی عظمت و رفعت کے مینار اور اخلاق و کردار کی بہترین خوبیوں کے مالک تھے۔ آپ کے عمدہ کردار اور پاکیزہ اخلاق کی گواہی سے اہل مکہ رطب اللسان تھے۔ آپ کے قبول اسلام کے بعد بھی قریش میں سے کسی نے آپ کو کسی نقص و عیب کا طعنہ نہ دیا، جبکہ ضعیف مسلمانوں کی کردار کشی ان کا معمول تھا۔ ان کے نزدیک ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میں صرف یہی عیب تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے تھے۔[3]
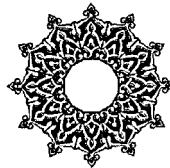
[1] تاريخ الدعوة إلى الإسلام للدكتور يسري محمد هاني، ص: 43. [2] أشهر مشاهير الإسلام لرفيق العظم: 12/1. [3] منهاج السنة لابن تيمية: 289,288/4 بحوالہ أبوبكر الصديق أفضل الصحابة وأحقهم بالخلافة لمحمد عبدالرحمن قاسم، ص: 19،18.

أَتَقْتُلُونَ رَجُلًا
أَنْ يَقُولَ رَبِّيَ اللّٰهُ

”کیا تم اس ہستی کو قتل کرنے کے درپے ہو
جو یہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہی ہے۔“

2
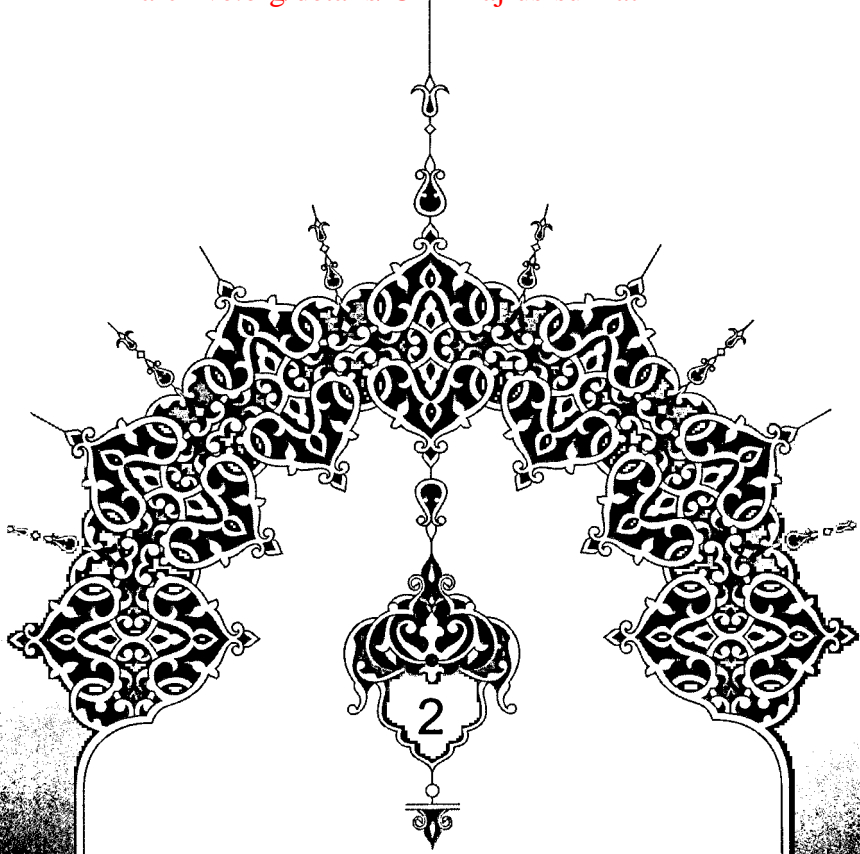
قبولِ اسلام تا ہجرت مدینہ

- قبول اسلام اور دعوتی کردار
- ابتلا و آزمائش
- مظلوم مسلمانوں کی رہائی کے لیے مالی قربانی
- نبی کریم ﷺ کے ساتھ ہجرت مدینہ

«إِنَّ اللّٰهَ بَعَثَنِي إِلَيْكُمْ فَقُلْتُمْ: كَذَبْتَ وَقَالَ أَبُوبَكْرٍ: صَدَقَ وَوَاسَانِي بِنَفْسِهِ وَمَالِهِ، فَهَلْ أَنْتُمْ تَارِكُوا لِي صَاحِبِي؟»

''اللہ تعالیٰ نے مجھے تمھاری طرف بھیجا، تم نے کہا کہ تو جھوٹ کہتا ہے، جبکہ ابوبکر نے کہا کہ آپ سچ فرماتے ہیں۔ اور اس نے جان و مال سے میرا ساتھ دیا تو کیا تم میری خاطر میرے ساتھی کو اذیت دینے سے باز آسکتے ہو؟''

(صحيح البخاري، حديث:3661)

شاعر کہتا ہے:

وَرَدَ الْكِتَابُ مِنَ الْحَبِيبِ بِأَنَّهُ سَيَزُورُنِي فَاسْتَعْبَرَتْ أَجْفَانِي

غَلَبَ السُّرُورُ عَلَيَّ حَتّٰى إِنَّنِي مِنْ فَرْطِ مَا قَدْ سَرَّنِي أَبْكَانِي

يَا عَيْنُ! صَارَ الدَّمْعُ عِنْدَكِ عَادَةً تَبْكِينَ مِنْ فَرَحٍ وَّ مِنْ أَحْزَانِي

''محبوب کی جانب سے خط آیا کہ وہ عنقریب مجھ سے ملاقات کرے گا تو میری آنکھیں بھیگ گئیں۔ مجھ پر اس قدر خوشی غالب ہوئی کہ میری آنکھوں سے آنسو بہہ پڑے۔ اے آنکھ! آنسو بہانا تو تیری عادت بن چکی ہے، خوشی ہو یا غم تُو رونا شروع کر دیتی ہے۔''

قبول اسلام اور دعوتی کردار

قبول اسلام

تلاشِ حق

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تلاش حق میں سرگرداں رہتے تھے۔ آپ کی زندگی کا مرکز و محور ایسے دین کی جستجو تھی جو فطرت سلیم اور عقل و بصیرت کے تقاضوں پر پورا اُترتا ہو۔ تجارت پیشہ ہونے کی وجہ سے جزیرہ نمائے عرب کے مختلف علاقوں میں آپ کی آمد و رفت جاری رہتی تھی۔ جاہلیت میں مختلف ادیان و مذاہب خصوصاً عیسائیت کے ساتھ آپ کا گہرا تعلق رہا۔ توحید کے علمبردار اور سچے دین کے متلاشی گروہ کے ساتھ آپ کو انتہائی وابستگی تھی۔ [1]

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں اور زید بن عمرو بن نفیل کعبہ کے صحن میں بیٹھے ہوئے تھے کہ وہاں سے امیہ بن ابی صلت کا گزر ہوا۔ اس نے زید بن عمرو سے پوچھا: ''اے بھلائی کے طالب! صبح کیسے کی؟'' انھوں نے جواب دیا کہ خیر و سلامتی سے۔ امیہ کہنے لگا: ''کیا خیر و بھلائی کو پالیا؟'' جواب دیا کہ نہیں، پھر امیہ بن ابی صلت

[1] مواقف الصدیق مع النبی ﷺ بمکۃ للدکتور عاطف لماضۃ، ص: 6.

نے یہ شعر پڑھا:

كُلُّ دِينٍ يَّوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَّا مَا قَضَى اللّٰهُ فِي الْحَقِيقَةِ بُورُ

”اللہ تعالیٰ نے جس دین کے حقیقی ہونے کا فیصلہ فرمایا ہے اس کے سوا سب ادیان روز قیامت بے فائدہ اور بے کار ہوں گے۔“ (1)

پھر وہ کہنے لگا کہ وہ نبی جس کا انتظار ہے، ہم میں سے ہوگا یا تم میں سے؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس سے پہلے مجھے کسی نبی کے انتظار یا بعثت کا علم نہیں تھا۔ میں ورقہ بن نوفل کے پاس گیا۔ وہ اکثر آسمان کی طرف دیکھتے اور غوروفکر میں مشغول رہتے تھے۔ میں نے انھیں اپنی بات سنائی تو کہنے لگے: ”اے بھتیجے! ہم اہل کتاب اور اہلِ علم لوگ ہیں۔ میں اتنا بتا سکتا ہوں کہ جس نبی کا انتظار ہے وہ عربوں میں بہترین نسب والا ہوگا۔ میں انساب کا علم رکھتا ہوں اور تمھاری قوم بہترین نسب کی حامل ہے۔“ میں نے پوچھا کہ وہ نبی کیا کہے گا؟ بتانے لگے کہ وہ وحی کے مطابق ہی کہے گا۔ ہاں! یہ بتا دوں کہ نہ وہ ظلم کرے گا نہ اس پر ظلم ہوگا۔ نہ وہ کسی ظالمانہ کارروائی میں شرکت کرے گا۔ پھر جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آیا اور آپ کی تصدیق کی۔ (2) ابوبکر رضی اللہ عنہ امیہ بن ابی صلت کے جو پسندیدہ اشعار سناتے ان میں یہ اشعار بھی شامل تھے:

أَلَا نَبِيٌّ لَّنَا مِنَّا فَيُخْبِرُنَا مَا بَعْدَ غَايَتِنَا مِنْ رَّأْسِ مَجْرَانَا

إِنِّي أَعُوذُ بِمَنْ حَجَّ الْحَجِيجُ لَهٗ وَالرَّافِعُونَ لِدِينِ اللّٰهِ أَرْكَانَا

”خبردار! ہمارا نبی ہم میں سے ہے۔ وہ ہمیں ہماری تخلیق کے آغاز سے لے کر ہماری موت کے بعد تک کے حالات بیان کرتا ہے۔ بلاشبہ میں اس ذات کی پناہ میں آتا ہوں جس کے لیے حاجی حج کرتے ہیں اور دین الٰہی کے ارکان بلند

(1) تاریخ الخلفاء للسیوطی، ص: 31۔ (2) تاریخ الخلفاء للسیوطی، ص: 52۔

کرتے ہیں۔‘‘

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تلاش حق اور انتظار بعثت رسول کی اس گھڑی میں روشن عقل و بصیرت، گہری فکر و نظر اور انتہائی ذہانت و فطانت کا مظاہرہ کیا۔ اس کے لیے آپ نے عہد جاہلیت میں فطرت سلیم کے مالک اشخاص کے بہت سے اخبار و اشعار کو یاد کر لیا۔ ایک دفعہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے پوچھا:

«مَنْ مِّنْكُمْ يَحْفَظُ كَلَامَ قُسِّ بْنِ سَاعِدَةَ فِي سُوقِ عُكَّاظٍ؟»

’’کیا تم میں سے کسی کو قس بن ساعدہ کا کلام یاد ہے جو اس نے عکاظ کے بازار میں پڑھا تھا؟‘‘

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم خاموش رہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا:

«إِنِّي أَحْفَظُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ! كُنْتُ حَاضِرًا يَّوْمَهَا فِي سُوقِ عُكَّاظٍ وَّ مِنْ فَوْقِ جَمَلِهِ الْأَوْرَقِ وَقَفَ قُسٌّ يَّقُولُ: أَيُّهَا النَّاسُ! اِسْمَعُوا وَعُوا وَ إِذَا وَعَيْتُمْ فَانْتَفِعُوا، إِنَّ مَنْ عَاشَ مَاتَ وَ مَنْ مَّاتَ فَاتَ وَ كُلُّ مَا هُوَآتٍ آتٍ، إِنَّ فِي السَّمَاءِ لَخَبَرًا وَّ إِنَّ فِي الْأَرْضِ لَعِبَرًا، مِهَادٌ مَّوْضُوعٌ وَّ سَقْفٌ مَّرْفُوعٌ وَّ نُجُومٌ تَمُورُ وَ بِحَارٌ لَّنْ تَغُورَ، لَيْلٌ دَاجٍ وَّ سَمَاءٌ ذَاتُ أَبْرَاجٍ، يُقْسِمُ قُسٌّ، إِنَّ لِلّٰهِ دِينًا هُوَ أَحَبُّ إِلَيْهِ مِنْ دِينِكُمُ الَّذِي أَنْتُمْ عَلَيْهِ، مَالِي أَرَى النَّاسَ يَذْهَبُونَ وَلَايَرْجِعُونَ، أَ رَضُوا بِالْمُقَامِ فَأَقَامُوا أَمْ تَرَكُوا فَنَامُوا، ثُمَّ أَنْشَدَ قَائِلًا:

فِي الذَّاهِبِينَ الْأَوَّلِيـنَ مِنَ الْقُرُونِ لَنَا بَصَائِرُ

لَمَّا رَأَيْتُ مَوَارِدًا لِّلْمَوْتِ لَيْسَ لَهَا مَصَادِرُ

وَ رَأَيْتُ قَوْمِي نَحْوَهَا يَسْعَى الْأَكَابِرُ وَالْأَصَاغِرُ
أَيْقَنْتُ أَنِّي لَا مَحَا لَةَ حَيْثُ صَارَ الْقَوْمُ صَائِرُ

''اے اللہ کے رسول! مجھے یاد ہے، میں اس وقت عکاظ کے بازار میں موجود تھا۔ اپنے گندمی اونٹ پر سوار ہو کر قس بن ساعدہ نے کہا تھا: ''اے لوگو! میری باتیں غور سے سنو اور انھیں یاد رکھو تاکہ تم ان سے مستفید ہو سکو۔ ہر ذی روح کو موت آئے گی اور جو مر گیا وہ گزر گیا۔ جس چیز کو آنا ہے وہ آ کر رہے گی۔ تخلیق آسمان میں ایک عظیم الشان نشانی ہے اور زمین میں عبرتیں موجود ہیں۔ (تمھارے لیے) زمین کو بصورت بچھونا بچھایا گیا اور آسمان کو چھت کی طرح بلند کیا گیا ہے۔ ستارے جھلملا رہے ہیں۔ سمندروں کا پانی ہرگز گہرائی میں نہیں جائے گا۔ رات تاریک ہے۔ آسمانوں میں برج موجود ہیں۔ قس اس بات پر قسم اٹھاتا ہے کہ اللہ کا ایک دین ہے جو اسے تمھارے اس دین سے زیادہ پسندیدہ ہے جس پر تم اب ہو۔ کیا وجہ ہے کہ لوگ کوچ کر جاتے ہیں اور واپس نہیں آتے، کیا وہ وہیں پڑاؤ پر راضی ہو گئے ہیں یا سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر سو گئے ہیں'' پھر اس نے یہ اشعار کہے: ''میں نے موت کی ایسی گھاٹیاں دیکھیں جن سے واپسی کا کوئی راستہ نہیں اور میں نے اپنی قوم کے چھوٹے بڑے سبھی لوگوں کو دیکھا کہ اسی کی طرف لپکتے جا رہے ہیں تو مجھے یقین ہو گیا کہ بلاشبہ مجھے بھی وہیں جانا ہے جہاں میری قوم چلی گئی ہے۔''[1]

ایسی عمدہ ترتیب اور لفظ و معنی کی پوری صحت کے ساتھ قس بن ساعدہ کا پرانا کلام اتنی سہولت سے نقل کرنا زبردست قوت حافظہ کے مالک سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی کا طرۂ امتیاز تھا۔[2]

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے شام میں اپنے قیام کے دوران ایک خواب دیکھا اور پھر

---

[1] مواقف الصديق مع النبي ﷺ بمكة للدكتور عاطف لماضة، ص: 8. [2] مواقف الصديق مع النبي ﷺ بمكة للدكتور عاطف لماضة، ص: 9.

بحیرا راہب کو سنایا۔ بحیرا نے پوچھا: ''تم کس علاقے سے ہو؟''

آپ نے جواب دیا: ''سرزمین مکہ سے۔'' وہ پوچھنے لگا کہ آپ کا کس قبیلے سے تعلق ہے؟ جواب دیا: ''قریش سے۔''

اس نے پیشے کا پوچھا تو جواب دیا: ''تجارت۔''

پھر اس نے کہا: ''اگر اللہ تعالیٰ نے تمھارا خواب سچ کر دکھایا تو تمھاری قوم سے ایک نبی کی بعثت ہوگی جس کی زندگی میں تم اس کے وزیر اور اس کی وفات کے بعد اس کے خلیفہ بنو گے۔''

آپ نے یہ بات اپنے دل ہی میں چھپا لی۔ [1]

اسلام کی چھاؤں تلے

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام تلاش حق اور بعثت نبوی کے طویل صبر آزما انتظار کا نتیجہ تھا۔ زمانۂ جاہلیت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گہرے روابط بھی آپ کے مسلمان ہونے کا سبب بنے۔ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا نزول ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو اللہ کے دین کی طرف دعوت دینے لگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دعوت کے لیے مردوں میں سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا انتخاب فرمایا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بعثت سے پہلے ہی اس بات سے بخوبی آگاہ تھے کہ ابوبکر بہترین اخلاق و کردار کے مالک ہیں، اسی طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدق و امانت اور خلق عظیم سے اچھی طرح واقف تھے۔ اور انھیں اس حقیقت کا بخوبی ادراک تھا کہ جو شخص اللہ کی مخلوق کے ساتھ کامل سچائی اور راست بازی کا مظاہرہ کرتا ہے وہ خالق کائنات کی طرف کوئی جھوٹ کیونکر منسوب کرسکتا ہے؟ [2]

[1] التاريخ الإسلامي لمحمود شاكر، ص: 34. [2] تاريخ الدعوة إلى الإسلام للدكتور يسري محمد هاني، ص: 44.

نبی اکرم ﷺ نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دعوت دین دیتے ہوئے فرمایا:

«إِنِّي رَسُولُ اللّٰهِ وَ نَبِيُّهٗ، بَعَثَنِي اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيكَ لَهٗ وَ لَا تَعْبُدْ غَيْرَهٗ وَالْمُوَالَاةُ عَلٰى طَاعَتِهٖ»

”میں اللہ کا رسول اور نبی ہوں، مجھے اللہ تعالیٰ نے اپنا پیغام پہنچانے کے لیے بھیجا ہے۔ میں تمھیں اللہ کی طرف سچی دعوت دیتا ہوں۔ اللہ کی قسم! یہ دین حق ہے۔ ابوبکر! میں تمھیں اس ذات کی طرف بلاتا ہوں جو وحدہ لاشریک ہے۔ تم صرف اسی کی عبادت کرو اور اس کی اطاعت پر قائم رہو۔“[1]

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ سنتے ہی فوراً دل و جان سے اسلام قبول کر لیا۔ آپ نے رسول اکرم ﷺ کی نصرت و حمایت کا وعدہ کیا اور اس وعدے کی ہمیشہ پاسداری کی۔ اسی لیے آپ کے بارے میں رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«إِنَّ اللّٰهَ بَعَثَنِي إِلَيْكُمْ فَقُلْتُمْ: كَذَبْتَ وَقَالَ أَبُوبَكْرٍ: صَدَقَ وَوَاسَانِي بِنَفْسِهٖ وَمَالِهٖ، فَهَلْ أَنْتُمْ تَارِكُوا لِي صَاحِبِي؟»

”اللہ تعالیٰ نے مجھے تمھاری طرف بھیجا، تم نے کہا کہ تو جھوٹ کہتا ہے، جبکہ ابوبکر نے کہا کہ آپ سچ فرماتے ہیں۔ اور اس نے جان و مال سے میرا ساتھ دیا تو کیا تم میری خاطر میرے ساتھی کو اذیت دینے سے باز آسکتے ہو؟“[2]

آزاد مردوں میں سے سب سے پہلے اسلام کا شرف پانے والے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی تھے۔ سیدنا حسان بن ثابت، عبداللہ بن عباس اور اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہم اور امام ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ سب سے پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مشرف بہ اسلام ہوئے۔ یوسف بن یعقوب الماجشون کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد اور مشائخ میں سے

[1] دلائل النبوة للبيهقي: 164/2، والسيرة النبوية لابن هشام: 286/1، والسيرة الحلبية: 440/1.
[2] صحيح البخاري، حديث: 3661

محمد بن منکدر، ربیعہ بن عبدالرحمٰن، صالح بن کیسان، سعد بن ابراہیم اور عثمان بن محمد اخنس کو پایا، انھیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سبقت اسلام کے متعلق کوئی شک و شبہ نہیں تھا۔ ①

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ سب سے پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھی۔ یہ کہنے کے بعد انھوں نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے یہ شعر پڑھے:

إِذَا تَذَكَّرتَ شَجْوًا مِّنْ أَخِي ثِقَةٍ ... فَاذْكُرْ أَخَاكَ أَبَا بَكْرٍ بِمَا فَعَلَا

خَيْرَ الْبَرِيَّةِ أَتْقَاهَا وَ أَعْدَلَهَا ... بَعْدَ النَّبِيِّ وَ أَوْفَاهَا بِمَا حَمَلَا

اَلثَّانِيَ التَّالِيَ الْمَحْمُودَ مَشْهَدُهٗ ... وَ أَوَّلَ النَّاسِ مِنْهُمْ صَدَّقَ الرُّسُلَا

وَالثَّانِيَ اثْنَيْنِ فِي الْغَارِ الْمُنِيفِ وَ قَدْ ... طَافَ الْعَدُوُّ بِهٖ إِذَا صَعِدَ الْجَبَلَا

عَاشَ حَمِيدًا لِّأَمْرِ اللّٰهِ مُتَّبِعًا ... بِهَدْيِ صَاحِبِهِ الْمَاضِي وَ مَا انْتَقَلَا

وَ كَانَ حِبَّ رَسُولِ اللّٰهِ قَدْ عَلِمُوا ... مِنَ الْبَرِيَّةِ لَمْ يَعْدِلْ بِهٖ رَجُلَا

"جب اپنے کسی با اعتماد بھائی کا غم تازہ ہو تو ابوبکر کی خوبیوں کو مت فراموش کرنا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ لوگوں میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل اور تقوی، عدل اور ایفائے عہد میں سب سے فائق اور برتر تھے۔ آپ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عالی مقام خلیفہ ہیں اور آپ نے سب سے پہلے رسولوں کی تصدیق کی۔ بلند و بالا غار میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ہی تھے کہ جب وہ پہاڑ پر چڑھے تو دشمن نے ان کا گھیراؤ کر لیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کے اوامر کی پیروی کرتے ہوئے قابل تعریف زندگی بسر کی، آپ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے پر گامزن رہے اور اس سے کبھی انحراف نہ کیا۔ اس بات سے سب بخوبی آگاہ ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں آپ کا ہم پلہ کوئی نہیں۔" ②

① صفة الصفوة لابن الجوزي: 237/1، و فضائل الصحابة لأحمد بن حنبل: 206/3.

② ديوان حسان بن ثابت، تحقيق وليد عرفات: 17/1.

علمائے کرام نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سبقت اسلام کے بارے میں اظہار خیال کیا ہے۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ آپ ہی سب سے پہلے اسلام لائے۔ بعض علمائے کرام کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سبقت اسلام کا شرف حاصل ہے اور بعض نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کے سب سے پہلے مسلمان ہونے کا تذکرہ کیا ہے۔ ان سب اقوال کو امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے یوں جمع کیا ہے: ''عورتوں میں سب سے پہلے حضرت خدیجہ، غلاموں میں حضرت زید بن حارثہ اور بچوں میں سب سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہم نے اسلام قبول کیا۔'' حضرت علی قبول اسلام کے وقت سن بلوغت کو نہیں پہنچے تھے۔ یہ سب افراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت میں سے تھے، جبکہ آزاد مردوں میں سب سے پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مشرف بہ اسلام ہوئے۔ آپ کا دائرۂ اسلام میں داخل ہونا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتی تحریک کے لیے سب سے زیادہ نفع بخش ثابت ہوا کیونکہ آپ قریش کے سرکردہ افراد میں سے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مال و دولت بھی عطا کیا تھا اور انفاق کی توفیق سے بھی نوازا تھا۔ آپ اسلام کے عظیم داعی ثابت ہوئے۔ آپ کی محبت لوگوں کے دلوں میں بسی ہوئی تھی۔

سب سے پہلے اسلام لانے والے کے حوالے سے مختلف اقوال کو اس عمدگی کے ساتھ جمع کرنے کے بعد امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے بھی مذکورہ مختلف اقوال کو جمع کرنے کا یہی طریقہ اختیار کیا ہے۔[1]

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دلی خوشی ہوئی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے: ''جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دین حق کی دعوت دی تو آپ فوراً مسلمان ہو گئے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس سے رخصت ہو کر واپس تشریف لے گئے تو آپ اُن کے قبولِ اسلام کی وجہ سے سرزمین مکہ کے تمام باشندوں سے بڑھ کر مسرور تھے۔''[2]

---

[1] البداية والنهاية: 3/26-28 [2] البداية والنهاية: 3/29

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے عظیم سرمایہ تھے۔ آپ اخلاق فاضلہ، اوصاف حمیدہ اور نرم خوئی سے متصف قریش کے ہاں ایک ہر دلعزیز شخصیت تھے۔ اپنے حسن اخلاق کی بدولت ہی آپ لوگوں کے دلوں میں گھر کر گئے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے بارے میں فرمایا: «أَرْحَمُ أُمَّتِي بِأُمَّتِي أَبُوبَكْرٍ»

''میری امت میں سے امت کے ساتھ سب سے زیادہ رحیم و مشفق شخصیت ابوبکر ہیں۔''[1]

علم انساب اور علم تاریخ کی عرب کے ہاں بڑی اہمیت تھی۔ ان دونوں علوم میں مہارت کی بدولت آپ کی شخصیت انتہائی اہمیت کی حامل تھی۔ آپ کی عظمت کا دوسرا پہلو یہ تھا کہ معاشرے کے ذہین ترین اور مہذب افراد آپ کی مجلس میں بکثرت آتے تھے تاکہ آپ کی علمی و ثقافتی مہارتوں سے مستفید ہوں۔ رجال کار اور تجار کا طبقہ آپ کے حلقہ احباب میں شامل ہونے کا شرف پاتا تھا۔ آپ کے گھر پر ضرورت مندوں کا تانتا بندھا رہتا تھا۔ خوش خلقی اور مہمان نوازی کی بدولت آپ کا گھر عوام اور مہمانوں کی سرائے بنا رہتا تھا۔ غرضیکہ مکی معاشرے کے تمام طبقات آپ سے انس و عقیدت کا گہرا رشتہ رکھتے تھے۔ علمی، ادبی اور معاشرتی خوبیوں کی بنا پر آپ کو وہ شرف و مقام حاصل تھا کہ جب آپ نے دعوت اسلام کا آغاز کیا تو فطرت سلیم کے مالک دانشمند افراد نے اسے دل و جان سے قبول کر لیا۔[2]

دعوتی تحریک میں کردار اور اس کے اثرات

دعوتِ دین

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کرنے کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر

[1] صحیح الجامع الصغیر: 8/2 [2] التربیۃ القیادیۃ للغضبان: 1/115، 116

علَم دعوت بلند کیا۔ آپ نے رسول اکرم ﷺ سے یہ تعلیم پائی کہ اسلام عمل، دعوت اور جہاد کا دین ہے۔ مسلمان جب اپنا تن من دھن اللہ کے لیے وقف کر دے تبھی اسے کامل ایمان نصیب ہوتا ہے۔ ①

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ لَا شَرِیْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ۝﴾

''کہہ دیجیے: بے شک میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت، (سب کچھ) اللہ رب العالمین ہی کے لیے ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں۔'' ②

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دعوتی عمل میں نہایت سرگرمی سے حصہ لیا۔ آپ کی دعوتی تحریک نے معاشرے میں نہایت مؤثر کردار ادا کیا اور عظیم اہداف حاصل کیے۔ آپ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد عالی کی زندہ مثال تھے:

﴿اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ ۝﴾

''(اے نبی!) اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور اچھے وعظ کے ساتھ دعوت دیجیے اور ان سے احسن طریقے سے بحث کیجیے۔ بے شک آپ کا رب ہی اس شخص کو خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹکا اور وہی ہدایت پانے والوں کو خوب جانتا ہے۔'' ③

① تاریخ الدعوة إلى الإسلام للدكتور يسري محمد هاني، ص: 87. ② الأنعام6:162، 163.
③ النحل16:125.

آپ کی دعوتی سرگرمی ایک ایسے مومن کی حقیقی تصویر پیش کرتی ہے جسے اس وقت تک سکون و اطمینان نصیب نہیں ہوتا جب تک معاشرہ ایمان وعمل کا گہوارہ نہ بن جائے۔ آپ کا جذبۂ ایمانی وقتی نہیں تھا جو جلد ہی سرد پڑ جاتا، آپ کی اسلامی حمیت اور دعوتی سرگرمی اس وقت تک برقرار رہی جب تک آپ خالق حقیقی سے نہ جا ملے۔ اس میں کسی کمی کوتاہی یا ضعف و اکتاہٹ کا عنصر شامل نہیں تھا۔ [1]

دعوتِ صدیق پر لبیک کہنے والے جلیل القدر صحابۂ کرام

سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دعوت کے اولین اثرات وثمرات اس صورت میں ظاہر ہوئے کہ معاشرے کے بہترین افراد حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ ان میں حضرت زبیر بن عوام، عثمان بن عفان، طلحہ بن عبیداللہ، سعد بن ابی وقاص، عثمان بن مظعون، ابو عبیدہ بن جراح، عبدالرحمٰن بن عوف، ابو سلمہ بن عبدالاسد اور ارقم بن ابی ارقم رضی اللہ عنہم جیسی عظیم شخصیات شامل ہیں۔ آپ نے ان جاں نثارانِ اسلام کو ایک ایک کر کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا اور وہ مشرف بہ اسلام ہوتے گئے۔

یہ لوگ اسلامی دعوتی عمارت کی بنیاد اور خشت اول کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہی پہلا گروہ تھا جس نے اسلامی تحریک کو تقویت بخشی اور ان کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کو غلبہ عطا فرمایا حتی کہ لوگ اللہ کے دین میں گروہ در گروہ داخل ہوتے گئے۔ یہ تمام پیش رو مسلمان اسلام کے داعی تھے۔ اور ان کے ساتھ سبقت لے جانے والے لوگ ایک ایک دو دو کر کے چھوٹی چھوٹی ٹولیوں کی شکل میں اسلام قبول کرتے چلے گئے۔ یہ لوگ اپنی قلیل تعداد کے باوجود دعوت اسلام اور تحفظ توحید و رسالت کے لیے ایسے مستحکم گروہ کی حیثیت رکھتے تھے جس کی مثال تاریخ اسلام پیش کرنے سے عاجز ہے۔ [2]

[1] الوحي و تبليغ الرسالة للدكتور يحيىٰ اليحيىٰ، ص: 62. [2] محمد رسول الله ﷺ لصادق عرجون: 533/1

خاندانِ صدیقی آغوشِ اسلام میں

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے خاندان کو بھی دعوت اسلام دی جس کے نتیجے میں آپ کی دو بیٹیاں سیدہ اسماء و عائشہ، بیٹا عبداللہ، بیوی ام رومان اور خادم عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہم سمیت سب مسلمان ہوگئے۔ صدیق اکبر ایسی صفات حمیدہ اور اخلاق فاضلہ کے پیکر تھے کہ دعوتی مراحل آسانی سے طے ہوتے گئے۔ آپ کی قوم اور قبیلہ آپ کے کردار کی عظمت کا معترف تھا۔ آپ انس و محبت کے پیکر، نرم خو اور قریش کے بہترین نساب تھے۔ آپ کا شمار معاشرے کے معزز، سرکردہ، فصیح و بلیغ اور ایسے سخی افراد میں سے ہوتا تھا جن کی مہمان نوازی مثالی تھی۔ [1]

ایسی سیرت و کردار اور عظیم صفات کا حامل ہر داعی کو ہونا چاہیے ورنہ دعوتی عمل بے جان اور بے معنی ہوکر رہ جاتا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سیرت ان کے فہمِ دین اور دعوتی زندگی کی صحیح تصویر پیش کرتی ہے اور داعیان اسلام کے لیے ایسا نمونہ ہے جس کی پیروی کرکے وہ انقلاب برپا کرسکتے ہیں۔

[1] السیرۃ الحلبیۃ: 442/1
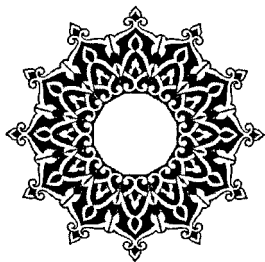
تاریخ امم اس بات پر شاہد ہے کہ قوموں نے جب بھی کسی تحریک کی داغ بیل ڈالی تو آزمائش و آلام ان کا مقدر ٹھہرے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی اسلامی تحریک کے ابتدائی دور میں کٹھن ابتلا و امتحان سے گزرنا پڑا۔ لیکن انھوں نے اپنی جانیں اور اپنے اموال اللہ کے راستے میں قربان کر دیے۔ اس سلسلے میں مسلمانوں کی معزز شخصیات تک کو مشق ستم بنایا گیا۔ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی کٹھن حالات اور آلام و مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ آپ سے توہین آمیز سلوک کیا گیا اور اس حد تک زدوکوب کیا گیا کہ آپ کا چہرہ لہولہان ہوگیا اور آپ موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا رہے۔[1]

دعوتِ اسلام کے پہلے بے باک خطیب

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ جب صحابۂ کرام کی تعداد 38 ہوگئی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اصرار کیا کہ علی الاعلان دعوت اسلام دیجیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «يَا أَبَابَكْرٍ! إِنَّا قَلِيلٌ» ''اے ابوبکر! ابھی ہماری تعداد تھوڑی ہے۔''

ابوبکر رضی اللہ عنہ مصر رہے حتی کہ آپ اعلانیہ تبلیغ کے لیے باہر نکل آئے۔ مسجد حرام کے

[1] التمكين للأمة الإسلامية لمحمد يوسف السيد، ص: 243

اطراف میں ہر مسلمان اپنے قبیلے کے افراد میں جلوہ آرا ہوگیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تقریر کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس موقع پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف فرما تھے۔ اس طرح سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دعوت اسلام کے پہلے بے باک خطیب ہونے کا شرف حاصل کیا۔ مشرکین حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے۔ انھوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مسجد حرام میں خوب زدوکوب کیا۔ بدبخت عتبہ بن ربیعہ آپ پر پل پڑا۔ اس نے آپ کے چہرے کو شدید ضربوں کا نشانہ بنا کر زخمی کر دیا اور آپ کے جسم کو بھی بری طرح روندا۔

آپ کے قبیلہ بنوتیم کے لوگ بھاگتے ہوئے آئے اور انھوں نے مشرکین سے آپ کی گلوخلاصی کرائی۔ وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اٹھا کر اُن کے گھر لے گئے۔ آپ کی نازک حالت دیکھ کر انھیں آپ کی موت کا پختہ یقین ہو گیا۔ آپ کو گھر میں چھوڑ کر آپ کی قوم کے افراد واپس مسجد حرام میں آئے اور کہنے لگے: ''اللہ کی قسم! اگر ابوبکر وفات پا گئے تو ہم عتبہ بن ربیعہ کو قتل کر دیں گے۔''

اس کے بعد وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس لوٹ آئے اور آپ کے والد کے ساتھ مل کر آپ کو ہوش میں لانے اور گفتگو کرنے کی کوشش کرتے رہے، حتی کہ شام کو آپ نے اپنی گفتگو کا آغاز ان الفاظ کے ساتھ کیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟ یہ سنتے ہی سب لوگ ناراض ہوکر آپ کے پاس سے اٹھ کھڑے ہوئے اور آپ کی والدہ سے یہ کہتے ہوئے چلے گئے کہ اسے کچھ کھانے پینے کو دے دینا۔

آپ کی والدہ نے علیحدگی میں آپ سے بات کرنے کی کوشش کی تو اس وقت بھی آپ کا یہی اصرار رہا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟ انھوں نے جواب دیا: ''اللہ کی قسم! مجھے تمھارے ساتھی کے بارے میں کچھ علم نہیں۔'' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جاؤ اور ام جمیل بنت خطاب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خیریت دریافت کرو۔ آپ کی والدہ ام جمیل کے پاس آئیں اور کہنے لگیں کہ ابوبکر تم سے محمد بن عبداللہ کے بارے میں پوچھتے ہیں۔

ام جمیل نے کہا کہ میں کسی ابوبکر یا محمد بن عبداللہ کو نہیں جانتی۔ اگر تم چاہتی ہو تو میں تمھارے ساتھ تمھارے بیٹے کے پاس چلتی ہوں۔ آپ کی والدہ انھیں ساتھ لے کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچیں۔

ام جمیل نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو شدید زخمی اور اذیت ناک حالت میں دیکھا تو چیخ اٹھیں اور کہنے لگیں: ''آپ کی فاسق اور کافر قوم نے آپ کی یہ حالت کی ہے، مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے ضرور انتقام لے گا۔''

آپ نے سوال کیا: «مَا فَعَلَ رَسُولُ اللّٰهِ؟» ''رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟''

ام جمیل نے کہا: ''آپ کی والدہ سن رہی ہیں؟''

آپ نے کہا کہ ان کی فکر نہ کرو، چنانچہ ام جمیل نے بتایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خیر و عافیت سے ہیں۔

صدیق اکبر نے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت کہاں ہیں؟

جواب ملا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت ابن ارقم کے گھر تشریف فرما ہیں۔ آپ نے کہا:

«فَإِنَّ لِلّٰهِ عَلَيَّ أَنْ لَّا أَذُوقَ طَعَامًا وَّلَا أَشْرَبَ شَرَابًا أَوْ آتِيَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ»

''اللہ کی قسم! میں جب تک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر نہ ہو جاؤں، اُس وقت تک کچھ کھاؤں گا نہ پیوں گا۔''

چنانچہ جب رات گہری اور پرسکون ہو گئی تو دونوں خواتین آپ کو سہارا دے کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں لے گئیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جھک کر آپ کو بوسہ دیا۔ مسلمانوں نے بھی آپ کی خبر گیری کی۔

آپ کی حالت دیکھ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر شدید رقت طاری ہو گئی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کہنے لگے:

«بِأَبِي وَ أُمِّي يَا رَسُولَ اللّٰهِ! لَيْسَ بِي بَأْسٌ إِلَّا مَا نَالَ الْفَاسِقُ مِنْ وَّجْهِي وَ هٰذِهٖ أُمِّي بَرَّةٌ بِوَلَدِهَا وَأَنْتَ مُبَارَكٌ فَادْعُهَا إِلَى اللّٰهِ وَادْعُ اللّٰهَ لَهَا عَسَى اللّٰهُ أَنْ يَّسْتَنْقِذَهَا بِكَ مِنَ النَّارِ»

''اللہ کے رسول! آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں، مجھے زیادہ تکلیف نہیں ماسوا چہرے کے جس کو اس بدبخت (عتبہ بن ربیعہ) نے گزند پہنچایا ہے۔ یہ میری مشفق و مہربان والدہ ہیں اور آپ خیر و برکت کا منبع ہیں۔ اللہ سے دعا فرما کر میری والدہ کو اسلام کی دعوت دیجیے، ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ انھیں بھی جہنم کی آگ سے محفوظ فرمالے۔''

آپ ﷺ نے ان کے لیے دعا کی اور اسلام کی دعوت دی جس کے نتیجے میں وہ اسی وقت مسلمان ہوگئیں۔ [1]

واقعۂ جرأت صدیقی سے ماخوذ اسباق و دروس

یہ عظیم واقعہ اپنے دامن میں ہر اس مسلمان کے لیے نہایت قیمتی اسباق اور عبرتوں کو سموئے ہوئے ہے جو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے نقش پا سے راہنمائی حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اس واقعے سے حاصل ہونے والے بعض اہم اسباق درج ذیل ہیں:

❁ کفار و مشرکین کے سامنے اسلام کی اعلانیہ دعوت و تبلیغ کی تمنا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قوت ایمانی اور بہادری کی بہت بڑی دلیل ہے۔ اسلام کی دعوت دینے پر آپ پر اتنا ہولناک تشدد کیا گیا کہ آپ کی موت یقینی نظر آتی تھی۔ یقیناً اپنی جان سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت آپ کے رگ و پے میں سرایت کر چکی تھی۔ قبول اسلام کے بعد آپ پرچم توحید اور لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی ندا کو نہایت بلند و بالا دیکھنا

[1] السيرة النبوية لابن كثير: 1/439-441، والبداية والنهاية: 3/30

چاہتے تھے، چاہے اس کی قیمت آپ کو اپنی جان کی صورت ہی میں ادا کرنی پڑے۔ واقعہ یہ ہے کہ آپ نے توحید اور اسلام کی خاطر اپنی زندگی کا نذرانہ پیش کرنے سے بھی گریز نہیں کیا۔

❁ کفر و شرک سے آلودہ جاہلی معاشرے میں دعوت اسلام کے اظہار و اعلان پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا اصرار اس مقصد کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ لوگوں کو دین حق کی عظمت سے آگاہ کیا جائے جس کی تاثیر دلوں کی دنیا بدل دیتی ہے، حالانکہ آپ کو بخوبی علم تھا کہ اس جرأت کا نتیجہ آلام و مصائب اور آزمائشیں ہی ہیں۔ اس جذبے کا محرک صرف یہ تھا کہ آپ اسلام کی خاطر اپنی متاع حیات کو بھی قربان کرنے پر تلے بیٹھے تھے۔

❁ زخموں کی شدت سے نڈھال ہونے کے باوجود، کھانے پینے کی پروا کیے بغیر سب سے پہلے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں استفسار، آپ کے حالات جاننے پر اصرار اور آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کا شدید اظہار اس حقیقت کی واضح دلیل ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اللہ اور اس کے رسول کی محبت کے مقابلے میں خود اپنی زندگی ناقابل توجہ دکھائی دیتی تھی۔ ایسی بے مثال محبت ہر مسلمان کے لیے عظیم نمونہ ہے اور اسی کا عملی جلوہ ہماری زندگی میں نظر آنا چاہیے۔[1]

❁ یہ واقعہ عہد جاہلیت میں قبائلی تعصب کی ایک جھلک بھی پیش کرتا ہے۔ ان لوگوں میں قومی اور قبائلی تعصب اس حد تک تھا کہ آپ کے قبیلے والوں نے عقیدہ و دین میں اختلاف کے باوجود نہ صرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے حسن سلوک کا مظاہرہ کیا بلکہ آپ کی امکانی موت کے نتیجے میں انتقاماً عتبہ کو قتل کرنے کی دھمکی بھی دے دی۔[2]

❁ مذکورہ واقعہ حضرت ام جمیل بنت خطاب رضی اللہ عنہا کا اعلیٰ اور ناقابل فراموش کردار بھی

[1] استخلاف أبي بكر الصديق للدكتور جمال عبدالهادي، ص: 132,131. [2] محنة المسلمين في العهد المكي للدكتور سليمان السويكت، ص: 79.

اُجاگر کرتا ہے۔ اسلامی دعوتی تحریک کی خاطر عقل و بصیرت کا قابلِ تحسین مظاہرہ کرتے ہوئے سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی والدہ ام الخیر کے استفسار کے باوجود ان کا یہ کہنا کہ میں کسی ابوبکر یا محمد بن عبداللہ کو نہیں جانتی، مصلحتِ وقت کا عین تقاضا تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی والدہ ام الخیر اس وقت مسلمان نہیں تھیں اور ام جمیل اپنے اسلام کو مخفی رکھنا چاہتی تھیں، اسی لیے وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بات کو چھپا گئیں مبادا ام الخیر مشرکین کی جاسوس ہو۔ لیکن انھیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خیر و سلامتی کی بھی فکر تھی، اسی لیے انھوں نے آپ کے پاس جانا چاہا۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاں پہنچ کر بھی ام جمیل نے نہایت احتیاط اور مصلحت سے کام لیا تاکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت اور اسلامی تحریک کو کوئی گزند نہ پہنچے۔ جب انھیں پوری طرح اطمینان ہو گیا تبھی انھوں نے آپ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں خبر دی۔[1] حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کے لیے رات کے گہرے اور پرسکون ہونے کے بعد نکلنے سے ابتدائے دعوتِ اسلام میں فتنوں اور آزمائشوں کی شدت اور ان سے بچنے کی احتیاطی تدابیر کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔[2]

❁ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا اپنی والدہ کے ساتھ حسن سلوک اور ان کے مسلمان ہو جانے کی شدید خواہش کا اندازہ آپ کے اس قول سے ہوتا ہے کہ اے اللہ کے رسول! یہ میری والدہ مجھ پر نہایت مشفق و مہربان ہیں اور آپ خیر و برکت کا منبع ہیں، ان کے لیے ہدایت کی دعا کیجیے اور انھیں اسلام کی دعوت دیجیے، ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ انھیں بھی جہنم کی آگ سے محفوظ فرما لے۔ یقیناً یہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے خوف اور اس کی رضا و مغفرت کے حصول کا جذبہ تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی والدہ اللہ کے نبی کی دعا اور دعوت سے دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئیں۔ اس سے اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمت اور انعام و احسان کا بھی

[1] السيرة النبوية قراءة لجوانب الحذر والحماية للدكتور إبراهيم علي، ص: 51,50. [2] استخلاف الصديق للدكتور جمال عبدالهادي، ص: 132.

اندازہ ہوتا ہے۔

❁ نبی اکرم ﷺ کے قریبی اور خاص ساتھی ہونے کی وجہ سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سب سے زیادہ فتنوں اور آزمائشوں کا شکار رہے۔ آپ ﷺ کو جہاں بھی مشق ستم بنانے کی کوشش کی جاتی سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ وہاں جان کی بازی لگا کر دشمن اور آپ ﷺ کے درمیان ایک مضبوط چٹان بن کر حائل ہوجاتے اور آپ کی جگہ خود تکالیف و مصائب خندہ پیشانی سے برداشت کرتے۔ یہ سب آزمائشیں دین اسلام کے دفاع کی بدولت تھیں ورنہ آپ کا شمار اپنی قوم کے سرکردہ افراد میں ہوتا تھا جو عقل و بصیرت اور خیر و بھلائی میں اپنی مثال آپ تھے۔ [1]

تاجدار رسالت ﷺ پر جاں نثاری کا مظاہرہ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صفات میں جرأت و شجاعت کو نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ آپ دین حق کے معاملے میں کسی سے ڈرتے تھے نہ اسلام کی نصرت و حمایت اور رسول اکرم ﷺ کے دفاع میں آپ کو کسی ملامت کی پروا تھی۔ حضرت عروہ بن زبیر بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے کہا کہ رسول اکرم ﷺ پر مشرکین کی طرف سے ڈھائے جانے والے مظالم میں سے کوئی واقعہ سنائیے۔ انھوں نے بتایا کہ ایک دفعہ نبی اکرم ﷺ کعبہ کے حصے حطیم میں نماز پڑھ رہے تھے کہ بد بخت عقبہ بن ابی معیط آیا، اس نے اپنا کپڑا آپ ﷺ کی گردن میں ڈالا اور اسے بل دے کر شدت سے کس دیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے اور انھوں نے عقبہ کو اس کے کندھے سے پکڑ کر زور سے دھکا دیا اور فرمایا:

﴿ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ ﴾

[1] محنة المسلمين في العهد المكي، للدكتور سليمان السويكت، ص: 75.

''کیا تم ایک شخص کو اس بات پر قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے۔'' [1]

حضرت انس بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ کفار نے نبی اکرم ﷺ پر اس قدر تشدد کیا کہ آپ پر بیہوشی طاری ہوگئی۔ حضرت ابوبکر پکارنے لگے:

«وَيْلَكُمْ! أَتَقْتُلُونَ رَجُلًا أَنْ يَقُولَ رَبِّيَ اللّٰهُ؟»

''تم برباد ہو جاؤ، کیا تم ایک شخص کو اس لیے قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے: میرا رب اللہ ہے۔'' [2]

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے کہ ایک دفعہ ابوبکر کو کسی نے چلا کر کہا: ''اپنے ساتھی کو بچاؤ''، چنانچہ آپ ہمارے پاس سے اُٹھ کر چل دیے۔ آپ نے اس وقت اپنے بالوں کی چار مینڈھیاں کی ہوئی تھیں اور آپ یہ پکار رہے تھے:

«وَيْلَكُمْ! أَتَقْتُلُونَ رَجُلًا أَنْ يَقُولَ رَبِّيَ اللّٰهُ؟»

''تمھارا ستیا ناس! کیا تم ایسے آدمی کو قتل کرنا چاہتے ہو جو کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔''

کفار نبی اکرم ﷺ کو چھوڑ کر آپ پر پل پڑے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جب ہمارے پاس گھر واپس آئے تو ان کی حالت یہ تھی کہ جہاں سے بھی آپ کی کسی مینڈھی کو چھوا جاتا وہاں سے بال جھڑ کر ہاتھ میں آجاتے تھے۔ [3]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی گواہی

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ خطبہ دیتے ہوئے لوگوں سے پوچھا: ''سب سے زیادہ بہادر کون ہے؟'' لوگوں نے جواب دیا: ''امیر المومنین آپ ہی سب سے زیادہ بہادر ہیں۔''

[1] المؤمن 40:28. صحيح البخاري، حديث:3856. [2] الصحيح المسند في فضائل الصحابة للعدوي، ص:37. [3] منهاج السنة لابن تيمية :4/3، وفتح الباري :169/7.

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''مجھے تو جب کسی نے دعوت مبارزت دی تبھی میں نے اُس سے مقابلہ کیا لیکن حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بہادری میں بھی سب سے آگے تھے۔ ہم نے ایک غزوے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خیمہ نصب کیا۔ ہم نے کہا: ''رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کون کرے گا تاکہ مشرکین میں سے کوئی آپ پر حملے کی جرأت نہ کر سکے؟'' اللہ کی قسم! صرف ابوبکر صدیق ہی تھے جو اپنی تلوار لہراتے ہوئے آگے بڑھے۔ جو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لپکتا، ابوبکر اسی پر پل پڑتے۔ یقیناً آپ سب سے زیادہ شجاع تھے۔''

پھر فرمانے لگے کہ میں نے ایک دفعہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حالت میں دیکھا کہ کفار قریش نے آپ کو گھیر رکھا تھا۔ کوئی آپ کو زدوکوب کر رہا تھا تو کوئی آپ کو جھنجھوڑ رہا تھا اور وہ لوگ چلا چلا کر کہہ رہے تھے: ''کیا تو نے تمام معبودوں کی جگہ ایک ہی الٰہ کو لا کھڑا کیا ہے؟'' اللہ کی قسم! ابوبکر کے علاوہ کوئی آگے نہ بڑھا۔ آپ نے سب کو اکھاڑ پچھاڑ کر رکھ دیا، آپ نے کسی کو پرے مارا، کسی کو دھکیلا اور کسی کا گریبان پکڑ کر ہٹایا۔ اِس حالت میں آپ کہتے رہے:

«وَيْلَكُمْ! أَتَقْتُلُونَ رَجُلًا أَنْ يَّقُولَ رَبِّيَ اللّٰهُ؟»

''تم ہلاک ہو جاؤ! کیا تم ایسے آدمی کو مارنا چاہتے ہو جو کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے؟''

پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے اوپر سے چادر ہٹا دی اور زاروقطار رونے لگے حتی کہ آپ کی ڈاڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی، پھر فرمایا:

''اللہ کی قسم! مجھے بتاؤ: ''کیا آلِ فرعون میں سے ایمان لانے والا آدمی بہتر تھا یا ابوبکر صدیق بہتر ہیں؟''

سب لوگ خاموش رہے۔

آپ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! ابوبکر کی زندگی کی ایک گھڑی آل فرعون کے مومن آدمی کی پوری زندگی سے بہتر ہے۔ اس آدمی نے اپنے ایمان کو چھپایا اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ڈنکے کی چوٹ پر اپنے ایمان کا اظہار و اعلان کیا۔''[1]

یہ روشن مثال حق و باطل، ہدایت و گمراہی اور ایمان و کفر کے درمیان کشمکش کو ظاہر کرتی ہے، مزید برآں صبر و استقامت کے پہاڑ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی یگانۂ روزگار بہادر شخصیت کو روزِ روشن کی طرح عیاں کرتی ہے۔ ایسی بہادر شخصیت جس کا تذکرہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایسے اثر انگیز انداز میں کیا کہ آپ خود بھی زار و قطار رونے لگے اور سامعین پر بھی رقت طاری ہوگئی۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ دفاع اسلام کی خاطر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے پہلے اذیت اٹھانے والے، تحفظ ناموسِ رسالت کے پیکر اور اسلام کے سب سے پہلے داعی تھے۔[2]

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دائیں بازو کی حیثیت رکھتے تھے۔ آپ نے خدمت رسول، دعوت اسلام اور نومسلموں کی تعلیم و تربیت کے لیے خود کو وقف کر دیا۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ اپنے قبول اسلام کی داستان بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: ''حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا:

«اِئْذَنْ لِّي يَا رَسُولَ اللّٰهِ فِي طَعَامِهِ اللَّيْلَةَ»

''اے اللہ کے رسول! مجھے آج رات ابوذر کی میزبانی کرنے کی اجازت دیجیے۔''

بعدازاں آپ نے حضرت ابوذر کی مدارات کرتے ہوئے طائف کے انگوروں اور دیگر میووں سے تواضع کی۔''[3]

دعوت اسلام میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرح ہم نشین رہے کہ

[1] البداية والنهاية: 3/271،272. [2] أبوبكر الصديق لمحمد بن عبدالرحمٰن، ص: 29-32.
[3] فتح الباري: 7/213، والخلافة الراشدة للدكتور يحيى اليحيى، ص: 156.

اپنے لیے خطرات مول لینے میں انھیں کوئی پس و پیش نہ تھی لیکن نبی اکرم ﷺ کے دفاع کے معاملے میں آپ بے حد حساس تھے۔ جب دشمنان اسلام آپ ﷺ کو کوئی گزند پہنچانے کی کوشش کرتے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر آپ ﷺ کے سامنے یہ کہتے ہوئے حائل ہو جاتے کہ تم پر ہلاکت ہو! کیا تم اس لیے ان کے درپے ہو کہ یہ ایک اللہ کو اپنا رب مانتے ہیں؟ کفار نبی اکرم ﷺ کو چھوڑ کر آپ کو آڑے ہاتھوں لیتے اور آپ کی اہانت اور مار دھاڑ میں حد سے تجاوز کر جاتے۔ [1]

[1] عبقرية الصديق للعقاد، ص: 87
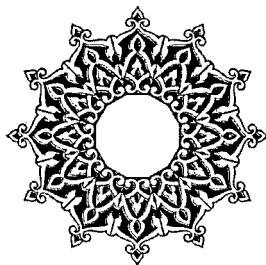
مظلوم مسلمانوں کی رہائی کے لیے مالی قربانی

دعوت اسلام کے پھیلتے ہی رسول اکرم ﷺ اور صحابۂ کرام کو کفار قریش کی طرف سے انتہائی تکلیفوں اور آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑا۔ خاص طور پر ضعیف مسلمانوں کو ان کے عقیدہ و دین سے برگشتہ کرنے، انھیں دوسروں کے لیے نمونۂ عبرت بنانے اور اپنے غیظ و غضب کی آگ ٹھنڈی کرنے کے لیے کفار نے ہر طرح کے ہتھکنڈے آزمائے۔

سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کی آزادی

حضرت بلال رضی اللہ عنہ بھی اُن افراد میں سے ایک تھے جنھیں اسلام کی خاطر اذیت ناک مراحل سے گزرنا پڑا۔ ان کے دفاع کے لیے ان کا کوئی قبیلہ یا سہارا نہ تھا۔ ایسے انسان کی جاہلی معاشرے میں کوئی قدر و قیمت نہ تھی۔ روزگار زندگی میں ان کا صرف یہی کردار تھا کہ آقا کی خدمت و اطاعت شعاری میں دن رات وقف رہیں اور جانوروں کی طرح بکاؤ مال کی حیثیت سے زندگی گزاریں۔ ایسے لوگوں کو آزادی فکر دینا عہد جاہلیت میں انتہائی گھناؤنا جرم تصور کیا جاتا تھا۔ لیکن ایک ایسی دعوتی تحریک جس نے غلامی کے شکار دل و دماغ پر صبح آزادی کی دستک دی اور جس کی بدولت معاشرے کے مظلوم طبقے نے اپنے آقاؤں اور آباء و اجداد کے خودساختہ رسوم و رواج اپنے پاؤں تلے روند ڈالے۔

یہی دعوت حضرت بلال رضی اللہ عنہ جیسے بے قیمت غلام کے دل میں جاگزین ہوئی اور انھیں بحرظلمات سے نکال کر ایک روشن ستارہ بنا گئی۔ ①

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے دل میں جب ایمان کے شگوفے پھوٹے تو اس کا علم ان کے آقا امیہ بن خلف کو بھی ہو گیا۔ اس نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو کبھی دھمکا کر اور کبھی حرص و طمع کا سبز باغ دکھا کر اسلام سے برگشتہ کرنے کی کوشش کی لیکن حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے عزم و استقلال میں مزید اضافہ ہوتا چلا گیا۔ بد بخت امیہ نے غیظ و غضب سے دوچار ہو کر آپ کو دردناک سزائیں دینے کی ٹھان لی، چنانچہ ایک دن اور ایک رات بھوکا پیاسا رکھنے کے بعد وہ دوپہر کے وقت سخت گرمی کے عالم میں آپ کو صحرا میں لے گیا۔ تپتی ہوئی سخت گرم ریت پر آپ کو پشت کے بل لٹا کر اس نے آپ کے سینے پر ایک بھاری پتھر رکھوا دیا، پھر کہنے لگا: ''تمھیں ہمیشہ اسی حالت میں رکھا جائے گا حتی کہ تم مر جاؤ یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا انکار کر کے دوبارہ لات اور عزیٰ کی پرستش شروع کر دو۔'' لیکن صبر و عزیمت کے پہاڑ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی زبان سے صرف ایک ہی صدا سنائی دیتی تھی: ''احد، احد'' یعنی اللہ ایک ہے، اللہ ایک ہے۔

عرصہ تک امیہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اسی ظالمانہ طریقے سے سزائیں دیتا رہا۔ ②

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ایک دن امیہ کے پاس اس وقت پہنچے جب وہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذیت دے رہا تھا۔ آپ نے امیہ سے کہا:

«أَلَا تَتَّقِي اللّٰهَ فِي هٰذَا الْمِسْكِينِ؟ حَتّٰى مَتٰى؟»

''اس بے چارے غریب کو اذیت دیتے ہوئے تمھیں اللہ کا خوف نہیں آتا؟ آخر کب تک اسے عذاب میں مبتلا رکھو گے؟''

امیہ نے جواب دیا کہ تمھی لوگوں نے اسے خراب کیا ہے۔ اگر تمھیں اتنا ہی احساس

① التربية القيادية للغضبان: 136/1. ② [illegible] ص: 30، 40.

ہے تو اسے اس مصیبت سے آزاد کرا لو۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

«أَفْعَلُ، عِنْدِي غُلَامٌ أَسْوَدُ أَجْلَدُ مِنْهُ وَ أَقْوٰى عَلٰى دِينِكَ أَعْطَيْتُكَهُ بِهِ»

''ٹھیک ہے، میرے پاس تیرے دین پر قائم ایک سیاہ غلام ہے جو اس سے زیادہ قوی اور طاقتور ہے، اس کے بدلے اُسے لے لو۔''

جب یہ سودا طے پا گیا تو آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو امیہ کی غلامی سے چھڑا کر آزاد کر دیا۔ [1]

ایک روایت کے مطابق حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سات یا چالیس اوقیہ سونا دے کر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو آزاد کرایا۔ [2]

حضرت بلال صبر و استقامت کے پہاڑ، مخلص دل کے مالک اور اسلام کے سچے پیکر تھے۔ آپ دردناک سزاؤں کے مقابلے میں سراپا استقامت رہے، آپ کا صبر و ثبات ہی کفار کے لیے غیظ و غضب کا باعث تھا، کفار کے ستم کا شکار ہو کر بھی آپ کی زبان پر کلمۂ توحید جاری رہا۔ دینِ حق پر استقامت کی قیمت آپ کو اپنی جان کا نذرانہ پیش کر کے بھی چکانی پڑتی تو بھی آپ کو اس کی کوئی پروا نہ تھی۔ [3]

امتحان و آزمائش کے بعد اللہ تعالیٰ آسائش و آرام کی نعمت سے بہرہ مند فرماتے ہیں۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اس اذیت ناک ماحول اور غلامی کی زنجیروں سے آزادی پا کر باقی ماندہ زندگی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے لیے وقف کر دی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس دنیا کو خیرباد کہا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے راضی تھے۔

مالِ صدیق سے آزادی پانے والے دوسرے مسلمان

اذیت سے دوچار مسلمان قیدیوں کی رہائی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مقصد حیات اور اسلام

[1] السيرة النبوية لابن هشام:1/394. [2] التربية القيادية للغضبان:1/140. [3] محنة المسلمين في العهد المكي للدكتور سليمان السويكت، ص:92.

کا عظیم منہج قرار پا گئی۔ آپ نے اسلام کو مال اور افراد کے ذریعے سے تقویت بہم پہنچائی۔ جن مسلمان قیدیوں کو آپ نے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کے علاوہ اپنے مال سے رہائی دلوائی ان میں مندرجہ ذیل افراد شامل ہیں:

عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ: انھوں نے غزوۂ بدر اور احد میں شرکت کی اور معرکہ بئرمعونہ میں شہادت پائی۔

ام عُبَیس رضی اللہ عنہا: یہ کریز بن ربیعہ بن حبیب ابن عبد شمس کی بیوی تھیں۔ زبیر بن بکار کہتے ہیں کہ ان کا تعلق بنو تیم بن مرہ سے تھا۔ یہ سابقون اولون میں سے تھیں۔ بلاذری نے لکھا ہے کہ یہ بنوزہرہ کی لونڈی تھیں اور اسود بن عبد یغوث انھیں تکلیفیں پہنچاتا تھا۔ ام ہانی نے کہا کہ جن سات افراد کو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آزادی دلائی ان میں ام عبیس رضی اللہ عنہا بھی ہیں۔ [1]

زنیرہ رضی اللہ عنہا: اتفاق سے آزادی کے وقت ان کی بصارت متاثر ہوئی تو قریش نے کہا کہ لات اور عزیٰ نے اس کی بصارت چھین لی ہے۔ حضرت زنیرہ نے کہا: ''رب کعبہ کی قسم! یہ لوگ جھوٹے ہیں۔ لات اور عزیٰ کسی نفع و نقصان کے مالک نہیں۔'' اللہ تعالیٰ نے ان کی کھوئی ہوئی بصارت لوٹا دی۔ [2]

نہدیہ اور اس کی بیٹی: یہ دونوں بنوعبدالدار قبیلے کی ایک عورت کی لونڈیاں تھیں۔ ان کی مالکہ نے انھیں آٹا پیسنے کا کام سونپا۔ اس دوران وہ کہہ رہی تھی: ''اللہ کی قسم! میں تمھیں کبھی آزاد نہیں کروں گی۔'' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے وہاں سے گزرتے ہوئے اس کی یہ گفتگو سن لی۔ آپ نے فرمایا:

«حِلِّي يَا أُمَّ فُلَانٍ!» ''اے عورت! اپنی قسم کو چھوڑ اور انھیں آزاد کردے۔''

وہ کہنے لگی: ''تمھی نے انھیں خراب کیا ہے، اب انھیں آزاد کیوں نہیں کرا لیتے؟''

[1] الإصابة: 8/434. [2] السيرة النبوية لابن هشام: 1/393.

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کی منہ مانگی قیمت ادا کر کے انھیں آزاد کرا لیا۔ آپ نے ان دونوں سے کہا کہ اس کا آٹا اسے واپس کر دو۔

انھوں نے کہا: ''اے ابوبکر! کیوں نہ ہم اس کا کام پایۂ تکمیل تک پہنچا دیں۔''

آپ نے فرمایا: «ذٰلِكَ إِنْ شِئْتُمَا» ''اگر تم ایسا کرنا چاہتی ہو تو تمھاری مرضی ہے۔''[1]

اس واقعے سے تمام انسانوں کے درمیان مساوات کا عمدہ درس ملتا ہے۔ طبقاتی فرق کے باوجود ان دونوں عورتوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مساویانہ طرز پر ان کا نام لے کر مخاطب کیا، انھیں سردار یا آقا کے نام سے نہیں پکارا اور آپ کو بھی اس پر کوئی اعتراض نہ ہوا، حالانکہ آپ شرف و عظمت کے مالک اور انھیں نعمت آزادی سے ہمکنار کرنے والے تھے۔ اس واقعے سے اس امر کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام کی بدولت وہ لونڈیاں کس قدر عظیم اخلاق کی مالک تھیں۔ اگر وہ چاہتیں تو آزادی کے بعد اپنی مالکہ کا کام ادھورا چھوڑ دیتیں اور آٹے کو اسی حالت میں رہنے دیتیں جو ہوا کی نذر ہو کر ضائع ہو جاتا یا پرندوں اور حیوانوں کی غذا بن جاتا لیکن یہ ان کا حسن اخلاق تھا کہ انھوں نے آزادی پانے کے بعد بھی اپنی سابقہ مالکہ کا کام پورا کر دیا۔[2]

بنو مؤمل قبیلے کی ایک مسلمان لونڈی: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ایک دفعہ بنو مؤمل قبیلے کی ایک مسلمان لونڈی کے پاس سے گزرے، جس کو عمر بن خطاب (جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے) اذیت دے رہے تھے تاکہ وہ اسلام سے برگشتہ ہو جائے۔ جب عمر بن خطاب اس کو مار مار کر تھک گئے تو کہنے لگے: ''میں نے تمھیں تھکن اور اکتاہٹ کی وجہ سے مارنا چھوڑا ہے۔''

وہ لونڈی کہنے لگی: ''اللہ تعالیٰ ہی نے تمھیں اس حالت میں مبتلا کیا ہے۔'' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسے خرید کر آزاد کر دیا۔[3]

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 393/1. [2] السيرة النبوية لأبي شهبة: 346/1. [3] السيرة النبوية لابن هشام: 393/1.

یہ تھی سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عظیم کردار کی ایک جھلک۔ آپ نے غلاموں کی اسیری کی بندشیں کھول دیں اور انھیں صعوبتوں سے آزاد کرایا، اسی لیے آپ اپنی قوم میں صلہ رحمی، تنگدستوں و بے کسوں کی داد رسی، مہمان نوازی اور مصیبت زدہ لوگوں کے معاون و مددگار کی حیثیت سے مشہور و معروف تھے۔

آپ ایسی شخصیت کے مالک تھے جس نے عہد جاہلیت میں بھی کبھی اپنے دامن کو گناہوں سے آلودہ نہ کیا، آپ ایسی غمگسار اور خدا ترس طبیعت کے مالک تھے جن کا دل غلاموں اور بدحال لوگوں کی طرف سے پسیجتا تھا۔ اسلامی شرعی حکم اور ترغیب نے غلاموں کی رہائی کی ترغیب دلائی اور اس پر عظیم اجر و ثواب کا وعدہ کیا، اس شرعی حکم اور ترغیب کے نزول سے پہلے ہی آپ نے اپنے مال کا بڑا حصہ اسیروں کی رہائی کے لیے وقف کر رکھا تھا۔[1]

کفار مکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اس خصلت پر انگشت بدنداں تھے کہ وہ ان مجبور اور بے کس افراد پر اس قدر مال کیوں لٹاتے ہیں جن کا بظاہر کوئی فائدہ دکھائی نہ دیتا تھا، جبکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نظر میں یہ غلام ان کے نومسلم دینی بھائی تھے جن میں سے ادنیٰ ترین غلام بھی ان کے نزدیک روئے زمین کے تمام مشرکوں اور طاغوتوں سے زیادہ قیمتی تھا۔ انھی تعمیری نظریات اور اعلیٰ بنیادوں پر مملکت توحید اور اسلام کی بے مثال تہذیب کا قیام عمل میں آیا۔[2]

سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے اس عمل سے دنیوی شرف و جاہ کے طالب نہ تھے بلکہ آپ کا مطمح نظر محض اللہ کی رضا اور خوشنودی کا حصول تھا۔ ایک روز آپ کے والد ابوقحافہ نے کہا: ”اے بیٹے! میں دیکھتا ہوں کہ تم ضعیف اور کمزور غلاموں کو خرید کر آزاد کرتے ہو، اگر تم ان کے بجائے طاقتور اور قوی غلاموں کو آزادی سے ہمکنار کرو تو وہ تمھارے دست و بازو بنیں اور آڑے وقت میں تمھارے کام آئیں۔“ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

[1] السيرة النبوية لأبي شهبة: 345/1. [2] التربية القيادية للغضبان: 342/1.

''ابا جان! میں تو یہ عمل محض اللہ کی رضا کی خاطر کرتا ہوں۔''

ایسی باعظمت شخصیت کے بارے میں قرآن حکیم کا ان الفاظ میں نازل ہونا کوئی تعجب انگیز بات نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ۝ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۝ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ۝ وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى ۝ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ۝ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ۝ وَمَا يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهٗٓ اِذَا تَرَدّٰى ۝ اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى ۝ وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰى ۝ فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰى ۝ لَا يَصْلٰىهَآ اِلَّا الْاَشْقَى ۝ الَّذِيْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ۝ وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ۝ الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ۝ وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى ۝ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ۝ وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ۝﴾

''پھر جس نے (اللہ کی راہ میں) دیا اور ڈرتا رہا۔ اور اس نے نیک بات کی تصدیق کی۔ اسے یقیناً ہم عنقریب راحت (کی منزل) کا اہل بنا دیں گے۔ اور جس نے کنجوسی کی اور بے پروا رہا۔ اور نیک بات کو جھٹلایا تو اسے ہم کٹھن منزل کے لیے ڈھیل دیں گے۔ اور جب وہ (دوزخ میں) گرے گا تو اسے اس کا مال کوئی فائدہ نہ دے گا۔ بے شک ہدایت دینا ہمارے ہی ذمے ہے۔ اور بے شک آخرت اور دنیا ہمارے ہی اختیار میں ہے۔ بالآخر میں نے تمھیں بھڑکتی آگ سے ڈرا دیا ہے۔ اس میں وہی داخل ہوگا جو نہایت بدبخت ہوگا۔ جس نے جھٹلایا اور منہ پھیرا۔ اور بڑا متقی اس سے ضرور دور رکھا جائے گا۔ جو پاک ہونے کے لیے اپنا مال دیتا ہے۔ اور اس پر کسی کا کوئی احسان نہیں جس کا بدلہ اسے دیا جائے۔ بلکہ صرف اپنے رب برتر کی خوشنودی کے لیے (مال خرچ کرتا ہے)۔ اور یقیناً وہ (اللہ) اس سے جلد راضی ہوگا۔''[1]

[1] اللیل 92:5-21، تفسیر الآلوسي: 152/30.

یقیناً حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اللہ اور اس کے رسول کی رضا میں سب سے بڑھ کر انفاق کے خوگر تھے۔ قرون اولیٰ کی اسلامی جماعت کے افراد کا آپس میں اس طرح کا مضبوط رشتہ، ان کی انتہائی عظمت و رفعت اور جودوکرم پر دلالت کرتا ہے۔ یہی آزاد کردہ غلام اسلامی فکر وعقیدہ کے حامل بن کر ایسا گروہ ثابت ہوئے جنھوں نے اپنی زندگیوں کو اسلام کی تبلیغ، دفاع اور جہاد کے لیے وقف کر دیا۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا انھیں آزادی سے ہمکنار کرنا، عظمت اسلام اوران کی بلندی کردار کی عظیم مثال ہے۔ عصرِ حاضر میں بھی ایسی ہی عمدہ صفات اور بلند عزائم کے افراد کی اشد ضرورت ہے جو سیرت صدیق کا احیاء اور عملی نمونہ پیش کرتے ہوئے معاشرے میں اخوت و یگانگت اور ابنائے امت کے درمیان عظیم تعلقات کو فروغ دیں، جنھیں نیست و نابود کرنا اعدائے اسلام کا بڑا مقصد بن چکا ہے۔

پہلی ہجرت اور ابن دغنہ کا اظہار خیال

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب سے میں نے ہوش سنبھالا تو اپنے والدین کو دین اسلام پر قائم پایا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم روزانہ صبح و شام ہمارے گھر تشریف لایا کرتے تھے۔ جب مسلمانوں پر ابتلاء و آزمائش کا کٹھن دور آیا تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہجرت کے لیے سرزمین حبشہ کی جانب نکلے۔ سفر ہجرت میں جب برک غماد[1] مقام پر پہنچے تو ان کی ملاقات اس علاقے کے سردار ابن دغنہ سے ہوئی۔ انھوں نے پوچھا: ''اے ابوبکر! کہاں کا ارادہ ہے؟'' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

«أَخْرَجَنِي قَوْمِي فَأُرِيدُ أَنْ أَسِيحَ فِي الْأَرْضِ وَ أَعْبُدَ رَبِّي»

''مجھے میری قوم نے نکال دیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ سرزمین الٰہی کی سیاحت

[1] برک غماد: یمن کی ایک نواحی بستی کا نام ہے۔ یہ مکہ سے پانچ دنوں کی مسافت پر یمن کے علاقے غماد میں واقع ہے۔

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حبشہ کو روانگی
اور برک الغماد سے واپسی
نقشے میں اندرونی چوکھٹا بڑا کر کے دکھایا گیا ہے۔
فارس (ایران)
عراق
شام
اردن
ترکی
بحیرہ روم
مصر
سوڈان
سعودی عرب
جزیرہ نمائے عرب
عُمان
یمن
بحیرۂ عرب
صومالیہ
حبشہ
(ایتھوپیا)
بحرِ ہند
العلاء
خیبر
عرب
مدینہ منورہ
(یثرب)
ینبع
رابغ
مکہ مکرمہ
جدّہ
شُعَیبہ
طائف
تُربہ
قنفذہ
برک الغماد
ابہا
نجران
جازان
فرسان
مأرب
شبوہ
صنعاء
دہلک
مصوع
کمران
زبید
یمن
اکسوم
اریٹیریا
تعز
مخا
عصب
حبشہ
عدن
خلیج عدن
شقراء
کلومیٹر
500
400
300
200
100
0
نقشہ: 02

کرتے ہوئے اپنے رب کی عبادت بجالاؤں۔''

ابن دغنہ نے کہا:

«فَإِنَّ مِثْلَكَ يَا أَبَابَكْرٍ لَّايَخْرُجُ وَلَايُخْرَجُ، إِنَّكَ تَكْسِبُ الْمَعْدُومَ وَتَصِلُ الرَّحِمَ وَتَحْمِلُ الْكَلَّ وَتَقْرِي الضَّيْفَ وَتُعِينُ عَلٰى نَوَائِبِ الْحَقِّ، فَأَنَا لَكَ جَارٌ، اِرْجِعْ وَاعْبُدْ رَبَّكَ بِبَلَدِكَ»

''اے ابوبکر! آپ جیسی شخصیت کو دیس بدر کرنے کی کسی میں جرأت نہیں ہوسکتی نہ آپ کو خود اپنا وطن ترک کرنا چاہیے۔ آپ مصائب میں لوگوں کے مددگار، بے کسوں کے سہارا، صلہ رحمی کرنے والے، مہمان نوازی کے خوگر اور حق کے سلسلے میں پیش آنے والے مصائب میں لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔ آپ واپس چلیں اور اپنے وطن میں رہ کر اپنے رب کی عبادت کریں، میں آپ کو پناہ دیتا ہوں۔''

ابن دغنہ کی امان کا احوال

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مکہ لوٹ آئے اور ابن دغنہ بھی آپ کے ساتھ چلا آیا۔ اس نے سردارانِ قریش سے ملاقات کی اور کہا کہ ابوبکر جیسے آدمی کو اس کے وطن سے نکلنے پر مجبور کرنا مناسب نہیں۔ تم ایسے شرف وفضل کے مالک آدمی کو نکالنے پر کیوں کمربستہ ہو جو صلہ رحمی کرنے والا، مصیبت زدہ لوگوں کا مددگار، بے کسوں کا سہارا، مہمان نواز اور خیروبھلائی کا حامل ہے؟ قریش نے ابن دغنہ کی امان کا پاس کیا اور کہا کہ ابوبکر اپنے گھر کے احاطے میں جیسے چاہے اپنے رب کی عبادت اور نماز وقراءت میں مشغول رہے لیکن اس کا اعلانیہ اظہار کرکے ہمیں اذیت سے دوچار نہ کرے۔ ہمیں خطرہ ہے مبادا یہ ہماری عورتوں اور بچوں کو فتنے میں مبتلا کردے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر کے صحن کو جائے عبادت بنالیا۔ مشرکین کی عورتیں اور بچے وہاں بکثرت جمع ہوکر تعجب بھری نگاہوں

سے آپ کو دیکھتے۔ آپ پر تلاوت قرآن کے وقت انتہائی رقت طاری ہو جاتی، ضبط کے بندھن ٹوٹ جاتے اور آنکھوں سے آنسو کی لڑیاں جاری ہو جاتیں۔

سردارانِ قریش کو اس صورت حال سے انتہائی تشویش لاحق ہوئی۔ انھوں نے ابن دغنہ کو بلا بھیجا اور اس سے کہا کہ ہم نے ابوبکر کو تیری وجہ سے اس شرط پر پناہ دی تھی کہ وہ عبادت کے معاملے میں اپنے گھر تک محدود رہے گا، اب اس نے اس شرط کو فراموش کر کے اپنے گھر کے آنگن میں اعلانیہ نماز اور قراءت شروع کر دی ہے۔ ہمیں خطرہ ہے کہ وہ اس طرح ہماری عورتوں اور بچوں کو فتنے میں مبتلا کر دے گا۔ اگر وہ اپنے گھر کی حدود میں رہ کر عبادت کرنا چاہے تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں، بصورت دیگر ہم تیرے عہد و پیمان کا پاس نہیں کر سکتے۔ ہم تیری امان کو توڑنا نہیں چاہتے لیکن ابوبکر کے اس اعلانیہ عمل کو بھی برداشت نہیں کر سکتے۔ ابن دغنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میرے اور تمھارے درمیان جو عہد و پیمان تھا اس کا تمھیں بخوبی علم ہے۔ اپنے عہد کا پاس کرو یا میری امان کو ختم سمجھو، میں لوگوں کی یہ باتیں نہیں سننا چاہتا کہ میں نے کسی شخص کو پناہ دی تھی اور پھر میرے عہد کو توڑ دیا گیا۔ آپ نے فرمایا:

«فَإِنِّي أَرُدُّ إِلَيْكَ جِوَارَكَ وَ أَرْضٰى بِجِوَارِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ»

''تمھارا یہ عہد و پیمان تمھیں مبارک ہو، مجھے اللہ تعالیٰ کی امان ہی کافی ہے۔''[1]

جب ابن دغنہ کی پناہ ختم ہوگئی تو کفار مکہ نے آپ کو پریشان کرنا شروع کر دیا۔ ایک مرتبہ آپ بیت اللہ کی طرف جا رہے تھے کہ رستے میں ایک بدبخت نے آپ کے سر پر مٹی ڈال دی۔ جب آپ کی ملاقات قریش کے ایک سردار ولید بن مغیرہ سے ہوئی تو آپ نے اس شریر کی زیادتی کا اس سے شکوہ کیا۔ ولید نے جواب دیا: ''یہ مصیبت تم نے خود مول لی ہے۔'' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کہنے لگے:

[1] فتح الباري: 274/7.

«أَيْ رَبِّ! مَا أَحْلَمَكَ، أَيْ رَبِّ! مَا أَحْلَمَكَ، أَيْ رَبِّ! مَا أَحْلَمَكَ»

''اے اللہ! تو کس قدر حلیم و بردبار ہے، اے میرے رب! تو کتنا حلیم و بردبار ہے۔ اے میرے مولا! تیری بردباری کے کیا کہنے۔''[1]

ہجرت صدیقی کے واقعے سے ماخوذ اسباق

ابن دغنہ کی گفتگو، پناہ اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ایمان افروز تذکرے سے یہ باتیں واضح ہیں:

- رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی قوم کی معزز شخصیت تھے۔ اسی لیے آپ سے ابن دغنہ نے کہا کہ اے ابوبکر! آپ جیسے انسان کو اپنا وطن نہیں چھوڑنا چاہیے۔ نہ آپ جیسوں کو وطن چھوڑنے پر مجبور کیا جانا چاہیے۔ آپ مصیبت زدہ لوگوں کے مددگار، صلہ رحمی کرنے والے، بے کسوں کا سہارا، مہمان نواز اور حسن معاشرت جیسے خصائل حمیدہ کے مالک ہیں۔
- حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کسی جاہ و حشمت کی خاطر دین اسلام قبول نہیں کیا تھا بلکہ اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہی آپ کے قبول اسلام کا اصل محرک تھی، اس لیے آپ کو کٹھن آزمائشوں سے دوچار ہونا پڑا۔ رضائے الٰہی کے حصول کے لیے آپ نے اپنے اہل و عیال اور وطن عزیز کو خیرباد کہہ کر ہجرت کے لیے رخت سفر باندھا تاکہ سرزمین الٰہی پر بے روک ٹوک اللہ کی عبادت کر سکیں۔[2]

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا قرآن کریم سے تعلق اور دعوتی سرگرمیاں

قرآنِ کریم کی اثر آفرینی

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دعوت کا سب سے بڑا مرجع قرآن حکیم تھا، اسی لیے آپ

---

[1] البداية والنهاية: 95/3. [2] استخلاف أبي بكر الصديق للدكتور جمال عبد الهادي، ص: 134.

نے اس کے حفظ وفہم اور عمل کا انتہائی اہتمام کیا۔ دعوت الی اللہ کا اسلوب وانداز آپ نے قرآن کریم ہی سے سیکھا۔ اسی سے آپ نے دعوتی عمل میں مہارت، خیالات کی گہرائی اور پختگی اور عقلی دلائل و براہین سے سامعین کو گرویدہ بنا لینے کا فن پایا۔[1] آپ کا قرآن کریم سے متاثر ہونے کا یہ عالم تھا کہ اس کی تلاوت کرتے ہوئے آپ پر انتہائی رقت طاری ہوجاتی۔ یہ آپ کے پختہ یقین واعتماد اور خشوع وخضوع کی عظیم مثال ہے۔ آنکھوں سے بے ساختہ آنسو جاری ہونے کا محرک شدید حزن وملال یا شدت فرحت و انبساط ہوتا ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جیسے زندہ دل اور حساس انسان کا تلاوت قرآن حکیم سے اخروی زندگی اور ثواب وعقاب پر یقین بڑھ جاتا تھا جس کا اثر خوف وخشیت سے لرزہ براندام ہونے اور آنسو بہنے کی صورت میں ظاہر ہوتا تھا۔ ایسے منظر کو دیکھنے والے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے، اسی لیے مشرکین کو خطرات لاحق ہوگئے کہ کہیں ان کی عورتیں اور بچے اس سے متاثر ہوکر دائرۂ اسلام میں داخل نہ ہوجائیں۔[2]

قرآنِ حکیم میں تدبر وتفکر

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مدرسۂ نبوت میں تربیت پائی۔ حفظ قرآن کے ساتھ ساتھ اس پر تدبر وتفکر اور عمل کو اپنا طرز حیات بنایا۔ قرآن حکیم کی تفسیر میں کوئی بات بغیر علم کے نہ کرتے بلکہ آپ کا جواب ان الفاظ میں ہوتا:

«أَيُّ أَرْضٍ تَسَعُنِي أَوْ أَيُّ سَمَاءٍ تُظِلُّنِي إِذَا قُلْتُ فِي كِتَابِ اللّٰهِ مَا لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ؟»

''کون سی زمین مجھے پناہ دے گی اور کون سا آسمان مجھ پر سایہ فگن ہوگا اگر

[1] تاريخ الدعوة إلى الإسلام للدكتور يسري محمد هاني، ص: 88. [2] التاريخ الإسلامي للحميدي: 209/20,19

میں نے کتاب اللہ کے بارے میں کوئی بات اپنی مرضی سے کر دی۔"[1]

قرآن حکیم میں تدبر و تفکر پر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ قول شاہد ہے جو آپ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو وصیت کے دوران کہا تھا، آپ نے فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى ذَكَرَ أَهْلَ الْجَنَّةِ فَذَكَرَهُمْ بِأَحْسَنِ أَعْمَالِهِمْ وَ تَجَاوَزَ عَنْ سَيِّئَاتِهِمْ، فَإِذَا ذَكَرْتُهُمْ قُلْتُ: إِنِّي أَخَافُ أَنْ لَّا أَلْحَقَ بِهِمْ وَ إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى ذَكَرَ أَهْلَ النَّارِ فَذَكَرَهُمْ بِأَسْوَءِ أَعْمَالِهِمْ وَ رَدَّ عَلَيْهِمْ أَحْسَنَهُ، فَإِذَا ذَكَرْتُهُمْ قُلْتُ: إِنِّي لَأَرْجُو أَنْ لَّا أَكُونَ مَعَ هٰؤُلَاءِ لِيَكُنِ الْعَبْدُ رَاغِبًا وَّ رَاهِبًا وَّ لَا يَتَمَنّٰى عَلَى اللّٰهِ وَ لَا يَقْنُطُ مِنْ رَّحْمَتِهِ»

"اللہ تعالیٰ نے جب اہل جنت کا تذکرہ کیا تو ان کے عمدہ اور اچھے اعمال کا تذکرہ فرمایا اور ان کی لغزشوں اور خطاؤں کو معاف کر دیا۔ جب میں ایسے لوگوں کو یاد کرتا ہوں تو مجھے ڈر لگتا ہے کہ میں ان میں شامل نہیں ہو سکوں گا۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے اہل جہنم کا تذکرہ کیا تو ان کے بُرے اعمال کا تذکرہ فرمایا اور ان کے اچھے اعمال کو برباد کرنے کی خبر دی۔ میں جب انھیں یاد کرتا ہوں تو میں امید کرتا ہوں کہ میں ان میں سے بھی نہیں ہوں گا۔ تاکہ بندہ اللہ تعالیٰ کی طرف رغبت کرنے والا اور اس سے ڈرنے والا ہو۔ اور اللہ تعالیٰ سے یوں ہی امیدیں وابستہ نہ رکھے اور نہ اللہ کی رحمت سے مایوس ہو۔"[2]

آپ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشکل مسائل حل کرانے کے لیے انتہائی ادب و احترام سے استفسار فرماتے۔ جب قرآن حکیم کی یہ آیت نازل ہوئی:

[1] تاریخ الخلفاء للسیوطي، ص: 117 منقطع. [2] سبل الهدی والرشاد للصالحي: 262/11.

﴿لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ؕ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۝﴾

"(انجام کا دارومدار) نہ تمھاری خواہشات پر ہے نہ اہل کتاب کی خواہشات پر، بلکہ جو شخص برا عمل کرے گا، اسے اس کا بدلہ دیا جائے گا اور وہ اللہ کے سوا کوئی دوست اور مددگار نہ پائے گا۔"[1]

تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

«يَا رَسُولَ اللّٰهِ! قَدْ جَاءَ تْ قَاصِمَةُ الظَّهْرِ وَ أَيُّنَا لَمْ يَعْمَلْ سُوءً؟»

"اے اللہ کے رسول! کمر توڑ وعید نازل ہوئی ہے، ہم میں سے کون ہے جو برے عمل کا مرتکب نہیں ہوا؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«يَا أَبَا بَكْرٍ! أَلَسْتَ تَنْصَبُ؟ أَلَسْتَ تَحْزَنُ؟ أَلَسْتَ تُصِيبُكَ اللَّأْوَاءُ؟ فَذٰلِكَ مِمَّا تُجْزَوْنَ بِهِ»

"اے ابوبکر! کیا تم پریشانی، حزن و ملال یا کسی مصیبت میں مبتلا نہیں ہوتے؟ یہ بھی خطاؤں کا بدلہ ہے۔"[2]

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جن آیات کی تفسیر منقول ہے، ان میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی شامل ہے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝﴾

"بلاشبہ جن لوگوں نے کہا: ہمارا رب اللہ ہے، پھر اس پر قائم رہے، ان پر فرشتے

[1] النسآء 4:123۔ [2] مسند أحمد: 11/1، احمد شاکر نے اس کی تمام سندوں کو ضعیف قرار دیا ہے لیکن مختلف شواہد اور اسانید کی وجہ سے یہ روایت صحیح ہے۔

(یہ کہتے ہوئے) اترتے ہیں: نہ تم ڈرو اور نہ غم کھاؤ اور اس جنت سے خوش ہو جاؤ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔"①

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کی تفسیر میں فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے صراط مستقیم سے سرمو انحراف نہ کیا۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے ساتھ محبت، توکل، یقین، خوف اور سوال جیسے قلبی تعلق کو وابستہ نہ کیا۔ ایسے لوگ جو صرف اللہ کی محبت و عقیدت کے گرویدہ ہیں، کسی ظاہری اور دنیوی فائدے کا حصول یا نقصان کا خوف انھیں غیر اللہ سے تعلق روا رکھنے پر نہیں اکساتا۔ یہ لوگ اللہ کے علاوہ کسی سے نہیں ڈرتے، نہ کسی سے سوال کرتے ہیں، نہ کسی غیر سے دلی لگاؤ رکھتے ہیں۔②

داعیان کرام پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ قرآن حکیم کی آیات پر تدبر و تفکر کر کے اس کے علمی خزانوں سے فیض یاب ہوں اور ہمیشہ اسی سے راہنمائی حاصل کریں۔ لوگوں کو قرآن حکیم کے علمی، ادبی اور تشریعی اعجاز سے باخبر رکھیں اور عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق بنی نوع انسان کے مسائل کا حل پیش کریں۔ جس طرح سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قرآن کریم کو دعوت کا موثر ذریعہ بنا کر پیش کیا، اسی طرح اُن کے اسلوب اور طرز عمل کو بھی اپنائیں۔③

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی منڈیوں میں قبائل عرب کے درمیان تبلیغ

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے علم انساب میں مہارت کو دعوتی سرگرمیوں کا ذریعہ بنایا تا کہ مختلف علوم و فنون کے ماہرین اس حقیقت کا اعتراف کر لیں کہ علم و ہنر کی نوعیت چاہے کچھ بھی ہو، اسے اپنے مقاصد کے حصول کے لیے کارآمد بنایا جا سکتا ہے۔④

① حٰمٓ السجدة 30:41. ② الفتاوٰی لابن تیمیة: 22/28. ③ تاریخ الدعوة الإسلامیة للدکتور جمیل عبدالله المصري، ص: 95. ④ تاریخ الدعوة الإسلامیة للدکتور جمیل عبدالله المصري، ص: 95.

جب نبی اکرم ﷺ نے قبائل عرب کو دعوت اسلام دی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ علم انساب اور دوسری علمی خوبیوں کی بدولت آپ کے ممد و معاون ثابت ہوئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ایک بلند پایہ فصیح و بلیغ خطیب بھی تھے۔ وہ اپنے فن خطابت کی بدولت سامعین کے دلوں کو موہ لیتے تھے۔ مختلف مواقع پر آپ موقع محل کی مناسبت سے نبی کریم ﷺ کے خطاب سے پہلے تمہیدًا گفتگو فرماتے۔[1] علم انساب میں مہارت اور قبائل عرب کی عمومی معرفت ایسے مواقع پر آپ کی معاون ثابت ہوتی۔

بنو شیبان بن ثعلبہ کو دعوت

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب نبی اکرم ﷺ کو قبائل عرب کے لیے دعوتی سرگرمیوں کا حکم ملا تو آپ اس کی تعمیل میں نکلے، میں بھی آپ ﷺ کے ساتھ تھا۔ ہم ایک مجلس میں پہنچے۔ وہاں لوگ سکون و اطمینان سے بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر سلام کیا اور پوچھا: «مَنِ الْقَوْمُ؟»

''آپ لوگ کس قوم سے تعلق رکھتے ہیں؟''

جواب ملا: ''شیبان بن ثعلبہ کی قوم سے۔''

آپ نے عرض کیا:

«بِأَبِي وَ أُمِّي! هٰؤُلَاءِ غَرَرُ النَّاسِ وَ فِيهِمْ مَّفْرُوقٌ قَدْ غَلَبَهُمْ لِسَانًا وَّ جَمَالًا»

''اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر قربان! یہ بڑے عمدہ لوگ ہیں، ان میں مفروق بھی ہے جو فصاحت و بلاغت اور حسن و جمال میں ان سب پر فائق ہے۔''

---

[1] أبوبكر الصديق لمحمد بن عبدالرحمن، ص: 92.

اس نے بالوں کی دو چوٹیاں بنائی ہوئی تھیں جو اس کے سینے پر پڑ رہی تھیں۔

مفروق حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے قریب ہی موجود تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا: «كَيْفَ الْعَدَدُ فِيكُمْ؟» ”تمھاری تعداد کتنی ہے؟“

مفروق کہنے لگا: ”ایک ہزار لیکن اس قلیل تعداد کے باوجود کوئی ہم پر غالب نہیں آ سکتا۔“

آپ نے پوچھا: «كَيْفَ الْمَنَعَةُ فِيكُمْ؟» ”تمھاری دفاعی پوزیشن کیسی ہے؟“

مفروق بولا: ”میدان کارزار میں کوئی ہمارے غیظ و غضب کا اندازہ نہیں کر سکتا۔ جب ہم غصے میں ہوں تو دشمن سے ہماری مڈبھیڑ قابل دید ہوتی ہے۔ ہم جنگی گھوڑوں کو اولاد پر اور اسلحے کو بہترین اونٹنیوں پر ترجیح دیتے ہیں، البتہ فتح و کامرانی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے جو کبھی ہمارے اور کبھی ہمارے دشمنوں کے حصے میں آتی ہے۔“

پھر مفروق نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا: ”شاید آپ کا تعلق قریش سے ہے؟“

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا:

«إِنْ كَانَ بَلَغَكُمْ أَنَّهُ رَسُولُ اللّٰهِ فَهَا هُوَ ذَا»

”اگر تمھیں اللہ کے رسول کے بارے میں خبر پہنچ چکی ہے تو آپ ﷺ اس وقت ہمارے ساتھ ہی جلوہ افروز ہیں۔“

مفروق بولا: ”اے قریشی بھائی! آپ کی دعوت کیا ہے؟“

آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَدْعُوكُمْ إِلٰى شَهَادَةِ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَ أَنِّي عَبْدُ اللّٰهِ وَ رَسُولُهُ وَ إِلٰى أَنْ تُؤْوُونِي وَ تَنْصُرُونِي، فَإِنَّ قُرَيْشًا قَدْ تَظَاهَرَتْ عَلَى اللّٰهِ وَ كَذَّبَتْ رَسُولَهُ وَاسْتَغْنَتْ بِالْبَاطِلِ عَنِ الْحَقِّ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ»

''میری دعوت یہ ہے کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں اور میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں، میری نصرت وحمایت تم پر واجب ہے۔ قریش نے اللہ تعالیٰ کے خلاف سرکشی اور بغاوت کی ہے، اس کے رسول کو جھٹلایا ہے، حق کو چھوڑ دیا ہے، باطل کو اپنا لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سے بے پروا ہے اور وہ قابل تعریف ذات ہے۔''

مفروق نے کہا: ''اس کے علاوہ آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں؟ اللہ کی قسم! میں نے اس سے اچھی گفتگو کبھی نہیں سنی۔''

نبی اکرم ﷺ نے اس موقع پر قرآنِ کریم کی درج ذیل آیت کی تلاوت فرمائی:

﴿قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝﴾

''کہہ دیجیے: آؤ میں پڑھ کر سناتا ہوں جو کچھ تمھارے رب نے تم پر حرام کیا ہے، یہ کہ تم اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو، اور اپنی اولاد کو تنگ دستی کے ڈر سے قتل نہ کرو، ہم تمھیں بھی اور انھیں بھی رزق دیتے ہیں اور بے حیائی کے کاموں کے قریب نہ پھٹکو، چاہے وہ ظاہر ہوں یا چھپے ہوئے ہوں اور کسی ایسی جان کو قتل مت کرو جسے اللہ نے حرام کیا ہو، سوائے اس کے جس کا قتل برحق ہو، ان ساری باتوں کی اللہ نے تمھیں تاکید کی ہے تاکہ تم عقل سے کام لو۔''[1]

مفروق نے کہا: ''اپنی دعوت کے بارے میں کچھ مزید ارشاد فرمائیے، اللہ کی قسم! یہ

[1] الأنعام 151:6

کسی انسان کا کلام نہیں، اگر کسی انسان کا کلام ہوتا تو ہم بخوبی پہچان لیتے۔''

اب نبی اکرم ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝﴾

''بے شک اللہ عدل اور احسان اور قرابت داروں کو (امداد) دینے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی، برے کام اور ظلم وزیادتی سے منع کرتا ہے۔ وہ تمھیں وعظ کرتا ہے تاکہ تم نصیحت پکڑو۔''[1]

مفروق نے کہا: ''آپ کی دعوت عمدہ اخلاق اور پاکیزہ اعمال پر مبنی ہے، یقیناً وہ بڑی بدبخت قوم ہے جس نے آپ کی تکذیب کی اور سرکشی پر اتر آئی۔'' مفروق نے ہانی بن قبیصہ کو بھی گفتگو میں شریک کرنا چاہا اور کہا کہ یہ ہمارے محترم اور دینی رہنما ہانی بن قبیصہ ہیں۔ ہانی نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ میں آپ کی بات کی تصدیق کرتا ہوں لیکن انجام کار کو سوچے بغیر پہلی ملاقات میں ہی اپنا دین چھوڑ کر آپ کے دین کو اختیار کر لینا عجلت پسندی اور ناعاقبت اندیشی ہوگی۔ عجلت میں ندامت ہے، ہم اپنی قوم پر زبردستی نہیں کرنا چاہتے، اس لیے ہمیں خوب سوچ بچار کے بعد کسی فیصلے پر پہنچنا ہوگا۔

ہانی نے اس گفتگو میں مثنیٰ بن حارثہ کو بھی شریک کرنا چاہا، چنانچہ کہنے لگا کہ یہ مثنیٰ بن حارثہ ہمارے محترم کمانڈر ہیں۔ مثنیٰ نے کہا کہ اے قریشی بھائی! مجھے بھی آپ کی گفتگو بہت اچھی لگی ہے لیکن میرا جواب بھی ہانی بن قبیصہ کے جواب سے مختلف نہیں۔ ایک ہی ملاقات میں اپنے دین کو چھوڑ کر آپ کی پیروی کرنا مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ ہم دو وادیوں کے مابین پانی پر پڑاؤ کیے ہوئے ہیں ان دونوں کا نام یمامہ اور سماوہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[1] النحل 16:90

«وَمَا هٰذَانِ الصَّرْيَانِ؟» ”ان وادیوں کی مزید وضاحت کرو۔“

انھوں نے جواب دیا: ”ایک علاقہ دامن کوہ اور عرب کی زمین ہے۔ دوسرا فارس کی زمین اور کسریٰ کے دریاؤں والا علاقہ ہے۔“

ہم نے کسریٰ سے عہد و پیمان کر رکھا ہے کہ کوئی نیا فتنہ کھڑا نہیں کریں گے۔ نہ کسی انقلابی فکر کے لوگوں کو پناہ دیں گے۔ آپ کی دعوت بادشاہوں کے مزاج کے خلاف ہے۔ عرب ممالک میں تو یہ قصور قابل معافی ہے لیکن بلاد فارس میں اسے ناقابل معافی جرم تصور کیا جاتا ہے۔ عرب علاقوں میں آپ کی مدد اور دفاع ہمارے لیے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

«مَا أَسَأْتُمُ الرَّدَّ إِذْ أَفْصَحْتُمْ بِالصِّدْقِ، إِنَّهُ لَا يَقُومُ بِدِينِ اللّٰهِ إِلَّا مَنْ حَاطَهُ مِنْ جَمِيعِ جَوَانِبِهِ»

”تم نے حقیقت بیانی سے کام لے کر بھلا جواب دیا ہے۔ دین اسلام جس کا پوری طرح احاطہ کر لے وہی اس کی تحریک کا داعی بنتا ہے۔“

پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَرَأَيْتُمْ إِنْ لَّمْ تَلْبَثُوا إِلَّا يَسِيرًا حَتّٰى يَمْنَحَكُمُ اللّٰهُ بِلَادَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ وَ يَفْرِشَكُمْ بَنَاتِهِمْ أَتُسَبِّحُونَ اللّٰهَ وَ تُقَدِّسُونَهُ؟»

”کیا خیال ہے کہ اگر کچھ عرصہ کے بعد اللہ تعالیٰ ان علاقوں اور اموال کا تمھیں مالک اور ان کی بیٹیوں کو تمھاری لونڈیاں بنا دے تو کیا تم اس مالک کی تسبیح و تحمید کرو گے؟“

یہ سن کر نعمان بن شریک نے کہا:

”اے قریشی بھائی! اللہ کی قسم! پھر تو یہ آپ ہی کا حق ہے۔“[1]

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 163/2.

بنو شیبان سے دعوتی ملاقات سے ماخوذ اسباق و فوائد

❁ مدۃ العمر رسول اکرم ﷺ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرنے سے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ علم و فہم کی گراں قدر دولت سے مالا مال ہوئے۔ اسی بنا پر آپ کو تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر سبقت کا شرف حاصل ہوا۔ رسول اکرم ﷺ کی تربیت کے زیر اثر آپ نے تحریک اسلامی کے مزاج سے بخوبی آشنائی پیدا کر لی اور میدان عمل میں رہ کر دعوت و تبلیغ کے تقاضے خوب جانچ لیے۔ صحبت رسالت مآب سے فیض یاب ہو کر آپ نے منہج الٰہی کی حقیقت کا ادراک کر لیا۔ اللہ تعالیٰ کی معرفت، کائنات کی حقیقت، یومِ قیامت کے احوال سے آگاہی، حق و باطل، ہدایت و ضلالت اور ایمان و کفر کے درمیان فرق کو کما حقہ سمجھ لیا۔ ذکر و تلاوت اور قیام اللیل سے آپ کو گہری لگن تھی، اسی کے نتیجے میں آپ کو عالی اخلاق اور روحانی بالیدگی حاصل ہوئی۔

❁ رسول اکرم ﷺ کی معیت میں قبائل عرب کو دعوت اسلام دیتے ہوئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خوب استفادہ کیا۔ آپ نے اس حقیقت کا ادراک کر لیا کہ نبی اکرم ﷺ قبائل عرب کو دعوتِ اسلام دینے کے لیے جس نصرت و اعانت کے خواہاں تھے وہ یہ تھی کہ جو لوگ نصرت و اعانت کرنے والے ہوں ان کے کسی حکومت کے ساتھ ایسے معاہدات نہ ہوں جو دعوت اسلامی کے منافی ہوں، اس لیے کہ ایسے قبائل اور زعماء کی سرپرستی سے دعوتی تحریک کو ان قوموں سے نقصان کا اندیشہ ہوتا ہے جن کے معاہدات ان کے پاؤں کی زنجیر ہیں اور جو اسلامی تحریک کو اپنی بقاء کا بڑا دشمن قرار دیتے ہیں۔[1]

❁ مشروط یا جزوی حمایت اہداف کے حصول میں ناکام رہتی ہے۔ اگر کسریٰ نبی اکرم ﷺ اور آپ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر حملہ کرنے کا ارادہ کر لیتا تو بنو شیبان کے لوگ اس کے خلاف کسی کارروائی کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔ اسی لیے نبی اکرم ﷺ اور ان کے

[1] الجهاد و القتال في السياسة الشرعية لمحمد هيكل: 412/1

درمیان گفتگو لا حاصل رہی۔ [1]

❁ مثنیٰ بن حارثہ سے نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمانا کہ ''اللہ کے دین کی نصرت وحمایت وہی کر سکتا ہے جس کا یہ دین ہر طرف سے احاطہ کر لے۔'' اس کی پیشکش کے جواب میں تھا کہ اگر نبی اکرم ﷺ چاہیں تو بلاد فارس کے علاوہ صرف سرزمین عرب میں آپ کی نصرت و حمایت کی جاسکتی ہے۔ دانشمند حضرات اور سیاسی امور کے ماہرین اس معاملے میں نبی اکرم ﷺ کی دور اندیشی، انتہائی دانشمندی اور سیاسی بصیرت کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ [2]

❁ نبی اکرم ﷺ کی دعوت کے بارے میں بنوشیبان کا موقف اعلیٰ اخلاق، شجاعت و مردانگی، صاف گوئی اور مقدور بھر نصرت وحمایت کے وعدے کا مظہر ہے۔ انھوں نے یہ امر بھی واضح کر دیا کہ ایسی تحریک حکمرانوں اور بادشاہوں کو ناگوار گزرتی ہے۔ قدرت الٰہی کا نظارہ کیجیے کہ کم وبیش دس سال بعد ہی جب بنوشیبان کے دل اسلام کے نور سے منور ہوگئے تو انھوں نے شہنشاہان عجم سے خوب ٹکر لی۔ ان کے عظیم جرنیل اور جری کمانڈر مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے خلافت صدیق میں کسریٰ کے خلاف اسلامی لشکر کی قیادت سنبھالی۔ مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور ان کی قوم نے بلاد فارس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی، جبکہ جاہلیت میں وہ ان کے مقابل آنے سے گریزاں بلکہ انھیں خوش آمدید کہنے پر مجبور تھے۔ انھوں نے باوجود قلبی اطمینان کے نبی اکرم ﷺ کی دعوت کو محض اس لیے قبول نہ کیا کہ کہیں انھیں اس کی پاداش میں اہلِ فارس کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

❁ اس سے ہمیں اس دین کی عظمت کا بھی اندازہ ہوتا ہے جس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو دنیا میں قوموں کی قیادت سونپ کر بلند مرتبے پر فائز کر دیا اور جنت کی دائمی نعمتیں بھی اُنھی کی منتظر ہیں۔ [3]

[1] التحالف السياسي في الإسلام للغضبان، ص: 53. [2] التحالف السياسي في الإسلام للغضبان، ص: 64. [3] التاريخ الإسلامي للحميدي: 69/3، والتربية القيادية للغضبان: 20/2.

نبی اکرم ﷺ کے ساتھ ہجرت مدینہ

ہجرت کا پس منظر

جب مسلمانوں پر قریش کی ایذا رسانی حد سے تجاوز کر گئی تو انھوں نے اپنے دین و ایمان کے تحفظ کی خاطر ہجرت حبشہ کا رستہ اختیار کیا۔ اس کے بعد ہجرت مدینہ کا مرحلہ آیا۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ سے ہجرت کی اجازت چاہی تو آپ نے فرمایا:

«لَا تَعْجَلْ! لَعَلَّ اللّٰهَ يَجْعَلُ لَكَ صَاحِبًا»

''عجلت سے کام نہ لو، شاید اللہ تعالیٰ تمھیں کسی کا ساتھ نصیب فرما دے۔''①

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی شدید خواہش تھی کہ انھیں نبی اکرم ﷺ کی صحبت میسر آئے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہجرت کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں: ''نبی اکرم ﷺ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر صبح یا شام کو ضرور تشریف لاتے تھے۔ جب آپ ﷺ کو ہجرت کی اجازت ملی تو آپ دوپہر کے وقت تشریف لائے۔ اس وقت آنا آپ کا معمول نہیں تھا۔ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ کو دیکھا تو فرمانے لگے کہ اس وقت رسول اکرم ﷺ کی آمد یقیناً کسی اہم معاملے کا پیش خیمہ ہے۔ جب آپ گھر میں داخل ہوئے تو حضرت

① تاريخ الدعوة إلى الإسلام للدكتور يسري محمد هاني، ص: 107.

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ کے بیٹھنے کے لیے احتراماً جگہ چھوڑ دی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس وقت حضرت ابوبکر کے پاس میں اور میری بہن اسماء تھیں۔ نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ مجھے آپ سے تنہائی میں بات کرنی ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: «يَا رَسُولَ اللّٰهِ! إِنَّمَا هُمَا ابْنَتَايَ» ''اے اللہ کے رسول! آپ ان کے بارے میں فکرمند نہ ہوں، یہ دونوں میری بیٹیاں ہیں۔''

آپ ﷺ نے فرمایا: «إِنَّ اللّٰهَ قَدْ أَذِنَ لِي فِي الْخُرُوجِ وَالْهِجْرَةِ»

''اللہ تعالیٰ نے مجھے ہجرت کی اجازت دے دی ہے۔''

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: «اَلصُّحْبَةَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟» ''کیا اللہ کے رسول ﷺ مجھے شرفِ صحبت سے ہمکنار فرمائیں گے؟''

رسول اللہ ﷺ نے اثبات میں جواب دیا۔ آپ کی رضا مندی پاکر فرحت و انبساط کے مارے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اللہ کی قسم! اس دن سے پہلے مجھے معلوم ہی نہیں تھا کہ خوشی کی شدت سے بھی انسان رو پڑتا ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا:

«يَا نَبِيَّ اللّٰهِ! إِنَّ هَاتَيْنِ رَاحِلَتَانِ قَدْ كُنْتُ أَعْدَدْتُهُمَا لِهٰذَا»

''اے اللہ کے رسول! میں نے سفر ہجرت کے لیے یہ دو اونٹنیاں تیار کر رکھی ہیں۔''

بعدازاں سفر مدینہ کی راہنمائی کے لیے بنو دیل بن بکر قبیلے کے ایک مشرک آدمی عبداللہ بن اریقط کے ساتھ اجرت پر رسول اکرم ﷺ اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے معاملہ طے کیا اور دونوں اونٹنیاں اس کے حوالے کردی گئیں جن کی نگہداشت سفر ہجرت کے آغاز تک اُسی کے ذمے تھی۔''[1]

[1] السيرة النبوية لابن كثير: 234،233/2.

ہجرت مدینہ کی تفصیلات

صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے مطابق سفر ہجرت کی تفصیلات اس طرح ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''دوپہر کے وقت ہم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر بیٹھے ہوئے تھے، کسی نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خبر دی کہ نبی اکرم ﷺ چہرۂ مبارک کو ڈھانپے ہوئے تشریف لا رہے ہیں، حالانکہ اس وقت آپ ﷺ کی آمد آپ کے معمول کے خلاف تھی۔ حضرت ابوبکر عرض کرنے لگے کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، اللہ کی قسم! اس وقت آپ ضرور کسی اہم کام ہی سے تشریف لا رہے ہیں۔ آپ ﷺ تشریف لائے، اجازت طلب کی اور گھر میں داخل ہونے کے بعد فرمایا: «أَخْرِجْ مَنْ عِنْدَكَ» ''آپ کے پاس جو لوگ موجود ہیں انھیں باہر بھیج دیں۔''

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: «إِنَّمَا هُمْ أَهْلُكَ بِأَبِي أَنْتَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ!»

''اے اللہ کے رسول! یہ تو آپ کے اپنے ہی ہیں۔''

آپ ﷺ نے فرمایا:

«فَإِنِّي قَدْ أُذِنَ لِي فِي الْخُرُوجِ» ''مجھے ہجرت کی اجازت مل گئی ہے۔''

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: «اَلصُّحْبَةَ بِأَبِي أَنْتَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟»

''اللہ کے رسول! کیا آپ مجھے شرف صحبت مرحمت فرمائیں گے؟''

آپ نے اثبات میں جواب دیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: «فَخُذْ بِأَبِي أَنْتَ يَارَسُولَ اللّٰهِ إِحْدٰى رَاحِلَتَيَّ هَاتَيْنِ» ''آپ ان دونوں اونٹنیوں میں سے کسی ایک کا انتخاب فرمالیجیے۔''

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: «بِالثَّمَنِ» ''میں قیمتاً لینا ہی پسند کروں گا۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ پھر ہم نے جلدی جلدی تیاری کی۔ ایک تھیلی میں آپ دونوں کے لیے کھانا تیار کر دیا۔ تھیلی کو باندھنے کے لیے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے اپنا کمر بند چاک کیا، اسی مناسبت سے ان کا نام ''ذات النطاقین'' پڑ گیا۔ اس کے بعد رسول اکرم ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے غار ثور میں تین راتیں چھپ کر گزاریں۔ آپ دونوں کے پاس حضرت عبداللہ بن ابوبکر رات بسر کرتے تھے۔ وہ ایک ذہین، معاملہ فہم اور کڑیل نوجوان تھے۔ سحری کے وقت وہ غار ثور سے واپس چلے آتے اور قریش مکہ کے مابین صبح یوں موجود ہوتے جیسے رات انھی میں گزاری ہے۔ جو بھی نبی اکرم ﷺ کے خلاف سازش کا جال بنتا، عبداللہ اس کی خبر رات کے اندھیرے میں نبی اکرم ﷺ کو پہنچا دیتے۔

رسول اللہ ﷺ کو دودھ فراہم کرنے کے لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا غلام عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ بکریوں کا ریوڑ لے کر رات کے اندھیرے میں غار کی طرف جا نکلتا۔ آپ دونوں، بکریوں کے دودھ ہی پر گزر اوقات کرتے۔ عامر بن فہیرہ رات کی تاریکی ہی میں بکریاں واپس مکہ لے جاتا تھا۔ غار میں بسر کی جانے والی تینوں راتوں میں اس کا یہی معمول رہا۔ رسول اکرم ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بنو دیل قبیلے کے ایک ماہر آدمی سے رستے کی رہنمائی کے لیے اجرت پر معاملہ طے کیا اور تین راتوں کے بعد غار ثور پر پہنچنے کا وعدہ لیا۔ وہ مقررہ وقت پر آ پہنچا۔ اس نے نبی اکرم ﷺ، حضرت ابوبکر اور عامر بن فہیرہ کو ساتھ لے کر رخت سفر باندھا، سفر کے لیے اس نے ساحلی راستہ منتخب کیا۔ [1]

رسول اکرم ﷺ کے مکہ سے چلے جانے کا علم حضرت علی بن ابی طالب، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہما اور ان کے اہل خانہ کے سوا کسی کو نہ تھا۔ دونوں حضرات سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر کے پچھلے دروازے سے نکلے تا کہ قریش آگاہی پا کر آپ کے سفر ہجرت میں

[1] صحیح البخاری، حدیث: 3905

رکاوٹ نہ ڈالیں۔ [1]

نبی اکرم ﷺ نے مکہ سے رخصت ہوتے وقت دعا فرمائی۔ پھر چلتے چلتے آپ نے مکہ مکرمہ کے بازار میں اپنی اونٹنی تھوڑی دیر کے لیے روک لی اور فرمایا:

«وَاللّٰهِ! إِنَّكِ لَخَيْرُ أَرْضِ اللّٰهِ وَأَحَبُّ أَرْضِ اللّٰهِ إِلَى اللّٰهِ وَلَوْلَا أَنِّي أُخْرِجْتُ مِنْكِ مَاخَرَجْتُ»

''اے سرزمین مکہ! اللہ کی قسم! تو روئے زمین سے بہتر اور اللہ تعالیٰ کو انتہائی محبوب سرزمین ہے، اگر مجھے تیرے ہاں سے نکلنے پر مجبور نہ کیا جاتا تو میں کبھی نہ نکلتا۔'' [2]

جب نبی اکرم ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مکہ سے روانہ ہوئے تو کفار آپ کا پیچھا کرتے ہوئے غار ثور تک جا پہنچے۔ غار کے دہانے پر جب انھوں نے مکڑی کا جالا دیکھا تو کہنے لگے کہ اگر وہ اس میں داخل ہوئے ہوتے تو یہاں مکڑی کا جالا نہ ہوتا۔ [3] درحقیقت یہ مکڑی اللہ تعالیٰ کے لشکروں میں سے تھی جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ؕ﴾

''تیرے رب کے لشکروں کو صرف وہی جانتا ہے۔'' [4]

تمام تر اسباب و وسائل اختیار کرنے کے باوجود رسول اکرم ﷺ کا کامل اعتماد صرف اللہ تعالیٰ ہی کی نصرت و تائید پر تھا، اس لیے آپ کی زبان مبارک پر یہ الفاظ جاری رہے:

﴿وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا ۝﴾

''اور کہیے: اے میرے رب! داخل کر مجھے سچا داخل کرنا اور نکال مجھے سچا نکالنا اور

[1] الهجرة في القرآن الكريم للأحزمي سامعون جزولي، ص:334، والسيرة النبوية لابن كثير: 234/2. [2] جامع الترمذي، حديث: 3925. [3] مسند أحمد: 348/1، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسے ''حسن'' کہا ہے (فتح الباري: 295/7). [4] المدثر 31:74.

مجھے خاص اپنے پاس سے مددگار قوت عطا فرما۔"[1]

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی مکرم ﷺ کو دعا سکھلائی ہے تاکہ آپ کی امت بھی اللہ رب العزت کے سامنے دست سوال دراز کرنا سیکھے۔ اس عظیم دعا کا لب لباب یہ ہے کہ آپ کا تمام سفر صدق وخلوص اور خیر و برکت کا مظہر رہے۔ صدق و صفا کو اس مقام پر خاص اہمیت حاصل ہے کیونکہ مشرکین نے آپ پر عرصۂ حیات تنگ کرکے اللہ تعالیٰ کی جانب جھوٹ منسوب کرنے پر آمادہ کرنے کی سعی لا حاصل کی تھی۔ راست بازی کی بے شمار برکات ہیں۔ اس سے ثبات و استقرار، امن واطمینان اور خلوص حاصل ہوتا ہے اور آیت: ﴿وَاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا ۝﴾ "اور مجھے خاص اپنے پاس سے مددگار قوت عطا فرما۔" میں اس بات کی دعا کی گئی ہے کہ اے اللہ! مجھے ایسی قوت اور طاقت عطا فرما جس کے ذریعے سے میں زمین کے طاغوتوں اور مشرکین پر غالب آسکوں۔ اور ﴿مِنْ لَّدُنْكَ﴾ کے الفاظ میں براہ راست اللہ تعالیٰ کے قرب اور اس کی نصرت وحمایت کے حصول کی تمنا کا اظہار ہے۔

دعوتی تحریک کے حاملین نصرت و غلبہ کے حصول کے لیے صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں اور انھیں صرف اللہ رب العزت ہی کی قوت پر انحصار کرنا ہوتا ہے۔ کسی دنیوی حاکم یا جاہ وحشمت کے مالک کسی شخص سے نصرت وحمایت طلب کرنا ان کے شایان شان نہیں ہوتا۔ دنیا کے سلاطین اور حکمران بھی دعوت کے حامی اور اس کے لشکر میں شمولیت اختیار کرکے فلاح و کامرانی سے ہمکنار ہوسکتے ہیں، البتہ یہ حقیقت فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ دعوت کی کامیابی حکمرانوں کی نصرت و تائید کی مرہونِ منت نہیں ہوتی بلکہ اس کی کامیابی کا دارومدار اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم پر ہے۔ وہ خالق کائنات دنیا کی تمام بڑی طاقتوں سے کہیں بڑی طاقت ہے۔[2]

[1] بني إسرآءيل 80:17. الهجرة النبوية المباركة للدكتور عبدالرحمٰن البر، ص: 72. [2] تفسير في ظلال القرآن لسيد قطب: 2247/4.

اللہ کی مدد

جب مشرکین نے غار کا احاطہ کرلیا تو رسول اکرم ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ کی معیت کا احساس دلا کر دلاسا دیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خدشہ لاحق ہوا کہ اگر ان میں سے کسی نے اپنے پاؤں کی جانب نگاہ دوڑائی تو وہ ہمیں دیکھ لے گا۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: «مَا ظَنُّكَ يَا أَبَابَكْرٍ بِاثْنَيْنِ اللّٰهُ ثَالِثُهُمَا؟» ''اے ابوبکر! ایسے دو آدمیوں کے بارے میں تمھارا کیا خیال ہے جن کا تیسرا ساتھی اللہ تعالیٰ ہو؟''

اسی سلسلے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ۭ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ ﴾

''اگر تم اس (نبی) کی مدد نہیں کرو گے تو تحقیق اللہ نے اس کی (اس وقت) مدد کی (تھی) جب کافروں نے اس کو (مکہ سے) نکال دیا تھا، (وہ) دو میں دوسرا تھا، جبکہ وہ دونوں غار (ثور) میں تھے، جب وہ (نبی) اپنے ساتھی (ابوبکر) سے کہہ رہا تھا: غم نہ کر، یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے، پھر اللہ نے اس پر اپنی سکینت نازل کی اور ایسے لشکروں سے اس کی مدد کی جنھیں تم نے نہیں دیکھا اور اس نے کافروں کی بات کو پست کردیا اور بات تو اللہ ہی کی بلند ہے۔ اور اللہ بہت زبردست ہے، خوب حکمت والا ہے۔''[1]

غار ثور میں تین راتیں قیام کرنے کے بعد نبی اکرم ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

[1] التوبة 9:40. صحيح البخاري، حديث:3653و4663، وصحيح مسلم، حديث:2381.

سفر کا آغاز کرنے کے لیے غار سے نکلے۔ مشرکین آپ کے بارے میں کچھ معلوم کرنے سے مایوس ہو چکے تھے اور ان کی سرگرمیاں ٹھنڈی پڑ چکی تھیں۔ عبداللہ بن اریقط نامی جس مشرک آدمی کو اجرت پر سفر کا راہبر مقرر کیا گیا تھا وہ تین راتوں کے بعد مقررہ وقت پر اونٹنیاں لے کر غارِ ثور پہنچ گیا۔ آپ ﷺ کی نقل و حرکت کو مخفی رکھنے کے لیے اس نے ایسے راستے کا انتخاب کیا جو کسی کے تصور میں بھی نہ آ سکتا تھا۔ [1]

قریش مکہ نے مکہ مکرمہ کے اطراف و اکناف میں یہ اعلان کر دیا کہ جو شخص محمد (ﷺ) کو زندہ یا مردہ حالت میں لے آئے اسے سو اونٹ انعام ملے گا۔ قبائل عرب میں جب یہ بات عام ہوگئی تو سراقہ بن مالک کے دل میں اس انعام کے حصول کا لالچ پیدا ہوا۔ سراقہ نے اس کے حصول کے لیے سعی لا حاصل کی لیکن یہ کرشمۂ قدرت تھا کہ جو شخص آپ کا دشمن بن کر آپ کی گرفتاری یا قتل کے درپے تھا، اسے اللہ تعالیٰ نے شمع رسالت کا فدائی بنا کر اس کی کایا ہی پلٹ دی۔ [2]

مدینہ میں دخول

مدینہ کے مسلمانوں کو جب نبی اکرم ﷺ کے مکہ سے روانہ ہونے کی خبر ملی تو وہ روزانہ آپ کے استقبال کے لیے مدینہ سے باہر چلے آتے اور جب دوپہر کے وقت گرمی شدت اختیار کر لیتی تو واپس گھروں کی راہ لیتے۔ ایک دن طویل انتظار کے بعد جب وہ لوٹے تو ایک یہودی اپنے کسی کام کی غرض سے ایک بڑے ٹیلے پر چڑھا۔ اس نے دور سے نبی اکرم ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کو سفید لباس میں آتے ہوئے دیکھا تو بلند آواز سے پکارنے لگا: ''اے قومِ عرب! تمھیں اپنے جس سردار کا انتظار تھا وہ آ رہا ہے۔'' مسلمانوں نے آپ ﷺ کے دفاع کے لیے اسلحہ تھاما اور استقبال کے لیے لپکے۔ وہ مدینہ کے باہر ہی آپ ﷺ سے آ ملے۔ انھیں ساتھ لے کر آپ ﷺ نے مدینہ کی دائیں جانب رخ کیا

[1] المستفاد من قصص القرآن لعبد الكريم زيدان: 101/2. [2] السيرة النبوية للصلابي: 543/1.

اور بنو عمرو بن عوف کے محلّہ میں پڑاؤ کیا۔ یہ ماہ ربیع الاول، پیر کے دن کا واقعہ ہے۔ ①
حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ لوگوں سے ملاقات کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے، جبکہ رسول اکرم ﷺ خاموشی سے بیٹھ گئے۔ انصار میں سے جس نے نبی اکرم ﷺ کی پہلے زیارت نہیں کی تھی، وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے کھڑے ہونے کی وجہ سے انھی کے لیے عقیدتیں نچھاور کرتا رہا حتی کہ جب نبی کریم ﷺ پر سورج کی روشنی پڑی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی چادر سے آپ ﷺ پر سایہ کر دیا، تب ان لوگوں کو معلوم ہوا کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ ②
رسول اکرم ﷺ کی مدینہ آمد پر مسلمانوں کو انتہائی مسرت نصیب ہوئی۔ انھوں نے اس مبارک دن کے موقع پر اپنے بہترین لباس زیب تن کیے، گویا یوم عید ہو۔ درحقیقت وہ یوم سعید، یوم عید سے بڑھ کر تھا کیونکہ اس مبارک دن میں اسلام مکہ مکرمہ کی تنگ گھاٹی سے مدینہ منورہ جیسے وسیع دعوتی میدان میں اس طرح داخل ہوا کہ رفتہ رفتہ اطراف عالم اس کی خوشبو سے معطر ہو گئے۔ اہل مدینہ رسول معظم کی آمد پر ایسے عظیم شرف و فضل سے ہمکنار ہوئے جو روئے زمین پر کسی اور کے حصے میں نہ آیا۔ انھیں منبع نور و ہدایت، مہاجر صحابۂ کرام کے استقبال اور نصرت اسلام کی سعادت حاصل ہوئی۔ اسی خوبی کی بنا پر مدینہ طیبہ اسلامی نظام کا مرکز قرار پایا۔ ③
اہل مدینہ نے جس گرمجوشی سے آپ کا استقبال کیا، تاریخ عالم اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر پڑاؤ کیا، جبکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت خارجہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہ کے ہاں ٹھہرے۔ ④
بعد ازاں انتھک محنتوں، آزمائشوں اور چیلنجوں کے مرحلے کا آغاز ہوا۔ مملکت اسلامیہ

① فتح الباري: 4/544، والهجرة في القرآن الكريم للأحزمي سامعون جزولي، ص: 351.
② الهجرة في القرآن الكريم للأحزمي سامعون جزولي، ص: 352. ③ الهجرة في القرآن الكريم للأحزمي سامعون جزولي، ص: 353. ④ الهجرة في القرآن الكريم للأحزمي سامعون جزولي، ص: 354.

ہجرتِ مدینہ

﴿وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللَّهُ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ﴾ ”اور یاد کیجئے! جب تدبیر کر رہے تھے آپ کی بابت وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا' تاکہ وہ قید کر دیں آپ کو' یا قتل کر دیں آپ کو' یا نکال دیں آپ کو' اور تدبیریں کر رہے تھے وہ اور تدبیر کر رہا تھا اللہ بھی' اور اللہ سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے○“ (الأنفال 30:8)

﴿إِلَّا تَنْصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا فَأَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَمْ تَرَوْهَا﴾

”اگر نہ مدد کرو گے تم اس کی' تو تحقیق مدد کی اس (پیغمبر) کی اللہ نے' جب کہ نکال دیا تھا اس کو ان لوگوں نے جنہوں نے کفر کیا' (وہ) دوسرا تھا دو میں سے' جب وہ دونوں تھے غار میں' جب کہ وہ کہہ رہا تھا اپنے ساتھی سے' غم نہ کر' بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے' پس نازل کی اللہ نے اپنی سکینت اس پر اور مدد کی اس کی ایسے لشکروں سے کہ نہیں دیکھا تم نے ان کو“

(التوبة 40:9)

ہجرت کا راستہ
قافلوں کا راستہ

مدینہ منورہ
قباء
ذات الجیش
ملل
ذوالحلیفہ
الحفیر
تربان
بطن ریم
ثنیۃ العائر
سیالہ
روحاء
رُوَیثہ
عرج
منصرف
عبابید (القاحہ)
سجسج
مدلجہ تعہن
جداجد
بطن ذی کشر
الفرع
ذوسلم
مرجح ذی الغضوین
مرجح مجاج
مدلجہ مجاج
مدلجہ لقف
ثنیۃ المرہ
بدر
جحفہ
رابغ
رابغ البحر
کلیہ
مشلل
خیمہ اُمِ معبد x
قدید
خلیص
امج
الروضہ
کدید
غدیر الاشطاط
عسفان
ثنیۃ الغزال
بطن مر
سرف
حدیبیہ
مکہ مکرمہ
جبل ثور
جدہ
شعیبہ
بحیرۂ قلزم (احمر)
40 0
کلومیٹر
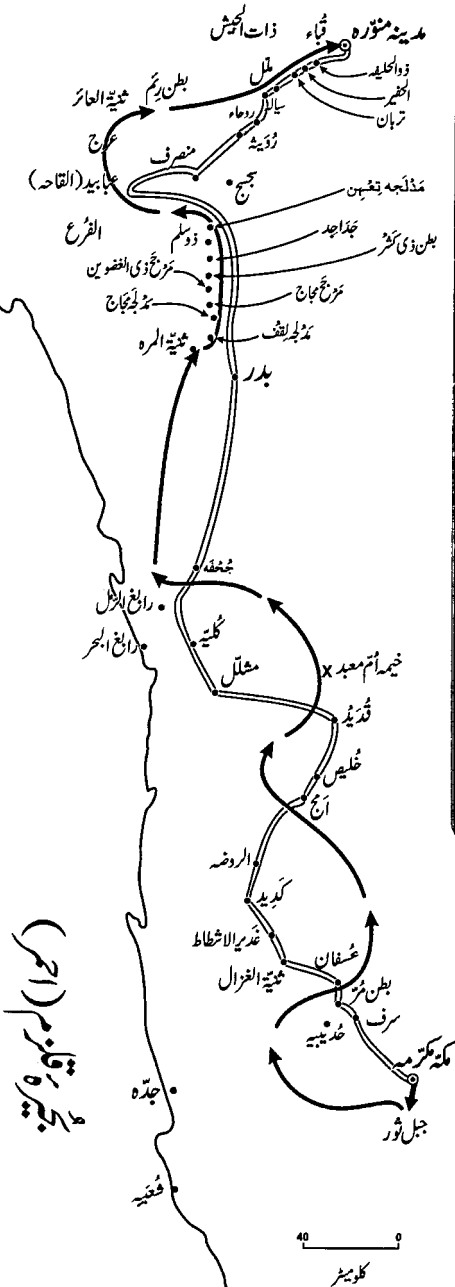
کے شاندار اور روشن مستقبل کے لیے رسول اللہ ﷺ نے ان صبر آزما مراحل کو انتہائی جانفشانی مگر خوش اسلوبی کے ساتھ طے کرلیا۔ اسلامی تحریک نے تقوی، ایمان اور عدل و احسان پر مبنی ایک ایسی تہذیب کی بنیاد رکھی جس نے اس وقت کی عالمی طاقتوں روم اور فارس کو مسخر کرلیا۔ [1]

اسلامی دعوت کے آغاز سے لے کر رسول اکرم ﷺ کی رحلت تک سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے ہمنوا رہے اور منبع نبوت اور شمع رسالت سے حکمت و ایمان، اعتماد و یقین اور تقوی و اخلاص کے لحاظ سے خوب سیراب ہوئے۔ نبی اکرم ﷺ کی صحبت نے آپ میں سچائی و راست بازی، محبت وعقیدت، عزم و ثبات اور بلند ہمتی و معاملہ فہمی جیسی صفات پیدا کیں۔ رسول اکرم ﷺ کی وفات کے بعد آپ نے سقیفہ بنی ساعدہ کے معاملے میں، لشکر اسامہ کو روانہ کرنے کے موقع پر اور مرتدین کے خلاف محاذ آرائی کے سلسلے میں بڑے صبر و استقلال کا مظاہرہ کیا۔ ان تمام حساس معاملات میں آپ نے تعمیر و ترقی، اصلاح و درستگی اور اتفاق و یگانگت کے جذبے کو فروغ دیا۔ [2]

ہجرت مدینہ کے فوائد اور دروس و عبرتیں

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ إِلَّا تَنصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا ۖ فَأَنزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَىٰ ۗ وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ○ ﴾

”اگر تم اس (نبی) کی مدد نہیں کرو گے تو تحقیق اللہ نے اس کی (اس وقت) مدد کی

[1] الهجرة في القرآن الكريم للأحزمي سامعون جزولي، ص: 355. [2] في التاريخ الإسلامي لشوقي أبي خليل، ص: 226.

(تھی) جب کافروں نے اس کو (مکہ سے) نکال دیا تھا، (وہ) دو میں دوسرا تھا، جبکہ وہ دونوں غار (ثور) میں تھے، جب وہ (نبی) اپنے ساتھی (ابوبکر) سے کہہ رہا تھا: غم نہ کر، یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے، پھر اللہ نے اس پر اپنی سکینت نازل کی اور ایسے لشکروں سے اس کی مدد کی جنھیں تم نے نہیں دیکھا اور اس نے کافروں کی بات کو پست کر دیا اور بات تو اللہ ہی کی بلند ہے۔ اور اللہ بہت زبردست، خوب حکمت والا ہے۔"[1]

مندرجہ بالا آیت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے شرف وفضل پر سات دلائل موجود ہیں، ان کا تذکرہ مندرجہ ذیل ہے:

- کفار نے رسول اکرم ﷺ کو مکہ سے نکلنے پر مجبور کیا۔ چونکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی سفرِ ہجرت میں آپ ﷺ کے ہمنوا تھے، اس لیے مکہ مکرمہ سے کوچ کرنے کی فضیلت میں آپ بھی لازمی طور پر رسول اکرم ﷺ کے ساتھ شریک ہیں۔
- حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی نبی اکرم ﷺ کے تن تنہا ساتھی تھے جو سفر ہجرت میں آپ کے ساتھ رہے۔ رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ایسے دو ساتھی تھے جن کا حامی و ناصر محض اللہ تعالیٰ کی ذات تھی۔ حضرت ابوبکر کو اکیلے کئی مواقع پر نبی اکرم ﷺ کی نصرت وحمایت کی سعادت حاصل ہوئی۔ اگر کسی مقام پر اکابر صحابۂ کرام میں سے کوئی اکیلا آپ کے ساتھ رہ جاتا تو وہ فرد واحد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی ہوتے جیسا کہ قبائل عرب کو دعوت اسلام، سفر ہجرت اور غزوۂ بدر میں نبی اکرم ﷺ کی جائے سکونت پر شرف صحبت وخدمت صرف آپ ہی کے حصے میں آیا۔
- غار ثور میں صرف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی آپ ﷺ کے ہمنوا تھے۔ آپ کی اسی منقبت کا قرآن حکیم میں واضح تذکرہ موجود ہے۔ متعدد احادیث بھی اس پر شاہد ہیں۔ صحیحین کی

[1] التوبۃ 40:9.

روایت میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بیان فرماتے ہیں کہ جب میں نبی اکرم ﷺ کے ساتھ غار میں تھا تو میں نے غار کے دہانے پر مشرکین کے پاؤں کی طرف دیکھا۔ میں نے رسول اکرم ﷺ سے عرض کی کہ اگر ان میں سے کسی نے اپنے پاؤں کی طرف نگاہ دوڑائی تو وہ ہمیں دیکھ لے گا۔ آپ نے جواب دیا:

«مَا ظَنُّكَ يَاأَبَابَكْرٍ بِاثْنَيْنِ اللّٰهُ ثَالِثُهُمَا؟»

''اے ابوبکر! تیرا ایسے دو ساتھیوں کے بارے میں کیا خیال ہے جن کے ساتھ تیسرا اللہ تعالیٰ ہو؟''[1]

اہل علم اس بات پر متفق ہیں کہ اس حدیث میں دو افراد سے مراد نبی اکرم ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں بلکہ اس کی شہادت تو قرآن حکیم نے بھی دی ہے۔[2]

❁ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کے ہمہ گیر اور ہمہ وقت ساتھی اور صاحب ہونے کا اعزاز رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿إِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ﴾ کے مطابق آپ کی صحبت محض غار ثور تک محدود نہ تھی بلکہ آپ نے ہمیشہ علی الاطلاق نبی اکرم ﷺ کے ''صاحب'' ہونے کا اعزاز پایا۔ اس حقیقت میں کسی کو اختلاف نہیں کہ صحبت رسول میں آپ سے بڑھ کر کامل واکمل کوئی اور نہ تھا۔ بلاشبہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فضائل ومناقب کا یگانہ مجموعہ ہیں۔[3]

❁ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کے معاملے میں نہایت حساس جذبات رکھتے تھے۔ آپ ﷺ کی معمولی سی آزردگی کا خیال بھی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو کبیدہ خاطر کیے دیتا تھا۔ قرآن کریم میں ﴿لَا تَحْزَنْ﴾ کے الفاظ اس حقیقت کو عیاں کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نبی اکرم ﷺ سے انتہائی عقیدت ومحبت کی وجہ سے ہمیشہ یہ فکر دامن گیر رہتی کہ کہیں

[1] صحيح البخاري، حديث: 3653، و صحيح مسلم، حديث: 2381. [2] منهاج السنة لابن تيمية: 4/240، 241. [3] منهاج السنة لابن تيمية: 4/252.

کوئی آپ کو گزند نہ پہنچا دے۔ اسی لیے سفر ہجرت میں آپ کبھی نبی اکرم ﷺ کے آگے اور کبھی پیچھے چلتے تھے۔ جب نبی اکرم ﷺ نے اس کے متعلق آپ سے استفسار کیا تو آپ نے جواب دیا:

«أَذْكُرُ الرَّصَدَ فَأَكُونُ أَمَامَكَ وَ أَذْكُرُ الطَّلَبَ فَأَكُونُ وَرَائَكَ»

''اے اللہ کے رسول! جب میرے دل میں سامنے سے حملے کا خوف آتا ہے تو میں آپ کے آگے چلتا ہوں اور جب مجھے آپ کے پکڑے جانے کا خدشہ لاحق ہونے لگے تو میں آپ کے پیچھے چلنے لگتا ہوں۔''[1]

اسی طرح جب غار کے دہانے پر پہنچے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا:

«يَا رَسُولَ اللّٰهِ! كَمَا أَنْتَ حَتّٰى أَسْتَبْرِئَ»

''اے اللہ کے رسول! ذرا ٹھہریے تاکہ میں غار کا اچھی طرح جائزہ لے لوں۔''

جب آپ نے غار میں ایک جگہ سوراخ دیکھا تو اس پر اپنا پاؤں ٹکا دیا اور فرمایا:

«يَا رَسُولَ اللّٰهِ! إِنْ كَانَتْ لَسَعَةٌ أَوْ لَدْغَةٌ كَانَتْ بِي»

''اے اللہ کے رسول! میں نے ایسا اس لیے کیا ہے کہ اگر کوئی موذی جانور ہو تو وہ مجھی کو نقصان پہنچائے اور اللہ کے رسول ﷺ اس سے محفوظ رہیں۔''[2]

آپ ہمیشہ اس بات سے خائف رہتے مبادا کوئی آپ کی زندگی میں نبی اکرم ﷺ کو اذیت سے دوچار کرے یا آپ کی جان کے درپے ہو بلکہ آپ ہمیشہ یہ تمنا کرتے تھے کہ اپنے جان و مال اور اہل و عیال کو آپ ﷺ پر قربان کر دیں۔ یہی جذبہ ایک سچے مسلمان کے اسلام کی ضمانت ہے اور صدیق اکبر کا یہ جذبہ کیوں نہ ہوتا کیونکہ آپ تو عقیدہ و ایمان اور محبت رسول میں ساری امت پر فائق تھے۔[3]

[1] أبوبكر الصديق لمحمد بن عبدالرحمٰن: 43. [2] منهاج السنة لابن تيمية: 262/4. [3] منهاج السنة لابن تيمية: 263/4.

❁ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ غار میں اللہ تعالیٰ کی معیت کے یگانہ شرف سے ہمکنار ہوئے۔ فرمان الٰہی: ﴿إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا﴾ اس مفہوم کو واضح کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی معیت کے اس شرف میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا کوئی ہمنوا نہیں ہے۔ معیت الٰہی کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی نصرت و تائید اور دشمنوں کے خلاف مدد کرنے میں آپ کے ساتھ تھا۔ نبی اکرم ﷺ ہی نے آپ کو خبر دی کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے دشمنوں کے خلاف ہمارا حامی و ناصر ہوگا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا﴾ ''یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے۔''[1]

﴿إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا﴾ کی تفسیر میں دکتور عبدالکریم زیدان نے معیت کے مفہوم کو یوں واضح کیا ہے: ''مذکورہ آیت میں شرف معیت عام متقی اور محسن مسلمانوں کے لیے اس معیتِ الٰہی سے اعلیٰ و برتر ہے جس کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں فرمایا ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوا وَّالَّذِينَ هُم مُّحْسِنُونَ ○﴾

''بلاشبہ اللہ ان کے ساتھ ہے جنھوں نے پرہیز گاری کی اور وہ احسان کرنے والے ہوں۔''[2]

اس آیت میں تو شرفِ معیت احسان اور تقویٰ کے ساتھ مقید ہے لیکن رسول اکرم ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لیے اللہ تعالیٰ کی معیت کسی عمل یا وصف کے ساتھ مقید نہیں بلکہ عام اور مطلق ہے۔ درحقیقت آپ کے لیے اللہ تعالیٰ کی معیت ہی ایک معجزہ ہے۔''[3]

❁ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سکینت اور نصرت و حمایت کے نزول کے وقت بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کے صاحب اور ساتھی تھے۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿فَأَنزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَىٰ ۗ وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ○﴾

[1] التوبة 9:40. [2] النحل 16:128. [3] المستفاد من قصص القرآن لعبد الكريم زيدان: 2/100.

"پھر اللہ نے اس پر اپنی سکینت نازل کی اور ایسے لشکروں سے اس کی مدد کی جنھیں تم نے نہیں دیکھا اور اس نے کافروں کی بات کو پست کر دیا اور بات تو اللہ ہی کی بلند ہے۔ اور اللہ بہت زبردست ہے، خوب حکمت والا ہے۔"①

یہ آیت اس امر پر شاہد ہے کہ شدید خوف کی حالت میں جسے صحبت رسول کا شرف حاصل ہوا، نصرت و تائید کے وقت بھی صاحب اور ساتھی ہونا اسی کا حق ہے۔ یہ آیت اپنے سیاق و سباق کے لحاظ سے نزولِ سکینت کے وقت بھی سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے شرفِ صحبت پر دلالت کرتی ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے بعد اللہ تعالیٰ کی نصرت و تائید سب لوگوں سے بڑھ کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھی۔②

ہجرت کے لیے نبی اکرم ﷺ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی احتیاطی تدابیر

واقعۂ ہجرت پر غور و فکر سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ابتدا ہی سے کس قدر دقیق منصوبہ بندی اور محتاط تدابیر اختیار فرمائیں۔ کسی بھی کام کا آغاز کرنے سے پہلے مناسب حکمت عملی وضع کرنا نبی اکرم ﷺ کی سنت بلکہ آپ کا حکم ہے۔ بلاسوچے سمجھے کسی معاملے میں کود پڑنا عاقبت نااندیشی ہے۔ ایسی صورت میں انسان یقیناً خطرات سے کھیلتا ہے۔③

چنانچہ ہجرت کے اس عظیم عمل کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لیے آپ ﷺ نے منظّم منصوبہ بندی کی۔ اگرچہ آپ کو اس معاملے میں مشکلات سے بھی دوچار ہونا پڑا۔ درحقیقت کسی عظیم مقصد کے حصول میں مشکلات ضرور حائل ہوتی ہیں۔ آپ ﷺ نے ہجرت کے تمام مراحل کا بنظر غائر جائزہ لے کر اپنے منصوبے کا آغاز کیا تھا۔ آپ کی حکمت عملی سے متعلق چند احتیاطی تدابیر مندرجہ ذیل ہیں:

① التوبة 40:9. ② منهاج السنة لابن تيمية: 272/4. ③ الأساس في السنة لسعيد حوّى، رقم: 3578.

❁ دوپہر کے وقت شدید گرمی کے عالم میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر آپ ﷺ کی آمد، جبکہ اس وقت تشریف آوری آپ کا معمول نہیں تھا۔ اور ایسے وقت میں لوگوں کی آمدورفت بھی نہیں ہوتی تھی، یہ طرزِ عمل آپ نے اپنے مشن کو خفیہ رکھنے کے لیے اختیار فرمایا تھا۔

❁ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر آتے ہوئے اپنی شخصیت کو مخفی رکھنے کے لیے آپ کا اپنے سر اور چہرے کو ڈھانپ لینا بھی احتیاطی تدبیر تھی کیونکہ ایسی حالت میں انسان کی شناخت کے امکانات کم ہو جاتے ہیں۔ [1]

❁ آپ ﷺ نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے گفتگو کرنے سے پہلے انھیں اپنے اہل و عیال کو باہر بھیجنے کا حکم دیا، علاوہ ازیں آپ نے اپنے تفصیلی منصوبے اور راہِ سفر کا تعین کرنے کے بجائے مختصر گفتگو فرمائی۔ یہ امور بھی آپ کی احتیاطی تدابیر میں سے ہیں۔

❁ رات کے اندھیرے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر کے پچھلے دروازے سے نکلنا۔ [2] اپنے سفر کو پوشیدہ رکھنے کے لیے آپ کی یہ تدبیر بھی نہایت مؤثر تھی۔

❁ سفرِ ہجرت کے لیے غیر معروف راستہ اختیار کر کے اور جنگل کے راستوں اور صحراؤں کی بھول بھلیوں سے شناسائی رکھنے والے ماہر راہبر کی مدد لے کر آپ نے انتہائی احتیاط کا مظاہرہ کیا۔ یہ راہبر اگرچہ مشرک تھا لیکن نہایت بااعتماد اور عمدہ اخلاق کا مالک تھا۔ آپ ﷺ کا یہ عمل اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کو جہاں سے بھی مطلوبہ مہارت اور عمدہ کارکردگی مل جاتی تھی آپ اس مہارت سے فائدہ اٹھانے کو معیوب نہیں سمجھتے تھے۔ [3]

عبدالکریم زیدان حفظہ اللہ غیر مسلم سے استعانت کے معاملے پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں: ”شریعت کا قاعدہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی مصلحت کے عمومی امور و مسائل میں غیر مسلم

[1] السيرة النبوية قراءة لجوانب الحذر والحماية للدكتور إبراهيم علي، ص: 141. [2] من معين السيرة للشامي، ص: 147. [3] الهجرة في القرآن الكريم لأحزمي سامعون جزولي، ص: 361.

سے مدد نہ لی جائے لیکن اس قاعدے سے یہ چیز مستثنیٰ ہے کہ چند معینہ شروط کے ساتھ غیر مسلم سے مدد لینے کا جواز ہے۔'' وہ شروط مندرجہ ذیل ہیں:

- اس استعانت کے نتیجے میں حاصل ہونے والی مصلحت یقینی ہو یا اس کے حصول کی امید واثق ہو۔
- اس سے اسلامی دعوت پر مضر اثرات مرتب نہ ہوتے ہوں۔
- جس سے مدد لی جارہی ہو اس کا قابل اعتماد ہونا یقینی ہو۔
- یہ استعانت مسلمان افراد کے دلوں میں شکوک وشبہات کو جنم نہ دے۔
- اس استعانت کے جواز کے لیے ایسی حقیقی ضرورت و حاجت کا ہونا بھی ضروری ہے جو اس اسلامی قاعدہ وقانون میں استثنا پیدا کرکے اس استعانت کا جواز فراہم کرے۔ اگر مذکورہ بالا تمام شروط نہ پائی جائیں تو غیر مسلم سے مدد لینا جائز نہیں۔ [1]

ہجرت کے موقع پر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خانوادے کا کردار

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی اولاد کو اسلام کی دعوت دی تھی اور وہ اس عظیم اور مہتم بالشان کام میں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے کامیابی سے ہمکنار ہوئے تھے۔ آپ نے خدمت اسلام اور ہجرت رسول ﷺ کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لیے اپنے خاندان کو مختلف ذمہ داریاں سونپنے کا اہتمام کیا، چنانچہ آپ نے ہجرت مبارکہ کو عملی شکل دینے کے لیے اپنی اولاد کے درمیان مختلف اہم اور عظیم الشان ذمہ داریاں تقسیم کیں۔ ہجرت کے بابرکت سفر میں آپ کی اولاد کی کارکردگی مندرجہ ذیل ہے:

عبداللہ بن ابوبکر رضی اللہ عنہما کا کردار

عبداللہ رضی اللہ عنہ نے دشمن کی پوشیدہ سرگرمیوں کی جاسوسی کے لیے ایک سچے فرض شناس

[1] المستفاد من قصص القرآن لعبد الكريم زيدان: 145,144/2.

مخبر کا فریضہ سرانجام دیا۔ بلاشبہ عبداللہ رضی اللہ عنہ کی تربیت دین سے گہرے لگاؤ، روشن بصیرت، کامل ذہانت اور بیدار مغزی سے دین اسلام کی نصرت کی ترغیب و تاکید کے زیر اثر کی گئی تھی۔ یہ امر اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے عبداللہ کی تربیت کا اتنا مؤثر اہتمام کیا تھا کہ اس میں انھوں نے کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو ان کے والد محترم نے ہجرت کے موقع پر جو ذمہ داری سونپی اور ان کے لیے جو کردار معین کیا اسے انھوں نے بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیا۔ آپ کفار مکہ کی مجالس میں گھوم پھر کر ان کے سارے دن کی سازشیں سنتے رہتے تھے اور رات کو غار میں نبی اکرم ﷺ اور اپنے والد ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سامنے پوری رپورٹ پیش کر دیتے تھے۔ آپ نے یہ ذمہ داری اس قدر عمدہ مہارت اور خفیہ انداز سے سرانجام دی کہ اہلِ مکہ میں کسی کو بھی آپ پر کوئی شک نہیں گزرا۔ آپ غار ثور کے دہانے پر پہرے دار کی حیثیت سے رات بسر کرتے اور جب صبح ہونے کے قریب ہوتی تو اس قدر خفیہ انداز سے واپس مکہ پہنچ جاتے تھے کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوتی۔ [1]

حضرت عائشہ اور اسماء رضی اللہ عنہما کا کردار

ہجرت نبوی کے موقع پر حضرت عائشہ اور اسماء رضی اللہ عنہما کا عظیم کردار سامنے آتا ہے اور یہ عظیم کردار صحیح اور عمدہ تربیت کے فوائد واضح کرتا ہے۔ انھوں نے ہجرت کی رات نبی اکرم ﷺ اور اپنے والد کے لیے کھانا تیار کیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ اور اپنے والد محترم کو رخصت کرنے کے لیے جلدی جلدی تیار کیا اور توشہ دان میں ان کے لیے کھانا رکھ دیا۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے اپنے کمر بند کو کاٹ کر اس سے توشہ دان کا دہانہ باندھا۔ اسی وجہ سے انھیں ''ذات النطاقین'' کہا جانے لگا۔ [2]

[1] السيرة الحلبية: 213/2، والبداية والنهاية: 182/3. [2] البداية والنهاية: 184/3

مسلمانوں کے راز خفیہ رکھنے میں اسماء رضی اللہ عنہا کا کردار: ہجرت کے موقع پر حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے دین شناس، معاملہ فہم، اسلامی تحریک کے رازوں کی محافظ دختر اسلام ہونے کا ثبوت دیا۔ اور راز داری برقرار رکھنے کے نتیجے میں پیش آنے والی ایذاؤں کا استقامت سے مقابلہ کیا۔ یوں انھوں نے ایک عظیم مسلمان خاتون کا کردار پیش کیا۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا اپنے بارے میں بیان فرماتی ہیں:

> ''جب رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ سفر ہجرت کے لیے روانہ ہو گئے تو قریش کا ایک گروہ، جس میں ابوجہل پیش پیش تھا، آیا۔ وہ لوگ ہمارے گھر کے دروازے پر کھڑے ہوگئے۔ میں ان کے پاس پہنچی تو ابوجہل نے پوچھا: ''اے بنت ابوبکر! تیرا باپ کہاں ہے؟'' میں نے کہا: ''اللہ کی قسم! مجھے نہیں معلوم کہ میرا باپ کہاں ہے؟'' اُس بدبخت، بدقماش اور بے حیا نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور میرے رخسار پر اس قدر زور سے تھپڑ مارا کہ میرے کان کی بالی گر گئی، پھر وہ لوگ وہاں سے واپس چلے گئے۔''[1]

یہ ناقابل فراموش کردار حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی طرف سے مسلمان خواتین کے لیے ایک نہایت اہم سبق ہے جو انھیں نسل در نسل اس بات کی تعلیم دیتا ہے کہ وہ مسلمانوں کے راز کس طرح مخفی رکھیں اور طاقتور، ظالم اور سرکش دشمن کا سامنا کتنی ثابت قدمی، متانت اور وقار سے کریں۔

گھر میں امن وسکون قائم کرنے کے لیے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا کردار: جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اکرم ﷺ کی معیت میں ہجرت کے لیے نکلے تو آپ نے اپنی ساری رقم، جو پانچ یا چھ ہزار درہم کے لگ بھگ تھی، ساتھ لے لی اور گھر میں کوئی سرمایہ نہیں چھوڑا۔ آپ کے والد گرامی ابوقحافہ آپ کی خبر گیری اور اپنی اولاد کے سلسلے میں حصول اطمینان

[1] الهجرة النبوية المباركة للدكتور عبدالرحمن البر، ص: 126.

کے لیے اپنے بیٹے کے گھر تشریف لائے۔ ابوقحافہ، جو اُس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے اور نابینا تھے، فرمانے لگے: ”اللہ کی قسم! میرا خیال ہے کہ ابوبکر مال اپنے ساتھ لے گیا ہے اور تمھیں مصیبت میں مبتلا کر گیا ہے۔“ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ”ابا جان! ایسا ہرگز نہیں ہے۔“ چنانچہ اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے وہ خود فرماتی ہیں: ”ہمارے دادا جان ابوقحافہ ہمارے ہاں تشریف لائے۔ وہ نابینا تھے۔ میں نے ان سے کہا کہ وہ (ابوبکر رضی اللہ عنہ) ہمارے لیے بہت سا مال چھوڑ گئے ہیں اور میں نے کچھ پتھر لے کر گھر کے اس طاقچے میں رکھ دیے جس میں میرے والد محترم اپنا مال رکھا کرتے تھے اور ان پر کپڑا ڈال دیا، پھر میں نے ان کا ہاتھ تھام کر کہا: ”دادا جان! اس مال پر ہاتھ رکھیے“ انھوں نے اس پر ہاتھ رکھا اور کہنے لگے: ”کوئی بات نہیں، انھوں نے یہ بہت اچھا کیا ہے کہ وہ تمھاری گزر اوقات کے لیے خوب مال چھوڑ گئے ہیں۔“ حضرت اسماء فرماتی ہیں: ”اللہ کی قسم! ابوبکر رضی اللہ عنہ ہمارے لیے کچھ بھی چھوڑ کر نہیں گئے تھے۔ میں نے یہ سب کچھ محض اپنے بوڑھے دادا جان کو اطمینان دلانے کے لیے کیا تھا۔“[1]

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے حکمت و دانائی سے اپنے والد کی پردہ پوشی اور اپنے نابینا دادا کی تسکین قلب کی۔ بلاشبہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنی اولاد کے لیے اللہ تعالیٰ پر پختہ ایمان کی ایسی عظیم دولت چھوڑ گئے تھے جسے پہاڑ متزلزل کر سکتے تھے نہ آندھیاں ہلا سکتی تھیں، یعنی ایسا ایمان جو مال کی قلت یا کثرت سے متاثر نہیں ہوتا۔ انھوں نے اپنی اولاد کو لامحدود یقین اور اعتماد کا ورثہ دیا۔ اور ان کے دلوں میں ایسی جرأت و بے باکی کا بیج بویا جو ہمیشہ نہایت عالی قدر امور سے وابستہ ہوتی ہے اور کبھی کسی گھٹیا معاملے کی طرف مائل نہیں ہوتی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس طرز عمل سے ایک مسلم گھرانے کی ایسی مثال قائم کی ہے جس کی نظیر نہیں ملتی۔

[1] السیرۃ النبویۃ لابن ہشام: 102/2

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے اپنے اس عظیم کردار سے مسلمان خواتین کے لیے ایسی مثال پیش کی ہے جس کی پیروی کرنے کی آج اشد ضرورت ہے۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کسی تنگی اور مشقت کا شکوہ زبان پر لائے بغیر اپنی بہنوں کے ساتھ اسی طرح مکہ مکرمہ میں سکونت پذیر رہیں حتی کہ نبی اکرم ﷺ نے زید بن حارثہ اور اپنے غلام ابو رافع رضی اللہ عنہما کو دو اونٹ اور پانچ سو درہم دے کر مکہ مکرمہ بھیجا تا کہ وہ آپ کی بیٹیوں فاطمہ اور ام کلثوم، بیوی سودہ بنت زمعہ، اسامہ بن زید اور ان کی والدہ ام ایمن برکہ کو لیتے آئیں۔ ان کے ساتھ عبداللہ بن ابوبکر رضی اللہ عنہما بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خاندان کو لے کر نکل کھڑے ہوئے اور اُنھی کے ہمراہ مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ [1]

سیدنا عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کا کردار

عموماً لوگ غلاموں کو کوئی اہمیت نہیں دیتے بلکہ ان کے معاملات سے تغافل برتتے ہیں۔ لیکن اللہ سے تعلق رکھنے والے داعیان کرام ایسا نہیں کرتے۔ وہ جسے بھی ملتے ہیں اسے شمع ہدایت سے فیض یاب کرنے کی پوری کوشش کرتے ہیں، چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے غلام عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کی ایسی عمدہ تعلیم و تربیت کی کہ وہ اسلام پر نثار ہونے کے لیے تیار ہو گئے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سفر ہجرت کے دوران عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کی انتہائی اہم ذمہ داری لگائی تھی۔ وہ مکہ مکرمہ کے دیگر چرواہوں کے ساتھ دن بھر بکریاں چراتے اور اس دوران آپ کی نگاہیں کسی جانب مائل نہ ہوتیں۔ جب شام ہوتی تو وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بکریاں لے کر نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے اور وہ دونوں ان کا دودھ دوہتے اور ذبح کرتے، پھر عامر رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن ابوبکر رضی اللہ عنہما کے کام کی تکمیل اس طرح کرتے کہ جب عبداللہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس سے

[1] تاریخ الطبری: 100/2، والهجرة النبوية المباركة للدكتور عبدالرحمن البر، ص: 128.

رخصت ہو کر صبح سویرے مکہ مکرمہ کی طرف لوٹتے تو عامر رضی اللہ عنہ ان کے نقش پا کو مٹانے کے لیے اسی راستے سے بکریاں لے کر واپس چلے جاتے۔ آپ کا یہ عمل ہجرت نبوی کی کامیابی کے لیے دانش مندی کا عمدہ مظاہرہ تھا۔ [1]

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سیرت مبارکہ سے یہ عظیم سبق ملتا ہے کہ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ دنیا کے مشرق و مغرب سے اپنے پاس آنے والے خادموں کا خیال رکھیں، ان کے ساتھ انسانی سلوک روا رکھیں اور انھیں اسلام کی تعلیم سے روشناس کرائیں۔ اس طرح شاید اللہ تعالیٰ انھیں بھی ان لوگوں کے گروہ میں شامل کر دے جو دین حق کے علمبردار ہیں۔

ہجرت نبوی کے موقع پر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا اپنے خاندان کو نبی اکرم ﷺ کی خدمت پر نہایت منظّم انداز سے مامور کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ نے نہایت لطیف انداز سے معاملات ہجرت کی تدبیر کی۔ بڑے پر حکمت اسلوب کے ساتھ ہجرت کے احوال میں مصلحت اندیشی کا ثبوت دیا۔ ہر ذمہ داری کے لیے ایسے شخص کا انتخاب کیا جو اس کے لیے سب سے موزوں تھا۔ تمام رخنوں اور شگافوں کو آپ نے بند کر دیا۔ سفر ہجرت کی تمام تر ضروریات کو نہایت عمدگی سے پورا کیا اور اس میں بس اتنے ہی افراد کو ذمہ داری سونپی جتنے افراد کی ضرورت تھی۔ ضرورت سے زیادہ کسی شخص کو ساتھ نہیں رکھا۔ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کے لیے تمام حسب استطاعت معقول اسباب اور ذرائع بڑے بھرپور انداز سے اختیار کیے......، مزید برآں اللہ کی رحمت اور مدد بھی آپ کے شامل حال رہی۔ [2]

کوئی بھی کام ہو اُسے انجام دینے کے لیے مطلوبہ اسباب و وسائل اختیار کرنا نہایت

[1] تاريخ الدعوة إلى الإسلام للدكتور يسري محمد هاني، ص : 115. [2] أضواء على الهجرة لتوفيق محمد سبع، ص: 393-397.

ضروری بلکہ واجب ہے۔ لیکن اس سے ہمیشہ حسب منشا نتائج کے حصول کی یقینی توقع رکھنا ٹھیک نہیں۔ کیونکہ نتائج کا تعلق اللہ تعالیٰ کے حکم اور مشیت سے ہے۔ اسی بنا پر اللہ تعالیٰ پر توکل بھی لازم ٹھہرا کیونکہ توکل ہی کے ذریعے سے اسباب اختیار کرنے کا فرض تکمیل کو پہنچتا ہے۔

بلاشبہ نبی اکرم ﷺ تمام اسباب و وسائل اختیار کرنے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے مدد کی دعا بھی کرتے رہے تاکہ آپ کی محنت اور کوشش ثمر آور ثابت ہو، چنانچہ اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا کو قبولیت سے نوازا اور آپ کو عظیم الشان کامیابی عطا فرمائی۔ [1]

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی عمدہ تیاری اور خوشی کے جذبات

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ہجرت کی تیاری میں نبوی تربیت کا اثر جھلکتا ہے، چنانچہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے کا ارادہ کیا تو رسول اللہ ﷺ نے آپ سے فرمایا: «لَا تَعْجَلْ لَعَلَّ اللّٰهَ يَجْعَلُ لَكَ صَاحِبًا»

''جلدی نہ کرو، شاید اللہ تعالیٰ تمھارے لیے کوئی ہمسفر بنا دے۔'' [2]

آپ ﷺ کے اس فرمان کے بعد سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ہجرت کی تیاری اور اس کے متعلق سوچ بچار کرنا شروع کر دیا۔ آپ نے سفر ہجرت کی تیاری کے لیے دو سواریاں خریدیں اور انھیں اپنے گھر ہی میں رکھ کر چارا ڈالتے رہے۔ صحیح بخاری کی روایت میں ہے:

« عَلَفَ رَاحِلَتَيْنِ كَانَتَا عِنْدَهُ وَرَقَ السَّمُرِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ»

''ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاں موجود دونوں سواریوں کو چار ماہ تک ببول درخت کے پتوں کا چارا کھلایا۔'' [3]

بلاشبہ آپ نے اپنی بصیرت کی بدولت اس بات کا ادراک کر لیا تھا کہ ہجرت کا مرحلہ

[1] من معين السيرة للشامي، ص: 148. [2] السيرة النبوية لابن هشام: 480/1، وفقه السيرة للألباني، ص: 158. [3] صحيح البخاري، حديث: 2297.

انتہائی مشکل ہوگا اوراچانک پیش آئے گا، اسی لیے آپ نے ہجرت کے وسائل پہلے ہی سے مہیا کر لیے، ضروری اخراجات جمع کر لیے اور اپنے خاندان کو نبی اکرم ﷺ کی خدمت پر مامور کردیا۔ جب نبی اکرم ﷺ نے آکر آپ کو اطلاع دی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ہجرت کے لیے نکلنے کی اجازت مرحمت فرما دی ہے تو آپ خوشی کے مارے آبدیدہ ہو گئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''اللہ کی قسم! جب میں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ہجرت کے دن روتے ہوئے دیکھا تو اُس وقت مجھے پہلی مرتبہ اس بات کا ادراک ہوا کہ کوئی خوشی کی بدولت بھی روسکتا ہے۔'' بلاشبہ خوشی کی انتہا یہ ہے کہ خوشی آنسوؤں میں ڈھل جائے۔ کسی شاعر نے اسی بارے میں کہا ہے:

وَرَدَ الْكِتَابُ مِنَ الْحَبِيبِ بِأَنَّهُ ... سَيَزُورُنِي فَاسْتَعْبَرَتْ أَجْفَانِي

غَلَبَ السُّرُورُ عَلَيَّ حَتّٰى إِنَّنِي ... مِنْ فَرْطِ مَا قَدْ سَرَّنِي أَبْكَانِي

يَا عَيْنُ! صَارَ الدَّمْعُ عِنْدَكِ عَادَةً ... تَبْكِينَ مِنْ فَرَحٍ وَّ مِنْ أَحْزَانِي

''محبوب کی جانب سے خط آیا کہ وہ عنقریب مجھ سے ملاقات کرے گا تو میری آنکھیں بھیگ گئیں۔ مجھ پر اس قدر خوشی غالب ہوئی کہ میری آنکھوں سے آنسو بہہ پڑے۔ اے آنکھ! آنسو بہانا تو تیری عادت بن چکی ہے، خوشی ہو یا غم تُو رونا شروع کردیتی ہے۔''

سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ اس صحبت کا مفہوم یہ ہے کہ عنقریب وہ رسول مکرم ﷺ کے چند دن کے لیے ضرور رفیق سفر بنیں گے اور عنقریب انھیں اپنے قائد اور محبوب نبی ﷺ پر اپنی جان نثار کرنے کا بھرپور موقع ملے گا۔ اس کائنات میں اس سے بڑھ کر اور کون سی کامیابی ہوسکتی ہے کہ اس مدت میں تمام اہل زمین اور تمام صحابہ میں سے صرف اکیلے صدیق رضی اللہ عنہ سید کائنات ﷺ کے رفیق اور ساتھی تھے۔ [1]

[1] التربية القيادية للغضبان: 192,191/2.

اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کی حقیقت اس وقت ظاہر ہوئی جب غار میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یہ خوف لاحق ہوا کہ کہیں مشرکین ہم دونوں کو دیکھ نہ لیں۔ آپ نے اس موقع پر ایسی عمدہ مثال قائم کی ہے جس پر دعوتی میدان کے ہر سچے سپاہی کو ایسے موقع پر قائم ہونا چاہیے جس وقت اس کا قائد خطرات میں گھر چکا ہو اور اس کی زندگی پر خوف کے سائے منڈلا رہے ہوں۔ اس موقع پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی جان کی قطعاً پروا نہیں کی۔ اگر آپ کو اپنی موت کا ڈر ہوتا تو آپ کبھی اس پرخطر ہجرت میں رسول اللہ ﷺ کے رفیقِ سفر نہ بنتے، حالانکہ آپ کو معلوم تھا کہ اگر مشرکین نے انھیں رسول اللہ ﷺ کی معیت میں گرفتار کر لیا تو ان کی کم سے کم سزا قتل ہے۔ اس موقع پر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو صرف اس بات کا ڈر تھا کہ کہیں اگر رسول اللہ ﷺ مشرکین کے ہاتھ لگ گئے تو آپ کی زندگی کا کیا بنے گا اور اسلام کا مستقبل کیا ہوگا۔[1]

نبی کریم ﷺ کی معیت میں دوران ہجرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رسول اللہ ﷺ کے بارے میں اطمینان طلب اعلیٰ (چھٹی) حس کئی مواقع پر سامنے آتی ہے۔

ان مواقع میں سے ایک موقع وہ ہے جب آپ سے ایک پوچھنے والے نے پوچھا:

''یہ آپ کے آگے آگے چلنے والا آدمی کون ہے؟'' تو آپ نے جواب دیا:

«هٰذَا هَادٍ يَّهْدِينِي السَّبِيلَ»

''یہ میرے رہبر ہیں جو مجھے راستے کی رہنمائی کرتے ہیں۔''

سائل نے اس جواب سے یہ سمجھا کہ ان کی مراد عام راستہ ہے جبکہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا مقصد اور مراد نیکی اور بھلائی کا راستہ تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جھوٹ اور حرج سے بچاؤ کے لیے توریے کا استعمال بخوبی جانتے تھے۔[2] آپ کا سائل کو یہ جواب دینا درحقیقت توریہ تھا، نیز اس جواب کے ذریعے آپ نے رسول اللہ ﷺ سے

[1] السيرة النبوية للسباعي، ص: 71. [2] الهجرة النبوية المباركة للدكتور عبدالرحمٰن البر، ص: 204.

حاصل کردہ امن پسندانہ تربیت کا عملی مظاہرہ کیا۔ چونکہ ہجرت کا معاملہ بڑا مخفی اور انتہائی راز دارانہ تھا، اسی لیے آپ نے توریہ کیا اور رسول اللہ ﷺ نے بھی آپ کے اس جواب کو تسلیم کیا۔ [1]

قلوب واذہان پر حکومت کا طریقہ

جس طرح سیرت حبیب مصطفیٰ ﷺ میں تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی نبی کریم ﷺ کے ساتھ محبت اور وارفتگی جھلکتی ہے، اسی طرح ہجرت مدینہ کے مبارک سفر میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دل پر رسول اللہ ﷺ کی بہت گہری عقیدت اور محبت کا غلبہ روز روشن کی طرح صاف نظر آتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے آپ کی یہ کامل محبت دل کی گہرائیوں سے تھی جس میں اخلاص ہی اخلاص تھا۔ یہ محبت نفاق پر مبنی تھی نہ یہ کسی دنیاوی مصلحت کے لیے تھی۔ اس محبت میں کسی دنیوی فائدے کے حصول یا کسی ممکنہ نقصان کے واقع ہونے کا کوئی خوف شامل نہیں تھا۔ نبی کریم ﷺ سے آپ کی یہ محبت وعقیدت آپ کی صالح قائدانہ صلاحیتوں کی بدولت تھی۔ نبی کریم ﷺ صحابۂ کرام کو سلانے کی خاطر خود بیدار رہتے تھے۔ خود تھکاوٹ برداشت کر کے انھیں آرام کرنے کا موقع فراہم کرتے تھے اور خود بھوکے رہ کر انھیں آسودہ حال اور شکم سیر دیکھنا پسند فرماتے تھے۔ آپ ﷺ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی خوشی کو اپنی خوشی سمجھتے تھے اور ان کے غم زدہ ہونے پر خود غمگین ہو جاتے تھے۔ امت مسلمہ کے سرکردہ افراد، زعماء اور قائدین میں سے جو بھی اپنی عام اور خاص زندگی میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے حصول کا آرزومند ہو، وہ صحابۂ کرام کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا حسنِ سلوک دیکھے، سنن پر عمل پیرا ہو اور لوگوں کی خوشی غمی میں شریک ہو تو اسے بھی لوگوں کی سچی محبت وعقیدت میسر آسکتی ہے۔ [2]

[1] السيرة النبوية للصلابي، ص: 68 [2] الهجرة النبوية لأبي فارس، ص: 54.

لیبیا کے شاعر احمد رفیق مہدوی کے یہ اشعار مبنی بر حقیقت ہیں۔ وہ کہتے ہیں:

فَإِذَا أَحَبَّ اللّٰهُ بَاطِنَ عَبْدِهٖ ظَهَرَتْ عَلَيْهِ مَوَاهِبُ الْفَتَّاحِ

وَ إِذَا صَفَتْ لِلّٰهِ نِيَّةُ مُصْلِحٍ مَّالَ الْعِبَادُ عَلَيْهِ بِالْأَرْوَاحِ

''جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کے باطن کو پسند کرنے لگتا ہے تو اس پر اللہ کے احسانات و انعامات ظاہر ہونا شروع ہوجاتے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ کے لیے کسی مصلح کی نیت خالص ہوجائے تو لوگ اس پر دل و جان سے فدا ہونے لگتے ہیں۔''[1]

بلاشبہ صحیح اور مخلص قیادت ہی لوگوں کے قلوب و ارواح کی سب سے بڑھ کر صحیح قیادت کی استطاعت رکھتی ہے اور ایسی قیادت ہی لوگوں کے ساتھ عمدہ برتاؤ کی صلاحیت رکھتی ہے۔ لشکر اپنی قیادت کے احسان کے برابر ہی احسان کرتے ہیں اور ان پر قیادت کی طرف سے جس قدر محبت کا اظہار ہوتا ہے اسی قدر وہ قیادت پر اپنی محبت چھڑکتے ہیں۔ بلاشبہ نبی کریم ﷺ اپنے سپاہیوں اور اپنے پیروکاروں پر نہایت مہربان اور مشفق تھے۔ آپ ﷺ نے ہجرت بھی اس وقت کی جب آپ کے صحابہ کی اکثریت ہجرت کر چکی تھی اور صرف وہ لوگ پیچھے رہ گئے تھے جو ضعیف اور بے بس تھے یا جنھیں ہجرت سے متعلق خاص فرائض تفویض کیے گئے تھے۔[2]

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ محبت خالص اللہ کی رضا کے لیے تھی۔ اللہ کے لیے محبت اور غیر اللہ کے لیے محبت میں تمیز اس بات سے ہوتی ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے مخلص ہوکر محبت کرتے تھے، جبکہ نبی کریم ﷺ کے چچا ابوطالب اللہ تعالیٰ کے لیے نہیں بلکہ اپنا بھتیجا ہونے کے ناتے آپ

[1] الحركة السنوسية للصلابي: 7/2. [2] الهجرة النبوية المباركة للدكتور عبدالرحمٰن البر، ص: 205

کی مدد اور آپ سے محبت کرتے تھے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عمل کو درجۂ قبولیت بخشا اور آپ کے بارے میں مندرجہ ذیل آیات نازل فرمائیں:

﴿ وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى ۝ الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّى ۝ وَمَا لِأَحَدٍ عِنْدَهُ مِنْ نِعْمَةٍ تُجْزَى ۝ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَى ۝ وَلَسَوْفَ يَرْضَى ۝ ﴾

''اور بڑا متقی اس (جہنم) سے ضرور دور رکھا جائے گا۔ جو پاک ہونے کے لیے اپنا مال دیتا ہے۔ اور اس پر کسی کا کوئی احسان نہیں جس کا بدلہ اسے دیا جائے۔ مگر صرف اپنے رب برتر کا چہرہ چاہتے ہوئے (مال خرچ کرتا ہے)۔ اور یقیناً وہ (اللہ) جلد (اس سے) راضی ہوگا۔''[1]

اللہ تعالیٰ نے ابو طالب کے عمل کو قبولیت سے نہیں نوازا کیونکہ وہ مشرک تھے اور غیر اللہ کے لیے عمل کرنے والے تھے، جبکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنا اجر دوسروں سے مانگا نہ نبی کریم ﷺ سے بلکہ آپ اللہ تعالیٰ کے قرب کے لیے اور اسی سے اجر و ثواب مانگتے ہوئے نبی کریم ﷺ پر ایمان لائے۔ آپ ﷺ سے محبت کی اور آپ ﷺ کی حفاظت و اعانت کی، نیز آپ رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والے احکامات، نواہی، وعدوں اور وعیدوں کو لوگوں تک پہنچاتے رہے۔[2]

ہجرت کے ابتدائی ایام اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کی علالت

بلد امین مکہ مکرمہ سے نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ہجرت ایک عظیم قربانی تھی جس کی تعبیر نبی کریم ﷺ نے اپنے الفاظ میں یوں فرمائی:

«وَاللّٰهِ! إِنَّكِ لَخَيْرُ أَرْضِ اللّٰهِ وَ أَحَبُّ أَرْضِ اللّٰهِ إِلَى اللّٰهِ وَ لَوْلَا أَنِّي أُخْرِجْتُ مِنْكِ مَا خَرَجْتُ»

[1] اللّيل 92:17-21. [2] الفتاوٰی لابن تیمیة: 11/286.

”(اے مکہ مکرمہ!) اللہ کی قسم! تو اللہ تعالیٰ کی تمام روئے زمین سے بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ کو اس کی تمام زمین سے سب سے بڑھ کر محبوب ہے۔ اگر مجھے تیرے ہاں سے نکلنے پر مجبور نہ کیا جاتا تو میں یہاں سے کبھی نہ نکلتا۔“ [1]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ”جب رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو وہاں بخار کی سخت وبا پھیلی ہوئی تھی اور اس کی وادی سے بدبودار پانی بہتا تھا، اس وجہ سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بیماری اور آزمائش سے دو چار ہوئے، جبکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو اس وبا سے محفوظ رکھا۔“

ام المؤمنین مزید فرماتی ہیں: ”حضرت ابوبکر، عامر بن فہیرہ اور بلال رضی اللہ عنہم ایک ہی گھر میں مقیم تھے، چنانچہ انھیں بھی بخار نے آلیا۔ میں نے نبی کریم ﷺ سے ان کی عیادت کے لیے اجازت طلب کی تو آپ نے اجازت مرحمت فرما دی۔ میں عیادت کی غرض سے ان کے پاس چلی گئی۔ یہ ہم پر پردے کا حکم نازل ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ انھیں کس قدر شدید بخار تھا۔ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے قریب ہوئی اور کہا: ”ابا جان! آپ اپنے آپ کو کیسا محسوس کرتے ہیں؟“ انھوں نے فرمایا:

كُلُّ امْرِئٍ مُّصَبَّحٌ فِي أَهْلِهِ ۔۔۔ وَالْمَوْتُ أَدْنٰى مِنْ شِرَاكِ نَعْلِهِ

”ہر آدمی کو اپنے گھر والوں میں صبح کا سلام کیا جاتا ہے، حالانکہ موت اس کے جوتے کے تسمے سے بھی زیادہ اس کے قریب ہوتی ہے۔“

فرماتی ہیں کہ میں نے کہا: ”اللہ کی قسم! میرے والد کو معلوم ہی نہیں کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں“ پھر میں حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کے قریب ہوئی اور پوچھا: ”اے عامر! تم اپنے آپ کو کیسا محسوس کرتے ہو؟“ انھوں نے جواب دیا:

لَقَدْ وَجَدْتُّ الْمَوْتَ قَبْلَ ذَوْقِهِ ۔۔۔ إِنَّ الْجَبَانَ حَتْفُهٗ مِنْ فَوْقِهِ

[1] جامع الترمذي، حديث: 3925۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

كُلُّ امْرِئٍ مُّجَاهِدٌ بِطَوْقِهِ كَالثَّوْرِ يَحْمِي جِلْدَهٗ بِرَوْقِهِ

''بلاشبہ میں نے موت کا ذائقہ چکھنے سے پہلے ہی موت پا لی ہے۔ یقیناً بزدل کی موت اوپر سے آتی ہے، وہ لڑتے ہوئے بہادری کی موت نہیں مرتا۔ ہر آدمی اپنی طاقت کے مطابق بچاؤ کی کوشش کرتا ہے، جیسے بیل اپنے سینگوں کے ذریعے اپنے جسم کو بچاتا ہے۔''

فرماتی ہیں کہ میں نے کہا: ''اللہ کی قسم! عامر کو کچھ پتہ نہیں کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں۔''
سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا مزید فرماتی ہیں کہ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو جب بخار سے افاقہ ہوتا تو وہ گھر کے آنگن میں لیٹ جاتے، پھر بآواز بلند یہ اشعار پڑھتے:

أَلَا لَيْتَ شِعْرِي هَلْ أَبِيتَنَّ لَيْلَةً بِوَادٍ وَّ حَوْلِي إِذْخِرٌ وَّ جَلِيلُ
وَهَلْ أَرِدَنْ يَوْمًا مِّيَاهَ مَجَنَّةٍ وَّ هَلْ يَبْدُوَنْ لِّي شَامَةٌ وَّ طَفِيلُ

''اے کاش! کیا کبھی میں اس وادی میں رات بسر کرسکوں گا جہاں میرے ارد گرد اذخر اور جلیل نامی خوبصورت اور خوشبودار جڑی بوٹیاں ہوں۔ کیا میں کسی دن مجنہ کے کنویں پر جاسکوں گا اور کیا ''شامہ'' اور ''طفیل'' نامی پہاڑ مجھے نظر آئیں گے؟''

فرماتی ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو اس صورت حال سے آگاہ کیا تو آپ نے یہ دعا فرمائی:

«اَللّٰهُمَّ! حَبِّبْ إِلَيْنَا الْمَدِينَةَ كَحُبِّنَا مَكَّةَ أَوْ أَشَدَّ وَ صَحِّحْهَا وَ بَارِكْ لَنَا فِي صَاعِهَا وَ مُدِّهَا وَانْقُلْ حُمَّاهَا وَاجْعَلْهَا بِالْجُحْفَةِ»

''اے اللہ! ہمارے لیے مدینہ منورہ کو بھی اسی طرح محبوب بنادے جس طرح ہمیں مکہ مکرمہ سے محبت ہے بلکہ مکہ مکرمہ سے بھی زیادہ (مدینہ کی محبت پیدا فرما)۔ اسے بیماری سے پاک فرما دے، اس کے ''صاع'' اور ''مد'' (کے پیمانوں) میں

ہمارے لیے برکت فرما اور اس کا بخار جحفہ منتقل کر دے۔"[1]

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی دعا کو شرف قبولیت سے نوازا اور مسلمانوں کو اس دعا کے بعد اس بخار سے شفا مل گئی اور مدینہ منورہ کرۂ ارض کے مختلف علاقوں سے آنے والے مسلمانوں کے وفود اور مہاجرین کے لیے ایک عمدہ اور ممتاز وطن کی حیثیت اختیار کر گیا۔[2]

رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں سکونت اختیار کرنے کے بعد دولت اسلامیہ کی بنیادوں کو مضبوط و مستحکم کرنا شروع کیا۔ آپ نے انصار و مہاجرین کے مابین رشتۂ اخوت قائم کیا، پھر مسجد نبوی تعمیر کی اور یہود کے ساتھ حتمی معاہدہ کیا۔ اس کے ساتھ ہی چھوٹے چھوٹے فوجی دستوں کے ذریعے دشمن سے جھڑپوں کا آغاز ہو گیا۔ آپ ﷺ نے اس جدید معاشرے کی اقتصادی، تعلیمی، معاشرتی اور تربیتی ترقی کا اہتمام کیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے مخلص اور حقیقی وزیر کی حیثیت اختیار کر گئے اور ہر قسم کے حالات میں ہمیشہ آپ کے ساتھ ساتھ رہے۔ آپ کسی خاص موقع یا کسی رزم گاہ سے پیچھے رہے نہ کبھی آپ نے (اسلام کے فروغ کے لیے) اپنے مشورے، رائے اور مال میں بخل سے کام لیا۔[3]
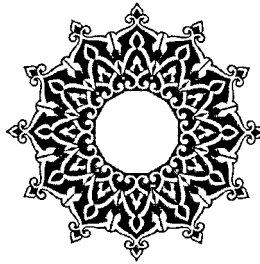
[1] صحيح البخاري، حديث: 3926، صحیح بخاری میں اختصار ہے، مذکورہ بالا تفصیل مسند أحمد: 221/6 اور السيرة النبوية لابن هشام: 588/1 میں موجود ہے۔ [2] التربية القيادية للغضبان: 310/2. [3] تاريخ الدعوة إلى الإسلام للدكتور يسري محمد هاني، ص: 121.
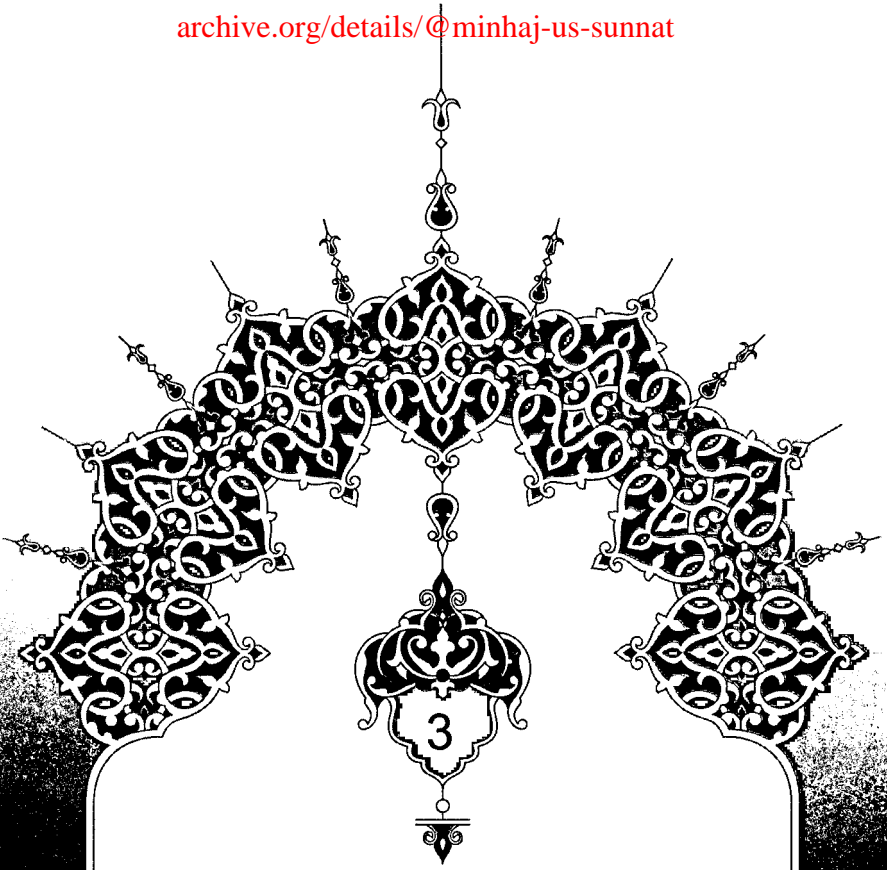
صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جہاد کے میدانوں میں

❁ جہادی میدانوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَبْشِرْ يَا أَبَابَكْرٍ! أَتَاكَ نَصْرُ اللّٰهِ، هٰذَا جِبْرِيلُ آخِذٌ بِعِنَانِ فَرَسِهٖ يَقُودُهٗ، عَلٰى ثَنَايَاهُ النَّقَعُ»

"اے ابوبکر! خوش ہو جا۔ تیرے پاس اللہ تعالیٰ کی مدد پہنچ گئی ہے، یہ جبریل ہیں جو اپنے گھوڑے کی لگام تھامے اسے چلاتے ہوئے آ رہے ہیں اور اس کے دانتوں پر غبار ہے۔"

(السيرة النبوية لابن هشام:2/457)

«لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا مُؤْمِنٌ وَّلَا يَطُوفُ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ وَّ مَنْ كَانَ بَيْنَهٗ وَ بَيْنَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ عَهْدٌ فَعَهْدُهٗ إِلٰى مُدَّتِهٖ وَلَا يَحُجُّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ»

"جنت میں مومن کے علاوہ کوئی داخل نہیں ہوگا، کوئی شخص برہنہ ہو کر بیت اللہ کا طواف نہیں کرے گا، جس شخص کا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کوئی معاہدہ ہے تو اس کا معاہدہ اسی مدت تک کے لیے رہے گا اور اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کرے گا۔"

(صحيح السيرة النبوية لإبراهيم العلي، ص: 625)

جہادی میدانوں میں رسول اللہ ﷺ کا ساتھ

اہل علم نے تاریخ اور سیرت کی کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ غزوۂ بدر سمیت تمام غزوات میں شریک ہوئے ہیں اور کسی بھی غزوے سے کبھی غیر حاضر نہیں رہے۔ غزوۂ احد کے دن جب لوگ بھاگ کھڑے ہوئے تھے تب بھی آپ نبی کریم ﷺ کے ساتھ ثابت قدمی سے کھڑے رہے۔ غزوۂ تبوک کے موقع پر نبی کریم ﷺ نے آپ کو اپنا سیاہ رنگ کا بڑا علَم عطا فرمایا۔[1] امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''سیرت نگاروں میں سے کسی نے بھی اس بارے میں اختلاف نہیں کیا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تمام غزوات میں سے کسی بھی غزوے میں نبی اکرم ﷺ سے پیچھے نہیں رہے۔''[2]

امام زمخشری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''بلاشبہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہمیشہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ وابستہ رہے۔ آپ نے بچپن ہی سے نبی کریم ﷺ کی صحبت اختیار کی۔ آپ نے اپنے مال کا ایک بہت بڑا حصہ اسلام اور رسول اللہ ﷺ کی نصرت و اعانت میں خرچ کیا۔ آپ ہی نے ہجرت مدینہ کے سلسلے میں نبی کریم ﷺ کے لیے اونٹنی اور زاد راہ کا اہتمام کیا اور رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ میں مسلسل آپ پر اپنا مال

① الطبقات لابن سعد: 124/1، وصفة الصفوة لابن الجوزي: 242/1. ② أسد الغابة: 318/3.

لٹاتے رہے۔ آپ نے اپنی لختِ جگر کو رسول اللہ ﷺ کی زوجیت میں دیا۔ سفر و حضر میں ہمیشہ آپ ﷺ کے ساتھ ساتھ رہے۔ اور جب آپ ﷺ رحلت فرما گئے تو آپ علیہ السلام کو سب سے چہیتی بیوی اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیٹی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں دفن کیا گیا۔'' (1)

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''میں نے نبی کریم ﷺ کی معیت میں سات غزوات میں شرکت کی ہے اور جو سرایا آپ نے بھیجے ان میں سے نو سرایا میں مجھے بھی شامل ہونے کا موقع ملا۔ ان سرایا میں کبھی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس ہماری کمان ہوتی تھی اور کبھی حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے پاس۔'' (2)

اس باب میں ہم صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی نبی اکرم ﷺ کی معیت میں گزاری ہوئی جہادی زندگی کے مختلف گوشوں کو تلاش کرنے کی جستجو کریں گے تاکہ ہم دیکھیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کے دین کی نصرت و اعانت کے لیے کس طرح اپنی ذہنی صلاحیتوں، مال اور جان کے ساتھ جہاد کیا۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر میں

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے 2 ھ کو پیش آنے والے غزوۂ بدر میں شرکت فرمائی۔ اس غزوے میں آپ کا کردار بڑی شہرت اور اہمیت کا حامل ہے۔ یہاں ہم آپ کے اس کردار کے چند اہم پہلوؤں کا تذکرہ کرتے ہیں:

جنگ کا مشورہ

جب نبی کریم ﷺ کو یہ اطلاعات ملیں کہ مکی تجارتی قافلہ بچ نکلا ہے اور مکہ مکرمہ کے بڑے بڑے سردار اور سالار مسلمانوں کے خلاف جنگ کی تیاریاں کر رہے ہیں تو

(1) خصائص العشرۃ الکرام البررۃ، ص: 41۔ (2) صحیح البخاری، حدیث: 4270

رسول اللہ ﷺ نے اس صورت حال کے بارے میں اپنے صحابہ سے مشورہ کیا۔[1] سب سے پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور بڑا عمدہ اور مفید مشورہ دیا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور انھوں نے بھی بڑی عمدہ اور موثر گفتگو فرمائی۔[2]

نبی اکرم ﷺ کی معیت میں دشمن کی جاسوسی

نبی کریم ﷺ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر مشرکین مکہ کے لشکر کے احوال سے آگاہی حاصل کرنے کے لیے نکلے۔ اسی دوران جب آپ علیہ السلام اس علاقے میں گھوم پھر رہے تھے، آپ کی ملاقات ایک بوڑھے سے ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ نے غیر محسوس انداز میں اس سے قریشی لشکر، اپنے اور صحابہ کے بارے میں پوچھا کہ ان کے بارے میں کیا اطلاعات ہیں؟

وہ کہنے لگا: ''میں اس وقت تک کچھ نہیں بتاؤں گا جب تک تم مجھے یہ نہ بتا دو کہ تم دونوں کن میں سے ہو؟''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «إِذَا أَخْبَرْتَنَا أَخْبَرْنَاكَ»

''جب تو ہمیں بتا دے گا تو ہم بھی تجھے بتا دیں گے۔''

وہ بوڑھا کہنے لگا کہ کیا میرے بتانے کے نتیجے میں تم بتاؤ گے؟

آپ ﷺ نے فرمایا: «نَعَمْ!» ''جی ہاں!''

وہ کہنے لگا: ''مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ محمد (ﷺ) اور ان کے ساتھی فلاں فلاں دن (مدینے سے) نکلے ہیں۔ جس آدمی نے مجھے یہ اطلاع دی ہے اگر اس نے سچ بولا ہے تو آج محمد (ﷺ) اپنے ساتھیوں سمیت فلاں مقام پر ہوں گے۔''

اس نے اپنے اندازے کے ساتھ اس مقام کی صحیح نشاندہی کی تھی جہاں مسلمان فروکش تھے۔

[1] صحیح البخاري، حدیث: 3952. [2] السیرۃ النبویۃ لابن ہشام: 447/2.

پھر اس نے کہا: ”اور مجھے یہ اطلاع بھی ملی ہے کہ قریش فلاں فلاں دن (مکہ مکرمہ سے) نکلے ہیں۔ اگر مجھے اطلاع دینے والے نے سچ بتایا ہے تو وہ آج فلاں فلاں مقام پر ہوں گے۔“

اس نے عملی طور پر اسی علاقے کی نشاندہی کردی جہاں مشرکین پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے......

اب وہ کہنے لگا: ”جو تم چاہتے تھے میں نے تمھیں وہ بات بتا دی ہے، لہٰذا اب تم مجھے بتاؤ کہ تم دونوں کس سے ہو؟“

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «نَحْنُ مِنْ مَّاءٍ» ”ہم پانی سے ہیں۔“

پھر نبی اکرم ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس سے منہ پھیر کر چل دیے اور وہ یہی کہتا رہ گیا کہ کس پانی سے ہو؟ کیا عراق کے پانی سے ہو؟[1]

دوران جنگ نبی اکرم ﷺ کی حفاظت

رسول اللہ ﷺ لڑائی کے لیے صفیں ترتیب دینے کے بعد قیادت کے مرکز کی طرف لوٹ گئے جو میدان جنگ سے علیحدہ ایک بلند ٹیلے پر چھپر کی صورت میں بنایا گیا تھا۔ اس چھپر میں آپ ﷺ کے ساتھ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں انصاری نوجوانوں کا گروپ رسول اللہ ﷺ کے چھپر کی حفاظت کر رہا تھا۔[2]

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اس جرأت مندانہ کردار کا تذکرہ اس طرح کیا کہ آپ نے اپنے دور خلافت میں لوگوں سے استفسار کیا: ”اے لوگو! سب سے بہادر کون ہے؟“ لوگوں نے جواب دیا: ”امیر المومنین آپ سب سے دلیر ہیں۔“ آپ نے فرمایا: ”جہاں تک میرا معاملہ ہے تو میں نے تو صرف اسی شخص کا حساب

[1] السیرۃ النبویۃ لابن ہشام: 228/2۔ [2] السیرۃ النبویۃ لابن ہشام: 233/2۔

برابر کیا جس نے مجھے دعوت مبارزت دی لیکن بہادری میں سب سے بڑھ کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے۔ ہم نے (جنگ بدر کے موقع پر) رسول اللہ ﷺ کے لیے ایک چھپر بنایا۔ ہم نے کہا کہ اس میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کون رہے گا تاکہ مشرکین میں سے کوئی آپ علیہ السلام پر حملہ نہ کر سکے؟ اللہ کی قسم! صرف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی وہ شخص تھے جو اس وقت آپ کے سر کے قریب تلوار سونت کر کھڑے ہو گئے۔ مشرکوں میں سے جو بھی آدمی آپ کی طرف لپکتا آپ اس پر پل پڑتے۔ یہ ہیں سب لوگوں سے زیادہ بہادر شخص۔''[1]

نصرت الٰہی کی خوشخبری اور رسول اللہ ﷺ کے پہلو میں جہاد کرنا

میدان جنگ میں دنیاوی اسباب اختیار کرنے سے پہلے رسول اللہ ﷺ اپنے رب کی طرف متوجہ ہوئے۔ آپ نے اس موقع پر اللہ تعالیٰ سے اس مدد کے لیے دست سوال دراز کیا جس کا اللہ تعالیٰ نے آپ سے وعدہ فرمایا تھا۔ آپ نے ان الفاظ میں دعا کی:

«اَللّٰھُمَّ! أَنْجِزْ لِي مَا وَعَدْتَّنِي، اَللّٰھُمَّ! إِنْ تَھْلِكْ ھٰذِهِ الْعِصَابَةُ مِنْ أَھْلِ الْإِسْلَامِ لَاتُعْبَدْ فِي الْأَرْضِ»

''اے اللہ! میرے ساتھ تو نے جو وعدہ کیا ہے اسے میرے لیے پورا فرما! اے اللہ! اگر اہل اسلام کی یہ مختصر جماعت ہلاک ہو گئی تو (پھر) زمین پر کبھی تیری عبادت نہیں کی جائے گی۔''

نبی کریم ﷺ مسلسل اللہ تعالیٰ سے مدد کی دعا کرتے رہے حتی کہ آپ کی چادر مبارک آپ کے مبارک شانوں سے نیچے گر گئی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے چادر اٹھا کر آپ کے مبارک شانوں پر ڈال دی۔ اور عرض کیا:

«یَا رَسُولَ اللّٰهِ! کَفَاكَ مُنَاشَدَتُكَ رَبَّكَ فَإِنَّهٗ مُنْجِزٌ لَّكَ مَا وَعَدَكَ»

[1] البداية والنهاية:3/271،272.

’’اے اللہ کے رسول! آپ نے اپنے رب سے بڑی التجائیں کر لی ہیں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ آپ سے کیے ہوئے وعدے کو ضرور پورا فرمائے گا۔‘‘ [1]

اسی موقع کی مناسبت سے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُم بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ ۝﴾

’’(یاد کرو) جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے تو اس نے تمھاری فریاد قبول کر لی (اور کہا) کہ بے شک میں ایک دوسرے کے پیچھے آنے والے ایک ہزار فرشتوں سے تمھاری مدد کروں گا۔‘‘ [2]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے جنگ بدر کے روز (ان الفاظ میں) دعا کی تھی:

«اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَنْشُدُكَ عَهْدَكَ وَوَعْدَكَ، اَللّٰهُمَّ! إِنْ شِئْتَ لَمْ تُعْبَدْ»

’’اے اللہ! میں تجھے تیرا عہد اور وعدہ یاد دلاتا ہوں۔ اے اللہ! کیا تو چاہتا ہے کہ تیری عبادت نہ کی جائے؟‘‘

اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ کا دست مبارک تھام لیا اور عرض کیا:

«حَسْبُكَ اللّٰهُ» ’’بس! اللہ تعالیٰ آپ کو کافی ہے۔‘‘

چنانچہ نبی اکرم ﷺ وہاں سے یہ آیت تلاوت کرتے ہوئے نکلے:

﴿سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ ۝﴾

’’عنقریب وہ جماعت شکست کھائے گی اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔‘‘ [3]

سائبان کے نیچے نبی کریم ﷺ پر تھوڑی دیر کے لیے اونگھ کی سی کیفیت طاری ہوئی،

[1] صحيح مسلم، حديث: 1763. [2] الأنفال 8:9. [3] القمر 54:45. صحيح البخاري، حديث: 3953.

پھر آپ چونکے اور فرمایا:

«أَبْشِرْ يَا أَبَابَكْرٍ! أَتَاكَ نَصْرُ اللّٰهِ، هٰذَا جِبْرِيلُ آخِذٌ بِعِنَانِ فَرَسِهِ يَقُودُهُ، عَلٰى ثَنَايَاهُ النَّقَعُ»

''اے ابوبکر! خوش ہوجا۔ تیرے پاس اللہ تعالیٰ کی مدد پہنچ گئی ہے، یہ جبریل ہیں جو اپنے گھوڑے کی لگام تھامے اسے چلاتے ہوئے آرہے ہیں اور اس کے دانتوں پر غبار ہے۔''

پھر نبی کریم ﷺ مجاہدین اسلام کے پاس تشریف لے گئے اور انھیں جہاد و قتال کی ترغیب دی۔ [1]

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کے اس طرز عمل سے یہ انتہائی اہم سبق سیکھا کہ اللہ تعالیٰ کی مدد کے حصول کے لیے بندے کو لوگوں سے الگ تھلگ ہوکر، نہایت خلوص کے ساتھ، اپنے آپ کو صرف اللہ تعالیٰ کے سپرد کر کے اللہ تعالیٰ ہی کے سامنے سجدہ ریز ہوجانا چاہیے۔

یہ منظر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے قلب و وجدان میں تاحیات راسخ رہا، چنانچہ آپ نے اس طرح کی کٹھن گھڑیوں میں رسول اللہ ﷺ کی اقتدا کرتے ہوئے اسے ہی اپنا معمول بنایا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ منظر اور یہ سنت ہر ایسے قائد، لیڈر، حاکم بلکہ عام آدمی کے لیے بھی ایک عمدہ، قابل عمل نصیحت اور سبق ہے جو نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی اقتدا کرنے کا آرزو مند ہے۔

جب میدان کارزار گرم ہوا اور آتش جنگ پوری طرح بھڑک اٹھی تو رسول اللہ ﷺ اپنے خیمے سے نیچے تشریف لائے۔ لوگ اپنی صفوں میں ڈٹے ہوئے دشمن پر حملہ آور ہونے کے ساتھ ساتھ ذکر الٰہی سے بھی اپنے قلوب گرما رہے تھے۔ آپ ﷺ نے صحابۂ

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 457/2

غزوۂ بدر الکبریٰ
(یوم الفرقان، یوم التقی الجمعان)
17 رمضان 2ھ، 13 مارچ 624ء
﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِىْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ﴾ "بلاشبہ اللہ پسند کرتا ہے ان لوگوں کو جولڑتے ہیں اس کی راہ میں صف بستہ گویا کہ وہ ایک دیوار ہیں سیسہ پلائی ہوئی۔" (الصف 4:61)
﴿وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ "اور البتہ تحقیق مدد کی تمہاری اللہ نے بدر میں جب کہ تم کمزور تھے پس ڈرو تم اللہ سے تاکہ تم شکر کرو۔" (آل عمرٰن 123:3)
کھجوروں کے باغ
مسلمانوں کا پڑاؤ
اَلْعُدْوَةُ الدُّنْيَا
(قریب والا ٹیلہ)
مدینہ منورہ کا راستہ
صفوں کی ترتیب
تیغ زن
نیزہ باز
تیر انداز
بدر کا کنواں
زبیر بن عوام کا گھوڑا
مقداد بن عمرو کا گھوڑا
علی
عبیدہ
حمزہ
جنگِ مبارزت
ولید
شیبہ
عتبہ
مسلمان مشرکین کے تعاقب میں
مشرکین کی صفیں بکھر گئیں
اَلْعُدْوَةُ الْقُصْوٰى
(دور والا ٹیلہ)
مشرکین کے لشکر کا دھاوا
مشرکین کا فرار
مکہ مکرمہ کا راستہ
مدینہ منورہ
حجاز
بدر
ابواء
الجحفہ
رابغ
بحیرۂ احمر
0
50
100
150
کلومیٹر
مقام بدر
نقشہ: 04

کرام رضی اللہ عنہم کو جہاد و قتال کی مزید ترغیب دی اور بہ نفسِ نفیس خود بھی جنگ میں بھرپور حصہ لیا اور دشمن سے برسرِ پیکار رہے۔ اس موقع پر بھی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آپ کے شانہ بشانہ مصروفِ جہاد رہے۔ [1]

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر بے مثال شجاعت و بسالت کا مظاہرہ کیا۔ آپ ہر سرکش کافر سے نبرد آزما ہونے کے لیے تُلے تھے، خواہ مقابلے میں آپ کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔ آپ کا بیٹا عبدالرحمٰن ابھی تک مشرف بہ اسلام نہیں ہوا تھا۔ وہ بھی اس معرکے میں مشرکین مکہ کے ساتھ شریک جنگ تھا۔ عبدالرحمٰن کا شمار عرب کے نامور بہادروں میں ہوتا تھا اور تیراندازی میں تو قریش کا کوئی آدمی اس کا ہم پلہ نہیں تھا۔ جب وہ مسلمان ہوئے تو ایک مرتبہ اپنے والد محترم سے کہنے لگے: ''ابا جان! جنگ بدر کے روز کئی دفعہ آپ میرے نشانے پر آئے لیکن میں نے آپ سے اعراض کیا اور آپ کو قتل کرنے سے اپنے ہاتھوں کو روک لیا۔'' یہ بات سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فوراً فرمایا:

«لٰكِنَّكَ لَوْ أَهْدَفْتَ لِي لَمْ أَمِلْ عَنْكَ»

''لیکن اگر تو میرے وار تلے آجاتا تو میں قطعاً تامل نہ کرتا بلکہ اُسی وقت تجھے قتل کر دیتا۔'' [2]

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور اسیران بدر

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب اسیران بدر مسلمانوں کے پاس قید ہو کر آئے تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما سے دریافت فرمایا:

«مَا تَرَوْنَ فِي هٰؤُلَاءِ الْأَسَارٰى؟»

''ان قیدیوں کے بارے میں تمھاری کیا رائے ہے؟''

[1] البداية والنهاية: 3/278 [2] تاريخ الخلفاء للسيوطي، ص: 94.

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

«يَا نَبِيَّ اللّٰهِ! هُمْ بَنُو الْعَمِّ وَالْعَشِيرَةِ، أَرٰى أَنْ تَأْخُذَ مِنْهُمْ فِدْيَةً فَتَكُونَ لَنَا قُوَّةً عَلَى الْكُفَّارِ، فَعَسَى اللّٰهُ أَنْ يَّهْدِيَهُمْ لِلْإِسْلَامِ»

''اے اللہ کے نبی! یہ ہمارے چچیرے بھائی اور خاندان کے لوگ ہیں۔ میری رائے یہ ہے کہ آپ ان سے فدیہ لے لیں تاکہ کفار کے خلاف ہمارے لیے قوت (اسلحہ وغیرہ) کا باعث بنے۔ ہوسکتا ہے کہ عنقریب اللہ تعالیٰ انھیں نعمتِ اسلام سے بہرہ مند فرمادے۔''

پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے پوچھا:

«مَا تَرٰى يَا ابْنَ الْخَطَّابِ؟» ''ابن خطاب! تمھاری کیا رائے ہے؟''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی رائے کا یوں اظہار کیا: ''اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جس رائے کا اظہار کیا ہے میں وہ رائے صحیح خیال نہیں کرتا۔ میری رائے تو یہ ہے کہ آپ انھیں ہمارے سپرد کردیں اور ہم ان کی گردنیں تن سے جدا کردیں۔ عقیل کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالے کردیں وہ اس کی گردن اڑا دیں اور میرے فلاں قریبی رشتہ دار کو میرے سپرد کردیں تاکہ میں اس کی گردن تن سے جدا کردوں۔ یہ سارے کفر کے سرغنے اور ان کے سرکردہ لوگ ہیں۔''

رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عمر کی رائے کے بجائے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے قبول فرمائی اور اسی کے مطابق حکم صادر کیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''اگلے دن میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے دیکھا کہ حضور اکرم ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بیٹھے رو رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! مجھے بتائیے کہ آپ اور آپ کے رفیق کار کیوں رو رہے ہیں؟ تاکہ میں بھی اگر روسکوں تو آپ کے ساتھ رونے لگوں اور اگر مجھے رونا نہ آئے تو میں بھی آپ کے رونے کی وجہ سے کم از کم رونی

صورت ہی بنا لوں۔'' اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَبْكِي لِلَّذِي عَرَضَ عَلَيَّ أَصْحَابُكَ مِنْ أَخْذِهِمُ الْفِدَاءَ، لَقَدْ عُرِضَ عَلَيَّ عَذَابُهُمْ أَدْنٰى مِنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ»

''میں اس مشورے کو اختیار کرنے کی وجہ سے رو رہا ہوں جو تمھارے ساتھیوں نے مجھے دیا تھا کہ میں ان مشرکین سے فدیہ لے لوں۔ اور (آپ نے اپنے قریب موجود درخت کی طرف اشارہ کر کے فرمایا:) بلاشبہ ان کے عذاب کو اس درخت سے بھی زیادہ قریب کر کے میرے لیے پیش کیا گیا۔''

اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائی ہیں:

﴿مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ ؕ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ○ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَاۤ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○ فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا .....﴾

''کسی نبی کے لائق نہیں کہ اس کے پاس قیدی ہوں یہاں تک کہ وہ زمین میں خوب خون ریزی (انھیں قتل) کرے۔ (مسلمانو!) تم سامان دنیا چاہتے ہو اور اللہ (تمھاری) آخرت چاہتا ہے اور اللہ زبردست، خوب حکمت والا ہے۔ اگر اللہ کی طرف سے پہلے ہی (ایک بات) لکھی ہوئی نہ ہوتی تو تم نے (بدر کے قیدیوں سے) جو (فدیہ) لیا اس کے بدلے تمھیں بڑا عذاب آ پکڑتا، پھر جو حلال، پاکیزہ غنیمت تم نے حاصل کی ہے اس میں سے کھاؤ......۔''[1]

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے غنیمت کو حلال قرار دے دیا۔[2]

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ روایت میں ہے کہ جب غزوۂ بدر کا معرکہ

[1] الأنفال 8:67-69. [2] صحیح مسلم، حدیث: 1763.

پیش آیا تو رسول اللہ ﷺ نے قیدیوں کے بارے میں مشورہ کیا اور دریافت فرمایا:

«مَا تَقُولُونَ فِي هٰؤُلَاءِ الْأُسارٰى؟»

''تم ان قیدیوں کے بارے میں کیا کہتے ہو؟''

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

«يَا رَسُولَ اللّٰهِ! قَوْمُكَ وَ أَهْلُكَ اسْتَبْقِهِمْ وَاسْتَعِنْ بِهِمْ لَعَلَّ اللّٰهَ أَنْ يَّتُوبَ عَلَيْهِمْ»

''اے اللہ کے رسول! یہ آپ کی قوم اورآپ کے گھر کے افراد ہیں۔ انھیں معاف فرما کر انھیں مہلت دیجیے، شاید ان پر اللہ تعالیٰ کی نظر کرم ہو جائے۔ (اور یہ مسلمان ہوجائیں)۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! انھوں نے آپ کی تکذیب کی ہے اور آپ کو مکہ مکرمہ سے نکالا ہے، لہٰذا آپ انھیں قتل کر دیں۔''

سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! زیادہ لکڑیوں والی کوئی وادی تلاش کرکے آپ انھیں اس وادی میں داخل کر دیں اور انھیں آگ لگا کر بھسم کر دیں۔''

یہ سن کر سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہما (جو اس وقت اسیران بدر میں سے تھے) کہنے لگے: ''آپ تو قطع رحمی پر اتر آئے ہیں۔''

نبی اکرم ﷺ نے یہ ساری گفتگو سنی اور انھیں کوئی جواب دیے بغیر اندر تشریف لے گئے۔ کچھ لوگ کہنے لگے: ''آپ ﷺ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے اختیار فرمائیں گے۔'' کوئی کہنے لگا: ''آپ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی بات کو لیں گے۔'' کوئی کہنے لگا: ''آپ سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کا مشورہ قبول کریں گے۔'' پھر رسول اللہ ﷺ ان کے پاس باہر تشریف لائے اور فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ لَيُلِينُ قُلُوبَ رِجَالٍ فِيهِ حَتّٰى تَكُونَ أَلْيَنَ مِنَ اللَّبَنِ وَ إِنَّ اللّٰهَ لَيَشُدُّ قُلُوبَ رِجَالٍ فِيهِ حَتّٰى تَكُونَ أَشَدَّ مِنَ الْحِجَارَةِ وَ إِنَّ مَثَلَكَ يَا أَبَابَكْرٍ! كَمَثَلِ عِيسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ إِذْ قَالَ: ﴿إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝﴾ وَ إِنَّ مَثَلَكَ يَاعُمَرُ! كَمَثَلِ نُوحٍ إِذْ قَالَ: ﴿رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِينَ دَيَّارًا ۝﴾ وَإِنَّ مَثَلَكَ كَمَثَلِ مُوسٰى إِذْ قَالَ: ﴿وَقَالَ مُوسٰى رَبَّنَا إِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَأَهُ زِينَةً وَّأَمْوَالًا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ رَبَّنَا لِيُضِلُّوا عَنْ سَبِيلِكَ ۚ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰى أَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ۝﴾

”بلاشبہ اللہ تعالیٰ اپنے معاملے میں بعض لوگوں کے دلوں کو اس قدر نرم کر دیتا ہے کہ وہ دودھ سے بھی زیادہ نرم ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے معاملے میں بعض لوگوں کے دلوں کو اس قدر سخت کر دیتا ہے کہ وہ پتھر سے بھی زیادہ سخت ہوجاتے ہیں۔ ابوبکر! تمھاری مثال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سی ہے جب انھوں نے یہ دعا کی تھی:

﴿إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝﴾

”اگر تو انھیں عذاب دے تو بے شک وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انھیں بخش دے تو بے شک تو ہی غالب ہے (اور) بڑی حکمت والا ہے۔“[1]

اے عمر! تمھاری مثال حضرت نوح علیہ السلام کی سی ہے جنھوں نے یہ دعا فرمائی تھی:

﴿رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِينَ دَيَّارًا ۝﴾

”(اے) میرے رب! کفر کرنے والوں کا زمین پر کوئی گھر (باقی) نہ چھوڑ۔“[2]

[1] المآئدة 5:118. [2] نوح 71:26.

نیز تیری مثال حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسی ہے جنھوں نے کہا تھا:

﴿ وَقَالَ مُوسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ ۚ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۝ ﴾

''اور موسیٰ نے کہا: اے ہمارے رب! بے شک تو نے فرعون اور اس (کی قوم) کے سرداروں کو دنیاوی زندگی میں شان وشوکت اور مال وزر دے رکھا ہے، اے ہمارے رب! تاکہ وہ (لوگوں کو) تیری راہ سے بھٹکا دیں۔ اے ہمارے رب! ان کے مال و زر غارت کردے اور ان کے دل سخت کر دے، پس وہ ایمان نہ لائیں یہاں تک کہ دردناک عذاب (نہ) دیکھ لیں۔''[1]

نبی کریم ﷺ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے جب بھی مشاورت کرتے تو شوریٰ میں سب سے پہلے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ گفتگو فرماتے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا کہ (آپ کے بعد) کوئی دوسرا آدمی مشورہ دے دیتا۔ بسا اوقات آپ کے علاوہ کوئی گفتگو ہی نہیں کرتا تھا، چنانچہ اکیلے آپ ہی کی رائے کے مطابق عمل کرلیا جاتا۔ جب بھی کوئی آپ کی رائے کے خلاف کوئی مشورہ دیتا تو اس مخالفت کرنے والے کی رائے کے بجائے آپ ہی کی رائے کو ترجیح دی جاتی اور اسی کو قابل عمل بنایا جاتا تھا۔[2]

غزوۂ احد اور حمراء الاسد میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی شرکت

غزوۂ احد میں مسلمانوں کو بڑی سنگین اور عبرتناک صورت حال سے دوچار ہونا پڑا۔

① یونس 10:88. مسند أحمد: 384,383/1، و تفسير ابن كثير: 431-429/2، مسند احمد کی روایت کو امام حاکم اور امام ذہبی نے صحیح الاسناد کہا ہے، جبکہ شیخ البانی رحمہ اللہ نے ابوعبیدہ کا اپنے باپ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہ ہونے کی وجہ سے منقطع کہا ہے۔ (إرواء الغليل: 48,47/5) ② أبوبكر الصديق لمحمد مال الله، ص: 335.

صحابۂ کرام نبی اکرم ﷺ کے آس پاس سے چھٹ گئے اور میدان کارزار کے گوشوں اور کناروں کی طرف منتشر ہو گئے۔ پھر یہ افواہ پھیل گئی کہ رسول اللہ ﷺ کو شہید کر دیا گیا ہے۔ اس افواہ کے نتیجے میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا ردعمل ایک دوسرے سے مختلف تھا۔ وسیع و عریض میدان جنگ میں ہر ایک کو اپنی جان کے لالے پڑے ہوئے تھے۔ اس عالم میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہجوم توڑتے ہوئے سب سے پہلے رسول اکرم ﷺ کے پاس پہنچے۔ ان کے بعد ابوعبیدہ بن جراح، علی، طلحہ، زبیر، عمر بن خطاب، حارث بن صمہ، ابودجانہ اور سعد بن ابی وقاص اور چند دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جمع ہو گئے۔ پھر وہ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ جبل احد کی ایک گھاٹی میں چلے گئے تاکہ وہاں سے مسلمانوں کی مادی اور روحانی قوتوں کو دوبارہ مجتمع کر سکیں۔ [1]

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جب غزوۂ احد کا تذکرہ کرتے تو فرماتے:

«ذٰلِكَ يَوْمٌ كُلُّهُ لِطَلْحَةَ»

''احد کا دن تو درحقیقت طلحہ (کی جاں نثاری اور بہادری) کا دن تھا۔''

یہ فرما کر آپ وہ واقعہ بیان کرنا شروع کر دیتے اور کہتے: ''احد کے دن میں سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے دیکھا کہ ایک آدمی (طلحہ رضی اللہ عنہ) اللہ کے راستے میں آپ ﷺ کے تحفظ کی خاطر آپ کے آگے آگے دشمن سے نبرد آزما ہے۔ میں نے اپنے آپ سے کہا: ''جو ہوا سو ہوا اب تو بھی طلحہ بن جا اور اس جیسا کردار ادا کر۔'' میرے اور مشرکین کے مابین ایک نامعلوم آدمی قتال میں مصروف تھا اور میں اس کی نسبت رسول اللہ ﷺ کے زیادہ قریب تھا۔ وہ شخص اس قدر سرعت سے آگے بڑھ بڑھ کر دشمن پر جھپٹتا تھا کہ میں اتنی تیزی سے دشمن پر نہیں جھپٹ سکتا تھا۔ ذرا غور کیا تو دیکھتا ہوں کہ وہ سیدنا ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ ہیں۔

[1] مواقف الصدیق مع النبي ﷺ في المدینة للدکتور عاطف لماضة، ص: 27.

غزوۂ احد (15 شوال 3ھ)
﴿وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ﴾ ”اور تحقیق سچا کر دکھایا تم سے اللہ نے اپنا وعدہ جب کاٹتے تھے تم انکو ساتھ اسکے حکم کے یہاں تک کہ جب تم پست ہمت ہو گئے اور باہم جھگڑا کیا تم نے حکم (رسول) میں اور نافرمانی کی تم نے بعد اسکے کہ دکھلایا اس نے تم کو وہ جسے تم پسند کرتے تھے۔“
(آل عمران 152:3)
جنگل (غابہ)
سیلابی ندیوں کا سنگم
العقیق
بئر رومہ
جرف
جنگ کے بعد مسلمانوں کا اجتماع
مشرکین: 3000 مجاہد
قریشی عورتوں کے خیمے
مسلمانوں کا پڑاؤ
مسلمان: 700 مجاہد
احد
جبل
خالد بن ولید کا حملہ
عبداللہ بن جبیر کے تیر انداز
جبل عینین
(جبل رُماۃ)
بنو حارثہ
ثنیۃ الوداع
(وداع کی گھاٹی)
مزاد
ثنیت
بنو عبدالاشہل
اور زعوراء
وادی قناۃ
راتج
بنو ظفر
بنو سلمہ
بنو حارث بن خزرج
السنح
حرہ واقم
(پتھریلی سنگلاخ زمین)
مدینہ منورہ
(یثرب)
بدائع
مسجد نبوی
بنو نجار
البقیع

نقشہ: 05

ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ آپ کا ایک رباعی دانت مبارک [1] شہید کردیا گیا ہے، آپ کا چہرہ مبارک زخمی ہے اور خود کے دو حلقے آپ کے جبڑوں میں پیوست ہوچکے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا: «عَلَيْكُمَا صَاحِبَكُمَا» ”پہلے اپنے ساتھی کی خبر لو۔“ اس وقت سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کی حالت یہ تھی کہ ان کے جسم سے خون کے فوارے چھوٹ رہے تھے لیکن ہم رسول اللہ ﷺ کی اس بات پر دھیان نہیں دے سکے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں آپ کے جبڑوں سے آہنی کڑیاں نکالنے کے لیے آگے بڑھا تو سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ”میں آپ کو قسم دیتا ہوں کہ آپ اس سعادتِ عظمیٰ کو میرے لیے چھوڑ دیجیے۔“ چنانچہ میں نے یہ سعادت ان کے لیے چھوڑ دی۔

سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اسے ہاتھ سے پکڑ کر کھینچنا گوارا نہ کیا کہ کہیں رسول اللہ ﷺ کو ان کے ہاتھوں سے کوئی تکلیف نہ پہنچ جائے۔ انھوں نے اپنے دانتوں کو لوہے کی کڑی پر جمایا اور ایک حلقے کو کھینچ کر نکال باہر کیا جس سے ان کا سامنے والا ایک دانت ٹوٹ گیا اور دوسرا حلقہ نکالنے کے ساتھ ہی ان کا دوسرا دانت بھی ٹوٹ گیا۔ سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سامنے والے دانت ٹوٹ جانے کے باوجود سب لوگوں سے زیادہ حسین تھے۔ ہم رسول اللہ ﷺ کی خبر گیری کرنے کے بعد سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے۔ وہ ایک گڑھے کے اندر گرے ہوئے تھے۔ ہم نے دیکھا کہ ان کے جسم پر ستر سے زائد تیر، تلوار اور نیزے کے زخم تھے اور ان کی ایک انگلی بھی کٹ چکی تھی۔ ہم ان کی دیکھ بھال میں لگ گئے۔“ [2]

[1] سامنے والے اوپر نیچے کے چار دانتوں کے ساتھ دائیں بائیں اوپر نیچے کے چار دانت رباعی کہلاتے ہیں۔ امام احمد بن محمد شافعی قسطلانی نے نبی ﷺ کا نچلا دایاں رباعی دانت ٹوٹنے کا ذکر کیا ہے، دیکھیے: (إرشاد الساري: 118/9) [2] تاريخ الدعوة الإسلامية للدكتور جميل عبدالله المصري، ص: 130.

اس غزوے میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی شان ابوسفیان کی اس گفتگو سے نمایاں ہوتی ہے جب اس نے استفہامی لہجے میں کہا: ''کیا محمد (ﷺ) قوم میں موجود ہیں؟''

اس نے تین مرتبہ یہ سوال دہرایا۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام کو اس کا جواب دینے سے منع فرما دیا۔

پھر اس نے تین مرتبہ کہا: ''کیا ابن ابوقحافہ (ابوبکر رضی اللہ عنہ) موجود ہیں؟''

پھر اس نے تین مرتبہ یہ سوال کیا: ''کیا تم میں ابن خطاب موجود ہیں؟''

پھر وہ اپنے ساتھیوں کی طرف پلٹ کر کہنے لگا: ''لگتا ہے کہ یہ سب (معاذ اللہ) قتل ہو چکے ہیں۔''[1]

مشرکین کے سردار ابوسفیان کی یہ گفتگو اس کے اس گمان پر دلالت کرتی ہے کہ بلاشبہ اسلام کے ستون، اس کی بنیاد اور اس کے سرکردہ تین افراد رسول اللہ ﷺ، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔[2]

غزوۂ احد کے بعد جب مشرکین مکہ نے مسلمانوں کو گھیر کر انھیں دبوچنا چاہا اور ان کی بیخ کنی کا ارادہ کیا تو نبی اکرم ﷺ کی منصوبہ بندی اور لائحۂ عمل ان کے منصوبوں سے سبقت لے گیا اور آپ نے ان کی ساری چالوں کو ناکام بنا دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو، اس کے باوجود کہ وہ شدید زخمی تھے، مشرکین کا تعاقب کرنے کا حکم دیا۔ اس کٹھن آزمائش کے لمحات میں بھی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم پر لبیک کہا اور مشرکین کے تعاقب میں چل دیے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک مرتبہ سیدنا عروہ بن زبیر کے لیے قرآن پاک کی اس آیت کی تفسیر کی:

[1] فتح الباري: 188/6 و 405/7. [2] مواقف الصديق مع النبي ﷺ في المدينة للدكتور عاطف لماضة، ص: 28.

﴿ اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۚ﴾

''یہی لوگ ہیں جنھوں نے جنگ میں زخم لگنے کے بعد اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانا، ان میں سے جو لوگ نیکو کار اور پرہیز گار ہیں، ان کے لیے بہت بڑا اجر ہے۔''①

چنانچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے دورانِ تفسیر فرمایا: ''اے میرے بھانجے! آپ کے والد زبیر اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہما انھی لوگوں میں سے تھے۔ جب رسول اکرم ﷺ کو غزوۂ احد کے روز شدید مصائب سے دوچار ہونا پڑا اور مشرکین چلے گئے تو رسول اللہ ﷺ کو خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں مشرکین پلٹ کر حملہ نہ کر دیں، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ يَّذْهَبُ فِي إِثْرِهِمْ؟» ''تم میں سے کون ان کے تعاقب میں جائے گا؟''

اس پر ستر صحابہ نے لبیک کہا جن میں سیدنا ابوبکر اور زبیر رضی اللہ عنہما بھی شامل تھے۔''②

غزوۂ بنونضیر میں شرکت

بنو عامر قبیلے کے دو افراد کو سیدنا عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ نے غلطی سے قتل کر دیا کیونکہ عمرو رضی اللہ عنہ کو نبی کریم ﷺ اور بنو عامر کے مابین طے پانے والے معاہدے کے بارے میں کوئی علم نہیں تھا۔ نبی اکرم ﷺ مقتولین کی دیت پر حصول تعاون کی غرض سے بنونضیر قبیلے کے پاس تشریف لے گئے۔ بنونضیر اور بنو عامر بھی ایک دوسرے کے حلیف تھے اور ان کا آپس میں معاہدہ تھا، چنانچہ جب نبی اکرم ﷺ ان کے پاس تشریف لائے تو وہ کہنے لگے: ''ابوالقاسم! آپ جو مدد چاہیں گے ہم کریں گے۔''

بنونضیر میں سے چند آدمی سازش کی غرض سے علیحدہ ہوئے اور آپس میں کہنے لگے:

① آل عمرٰن 3:172. ② صحیح البخاري، حدیث: 4077، و صحیح مسلم، حدیث: 2418.

خندق کی جائے وقوع
بنو حارثہ
حرۂ واقم
(مشرقی سنگلاخ زمین)
بنو عبدالاشہل اور زعوراء
نبیت
ثنیۃ الوداع
بنو ظفر
مدینہ منورہ
بنو حارث بن خزرج
السنح
مسجد نبوی
البقیع
بنو زریق
بنو واقف
وادی بطحان
بنو حارث
بنو قینقاع کے مکانات
وادی مہزور
بنو قریظہ
بنو نضیر
وادی مذینب
بنو عوف بن خزرج
غزوات بنو نضیر، بنو قریظہ
اور
غزوۂ احزاب (خندق)
بنو عوف بن
مالک بن اوس

''اس آدمی (حضرت محمد ﷺ) کو ختم کرنے کے لیے آج سے بہتر موقع کبھی ہاتھ نہیں آئے گا۔'' رسول اللہ ﷺ اس وقت یہود کے گھروں کی ایک دیوار کے ساتھ تشریف فرماتھے۔ وہ کہنے لگے: ''کون ہے جو اس گھر پر چڑھے اور اوپر سے چٹان لڑھکا کر محمد (ﷺ) کو قتل کر کے ہمیں راحت پہنچائے؟'' بدبخت عمرو بن جحاش بن کعب اس مذموم مقصد کے لیے تیار ہوگیا اور آپ پر چٹان لڑھکانے کے لیے چھت پر چڑھ گیا۔

رسول اللہ ﷺ، حضرت ابوبکر، عمر، علی اور دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے جلو میں تشریف فرما تھے کہ آپ پر آسمان سے قوم یہود کے مذموم ارادے کی اطلاع پہنچ گئی، چنانچہ آپ اٹھ کھڑے ہوئے اور مدینہ منورہ کی طرف واپس چل دیے۔ جب آپ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کا خاصی دیر تک انتظار کر لیا (اور آپ واپس نہ آئے) تو وہ آپ کی تلاش میں نکلے۔ انھوں نے ایک آدمی کو مدینہ منورہ کی طرف سے آتے دیکھا تو اس سے رسول اللہ ﷺ کے متعلق پوچھا۔ اس آدمی نے جواب دیا کہ میں نے آپ ﷺ کو مدینہ منورہ میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا ہے، چنانچہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم آپ کی خدمت میں پہنچ گئے۔ تب آپ نے انھیں یہودیوں کی گھناؤنی سازش سے آگاہ فرمایا۔

نبی کریم ﷺ نے سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو بھیج کر بنونضیر کو اپنے پڑوس اور شہر سے نکل جانے کا حکم صادر فرمایا۔ منافقین نے اس موقع پر بنونضیر کو اس بات پر اُکسایا کہ وہ اپنے علاقے میں ڈٹے رہیں تو وہ ان کی نصرت و اعانت کا وعدہ کرتے ہیں۔ اس سے یہودیوں کی ڈھارس بندھی۔ حییّ بن اخطب بھڑک اٹھا۔ اس نے منافقین کی موافقت پر رسول اللہ ﷺ کو پیغام بھیجا کہ وہ مدینہ منورہ (کے پاس) سے نہیں نکلیں گے، چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے ان کا محاصرہ کر لیا جو چھ دن تک جاری رہا۔

یہ ماہ ربیع الاول 4 ھ کا واقعہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو بنونضیر کے خلاف جنگ کی تیاری اور ان پر چڑھائی کا حکم دیا۔ اس موقع پر آپ نے ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ

کو مدینے کا نائب حاکم مقرر کیا۔ رسول اللہ ﷺ بنفس نفیس صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ تشریف لے گئے اور چھ دن تک بنونضیر کا محاصرہ کیے رکھا۔ اسی دوران شراب کی حرمت نازل ہوئی۔ بعد میں یہودی قلعہ بند ہوگئے تو نبی اکرم ﷺ نے ان کی کھجوریں کاٹنے اور جلانے کا حکم دے دیا، پھر آپ نے انھیں اس شرط پر جلاوطن کر دیا کہ وہ ہتھیاروں کے سوا جتنا سامان اور مال اونٹوں پر لے جاسکتے ہیں لے جائیں۔ اس موقع پر ''سورۃ الحشر'' نازل ہوئی۔ [1]

غزوۂ بنی مصطلق میں شرکت

بنو مصطلق کے یہودیوں نے مدینہ منورہ پر حملہ آور ہونے کا ارادہ کیا تو نبی اکرم ﷺ 2 شعبان 5 ھ کو سات سو صحابہ کے ساتھ ان کے مقابلے کے لیے نکلے۔ جب آپ یہودیوں کے قریب پہنچ گئے تو آپ نے مہاجرین کا جھنڈا سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا، جبکہ ایک روایت کے مطابق آپ نے مہاجرین کا جھنڈا سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کے حوالے کیا تھا اور انصار کا جھنڈا سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو سونپا، پھر آپ نے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ یہودیوں میں یہ اعلان کردیں کہ اگر تم ''لا الٰہ الا اللہ'' پڑھ لو تو تمھارے جان و مال محفوظ ہوجائیں گے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے یہ اعلان کر دیا لیکن یہودیوں نے اسے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، چنانچہ دونوں طرف سے تیر اندازی شروع ہوگئی، پھر رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو حکم دیا تو انھوں نے ان پر یکبارگی ایسا حملہ کیا کہ ان میں سے کوئی بھی فرار نہ ہوسکا۔ اس حملے کے نتیجے میں یہودیوں کے دس آدمی مارے گئے اور باقی سب کو قیدی بنالیا گیا۔ مسلمانوں میں سے صرف ایک آدمی شہید ہوا۔ [2]

[1] صحیح البخاري، حدیث:4028-4032، والمغازي للواقدي:363/1، والبدایة والنهایة: 86/4. [2] البدایة والنهایة: 157/4.

غزوۂ خندق اور غزوۂ بنو قریظہ میں شرکت

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ان دونوں غزوات میں بھی نبی کریم ﷺ کی معیت میں پیش پیش رہے۔ خندق کھودنے کے موقع پر آپ اپنے کپڑوں میں مٹی اٹھا اٹھا کر پھینکتے تھے۔ آپ ﷺ نے محدود وقت میں تیزی سے خندق کھودنے کے عمل کی تکمیل کے لیے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ مل کر کام کیا تاکہ وہ مشرکین کے مقابلے میں خندق کی شکل میں ایک مضبوط دفاعی اقدام کر کے اپنا مقصد حاصل کر لیں۔[1]

صلح حدیبیہ اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ

رسول اللہ ﷺ ذوالقعدہ 6ھ کو چودہ سو صحابۂ کرام کو ساتھ لے کر بیت اللہ کی زیارت کے ارادے سے مدینہ سے نکلے۔ آپ نے قربانی کے جانور بھی ساتھ لے لیے۔ اور عمرے کا احرام باندھ لیا تاکہ لوگ ان کے ساتھ پرامن رہیں اور انھیں صاف معلوم ہو جائے کہ آپ ﷺ بیت اللہ کی تعظیم کی غرض سے اس کی زیارت کے لیے نکلے ہیں۔ آپ نے بنوخزاعہ قبیلے سے اپنے ایک آدمی کو بطور جاسوس آگے روانہ کیا، وہ یہ اطلاع لے کر لوٹا کہ اہل مکہ نے آپ کو خانہ کعبہ میں داخلے سے روکنے کے لیے لشکر جمع کر لیا ہے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَشِيرُوا أَيُّهَا النَّاسُ عَلَيَّ» ''اے لوگو! مجھے مشورہ دو۔''

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا:

«يَا رَسُولَ اللّٰهِ! خَرَجْتَ عَامِدًا لِّهٰذَا الْبَيْتِ لَا تُرِيدُ حَرْبَهُ أَوْ قَتْلَ أَحَدٍ، فَتَوَجَّهْ لَهُ فَمَنْ صَدَّنَا عَنْهُ قَاتَلْنَاهُ»

[1] مواقف الصديق مع النبي ﷺ في المدينة للدكتور عاطف لماضة، ص: 32.

''اے اللہ کے رسول! آپ بیت اللہ کی زیارت کے ارادے سے نکلے ہیں۔ آپ جنگ کے خواہش مند ہیں نہ کسی کو قتل کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں، لہٰذا آپ اپنے مقصد کی تکمیل کے لیے سوئے منزل گامزن رہیے، جو شخص بھی ہمیں بیت اللہ میں داخلے سے روکے گا ہم اس سے قتال کریں گے۔''

اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اِمْضُوا عَلَى اسْمِ اللّٰهِ» ''اللہ کا نام لے کر سفر جاری رکھو۔''[1]

دوسری طرف قریش کی حالت یہ تھی کہ وہ شدید مشتعل تھے۔ انھوں نے حلف اٹھایا کہ وہ محمد (ﷺ) کو کسی صورت مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ اور اہل مکہ کے مابین مذاکرات کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ نبی اکرم ﷺ نے یہ عزم کرلیا کہ اگر اہل مکہ صلہ رحمی کی بنیاد پر گفتگو کا عمل آگے بڑھائیں گے تو وہ اہل مکہ کے مطالبات تسلیم کرلیں گے۔[2]

مذاکرات حدیبیہ میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا کردار

نبی اکرم ﷺ سے گفت وشنید کے لیے قریش کے متعدد وفود آئے۔ سب سے پہلے بنوخزاعہ قبیلے سے بدیل بن ورقاء آیا۔ جب اسے نبی اکرم ﷺ اور مسلمانوں کے آنے کا مقصد معلوم ہوا تو وہ واپس چلا گیا، پھر مکرز بن حفص، پھر حلیس بن علقمہ اور آخر میں عروہ بن مسعود ثقفی آیا۔ یہ مذاکرات رسول اللہ ﷺ اور عروہ بن مسعود ثقفی ہی کے مابین ہوئے۔ اس گفت وشنید میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور چند دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بھی شریک تھے۔[3]

عروہ نے کہا: ''محمد (ﷺ)! آپ ان اوباش لوگوں کو جمع کرکے اپنے ساتھ لے آئے ہیں تاکہ آپ ان کی مدد سے بیت اللہ کی حرمت پامال کرسکیں۔ قریش کے لوگ اپنے

[1] صحيح البخاري، حديث: 4179,4178. [2] تاريخ الدعوة إلى الإسلام للدكتور يسري محمد هاني، ص: 136. [3] تاريخ الدعوة إلى الإسلام للدكتور يسري محمد هاني، ص: 137.

مردوں، عورتوں، چھوٹوں اور بڑوں سمیت چیتے کی کھالیں پہن کر نکل آئے ہیں۔ انھوں نے اللہ کے نام پر قسمیں اٹھا رکھی ہیں کہ بزورِ بازو آپ کو مکہ مکرمہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ اللہ کی قسم! آپ کے ان ساتھیوں کے متعلق تو مجھے لگتا ہے کہ یہ آپ کا ساتھ چھوڑ کر منتشر ہو جائیں گے۔''

اس پر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے غیظ و غضب کے عالم میں فرمایا:

«اُمْصُصْ بَظْرَ اللَّاتِ أَنَحْنُ نَفِرُّ عَنْهُ وَنَدَعُهُ؟»

''اپنے معبود ''لات'' کی شرمگاہ چوس! کیا ہم رسول اللہ ﷺ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے؟''①

عروہ کہنے لگا: ''یہ کون ہیں؟'' لوگوں نے بتایا کہ یہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔ وہ کہنے لگا: ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر آپ کا میرے اوپر وہ احسان نہ ہوتا جس کا بدلہ میں آپ کو نہیں دے سکا تو میں آپ کو اس بات کا بھرپور جواب دیتا۔'' سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس سے قبل اس پر کوئی احسان کیا تھا جس کی رعایت رکھتے ہوئے اس نے احتراماً آپ کو اس بات کا جواب دینے سے احتراز کیا۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مذکورہ قول کے بارے میں بعض علماء نے کہا ہے کہ آپ کا یہ قول اس بات کی دلیل ہے کہ کسی مصلحت اور ضرورت کے پیش نظر شرمگاہ کا صراحتاً نام لینا جائز ہے اور اس پیرائے میں یہ بات ممنوع اور حرام فحش گوئی کے زمرے میں نہیں آتی۔②

عروہ بن مسعود کی کوشش تھی کہ وہ نفسیاتی حملہ کر کے مسلمانوں کو ذہنی لحاظ سے شکست و ہزیمت سے دوچار کر دے، اسی لیے اس نے قریش کی عسکری قوت کو بڑھا چڑھا کر ظاہر کیا۔ اس نے اپنے موقف کی تصویر مبالغے کی بھرپور رنگ آمیزی کے ساتھ پیش کی کیونکہ اسے یقین تھا کہ قریش کو اس کا فائدہ ضرور پہنچے گا۔ اس سلسلے میں اس نے یہ کوشش

① صحیح البخاري، حدیث: 2732. ② أبوبکر الصدیق لمحمد مال الله، ص: 350.

صلح حدیبیہ
(ذی القعدہ 6ھ)
﴿إِنَّا فَتَحۡنَا لَكَ فَتۡحًا مُّبِينًا﴾
"بے شک ہم نے آپ کو واضح فتح دی۔" (الفتح 1:48)
بیعت رضوان
﴿لَقَدۡ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الۡمُؤۡمِنِينَ إِذۡ يُبَايِعُونَكَ تَحۡتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمۡ فَأَنزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيۡهِمۡ وَأَثَابَهُمۡ فَتۡحًا قَرِيبًا﴾
"بلاشبہ اللہ مومنوں سے راضی ہو گیا جب وہ درخت کے نیچے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے۔ اللہ نے ان کے دلوں کی کیفیت جان لی اور ان پر اطمینان و سکون نازل فرمایا اور ان کو ایک قریبی فتح عطا فرمائی۔" (الفتح 18:48)
x حدیبیہ کا مقام
آغازِ حرم کے مقامات
مقامِ میقات
حرمِ مکی کی حدود
شام کا راستہ
عراق کا راستہ
مدینہ منورہ
ذوالحلیفہ (آبارِ علی)
اہل مدینہ کے لیے میقات
بدر
مکہ کا راستہ
ابواء
(حضرت آمنہ کا مقامِ وفات)
رابغ
اہل شام، مصریوں اور ان سب کے لیے میقات (رابغ) جو خشکی یا سمندر کے راستے ادھر سے آئیں
بحیرۂ احمر (بحر قلزم)
اہل عراق کے لیے میقات
ذات عرق
عراق کا راستہ
وادی نخلہ
نجد کا راستہ
قرن المنازل
اہل نجد کے لیے میقات
عسفان
تنعیم
حدیبیہ
جدہ
مکہ مکرمہ
عرفہ
اضاءۃ لبن
یمن کا راستہ
طائف
یلملم
اہل یمن کے لیے میقات
یمن کا راستہ
نقشہ: 07
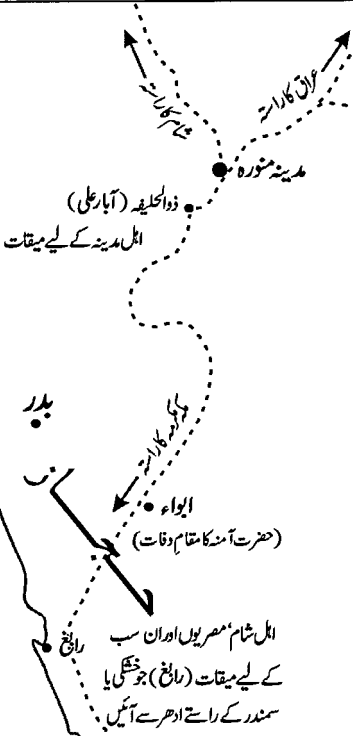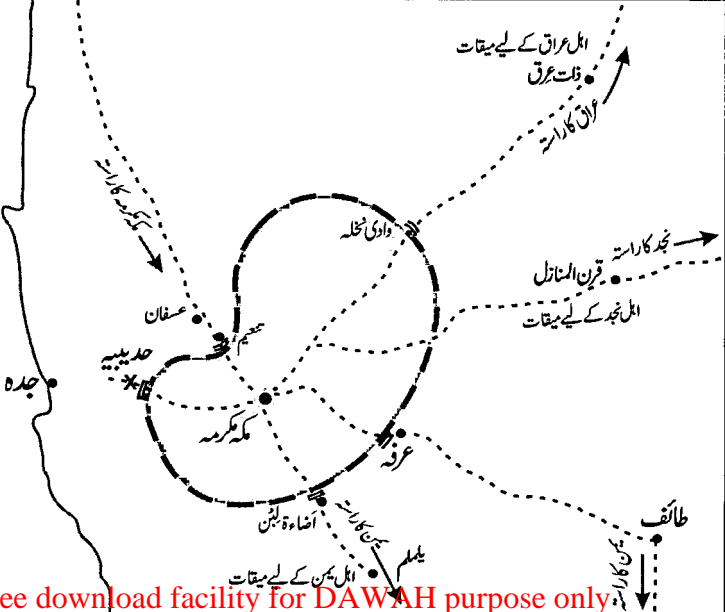
کی کہ مسلمانوں کی صفوں میں الجھاؤ، بے چینی، شکوک وشبہات اور فتنہ پیدا ہو جائے۔ اس کی یہ کوشش اس وقت نمایاں ہوتی ہے جب اس نے اسلامی لشکر کے قائد اور اس کی سپاہ کے مابین پائے جانے والے مضبوط اعتماد کو کمزور کرنے کے لیے نبی کریم ﷺ سے اس قسم کے الفاظ کہے: ''آپ نے اوباش لوگوں کو جمع کر لیا ہے''...... ''میں تو سمجھتا ہوں کہ آپ کے یہ ساتھی آپ کا ساتھ چھوڑ کر منتشر ہو جائیں گے۔'' وغیرہ۔

اس موقع پر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے منہ توڑ جواب نے الٹا عروہ کے احساسات، جذبات اور نفسیات کو شدید جھٹکے سے دوچار کیا۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا یہ کردار آپ کی انتہا درجے کی ایمانی غیرت وحمیت اور آبرومندانہ جذبات کی علامت ہے۔ اسی بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ ﴾

''اور تم سستی نہ کرو اور نہ غم کھاؤ، تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو۔''[1]

صلح حدیبیہ کے متعلق ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے

جب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سہیل بن عمرو کی قیادت میں مشرکین کے نمائندوں کی شرائط صلح طے پا گئیں تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مشرکین کے ان مطالبات اور شرائط پر سر تسلیم خم کر دیا جن پر رسول اللہ ﷺ نے موافقت کا اظہار فرمایا تھا، جبکہ بادی النظر میں اس صلح سے مسلمانوں پر زیادتی اور ان کے حقوق سے تغافل کا پہلو نمایاں ہوتا تھا۔ آپ نے اس موقع پر نبی اکرم ﷺ کی راہنمائی سے موافقت والی روش کو اختیار کیا کیونکہ آپ کو یقین تھا کہ نبی اکرم ﷺ اپنی خواہش اور مرضی سے گفتگو نہیں کرتے۔ آپ نے یہ عمل اسی لیے انجام دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کسی آنے والی خبر سے مطلع کر دیا ہوگا۔[2]

مورخین نے بیان کیا ہے کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اس معاہدۂ صلح کے بارے میں اپنے اختلاف کا علی الاعلان اظہار کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر

[1] آل عمرٰن 3:139. [2] تاریخ الدعوۃ إلی الإسلام للدکتور یسری محمد ھانی، ص: 138.

ہوئے۔اور آپ کو مخاطب کر کے کہنے لگے: ''کیا آپ اللہ تعالیٰ کے رسول نہیں ہیں؟''

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: «بَلٰی» ''کیوں نہیں!''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''کیا ہم مسلمان نہیں ہیں؟''

آپ ﷺ نے فرمایا: «بَلٰی» ''کیوں نہیں!''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پھر استفسار کیا: ''کیا وہ (اہل مکہ) مشرک نہیں ہیں؟''

آپ ﷺ نے فرمایا: «بَلٰی» ''کیوں نہیں۔''

پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''تو پھر ہمیں ہمارے دین کے معاملے میں کس بنا پر رسوائی سے دوچار کیا جا رہا ہے؟''

اس کے جواب میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «إِنِّي رَسُولُ اللّٰهِ وَلَسْتُ أَعْصِيهِ» ''بلاشبہ میں اللہ کا رسول ہوں اور میں اللہ کی نافرمانی نہیں کر سکتا۔''[1]

ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے یہ جواب مرحمت فرمایا تھا:

«أَنَا عَبْدُ اللّٰهِ وَ رَسُولُهٗ لَنْ أُخَالِفَ أَمْرَهٗ وَ لَنْ يُّضَيِّعَنِي»

''میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں، میں ہرگز اللہ کی حکم عدولی نہیں کروں گا اور اللہ تعالیٰ بھی مجھے کبھی ضائع نہیں کرے گا۔''[2]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''کیا آپ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہم عنقریب بیت اللہ جائیں گے اور اس کا طواف کریں گے؟'' آپ نے فرمایا:

«بَلٰی، فَأَخْبَرْتُكَ أَنَّا نَأْتِيهِ هٰذَا الْعَامَ؟»

''کیوں نہیں! لیکن کیا میں نے تمھیں یہ خبر بھی دی تھی کہ یقیناً ہم اسی سال بیت اللہ پہنچیں گے؟''

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 346/3. [2] السيرة النبوية لابن هشام: 346/3، و تاريخ الطبري: 634/2.

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''نہیں!''

آپ ﷺ نے فرمایا: «فَإِنَّكَ آتِيهِ وَ مُطَوِّفٌ بِهِ»

''تو یقیناً تم بیت اللہ بھی پہنچو گے اور اس کا طواف بھی کرو گے۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور ان سے کہا:

''ابوبکر! کیا محمد ﷺ اللہ کے رسول نہیں ہیں؟''

انھوں نے جواب دیا: «بَلٰى» ''کیوں نہیں!''

میں نے کہا: ''کیا ہم مسلمان نہیں ہیں؟''

انھوں نے جواب دیا: «بَلٰى» ''کیوں نہیں!''

میں نے کہا: ''کیا وہ (اہل مکہ) مشرک نہیں ہیں؟''

انھوں نے فرمایا: «بَلٰى» ''کیوں نہیں!''

میں نے کہا: ''تو پھر ہمیں ہمارے دین کے معاملے میں کس بنا پر رسوائی سے دوچار کیا جارہا ہے؟'' سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر کو احتجاج بند کرنے اور مخالفت ترک کرنے کی نصیحت کی اور بڑے حکیمانہ انداز میں فرمایا:

«اِلْزَمْ غَرْزَهُ، فَإِنِّي أَشْهَدُ أَنَّهُ رَسُولُ اللّٰهِ وَ أَنَّ الْحَقَّ مَا أَمَرَ بِهِ وَ لَنْ يُّخَالِفَ أَمْرَ اللّٰهِ وَ لَنْ يُّضَيِّعَهُ اللّٰهُ»

''رسول اللہ ﷺ کا دامن تھامے رکھو۔ تابع فرمان بنے رہو کیونکہ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ یقیناً آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، بلاشبہ آپ نے جو فیصلہ کیا ہے وہ بالکل برحق ہے۔ آپ اللہ تعالیٰ کے حکم کی کبھی سرتابی نہیں کر سکتے، نہ اللہ تعالیٰ آپ کو کسی صورت میں ضائع کرے گا۔''[1]

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا یہ جواب رسول اللہ ﷺ کے جواب سے کامل مماثلت رکھتا ہے،

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 346/3.

حالانکہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کا جواب نہیں سنا تھا، چنانچہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی کامل موافقت کرنے والی شخصیت تھے باوجودیکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ صاحب الہام تھے اوران کی رائے ہمیشہ صحیح نکلتی تھی لیکن پھر بھی آپ کا مرتبہ صاحب الہام شخصیت سے اعلیٰ اور فائق ہے کیونکہ آپ ہر قول وفعل کو رسول معصوم ﷺ سے اخذ کرتے تھے۔ [1]

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بعد میں کسی موقع پر حدیبیہ کے مقام پر حاصل ہونے والی عظیم فتح کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

''دور اسلام میں کوئی بھی فتح حدیبیہ کی فتح سے بڑھ کر عظیم نہیں ہے لیکن اس دن لوگوں کی فہم وفراست اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی کے مابین معاملے کو سمجھنے سے قاصر رہی۔ حقیقت یہ ہے کہ لوگ جلد بازی کا مظاہرہ کرتے ہیں، جبکہ اللہ تعالیٰ بندوں کی عجلت کے مانند جلد بازی نہیں کرتا بلکہ وہ اس وقت تک مہلت دیتا ہے جب تک معاملات اس مطلوبہ حد تک نہیں پہنچ جاتے جو وہ چاہتا ہے۔ میں نے (صلح حدیبیہ میں مشرکین کے قائد) سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ کو حجۃ الوداع کے موقع پر دیکھا کہ وہ قربان گاہ کے قریب کھڑے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کو قربانی کے اونٹ پیش کررہے ہیں اور رسول اللہ ﷺ اپنے ہاتھوں سے ان اونٹوں کو نحر کررہے ہیں، پھر جب رسول اللہ ﷺ نے حجام کو بلا کر اپنے سر کے بال منڈوائے تو میں نے دیکھا کہ سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے موئے مبارک چن چن کر اپنی آنکھوں پر رکھ رہے ہیں۔ یہ حالت دیکھ کر مجھے صلح حدیبیہ کا وہ منظر یاد آ گیا جب وہ ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' اور ''محمد رسول اللہ'' لکھنے سے انکاری تھے۔ اس منظر کا آنکھوں کے سامنے آنا تھا

[1] الفتاویٰ لابن تیمیۃ: 117/11

کہ میں بے اختیار اس اللہ کی حمد و ثنا کرنے لگا جس نے انھیں ہدایتِ اسلام سے سرفراز کیا۔“ [1]

یقیناً سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سب صحابۂ کرام سے بڑھ کر صائب الرائے اور عقل و دانش میں سب سے کامل تھے۔ [2]

غزوۂ خیبر اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

جب رسول اللہ ﷺ نے خیبر کا محاصرہ کر لیا اور قتال کے لیے مستعد ہو گئے تو آپ نے سب سے پہلے جس شخص کو کمانڈر بنا کر بھیجا وہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے۔ آپ ﷺ نے انھیں خیبر کے ایک قلعے کی طرف بھیجا۔ آپ نے بڑی جوانمردی اور شجاعت سے یہ معرکہ لڑا لیکن آپ فتح سے ہمکنار نہ ہو سکے، چنانچہ آپ واپس تشریف لے آئے، پھر آپ ﷺ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو بھیجا، انھوں نے بھی دشمن سے جھڑپیں کیں لیکن حصول فتح میں ناکام رہے اور واپس آ گئے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَأُعْطِيَنَّ الرَّايَةَ غَدًا رَّجُلًا يُحِبُّ اللّٰهَ وَ رَسُولَهٗ»

”کل میں یہ علم ایسے شخص کو دوں گا جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔“

چنانچہ یہ اعزاز حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نصیب ہوا۔ [3]

بعض صحابۂ کرام نے نبی اکرم ﷺ کو یہودیوں کی قوت، جوش اور عزیمت کو کمزور کرنے کے لیے کھجوروں کے درخت کاٹنے کا مشورہ دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی اس مشورے پر رضامندی کا اظہار کیا، چنانچہ مسلمانوں نے جلدی سے کھجوروں کے درخت کاٹنے شروع کر دیے۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے

[1] كنز العمال، رقم: 30136 بحوالہ خطب أبي بكر الصديق لمحمد أحمد عاشور، ص: 117.
[2] تاريخ الخلفاء للسيوطي، ص: 61. [3] فتوح البلدان للبلاذري: 26/1.
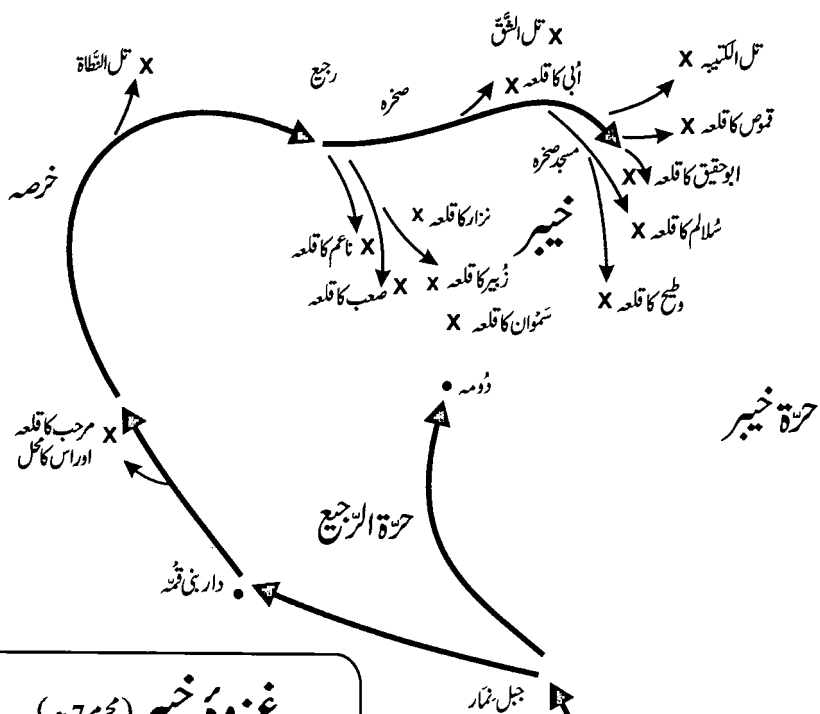
غزوۂ خیبر (محرم 7ھ)
﴿فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا﴾
"لہٰذا اللہ نے اس (خواب کے واقع ہونے) سے پہلے تمہارے لیے ایک قریبی فتح (فتح خیبر) مقرر فرما دی۔" (الفتح 27:48)
تل النطاۃ
رجیع
صخرہ
تل الشق
اُبی کا قلعہ
تل الکتیبہ
قموص کا قلعہ
ابوحقیق کا قلعہ
مسجد صخرہ
خرصہ
خیبر
سُلالم کا قلعہ
نزار کا قلعہ
ناعم کا قلعہ
زبیر کا قلعہ
صعب کا قلعہ
وطیح کا قلعہ
سموان کا قلعہ
دُومہ
حرۃ خیبر
مرحب کا قلعہ اور اس کا محل
حرۃ الرّجیع
دار بنی قُمۃ
جبل نمار
حرۃ الشقۃ
جبل اشمد
وادی الدُومۃ
نقمی
غابۃ السفلیٰ
غابۃ العلیا
مدینہ منورہ
کلومیٹر
150
100
50
25
0
وادی ذعا
خیبر
وادی بطحا
جُرُف
ینبع النخل
وادی الفرع
عیون
آبار علی
مدینہ منورہ
ینبع البحر
الحمراء
الصفراء
بدر
بحیرہ احمر

نقشہ: 08

اور مشورہ دیا کہ درخت کاٹنے مناسب نہیں کیونکہ خیبر بزور بازو فتح ہو یا صلح کے ذریعے مسلمانوں کے ہاتھ آئے، دونوں صورتوں میں آئندہ نقصان مسلمانوں ہی کا ہوگا۔ نبی اکرم ﷺ نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اس مشورے کو قبول کرتے ہوئے مسلمانوں کو اپنے ہاتھ روک لینے کا حکم دیا، چنانچہ صحابۂ کرام نے کھجوریں کاٹنے سے ہاتھ روک لیے۔ [1]

قیادتِ صدیق میں سریۂ نجد

سیدنا سلمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ہمارا امیر مقرر فرما کر نجد کی طرف بھیجا۔ ہم نے بنو ہوازن کے لوگوں پر شب خون مارا اور میں نے اپنے ہاتھ سے سات گھر والوں کو قتل کیا۔ اس موقع پر ہمارا جنگی شعار (Code Word) ''اَمِت اَمِت'' تھا۔ [2]

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی قیادت میں سریۂ بنو فزارہ

سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی قیادت میں بنو فزارہ کے خلاف لشکر کشی کے لیے نکلے۔ جب ہم ایک چشمے کے پاس پہنچے تو انھوں نے ہمیں وہیں پڑاؤ ڈالنے کا حکم دیا۔ جب ہم نماز فجر پڑھ کر فارغ ہوئے تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ہمیں یورش کرنے کا حکم دیا، چنانچہ ہم نے دشمن پر ہلہ بول دیا، جو شخص بھی چشمے کے قریب آتا ہم اس سے قتال کرتے۔ اسی دوران میں، میں نے عورتوں اور بچوں پر مشتمل لوگوں کا ایک گروہ دیکھا جو پہاڑ کی جانب رواں دواں تھا، میں ان کے پیچھے بھاگا۔ مجھے یہ خدشہ بھی تھا کہ کہیں وہ لوگ مجھ سے پہلے پہاڑ تک نہ پہنچ جائیں، چنانچہ میں نے ایک تیر مارا جو ان کے اور پہاڑ کے درمیان سے گزرا جب انھوں نے تیر دیکھا تو وہ رک گئے،

[1] المغازي للواقدي: 644/2. [2] سنن أبي داود، حديث: 2638، والطبقات لابن سعد: 124/1.

چنانچہ میں نے انھیں اسیر بنا کر چشمے کے پاس سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ ان قیدیوں میں پرانا خشک چمڑا زیب تن کیے ہوئے ایک خاتون بھی شامل تھی۔ اس کے ساتھ اس کی بیٹی بھی تھی۔ وہ عرب کی حسین ترین لڑکیوں میں سے ایک تھی۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس خاتون کی حسین لڑکی مجھے انعام میں دے دی۔

میں اس لڑکی کو اسی طرح مدینہ منورہ لے آیا اور اسے ہاتھ تک لگایا نہ کپڑا ہٹا کر دیدارِ جمال کیا۔ مدینہ پہنچ کر بھی میں نے ایک رات گزاری لیکن میں نے اس کا کپڑا نہیں ہٹایا۔ اگلے دن بازار میں میری ملاقات رسول اللہ ﷺ سے ہوئی تو آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا:

«يَا سَلَمَةُ! هَبْ لِي الْمَرْأَةَ» ”سلمہ! وہ لڑکی مجھے ہبہ کر دو۔“

میں نے عرض کیا: ”اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! مجھے وہ لڑکی بھلی لگی ہے لیکن میں نے ابھی تک اس کا کپڑا ابھی نہیں اٹھایا۔“

اس پر رسول اللہ ﷺ خاموش ہو گئے اور مجھے چھوڑ کر چلے گئے۔

دوسرے دن رسول اللہ ﷺ پھر بازار میں ملے۔ اور مجھ سے فرمایا:

«يَا سَلَمَةُ! هَبْ لِي الْمَرْأَةَ» ”سلمہ! وہ لڑکی مجھے ہبہ کر دو۔“

میں نے پھر عرض کیا: ”اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! میں نے اسے کپڑا ہٹا کر بھی نہیں دیکھا۔ اے اللہ کے رسول! اب وہ آپ ہی کی ہے۔“

رسول اللہ ﷺ نے اس لڑکی کو بطور فدیہ اہل مکہ کے پاس بھیج دیا اور اس کے بدلے اہل مکہ سے مسلمان قیدیوں کو آزاد کرا لیا۔[1]

عمرۃ القضاء کے موقع پر

رسول اللہ ﷺ کو صلح حدیبیہ کے موقع پر مشرکین مکہ نے جس عمرے کی ادائیگی سے

[1] صحیح مسلم، حدیث: 1755، ومسند أحمد: 51/4، والطبقات لابن سعد: 164/4.

روک دیا تھا اس کی جگہ پر آپ نے عمرۃ القضاء ادا کیا۔ اس سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سمیت دیگر صحابۂ کرام نے بھی شرکت کی۔ [1]

سریۂ ذات السلاسل میں شرکت

سیدنا رافع بن عمرو طائی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو سریۂ ذات السلاسل کے موقع پر اسلامی جیش کا سپہ سالار بنا کر روانہ فرمایا۔ اس لشکر میں سیدنا ابوبکر، عمر اور دیگر معزز صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی آپ کے ساتھ بھیجا۔ ان لوگوں نے مدینہ منورہ سے کوچ کیا اور ''طے'' نامی پہاڑ کے پاس پڑاؤ ڈالا۔ سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: ''راستے کی راہنمائی کے لیے کوئی آدمی تلاش کرو۔'' صحابۂ کرام فرمانے لگے: ''اس کام کے لیے ہم رافع بن عمرو رضی اللہ عنہ کے سوا کسی اور کو نہیں جانتے کیونکہ وہ دور جاہلیت میں لوگوں پر اکیلے ہی غارت گری کیا کرتے تھے۔'' سیدنا رافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب ہم اپنے اس معرکے سے فارغ ہو کر دوبارہ اس مقام پر پہنچے جہاں سے ہم نے اپنے سفر کا آغاز کیا تھا تو میں نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنی رفاقت کے لیے تاڑ لیا۔ آپ فدک کی بنی ہوئی (فدکی) عباء زیب تن کیے ہوئے تھے۔ جب آپ سوار ہوتے تو کسی خلال (کانٹے یا پن وغیرہ) کے ذریعے سے اس عباء کو جوڑ کر زیب تن کر لیتے اور جب سواری سے اترتے تو اسے نیچے بچھا لیتے۔ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: ''جناب ابوبکر! میں نے اپنے ساتھیوں میں سے آپ کو اپنی دوستی کے لیے منتخب کیا ہے، مجھے ایسی نصیحت فرمائیے کہ میں اس پر کاربند ہو جاؤں تو میں بھی آپ کی طرح ہو جاؤں لیکن مجھے طویل نصیحت نہ کیجیے۔ مبادا میں اسے بھول ہی جاؤں۔''

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: «تَحْفَظُ أَصَابِعَكَ الْخَمْسَ؟»

[1] تاريخ الدعوة الإسلامية للدكتور جميل عبدالله المصري، ص: 142.

’’کیا تجھے اپنی پانچ انگلیاں بخوبی یاد ہیں؟‘‘

میں نے کہا: ’’جی ہاں!‘‘

انھوں نے فرمایا:

«تَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُولُهٗ وَ تُقِيمُ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسَ وَ تُؤْتِي زَكَاةَ مَالِكَ وَ تَحُجُّ الْبَيْتَ وَ تَصُومُ رَمَضَانَ، هَلْ حَفِظْتَ؟»

’’تم اس بات کی گواہی دو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں، پانچوں نمازیں ادا کرو، اگر تمھارے پاس حسب نصاب مال ہے تو اس مال کی زکاۃ ادا کرو، بیت اللہ کا حج کرو اور رمضان کے روزے رکھو۔ کیا تم نے یہ باتیں یاد کر لی ہیں؟‘‘

میں نے کہا: ’’جی ہاں!‘‘

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: «وَ أُخْرٰى لَا تُؤَمَّرَنَّ عَلَى اثْنَيْنِ»

’’دوسری نصیحت یہ ہے کہ اگر تمھیں دو آدمیوں پر بھی امیر بنایا جائے تب بھی تم امیر نہ بننا۔‘‘

میں نے کہا: ’’پختہ گھر والو! کیا حکومت اور امارت تمھی میں رہے گی؟‘‘

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

«يُوشِكُ أَنْ تَفْشُوَ حَتّٰى تَبْلُغَكَ وَ مَنْ هُوَ دُونَكَ، إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ لَمَّا بَعَثَ نَبِيَّهٗ ﷺ دَخَلَ النَّاسُ فِي الْإِسْلَامِ، فَمِنْهُمْ مَّنْ دَخَلَ لِلّٰهِ فَهَدَاهُ اللّٰهُ وَ مِنْهُمْ مَّنْ أَكْرَهَهُ السَّيْفُ، فَهُمْ عُوَّادُ اللّٰهِ وَ جِيرَانُ اللّٰهِ فِي خَفَارَةِ اللّٰهِ، إِنَّ الرَّجُلَ إِذَا كَانَ أَمِيرًا، فَتَظَالَمَ النَّاسُ بَيْنَهُمْ فَلَمْ

يَأْخُذْ لِبَعْضِهِمْ مِّنْ بَعْضٍ انْتَقَمَ اللّٰهُ مِنْهُ، إِنَّ الرَّجُلَ مِنْكُمْ لَتُؤْخَذُ شَاةُ جَارِهٖ فَيَظَلُّ نَاتِئَ عَضَلَتَهٗ غَضَبًا لِّجَارِهٖ وَاللّٰهُ مِنْ وَّرَاءِ جَارِهٖ»

''ہوسکتا ہے کہ امارت وحکومت کا معاملہ پھیل جائے اور وہ تم تک ''بلکہ تمھارے علاوہ دوسروں تک'' رسائی حاصل کر لے۔ دیکھو! جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو مبعوث فرمایا تو لوگ مختلف حالات میں دائرہ اسلام میں آئے، بعض لوگ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اسلام میں داخل ہوئے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انھیں ہدایت سے بہرہ مند کیا۔ کچھ لوگ وہ تھے جنھیں تلوار نے اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا۔ وہ طوعاً یا کرہاً اسلام میں داخل ہوگئے تو سب اللہ کی پناہ میں آگئے، اس کے دائرۂ حفاظت میں پہنچ گئے اور پر امن ہوگئے۔ جب آدمی منصب امارت پر فائز ہو اور لوگ اس کے عہد میں ایک دوسرے پر ظلم کریں لیکن وہ ان کے مابین انصاف کے تقاضے پورے کرکے کسی کو کسی سے حق نہ دلوائے تو یقیناً اللہ تعالیٰ اس سے انتقام لے گا۔ اگر تم میں سے کسی شخص کے پناہ یافتہ کی بکری چرا لی جائے تو اپنے پناہ یافتہ اور حلیف کی خاطر غیظ وغضب سے اس کی رگیں پھول جاتی ہیں پھر اللہ تعالیٰ تو اپنے پناہ یافتہ اور حلیف کے لیے سب سے بڑھ کر غضب ناک ہوگا۔''[1]

نصیحت صدیقی سے ماخوذ اسباق

اس نصیحت میں ابنائے اسلام کے لیے بہت سی عبرتیں اور اسباق موجود ہیں جسے رسول اللہ ﷺ کے تربیت یافتہ جلیل القدر صحابی سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پیش کیا ہے۔ ان میں سے اہم ترین اسباق یہ ہیں:

[1] مجمع الزوائد للهيثمي :202/5.

اہمیت عبادات: آپ نے اس نصیحت میں عبادات کی اہمیت اجاگر کی ہے، چنانچہ آپ نے نماز کا تذکرہ فرمایا کیونکہ وہ دین کا ستون ہے۔ اسی طرح آپ نے دیگر عبادات زکاۃ، روزہ اور حج کا تذکرہ کیا۔

حکومت و امارت کا عدم مطالبہ: آپ نے امیر نہ بننے کی جو نصیحت فرمائی ہے وہ درحقیقت رسول اللہ ﷺ کی اس نصیحت سے بڑی مماثلت رکھتی ہے جو آپ ﷺ نے سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو ان الفاظ میں فرمائی تھی:

«إِنَّهَا أَمَانَةٌ وَّ إِنَّهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ خِزْيٌ وَّ نَدَامَةٌ، إِلَّا مَنْ أَخَذَهَا بِحَقِّهَا وَأَدَّى الَّذِي عَلَيْهِ فِيهَا»

''بلاشبہ امارت درحقیقت ایک امانت ہے اور جو کوئی اس کا حق ادا نہ کرے اس کے لیے روز قیامت یہ امارت رسوائی اور ندامت بن جائے گی۔''[1]

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے حبیب محمد ﷺ کی اس نصیحت کو نہ صرف بخوبی سمجھنے والے تھے بلکہ انھوں نے اس نصیحت کو اچھی طرح ذہن نشین بھی کر لیا تھا، اسی لیے ایک روایت میں ان سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا:

«إِنَّهُ مَنْ يَّكُ أَمِيرًا فَإِنَّهُ أَطْوَلُ النَّاسِ حِسَابًا وَّ أَغْلَظُهُمْ عَذَابًا وَّ مَنْ لَّا يَكُنْ أَمِيرًا فَإِنَّهُ مِنْ أَيْسَرِ النَّاسِ حِسَابًا وَّ أَهْوَنِهِمْ عَذَابًا»

''جو شخص منصب امارت پر فائز ہوگا تو روز قیامت اس کا حساب سب سے طویل اور کڑا ہوگا، نیز (اگر وہ عذاب کا مستحق ہوا تو) وہ سخت ترین عذاب سے دوچار ہوگا اور جو شخص منصب امارت سے بچ گیا، اس کا حساب نہایت آسان ہوگا اور (اگر وہ مبتلائے عذاب کیا گیا تو) اس کا عذاب بھی نہایت ہلکا اور نرم ہوگا۔''[2]

[1] صحيح مسلم، حديث: 1825. [2] استخلاف أبي بكر الصديق للدكتور جمال عبدالهادي، ص: 139.

یہ ہے منصب امارت کی حقیقت سمجھنے میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی فہم وفراست۔

ظلم کی ممانعت: اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پر ظلم کو حرام قرار دیا ہے اور لوگوں کو بھی ایک دوسرے پر ظلم کرنے سے منع فرمایا ہے کیونکہ روز قیامت ظلم تاریکیوں اور ظلمات کی شکل اختیار کر جائے گا، مزید برآں حدیث قدسی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں مومنوں پر ظلم کرنے کی بھی ممانعت فرمائی ہے:

«مَنْ عَادٰى لِي وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ»

''جس نے میرے کسی ولی کو اذیت دی تو بلاشبہ میں اس کے خلاف اعلان جنگ کرتا ہوں۔''[1]

کیونکہ مومن اللہ کے ولی ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی پناہ اور حفاظت میں ہیں اور اللہ تعالیٰ کو اس امر کا زیادہ استحقاق ہے کہ وہ اپنے پناہ یافتہ کے لیے غیظ وغضب میں آئے۔[2]

❁ اسلام کے ابتدائی ادوار میں امت کے بہترین اور نیک لوگ ان پر حاکم اور امیر رہے بعد ازاں ایسا وقت آیا کہ امارت کا معاملہ عام ہوگیا، امارتیں اور حکومتیں اس قدر کثیر ہوگئیں کہ ان پر بعض ایسے افراد نے بھی قبضہ جما لیا جو سرے سے اس کے اہل ہی نہیں تھے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی یہ پیش گوئی حرف بحرف پوری ہوئی کہ بلاشبہ امارت حقیر اور معمولی چیز ہے اور وہ دور قریب ہے جب امارت کا معاملہ اس قدر عام ہو جائے کہ اس پر ایسے لوگ قبضہ جما لیں جو اس کے اہل ہی نہیں ہیں۔[3]

❁ غزوۂ ذات السلاسل میں امراء اور حکمرانوں کے احترام کے سلسلے میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا کردار بہت نمایاں ہے۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آپ اس قدر

[1] صحيح البخاري، حديث: 6502، ومسند أحمد: 256/6. [2] استخلاف أبي بكر الصديق للدكتور جمال عبدالهادي، ص: 140. [3] استخلاف أبي بكر الصديق للدكتور جمال عبدالهادي، ص: 140.

پاکیزہ نفس تھے کہ دوسرے کی شخصیت کی تعمیر، دوسروں کو خراج تحسین پیش کرنے اور ان کا احترام کرنے کی بڑی قدرت اور خصوصی مقام رکھتے تھے۔ ①

حضرت عبداللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو غزوۂ ذات السلاسل میں امیر مقرر فرما کر بھیجا، جبکہ اس لشکر میں سیدنا ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما بھی شامل تھے۔ جب لشکر اسلام مقام جنگ کے قریب پہنچ کر خیمہ زن ہوا تو سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ اہل لشکر آگ روشن نہ کریں۔ اس بات پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ آپے سے باہر ہوگئے۔ انھوں نے خود عمرو رضی اللہ عنہ کے پاس جانے کا ارادہ کرلیا۔ اس موقع پر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انھیں منع کیا اور آگاہ کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ کو ہمارا امیر صرف اسی لیے بنایا ہے کہ وہ معاملاتِ حرب سے بخوبی آشنا ہیں۔ یہ بات سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ خاموش اور پرسکون ہوگئے۔ ②

فتح مکہ اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا عظیم الشان کردار

ابن اسحاق نے سیدنا مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ اور مروان بن حکم کے حوالے سے صلح حدیبیہ کی جنگ بندی کے بعد فتح مکہ کا سبب نقل کیا ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ صلح حدیبیہ کی شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی تھی کہ جو قبیلہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے عہد و پیمان میں شامل ہونا پسند کرے وہ اس میں شامل ہوجائے اور جو قریش کے عہد و پیمان میں شامل ہونا چاہے وہ ان کے ساتھ شامل ہوجائے۔ بنوخزاعہ نے اٹھ کر کہا: ''ہم محمد ﷺ کے عہد و پیمان میں شامل ہوتے ہیں۔'' اور بنوبکر نے اٹھ کر کہا: ''ہم قریش کے عہد و پیمان میں شامل ہوتے ہیں۔'' سترہ یا اٹھارہ ماہ تک وہ اپنے عہد پر قائم رہے۔

① تاريخ الدعوة إلى الإسلام للدكتور يسري محمد هاني، ص: 382. ② المستدرك للحاكم: 42/3، اسے امام حاکم اور ذہبی نے صحیح قرار دیا ہے۔

بعد ازاں بنوبکر نے ایک رات مکہ مکرمہ کے قریب ''وتیر'' نامی چشمے کی جگہ پر بنوخزاعہ پر شب خون مارا۔ قریشیوں نے کہا: ''رات کا وقت ہے، اندھیرا چھایا ہوا ہے۔ کوئی ہمیں دیکھ سکے گا نہ محمد (ﷺ) کو ہمارے بارے میں معلوم ہوگا کہ انھوں نے حملہ کیا ہے۔'' چنانچہ یہ سوچ کر انھوں نے بنوبکر کو ہتھیار اور اسلحہ بہم پہنچا کر نہ صرف ان کی امداد کی بلکہ رسول اللہ ﷺ کی دشمنی میں انھوں نے بنوبکر سے مل کر بنوخزاعہ کی خون ریزی میں بھی بھرپور حصہ لیا۔ بنوخزاعہ کا ایک فرد عمرو بن سالم امداد طلبی کے لیے مدینہ منورہ پہنچا اور اس نے رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے یہ اشعار پڑھے:

اَللّٰهُمَّ إِنِّي نَاشِدٌ مُّحَمَّدَا حِلْفَ أَبِينَا وَأَبِيكَ الْأَتْلَدَا

فَانْصُرْ هَدَاكَ اللّٰهُ نَصْرًا أَعْتَدَا وَادْعُ عِبَادَ اللّٰهِ يَأْتُوا مَدَدَا

''اے میرے پروردگار! میں محمد (ﷺ) کو اپنے اور ان کے آباء و اجداد کا قدیم معاہدہ یاد دلاتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہدایت پر قائم رکھے، آپ ہماری فوری مدد فرمایئے اور اللہ کے بندوں کو بلایئے تاکہ وہ ہماری کمک کے طور پر ہمارے پاس آئیں۔''

رسول اللہ ﷺ نے جواباً فرمایا: «نُصِرْتَ يَا عَمْرَو بْنَ سَالِمٍ!»

''عمرو بن سالم! تمھاری امداد کی جائے گی۔''[1]

نبی اکرم ﷺ نے صحابۂ کرام کے ساتھ مکہ مکرمہ کی طرف پیش قدمی کی تیاری فرمائی اور اس معاملے کو انتہائی خفیہ رکھا، نیز آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی کہ یہ معاملہ قریش سے اس وقت تک پوشیدہ رہے جب تک آپ ﷺ اسلامی لشکر کے ساتھ اچانک حملہ آور ہو کر مکہ مکرمہ کو فتح نہ کر لیں۔ دوسری طرف قریش کو یہ خدشہ لاحق ہوا کہ کہیں

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 44/4.

نبی اکرم ﷺ کو بنوخزاعہ پر حملے کا علم نہ ہوگیا ہو، چنانچہ ابوسفیان رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کی غرض سے مکہ مکرمہ سے نکلا اور آپ کی خدمت میں پہنچ کر کہنے لگا: ''محمد! (ﷺ) عہد و پیمان کو مزید مضبوط کیجیے اور صلح کی مدت میں بھی اضافہ کر دیجیے۔'' نبی اکرم ﷺ نے اس سے دریافت فرمایا:

«لِذٰلِكَ قَدِمْتَ؟ هَلْ كَانَ مِنْ حَدَثٍ قِبَلِكُمْ؟»

''کیا تم اسی مقصد سے آئے ہو؟ کیا تمھاری طرف سے صلح شکنی کا کوئی واقعہ تو پیش نہیں آیا؟''

ابوسفیان کہنے لگا: ''اللہ کی پناہ! ہم بغیر کسی تغیر و تبدل کے یوم حدیبیہ والی صلح اور عہد پر اب بھی قائم ہیں۔'' پھر ابوسفیان صحابۂ کرام سے ملاقات کرنے کے ارادے سے نبی اکرم ﷺ کے پاس سے اٹھ کر باہر نکل گیا۔[1]

ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ابوسفیان کے مابین ملاقات

ابوسفیان نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ مطالبہ رکھا کہ وہ معاہدے کی تجدید کرلیں اور مدت معاہدہ میں توسیع کریں۔ آپ نے جواباً فرمایا:

«جِوَارِي فِي جِوَارِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، وَاللّٰهِ! لَوْ وَجَدْتُ الذَّرَّ تُقَاتِلُكُمْ لَأَعَنْتُهَا عَلَيْكُمْ»

''رسول اللہ ﷺ کا عہد و پیمان ہی میرا عہد و پیمان ہے۔ اللہ کی قسم! اگر تمھارے خلاف مجھے چیونٹیاں بھی لڑتی ہوئی مل جائیں تو میں تمھارے خلاف ان کی مدد کروں گا۔''

اس گفتگو سے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ذہانت و فطانت اور سیاسی بصیرت نمایاں

[1] التاريخ السياسي والعسكري للدكتور علي معطي، ص: 365، و تاريخ الطبري: 43/3.

ہوتی ہے، پھر اس سے دین حق پر آپ کے قوی ایمان کا اظہار بھی ہوتا ہے۔ آپ بے خوف و خطر ابوسفیان کے سامنے اس بات کا اعلان کرتے ہیں کہ وہ ہر حالت میں قریش کے خلاف جنگ کے لیے تیار ہیں حتی کہ اگر انھیں قریش کے خلاف چیونٹیاں بھی لڑتی ہوئی مل جائیں تو وہ قریش کے خلاف ان کی بھی مدد کریں گے۔ ①

سیدہ عائشہ اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہما کا ایمان افروز واقعہ

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے۔ وہ (مکہ پر یلغار کی تیاری کی غرض سے) گیہوں چھان رہی تھیں اور نبی کریم ﷺ نے انھیں اس معاملے کو مخفی رکھنے کا حکم دیا تھا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان سے دریافت کیا:

«يَا بُنَيَّةُ! لِمَ تَصْنَعِينَ هٰذَا الطَّعَامَ؟»

''بیٹی! تم یہ کھانے کا سامان کیوں تیار کر رہی ہو؟''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے سکوت فرمایا، پھر آپ نے پوچھا:

«أَيُرِيدُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَنْ يَّغْزُوَ؟» ''کیا رسول اللہ ﷺ غزوے کا ارادہ رکھتے ہیں؟''

اس سوال پر بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خاموش رہیں،

پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: «لَعَلَّهُ يُرِيدُ بَنِي الْأَصْفَرِ؟» ''شاید آپ ﷺ رومیوں پر چڑھائی کا ارادہ رکھتے ہیں؟''

اس پر بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے خاموشی اختیار کی،

پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے استفسار کیا: «لَعَلَّهُ يُرِيدُ أَهْلَ نَجْدٍ؟» ''شاید آپ ﷺ اہل نجد کا قصد فرمانا چاہتے ہوں گے۔''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بدستور خاموش رہیں،

① تاریخ الدعوة الإسلامية للدكتور جميل عبد اللّٰه المصري، ص: 145.

پھر آپ نے دریافت کیا: «لَعَلَّهُ يُرِيدُ قُرَيْشًا؟» ”شاید آپ قریش پر حملے کا ارادہ رکھتے ہیں؟“

اس سوال پر بھی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا خاموش رہیں۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی بیٹی کی بے لچک خاموشی دیکھ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دریافت کیا: «يَا رَسُولَ اللّٰهِ! أَتُرِيدُ أَنْ تَخْرُجَ مَخْرَجًا؟»

”اے اللہ کے رسول! کیا آپ کہیں کوچ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں؟“

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: «نَعَمْ» ”ہاں!“

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا: «لَعَلَّكَ تُرِيدُ بَنِي الْأَصْفَرِ؟»

”شاید آپ رومیوں پر چڑھائی کرنا چاہتے ہیں؟“

رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا: «لَا» ”نہیں!“

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پھر سوال کیا: «أَتُرِيدُ أَهْلَ نَجْدٍ؟»

”کیا آپ اہل نجد پر حملے کا ارادہ رکھتے ہیں؟“

آپ ﷺ نے جواب دیا: «لَا» ”نہیں!“

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے استفسار کیا: «فَلَعَلَّكَ تُرِيدُ قُرَيْشًا؟»

”تو پھر شاید آپ قریش پر لشکر کشی کا ارادہ رکھتے ہیں؟“

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: «نَعَمْ» ”ہاں!“

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: «يَا رَسُولَ اللّٰهِ! أَلَيْسَ بَيْنَكَ وَ بَيْنَهُمْ مُدَّةٌ؟» ”اے اللہ کے رسول! کیا آپ کے اور ان کے مابین ابھی معاہدۂ صلح کی مدت باقی نہیں ہے؟“

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: «أَلَمْ يَبْلُغْكَ مَا صَنَعُوا بِبَنِي كَعْبٍ؟»

”کیا تمھیں اس بدسلوکی کی خبر نہیں پہنچی جو انھوں نے ہمارے حلیف (بنوخزاعہ کے خاندان) بنو کعب کے ساتھ کی ہے؟“

اسی وقت سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کی بات پر سر تسلیم خم کرتے ہوئے اس کٹھن مہم میں اپنے عظیم قائد کے ساتھ شامل ہونے کی تیاری شروع کر دی۔ اس غزوے میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تمام مہاجرین اور انصار نے شرکت کی۔ ان میں سے کوئی بھی پیچھے نہیں رہا۔ [1]

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا مکہ مکرمہ میں دخول

فتح مکہ کے موقع پر جب رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کے پہلو میں موجود تھے۔ آپ ﷺ نے عورتوں کو گھوڑوں کے جبڑوں پر تھپڑ مارتے دیکھا تو مسکرا کر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف ملتفت ہوئے اور ارشاد فرمایا:

«يَا أَبَابَكْرٍ كَيْفَ قَالَ حَسَّانُ؟»

''ابوبکر! اس موقع و محل کے متعلق حسان رضی اللہ عنہ نے کیا کہا ہے؟''

چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سیدنا حسان رضی اللہ عنہ کے یہ اشعار پڑھے:

عَدِمْنَا خَيْلَنَا إِنْ لَّمْ تَرَوْهَا تُثِيرُ النَّقْعَ مَوْعِدُهَا كَدَاءُ

يُنَازِعْنَ الْأَعِنَّةَ مُصْغِيَاتٍ عَلٰى أَكْتَافِهَا الْأَسَلُ الظَّمَاءُ

تَظَلُّ جِيَادُنَا مُتَمَطِّرَاتٍ تُلَطِّمُهُنَّ بِالْخُمُرِ النِّسَاءُ

''ہم اپنے گھڑ سواروں کو گم پائیں اگر تم انھیں غبار اڑاتے ہوئے نہ دیکھو، جبکہ ان کی منزل کداء ہوگی۔ وہ جھکی ہوئی ڈھیلی مہاروں کو کھینچتے ہوں گے اور ان کے کندھوں پر (خون کے) پیاسے تیر ہوں گے۔ ہمارے بہترین گھوڑے (فتح مکہ کے روز) ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کے لیے کوشاں ہوں گے جن

[1] المغازي للواقدي: 796/2.

فتح مکہ (20 رمضان 8ھ)
﴿إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ﴾
"جب آگئی مدد اللہ کی اور فتح۔" (النصر 1:110)
وادی ذی طویٰ
ثنیہ اذاخر (الصفیرا)
عراق کا راستہ
خالد بن ولید
ابوعبیدہ بن جراح
زبیر بن العوام
رسول اللہ ﷺ
جبل ہند
الحجون
قبر خدیجہ رضی اللہ عنہا
نبی ﷺ کا قیام
عرفات کا راستہ
کداء
قیس بن سعد بن عبادہ
مکہ مکرمہ
مروہ
مسجد الحرام
صفا
بیت رسول اللہ ﷺ
خندمہ
جبل ابی قبیس
اجیاد
خالد بن ولید
خالد بن ولید
جدہ کا راستہ
یمن کا راستہ

نقشہ: 09

کے چہروں پر عورتیں اپنے دوپٹے مار رہی ہوں گی۔“ ①

یہ اشعار سن کر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: «اُدْخُلُوا مِنْ حَيْثُ قَالَ حَسَّانُ»

”جدھر سے حسان نے مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کا تذکرہ کیا ہے ادھر ہی سے داخل ہونا۔“ ②

اسی مقدس پر کیف فضا میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے والد ابوقحافہ رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا۔ اس طرح سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر اللہ تعالیٰ کے احسان اور نعمت کی تکمیل ہوئی۔ ③

غزوۂ حنین اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

مسلمانوں کو غزوۂ حنین میں بڑا تلخ سبق ملا۔ اس موقع پر معرکے کے آغاز ہی میں مسلمان شکست سے دوچار ہوئے۔ وہ دشمن کے اچانک خوفناک حملے کی تاب نہ لاتے ہوئے فرار ہونے لگے۔ امام طبری رحمہ اللہ نے ان کی اس حالت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

”صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اس طرح منتشر ہو کر بھاگے کہ کوئی دوسرے کی طرف مڑ کر بھی نہیں دیکھتا تھا۔“ ④

رسول اللہ ﷺ اس کٹھن مرحلے میں بھی اپنی جگہ ڈٹے ہوئے تھے اور لوگوں کو پکار پکار کر فرما رہے تھے:

«أَيْنَ أَيُّهَا النَّاسُ؟! هَلُمُّوا إِلَيَّ، أَنَا رَسُولُ اللّٰهِ، أَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ ......، يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ! أَنَا عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُولُهُ»

① المستدرك للحاكم: 72/3، اسے امام حاکم اور ذہبی نے صحیح قرار دیا ہے۔ ② المستدرك للحاكم: 72/3، وتاريخ الطبري: 42/3. ③ تاريخ الدعوة الإسلامية للدكتور جميل عبدالله المصري، ص: 147. (سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے والد گرامی ابوقحافہ رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کا واقعہ آغاز میں گزر چکا ہے۔)
④ تاريخ الطبري: 74/3.

غزوۂ حنین وطائف (شوال 8ھ/فروری 630ء)
﴿وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنكُمْ شَيْئًا﴾
”اور دن حنین کے (بھی) جب کہ خوش فہمی میں ڈال دیا تھا تم کو تمہاری کثرت نے پس نہ کام آئی وہ تمہارے کچھ بھی۔“ (التوبة 25:9)
اردن
عراق
فارس (ایران)
نجد
خلیج فارس
خلیج عمان
عمان
سودان
بحیرۂ احمر
اریٹیریا
یمن
حبشہ
خلیج عدن
بحیرۂ عرب
اندرونی چھوٹا چوکھٹا بڑے نقشے کی حدود کو اور بڑا چوکھٹا دائیں طرف چھوٹے نقشے کی حدود کو ظاہر کرتا ہے۔
جعرانہ
جدہ
مکہ مکرمہ
طائف
بحیرۂ احمر
100
50
0
کلومیٹر
طائف کا راستہ
مضیق
مشرکوں کی حنین کی طرف پیش قدمی
مسلمانوں نے بنو غیرہ کا تعاقب کیا
زیمہ
مسلمانوں نے ہوازن کا تعاقب کیا
وادیٔ اوطاس
جعرانہ
مال غنیمت کی منتقلی
شرائع
وادی حنین
اسلامی لشکر کی حنین کی طرف پیش قدمی
وادی حنین میں مشرکوں کی کمین گاہ
بنو ثقیف کی طائف کی طرف واپسی
مکہ مکرمہ

نقشہ: 10

’’میری طرف آؤ، میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں، میں محمد بن عبداللہ ہوں ......،
اے جماعت انصار! میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔‘‘

پھر رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کو بلایا، وہ بڑے بلند آہنگ آدمی تھے۔ آپ نے انھیں حکم دیا:

«يَا عَبَّاسُ! نَادِ: يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ! يَا أَصْحَابَ السَّمُرَةِ!»

’’عباس! اعلان کرو: اے انصار کی جماعت! اے اصحاب سمرہ!‘‘[1]

آغاز جنگ میں مسلمانوں کی یہ حالت تھی کہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ نہایت قلیل تعداد کے علاوہ کوئی ثابت قدم نہیں رہا۔ نبی اکرم ﷺ کی معیت میں صبر کے ساتھ پامردی سے کھڑا ہونے والا یہ چھوٹا سا گروہ اُنھی صحابۂ کرام کا گروہ تھا جن میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ پیش پیش تھے۔ اس کے بعد پھر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو عظیم الشان فتح سے ہمکنار فرمایا۔[2]

ہمیں تاریخ کے اوراق سے اس معرکے میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عظیم کردار کی جو نمایاں جھلکیاں نظر آتی ہیں، ان میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں:

رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا قول فیصل

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ حنین کے دن میں نے ایک مسلمان کو دیکھا جو ایک مشرک سے نبرد آزما تھا۔ مسلمان کے پیچھے سے ایک دوسرے مشرک نے آ کر اُسے دھوکے سے قتل کرنا چاہا۔ یہ صورت حال دیکھ کر میں پیچھے سے آنے والے دھوکے باز مشرک کی طرف تیزی سے جھپٹا۔ اس نے مجھے مارنے کے لیے اپنا ہاتھ اٹھایا تو میں نے وار کرکے اس کا ہاتھ کاٹ دیا۔ اس نے مجھے دبا کر اتنے زور سے بھینچا کہ مجھے اپنی موت کا خطرہ لاحق ہوگیا، پھر وہ گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔ اس دوران اس کی گرفت

[1] صحيح مسلم، حديث: 1775. [2] مواقف الصديق مع النبي ﷺ في المدينة للدكتور عاطف لماضة، ص: 43.

ڈھیلی پڑی تو میں نے اسے پرے دھکیل کر قتل کر دیا۔ اسی دوران مسلمان ہزیمت زدہ ہو کر بھاگ نکلے اور میں بھی ان کے ساتھ بھاگنے لگا۔ اچانک میں نے دیکھا کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اپنی جگہ ڈٹے ہوئے کھڑے ہیں۔ میں نے ان سے پوچھا: ''یہ مسلمانوں کو کیا ہو گیا ہے؟'' انھوں نے جواب دیا: ''اللہ کا فیصلہ ہے۔'' اس کے بعد لوگ رسول اللہ ﷺ کی طرف پلٹ آئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ أَقَامَ بَيِّنَةً عَلٰى قَتِيلٍ قَتَلَهُ، فَلَهُ سَلَبُهُ»

''جو شخص دلیل سے یہ ثابت کر دے کہ فلاں کافر مقتول کو اس نے قتل کیا ہے تو مقتول کا سامان وہی لے گا۔''

میں اپنے ہاتھوں قتل ہونے والے کافر پر کسی گواہ کو تلاش کرنے نکلا لیکن مجھے کوئی ایسا آدمی نہیں ملا جو میرے حق میں گواہی دے، چنانچہ میں تلاش بسیار کے بعد بیٹھ گیا۔ اچانک میرے دل میں خیال آیا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچ کر تمام معاملہ گوش گزار تو کروں، چنانچہ میں نے اسی طرح کیا۔ میری گفتگو سن کر رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے لوگوں میں سے ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: ''ابو قتادہ جس شخص کو قتل کرنے کی بات کر رہے ہیں اس کا سامان اور اسلحہ میرے پاس ہے۔ آپ ابو قتادہ کو اپنی طرف سے کچھ دے کر میری طرف سے راضی کر دیں اور سامان مجھے دلوا دیں۔'' اس پر سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

«كَلَّا لَا يُعْطِهِ أُصَيْبِغَ مِنْ قُرَيْشٍ وَّ يَدَعُ أَسَدًا مِّنْ أُسْدِ اللّٰهِ يُقَاتِلُ عَنِ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ»

''ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا! آپ قریش کے ایک بزدل کو تو سامان دلا دیں اور اللہ کے شیروں میں سے ایک شیر کو محروم کر دیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی حمایت اور تحفظ کی جنگ لڑتا ہے

پھر رسول اللہ ﷺ اٹھ کھڑے ہوئے اور مجھے وہ سامان دلوا دیا۔ میں نے اس سامان کے عوض ایک باغ خریدا جو کہ میری پہلی جائیداد تھی جو میں نے دورِ اسلام میں حاصل کی۔ [1]

اس معاملے میں رسول اللہ ﷺ کی موجودگی کے باوجود سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے فیصلہ کن لہجے میں گفتگو کرنے اور قسم اٹھانے میں سبقت کرنا اور پھر اس سے بڑھ کر رسول اللہ ﷺ کا آپ کی گفتگو کی تصدیق کرتے ہوئے آپ کی کہی ہوئی بات کے مطابق فیصلہ صادر فرمانا درحقیقت وہ شرف و منزلت اور خصوصیت ہے جو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے علاوہ کسی کو میسر نہیں آئی۔ [2]

مذکورہ حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابو قتادہ انصاری رضی اللہ عنہ کو اپنے مسلمان بھائی کی سلامتی اور اس کے دفاع کی بے حد فکر تھی، لہٰذا انھوں نے بڑی جان لیوا جدوجہد کر کے اس کافر کو قتل کیا۔ اسی طرح مذکورہ حدیث سے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اس کردار کی دلیل ملتی ہے کہ آپ کی شخصیت میں حق کو برحق ثابت کرنے اور حق کا دفاع کرنے کی تمنا دامن گیر رہتی تھی۔ مزید برآں اس سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ آپ راسخ ایمان اور پختہ یقین کے مالک تھے، نیز آپ کے ہاں اسلامی اخوت کا نہایت اعلیٰ معیار مقرر تھا۔ [3]

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور عباس بن مرداس کے اشعار

غزوۂ حنین کے مالِ غنیمت کی تقسیم کے موقع پر جب عباس بن مرداس نے مالِ غنیمت میں سے اپنے حصے کو تھوڑا محسوس کیا تو اس نے یہ شعر کہے:

كَانَتْ نِهَابًا تَلَافَيْتُهَا بِكَرِّي عَلَى الْمُهْرِ فِي الْأَجْرَعِ

وَإِيقَاظِي الْقَوْمَ أَنْ يَّرْقُدُوا إِذَا هَجَعَ النَّاسُ لَمْ أَهْجَعِ

[1] صحيح البخاري، حديث: 4322. [2] الرياض النضرة في مناقب العشرة لمحب الطبري، ص: 185. [3] التاريخ الإسلامي للحميدي: 26/8.

فَأَصْبَحَ نَهْبِي وَنَهْبُ الْعَبِيدِ بَيْنَ عُيَيْنَةَ وَالْأَقْرَعِ
وَقَدْ كُنْتُ فِي الْحَرْبِ ذَا تُدْرَءٍ فَلَمْ أُعْطَ شَيْئًا وَّلَمْ أُمْنَعِ
إِلَّا أَفَائِلَ أُعْطِيتُهَا عَدِيدَ قَوَائِمِهَا الْأَرْبَعِ
وَمَا كَانَ حِصْنٌ وَّلَا حَابِسٌ يَّفُوقَانِ شَيْخِي فِي الْمَجْمَعِ
وَمَا كُنْتُ دُونَ امْرِئٍ مِّنْهُمَا وَمَنْ تَضَعُ الْيَوْمَ لَا يُرْفَعِ

''اپنی سابقہ کوتاہیوں کی تلافی کرتے ہوئے میں نے ریتلے میدان میں مال غنیمت سمیٹا۔ میں نے (اس جنگ میں) خواب غفلت میں پڑی قوم کو بیدار اور چوکنا کیا۔ جب رات کو ساری قوم نے پُر لطف نیند کے مزے لوٹے میں نے تب بھی بے خوابی کی ہم نشینی کی لیکن (نتیجہ یہ نکلا کہ میری جدوجہد اکارت گئی اور) میرا اور میرے عبید نامی گھوڑے کا مال غنیمت عیینہ اور اقرع کے درمیان تقسیم کر دیا گیا۔ یقیناً میں اس جنگ میں زبردست حملہ آور ثابت ہوا تھا لیکن مجھے کچھ دیا گیا نہ بالکل محروم رکھا گیا، مجھے محض اونٹ کا ایک چھوٹا سا بچہ دیا گیا۔ (اقرع اور عیینہ کے بزرگ) حصن اور حابس کسی مجلس میں میرے بزرگوں سے برتر اور فائق تھے نہ میں ان دونوں میں سے کسی سے کم تر ہوں۔ آج آپ نے جس شخص کو کم تر اور گھٹیا بنا دیا اسے کبھی عزت اور سر بلندی نہیں ملے گی۔''

یہ اشعار سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اِذْهَبُوا بِهٖ، فَاقْطَعُوا عَنِّي لِسَانَهُ، فَأَعْطُوهُ حَتّٰى رَضِيَ»

''اسے یہاں سے لے جاؤ اور میری طرف سے اس کی زبان کاٹ دو۔ اسے اس قدر مال دو کہ یہ راضی ہو جائے۔''

اس کی زبان کاٹنے کے متعلق رسول اللہ ﷺ کے حکم کا مفہوم یہی تھا کہ اسے زیادہ مال

دے کر اس کی زبان بند کردو۔[1]

جب عباس بن مرداس رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا:

«أَنْتَ الْقَائِلُ: فَأَصْبَحَ نَهْبِي وَ نَهْبُ الْعَبِيدِ بَيْنَ الْأَقْرَعِ وَ عُيَيْنَةَ؟»

''کیا تو نے ہی یہ شعر کہا ہے: فأصبح نهبي ونهب العبيد بين الأقرع و عيينة؟''

اس پر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''بین عیینة والأقرع (یعنی شعر میں عیینہ کا تذکرہ اقرع سے پہلے ہے)۔

اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «هُمَا وَاحِدٌ» ''دونوں ایک ہی چیز ہیں۔''

(یعنی دونوں میں سے جسے بھی مقدم یا موخر کردیا جائے، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔)

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: «أَشْهَدُ أَنَّكَ كَمَا قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ:

﴿وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّ قُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ۙ﴾

''میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ آپ واقعتاً اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے مصداق ہیں:

''اور ہم نے اس (رسول) کو شعر کہنا نہیں سکھایا اور نہ (یہ) اس کے لائق تھے، یہ (کلام الٰہی) تو سراسر نصیحت اور واضح قرآن ہے۔''[2]

غزوۂ طائف اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

طائف کے محاصرے میں بہت سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم زخمی اور شہید ہوئے۔ جب اس محاصرے سے رسول اللہ ﷺ کو خاطر خواہ نتائج برآمد ہوتے نظر نہ آئے تو آپ نے

[1] السیرة النبویة لابن هشام: 147/4. [2] یٰس 69:36؛ السیرة النبویة لابن هشام: 147/4.

اہل طائف سے محاصرہ اٹھالیا اور مدینہ منورہ کی طرف لوٹ گئے۔ اس غزوے میں مسلمانوں میں سے جو لوگ شہید ہوئے ان میں سیدنا عبداللہ بن ابوبکر رضی اللہ عنہما بھی شامل تھے۔ آپ کو اس غزوے میں تیر لگا تھا۔ اُسی کے زخم کی بنا پر آپ مدینہ منورہ میں نبی اکرم ﷺ کی وفات کے بعد شہید ہوئے۔[1]

جب طائف سے بنو ثقیف کا وفد اپنے اسلام کا اعلان کرنے کے لیے مدینہ منورہ آیا اور جیسے ہی یہ وفد مدینہ منورہ کے قریب نمایاں ہوا تو سیدنا ابوبکر اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما میں سے ہر ایک نے ایک دوسرے سے سبقت لے جاتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کو اس وفد کی آمد کی خوش خبری سنانے کی کوشش کی۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ یہ خوش خبری سنانے میں سبقت لے گئے۔[2]

جب اہل ثقیف نے اپنے اسلام کا اعلان کر دیا اور رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے امان نامہ تحریر فرما دیا، پھر آپ ﷺ نے ان پر کسی کو امیر مقرر کرنا چاہا تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ آپ عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر فرمائیں، جبکہ وہ ان میں سب سے نوعمر تھے۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر کہا:

«يَا رَسُولَ اللّٰهِ! إِنِّي رَأَيْتُ هٰذَا الْغُلَامَ مِنْ أَحْرَصِهِمْ عَلَى التَّفَقُّهِ فِي الْإِسْلَامِ وَ تَعَلُّمِ الْقُرْآنِ»

”یا رسول اللہ! میں نے دیکھا ہے کہ یہ نوجوان اسلام کا گہرا فہم حاصل کرنے اور قرآن سیکھنے کا سب سے بڑھ کر شوقین ہے۔“[3]

سیدنا عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کا معمول تھا کہ جب ان کے وفد کے لوگ دوپہر کو سو جاتے تو وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر دین کے متعلق سوالات کرتے اور

[1] تاريخ الدعوة الإسلامية للدكتور جميل عبدالله المصري، ص: 151. [2] السيرة النبوية لابن هشام: 4/193. [3] تاريخ الدعوة الإسلامية للدكتور جميل عبدالله المصري، ص: 152.

قرآن کریم سیکھتے اور اس طرح انھوں نے دین کا تفقہ اور گہرا علم حاصل کرلیا۔ بسا اوقات جب وہ رسول اللہ ﷺ کو سویا ہوا پاتے تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس چلے جاتے۔ اور اس حصول تعلیم کو اپنے رفقاء سے مخفی رکھتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کو ان کی یہ بات بہت بھائی اور آپ نے ان کی اس خصلت کو پسند فرمایا۔ [1]

وفد بنوثقیف میں وہ آدمی بھی شامل تھا جس کے تیر سے طائف کے محاصرے کے دوران سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ گھائل ہوئے تھے۔ جب سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اس شخص کے متعلق معلوم ہوا تو آپ نے ایسی ایمان افروز بات کہی جو آپ کے ایمان کی عظمت پر دلالت کرتی ہے۔

قاسم بن محمد رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن ابوبکر رضی اللہ عنہما کو محاصرۂ طائف کے دوران تیر لگا اور اسی زخم کے بگڑنے کی بنا پر رسول اللہ ﷺ کی وفات کے چالیس دن بعد آپ شہید ہوگئے۔ جب طائف سے بنوثقیف کا وفد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تو اس وقت تک وہ تیر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس موجود تھا۔ انھوں نے وہ تیر اس وفد کے لوگوں کو دکھایا اور پوچھا: «هَلْ يَعْرِفُ هٰذَا السَّهْمَ مِنْكُمْ أَحَدٌ؟»

''تم میں سے کوئی آدمی اس تیر کو پہچانتا ہے؟'' بنوعجلان کے فرد سعید بن عبید نے جواب دیا: ''میں نے ہی اس تیر کو تراشا، اس کے پر تیار کیے اور میں نے ہی یہ تیر چلایا۔''

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

«فَإِنَّ هٰذَا السَّهْمَ الَّذِي قَتَلَ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ أَبِي بَكْرٍ، فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَكْرَمَهُ بِيَدِكَ وَلَمْ يُهِنْكَ بِيَدِهِ، فَإِنَّهُ أَوْسَعُ لَكُمَا»

''بلاشبہ یہی وہ تیر ہے جس کی وجہ سے عبداللہ بن ابوبکر رضی اللہ عنہما شہید ہوئے۔ سب تعریف اسی اللہ کے لیے ہے جس نے تیرے ہاتھوں عبداللہ کو شہادت جیسی عزت

[1] تاريخ الإسلام (المغازي) للذهبي، ص: 670.

بخشی اور تجھے عبداللہ کے ہاتھوں (قتل کرا کر) رسوا نہیں کیا اور اس نے تم دونوں کو اپنی وسیع رحمت کی آغوش میں چھپا لیا ہے۔''[1]

غزوۂ تبوک میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا عظیم کردار

رسول اللہ ﷺ تیس ہزار مجاہدین پر مشتمل ایک بڑے لشکر کو ہمراہ لے کر غزوۂ تبوک کے لیے نکلے۔ اس مرتبہ آپ شام میں رومیوں سے برسر پیکار ہونے کا ارادہ رکھتے تھے۔ جب لشکر اسلام رسول ﷺ کی قیادت میں ثنیۃ الوداع نامی مقام پر جمع ہوا تو آپ ﷺ نے قائدین، جرنیلوں اور کمانڈروں کو منتخب فرمایا اور انھیں علَم اور جھنڈے عطا کیے۔ اس موقع پر آپ نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو لشکر اسلام کا سب سے بڑا علَم عطا فرمایا۔[2]

اس غزوے میں آپ کے کردار کے بعض نمایاں پہلو درج ذیل ہیں:

عبداللہ ذوالبجادین رضی اللہ عنہ کی وفات پر ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ایمان افروز کردار

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں غزوۂ تبوک کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شریک تھا۔ ایک دفعہ میں آدھی رات کے وقت اٹھا تو میں نے لشکر کی ایک جانب آگ کا شعلہ دیکھا۔ میں صورتِ حال معلوم کرنے کے لیے اس طرف گیا تو میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ اور سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما موجود ہیں اور سیدنا عبداللہ ذوالبجادین مزنی رضی اللہ عنہ وفات پا چکے ہیں۔ انھیں دفن کرنے کے لیے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم قبر کھود چکے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ ان کی قبر میں اترے ہوئے ہیں اور سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما ان کی میت کو رسول اللہ ﷺ کی جانب قبر میں اتار رہے ہیں، جبکہ رسول اللہ ﷺ فرما رہے ہیں:

[1] خطب أبي بكر الصديق لمحمد أحمد عاشور، ص: 118، اس روایت کی سند منقطع ہے۔
[2] صفة الصفوة لابن الجوزي: 243/1.

«أَدْنِيَا إِلٰى أَخِيكُمَا» ''اسے اپنے بھائی کے قریب کرو۔''

چنانچہ انھوں نے ان کی میت کو آپ کی طرف بڑھا کر نیچے اتار دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی میت کو پہلو کے بل کیا تو فرمایا:

«اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَمْسَيْتُ رَاضِيًا عَنْهُ فَارْضَ عَنْهُ»

''اے اللہ! میں نے یہ آخری شام اس عالم میں کی ہے کہ میں اس سے راضی تھا، لہٰذا تو بھی اس سے راضی ہو جا۔''

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اس موقع پر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

«يَا لَيْتَنِي كُنْتُ صَاحِبَ الْحُفْرَةِ»

''کاش! اس قبر میں عبداللہ ذوالبجادین کی جگہ میں ہوتا۔''[1]

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جب کسی میت کو لحد میں اتارتے تو کہتے:

«بِسْمِ اللّٰهِ وَ عَلٰى مِلَّةِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَ بِالْيَقِينِ وَ بِالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ»

''میں تجھے اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے دین پر دفن کرتا ہوں اور میں موت پر اور موت کے بعد دوبارہ جی اٹھنے پر ایمان رکھتا ہوں۔''[2]

رسول اللہ ﷺ سے مسلمانوں کے لیے دعا کی درخواست

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''ہم شدید گرمی کے موسم میں تبوک کے لیے نکلے۔ دوران سفر ہم نے ایک جگہ پڑاؤ ڈالا۔ وہاں ہمیں اس قدر شدت کی پیاس لگی کہ ہمیں یہ گمان ہونے لگا کہ ہمارا وقت اجل قریب آپہنچا ہے۔ پیاس کی شدت سے ہم اس حد تک مجبور ہو گئے کہ ہم میں سے کوئی آدمی پیاس بجھانے کے لیے اپنا اونٹ ذبح

[1] صحيح السيرة النبوية لإبراهيم العلي، ص: 598. [2] موسوعة فقه الصديق للدكتور قلعجي، ص: 222.

بحیرۂ روم
القدس (یروشلم)
بلقاء
موتہ
وادی السرحان
بحیرات مُرّہ
رومی لشکر کی واپسی
اذرح
بتراء (پٹرا)
معان
قلزم
ایلہ
عقبہ
دومۃ الجندل
سیناء
جبل موسیٰ
(کوہ طور)
تبوک
مدین
اسلامی عساکر کی پیش قدمی
مویلح
ضبا
تیماء
مصر
مدائن صالح
الوجہ
بحیرۂ احمر
خیبر
مدینہ منورہ
ینبع
حجاز
0
100
200
300
400
500
کلومیٹر
غزوۂ تبوک (غزوۃ العُسرۃ) (رجب ۹ھ)
﴿لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ...﴾ "تحقیق توجہ فرمائی اللہ نے اوپر نبی اور مہاجرین اور انصار کے، وہ (مہاجرین وانصار) جنہوں نے اتباع کیا آپ کا تنگی کی گھڑی میں" (التوبۃ 9:117)
﴿وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا﴾ "اور (توجہ فرمائی اللہ نے) اوپر ان تین شخصوں کے، جو چھوڑ دیے گئے تھے (حکم الٰہی کے انتظار میں)" (التوبۃ 9:118)
﴿تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ﴾ "وہ لوٹے جبکہ ان کی آنکھیں بہتی تھیں آنسوؤں سے، اس غم سے کہ نہیں پاتے وہ جو وہ خرچ کریں" (التوبۃ 9:92)
نقشہ: 11

کرتا اور اس کی اوجھری کو نچوڑ کر اسے نوش کر لیتا اور باقی ماندہ پانی کو اپنے کلیجے کی جانب پہلو پر باندھ لیتا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ سے درخواست کی:

«يَا رَسُولَ اللّٰهِ! إِنَّ اللّٰهَ قَدْ عَوَّدَكَ فِي الدُّعَاءِ خَيْرًا فَادْعُ اللّٰهَ»

''اے اللہ کے رسول! یقیناً اللہ تعالیٰ کا یہ معمول ہے کہ وہ آپ کی دعا قبول فرماتا ہے اور آپ کو خیر و برکت سے نوازتا ہے، لہٰذا آپ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیے۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «أَتُحِبُّ ذٰلِكَ؟» ''کیا آپ یہ بات پسند کرتے ہیں؟''

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: «نَعَمْ» ''جی ہاں!''

چنانچہ آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ اٹھائے اور نیچے نہیں کیے حتی کہ آسمان پر ابر رحمت گرجنے لگا۔ پہلے ہلکی ہلکی بارش ہوئی، پھر موسلا دھار بارش برسنے لگی۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے برتنوں کو پانی سے بھر لیا، پھر ہم اردگرد بارش کے آثار دیکھنے لگے تو ہمیں لشکر کی حدود سے آگے کہیں بارش برستی نظر نہیں آئی۔[1]

غزوۂ تبوک میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مالی قربانی

رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ تبوک کے موقع پر طویل اور کٹھن سفر اور مدمقابل مشرکین کی کثرت کے پیش نظر صحابۂ کرام کو اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کی خوب ترغیب دلائی اور انفاق فی سبیل اللہ کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر عظیم کی بشارت سنائی، چنانچہ ہر صحابی نے اپنی وسعت و استطاعت کے مطابق اس کار خیر میں حصہ لیا اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کیا۔ اس غزوے میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سب سے زیادہ مال خرچ کیا۔[2]

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنا آدھا مال اللہ کے راستے میں صدقہ کیا اور یہ گمان کیا کہ یقیناً وہ اس کار خیر میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے سبقت لے جائیں گے۔ یہ واقعہ ہم خود

[1] صحیح ابن حبان، حدیث: 1707. [2] السیرة النبویة للصلابی، ص: 615.

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی زبانی بیان کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ نے ایک دن ہمیں صدقہ کرنے کا حکم دیا۔ اس موقع پر میرے پاس خوب مال موجود تھا۔ میں نے (اپنے دل میں) کہا: ''اگر میں کسی دن کسی کار خیر میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے سبقت لے جاسکتا ہوں تو وہ آج کا دن ہے۔'' چنانچہ میں اپنا نصف مال لے کر حاضر خدمت ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا:

«مَا أَبْقَيْتَ لِأَهْلِكَ؟» ''آپ نے اپنے اہل وعیال کے لیے کیا چھوڑا ہے؟''

میں نے عرض کیا: ''اس مال کے برابر چھوڑ آیا ہوں۔''

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس جو کچھ موجود تھا وہ سارے کا سارا لے آئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا: «مَا أَبْقَيْتَ لِأَهْلِكَ؟»

''آپ اپنے اہل وعیال کے لیے کیا چھوڑ آئے ہیں؟''

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: «أَبْقَيْتُ لَهُمُ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ»

''میں ان کے لیے اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑ آیا ہوں۔''

تب میں نے کہا: ''میں کسی کارِ خیر میں ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کبھی سبقت نہیں لے سکتا۔''[1]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فعل کار خیر میں مسابقت اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے جائز رشک پر مبنی تھا لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان سے افضل اور بہتر حالت میں تھے کیونکہ ان کی یہ نیکی مقابلہ بازی سے کلی طور پر خالی تھی اور اس سلسلے میں آپ کی نظر کسی اور کی نیکی پر نہیں تھی۔[2]

نبوی عہد مبارک میں عقائد، اقتصادیات، معیشت، معاشرت، عسکریت اور عبادت جیسے

[1] سنن أبي داود، حديث: 1678، وجامع الترمذي، حديث: 3675. [2] الفتاوى لابن تيمية: 73،72/10

تمام شعبوں میں معاشرے کی اخلاقی تربیت اور مملکت اسلامی کا مستحکم بنیادوں پر قیام روز بروز ترقی کی طرف گامزن تھا۔ فتح مکہ کے بعد 8ھ میں سیدنا عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو حج کی ذمہ داری سونپی گئی لیکن اس موقع پر مسلمانوں کے حج اور مشرکین کے حج میں کوئی فرق نہیں تھا۔[1]

9ھ میں موسم حج آیا تو نبی کریم ﷺ نے حج کا ارادہ فرمایا لیکن آپ نے یہ کہہ کر اپنا ارادۂ حج ملتوی فرمایا:

«إِنَّهُ يَحْضُرُ الْبَيْتَ عُرَاةٌ مُّشْرِكُونَ يَطُوفُونَ بِالْبَيْتِ، فَلَا أُحِبُّ أَنْ أَحُجَّ حَتّٰى لَا يَكُونَ ذٰلِكَ»

''بیت اللہ میں مشرک برہنہ حالت میں آ کر بیت اللہ کا طواف کرتے ہیں، جب تک یہ حالت تبدیل نہیں ہو جاتی میں حج کرنا پسند نہیں کروں گا۔''[2]

چنانچہ 9ھ میں آپ ﷺ نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو امیر حج بنا کر بھیجا۔ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حجاج کے قافلے کو لے کر چل پڑے تو سورۂ توبہ نازل ہوئی۔ نبی اکرم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلا کر انھیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچنے کا حکم دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی عضباء پر سوار ہو کر روانہ ہو گئے اور ذوالحلیفہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے جا ملے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ کو دیکھتے ہی پوچھا:

«أَمِيرٌ أَمْ مَّأْمُورٌ؟» ''امیر بن کر آئے ہو یا ماتحت بن کر؟''

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''ماتحت ہو کر!'' پھر وہ لوگ روانہ ہوئے۔ مکہ مکرمہ پہنچ کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حج کے لیے (قبائل کی تقسیم کے اعتبار سے) انھی مقامات پر قیام کا حکم دیا جن مقامات پر وہ دور جاہلیت میں قیام کرتے تھے۔ صحیح روایات کے مطابق اس

[1] دراسات في عهد النبوة لعماد الدين خليل، ص: 222. [2] الأموال لأبي عبيد: 213/1، والطبقات لابن سعد: 168/2.

سال حج کی ادائیگی ذوالحجہ ہی کے مہینے میں ہوئی تھی۔ ذوالقعدہ کے مہینے میں نہیں ہوئی تھی جیسا کہ کہا جاتا ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ترویہ (پانی جمع کرنے) سے پہلے 8 ذوالحجہ کو، یوم عرفہ، یوم نحر اور 12 ذوالحجہ کو خطبات ارشاد فرمائے۔ ان خطبات میں آپ نے لوگوں کو وقوف عرفات، منیٰ کی طرف لوٹنے، قربانی کرنے، منیٰ سے مکہ معظّمہ واپس پلٹنے اور جمرات کو کنکریاں مارنے جیسے مناسک حج سکھائے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ ان تمام مواقع پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے پیچھے رہے۔ آپ لوگوں کو سورۂ توبہ کی ابتدائی آیات پڑھ کر سناتے اور پھر لوگوں کے سامنے ان چار امور کا اعلان فرماتے:

«لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا مُؤْمِنٌ وَّلَا يَطُوفُ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ وَّ مَنْ كَانَ بَيْنَهٗ وَ بَيْنَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ عَهْدٌ فَعَهْدُهٗ إِلٰى مُدَّتِهٖ وَلَا يَحُجُّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ»

''جنت میں مومن کے علاوہ کوئی داخل نہیں ہوگا، کوئی شخص برہنہ ہوکر بیت اللہ کا طواف نہیں کرے گا، جس شخص کا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کوئی معاہدہ ہے تو اس کا معاہدہ اسی مدت تک کے لیے رہے گا اور اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کرے گا۔''[1]

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ایک دوسرے گروہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ اس مہم کو سرانجام دینے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی معاونت کریں۔[2]

حج کے موقع پر فسخ معاہدہ کے اعلان کو مشرکین تک پہنچانے کے لیے نبی اکرم ﷺ نے

[1] صحيح السيرة النبوية لإبراهيم العلي، ص: 625. [2] السيرة النبوية لأبي شهبة: 537/2.

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو درحقیقت ایک ضابطے کے پیش نظر مقرر کیا تھا۔ اہل عرب کا دستور یہ تھا کہ آپس میں عہدو پیمان قائم کرنے یا معاہدوں کو منسوخ قرار دینے کی ذمہ داری قبیلے کے سردار پر یا اس کے خاندان کے کسی فرد پر عائد ہوتی تھی اور رسول اللہ ﷺ نے بھی درحقیقت حج کے موقع پر نسخ معاہدہ کے اعلان کو مشرکین تک پہنچانے کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اسی ضابطے کے پیش نظر مقرر کیا تھا۔ یہ دستور چونکہ اسلام کے منافی نہیں تھا، اسی لیے نبی اکرم ﷺ نے معاملہ فہمی کا ثبوت دیتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس مہم پر بھیجا۔

رسول اللہ ﷺ کی طرف سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا تقرر صرف اس لیے کیا گیا تھا کہ حضرت علی لوگوں تک سورۂ توبہ کے ابتدائی حصے پہنچا دیں۔ رافضیوں کا یہ موقف بالکل غلط ہے کہ اس موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی آمد کا سبب اس بات کا اشارہ کرنا تھا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نسبت خلافت کے زیادہ حق دار ہیں۔

ڈاکٹر محمد ابو شہبہ رافضیوں کے اس گمان پر حاشیہ آرائی کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''معلوم نہیں رافضیوں نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اس فرمان کو کیوں فراموش کر دیا جس میں آپ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے استفسار کیا تھا کہ کیا آپ امیر کی حیثیت سے آئے ہیں یا ماتحت کی حیثیت سے؟ (اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں ماتحت کی حیثیت سے آیا ہوں،)[1] لہٰذا ماتحت کس طرح امیر کی نسبت خلافت کا زیادہ حق دار ہوسکتا ہے؟''[2]

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی زیر امارت ہونے والا حج درحقیقت حج اکبر حجۃ الوداع کے لیے ایک تمہیدی اجتماع کی حیثیت رکھتا ہے۔[3] اس حج میں بانگ دہل یہ اعلان کر دیا گیا کہ صنم پرستی کا دور اپنی موت مر چکا ہے۔ اب دور جدید کا آغاز ہو چکا ہے، لہٰذا لوگوں پر لازم ہے کہ وہ اللہ کے دین اسلام کو قبول کر لیں۔ جزیرۂ عرب کے قبائل میں جب یہ

[1] صحيح السيرة النبوية لإبراهيم العلي، ص: 624. [2] السيرة النبوية لأبي شهبة: 540/2.
[3] السيرة النبوية لأبي شهبة: 540/2.

اعلان نشر ہوا تو ان قبائل کو اس بات پر یقین کرنا پڑا کہ اسلام کا معاملہ سب سے بڑی حقیقت ہے اور اب عہد صنم پرستی عملی طور پر دم توڑ چکا ہے، چنانچہ تمام قبائل نے توحید قبول کرنے اور اسلام میں داخل ہونے کا اظہار کرنے کے لیے اپنے اپنے وفود مدینہ منورہ بھیجنے شروع کر دیے۔[1]

حجۃ الوداع میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شرکت

حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہما فرماتی ہیں: ''ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حج کے لیے نکلے۔ عرج نامی وادی میں پہنچے تو رسول اللہ ﷺ نے وہاں پڑاؤ فرمایا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی اکرم ﷺ کے ساتھ ایک طرف بیٹھ گئیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بار برداری والا اونٹ ان کے ایک غلام کے پاس تھا لیکن وہ غلام تا حال پڑاؤ کے مقام تک نہیں پہنچا تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس غلام کا انتظار کر رہے تھے کہ کب وہ انھیں دکھائی دیتا ہے۔ جب وہ غلام سامنے آیا تو اس کے پاس اونٹ نہیں تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا کہ تمھارے پاس جو اونٹ تھا وہ کہاں ہے؟ غلام نے جواب دیا کہ گزشتہ رات وہ اونٹ مجھ سے کہیں گم ہو گیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو غصہ آ گیا اور وہ یہ کہہ کر اسے مارنے لگے کہ ایک ہی تو اونٹ تھا، تو نے اسے بھی گم کر دیا! رسول اللہ ﷺ یہ منظر دیکھ کر مسکرانے لگے اور فرمایا:

«اُنْظُرُوا إِلٰى هٰذَا الْمُحْرِمِ مَا يَصْنَعُ؟»

''اس محرم (صاحب احرام) کو دیکھو کہ وہ کیا کر رہا ہے؟''[2]

---

[1] قراءة سياسية للسيرة النبوية للدكتور قلعجي، ص:283. [2] سنن أبي داود، حديث:1818، ومسند أحمد:344/6.

مدنی معاشرے میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا کردار اور فضائل و مناقب

- مدنی معاشرے میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا کردار
- صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بعض فضائل و مناقب

﴿لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّ نَحْنُ اَغْنِيَآءُ م سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ لا وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ○﴾

”اللہ نے ان لوگوں کی بات سن لی جنھوں نے کہا کہ اللہ فقیر ہے اور ہم مالدار ہیں۔ یقیناً ان کی یہ بات ہم لکھ لیں گے اور جو وہ نبیوں کو ناحق قتل کرتے رہے (وہ بھی ان کے اعمال نامے میں درج ہے) اور (قیامت کے دن) ہم ان سے کہیں گے: اب جلانے والے عذاب کا مزہ چکھو۔“

(آل عمرٰن 3:181)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ مِنْ أَمَنِّ النَّاسِ عَلَيَّ فِي صُحْبَتِهٖ وَ مَالِهٖ أَبُوبَكْرٍ وَّ لَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيلًا غَيْرَ رَبِّي لَاتَّخَذْتُ أَبَابَكْرٍ وَّلٰكِنْ أُخُوَّةُ الْإِسْلَامِ وَ مَوَدَّتُهٗ، لَا يَبْقَيَنَّ فِي الْمَسْجِدِ بَابٌ إِلَّا سُدَّ إِلَّا بَابَ أَبِي بَكْرٍ»

”مجھے سب لوگوں سے بڑھ کر ابوبکر (رضی اللہ عنہ) نے اپنی صحبت اور مال سے ممنونِ احسان کیا ہے۔ اگر میں اپنے رب کے سوا کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو بناتا لیکن ہمارا باہمی تعلق اسلامی بھائی چارے اور محبت کا ہے۔ مسجد میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دروازے کے علاوہ کوئی دروازہ کھلا نہ رہنے دیا جائے۔“

(صحيح البخاري، حديث: 3654)

مدنی معاشرے میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا کردار

مدنی معاشرے میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی زندگی نہایت مفید اسباق اور عبرت انگیز واقعات سے بھری ہوئی ہے۔ آپ نے فہم اسلام اور انسانی زندگی پر اسلام کے نفاذ کے سلسلے میں ہمارے لیے بہت سی زندۂ جاوید مثالیں چھوڑی ہیں۔ آپ کی شخصیت مدنی معاشرے میں عظیم صفات کے ساتھ ممتاز اور نمایاں تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی احادیث میں کثرت سے آپ کی مدح وتوصیف فرمائی اور آپ کے فضائل ومناقب کو نمایاں کیا۔ مزید برآں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے صحابہ پر آپ کو مقدم فرمایا۔

یہودی عالم فنحاص اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

متعدد اصحاب سیر اور مفسرین نے بیان کیا ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ یہودیوں کے پاس ان کی درس گاہ میں گئے تو آپ نے دیکھا کہ بہت سے یہودی فنحاص نامی ایک شخص کے پاس جمع ہیں۔ فنحاص یہودیوں کے علماء اور احبار میں شمار ہوتا تھا۔ فنحاص کے قریب یہودیوں کے ماہر علماء میں سے ایک اور عالم ''اشیع'' بھی موجود تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فنحاص سے کہا:

«وَيْحَكَ! اِتَّقِ اللّٰهَ وَ أَسْلِمْ، فَوَاللّٰهِ! إِنَّكَ تَعْلَمُ أَنَّ مُحَمَّدًا لَّرَسُولُ اللّٰهِ،

قَدْ جَاءَكُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِهِ تَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَكُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ»

''افسوس ہے تجھ پر! اللہ تعالیٰ سے ڈر۔ اسلام قبول کر لے۔ اللہ کی قسم! یقیناً تو یہ بات جانتا ہے کہ محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق لے کر آئے ہیں۔ تم ان کا تذکرہ اپنے پاس موجود تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہو۔''

فنحاص نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جواب دیا: ''ابوبکر! اللہ کی قسم! ہمیں اللہ کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ ہمارا محتاج ہے۔ ہم اس کے سامنے عاجزی اور آہ و زاری نہیں کرتے بلکہ وہ ہمارے آگے عاجزی اور آہ و زاری کرتا ہے۔ بلاشبہ ہم اس سے بے نیاز ہیں وہ ہم سے بے نیاز نہیں۔ اگر وہ ہم سے بے پروا اور مستغنی ہوتا تو کبھی ہمارے مال بطور قرض نہ مانگتا جیسا کہ تمھارے ساتھی (نبی ﷺ) کا دعویٰ ہے۔ اللہ تمھیں سود سے منع کرتا ہے، جبکہ ہمیں سود دیتا ہے۔ اگر وہ ہم سے بے نیاز اور بے پروا ہوتا تو ہمیں سود کیوں دیتا؟''

یہ گستاخانہ جملے سن کر ابوبکر رضی اللہ عنہ کی آتش غضب بھڑک اٹھی۔ آپ نے فنحاص کے چہرے پر ایک زناٹے دار تھپڑ رسید کیا اور فرمایا:

«وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَوْلَا الْعَهْدُ الَّذِي بَيْنَنَا وَ بَيْنَكَ لَضَرَبْتُ رَأْسَكَ، أَيْ عَدُوَّ اللّٰهِ!»

''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر ہمارے اور تمھارے مابین معاہدہ نہ ہوتا تو اے اللہ کے دشمن! میں تیرا سر اڑا دیتا۔''

فنحاص رسول اللہ ﷺ کے پاس گیا اور شکایت کی: ''اے محمد! (ﷺ) دیکھیے آپ کے دوست نے میرے ساتھ کیا کیا ہے؟'' رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے

یوں وضاحت طلب کی: «مَا حَمَلَكَ عَلٰى مَا صَنَعْتَ؟»

''تمھیں کس بات نے اس فعل پر مجبور کیا؟''

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

«يَا رَسُولَ اللّٰهِ! إِنَّ عَدُوَّ اللّٰهِ قَالَ قَوْلًا عَظِيمًا، إِنَّهُ يَزْعُمُ أَنَّ اللّٰهَ فَقِيرٌ وَّأَنَّهُمْ أَغْنِيَاءُ، فَلَمَّا قَالَ ذٰلِكَ غَضِبْتُ لِلّٰهِ بِمَا قَالَ وَضَرَبْتُ وَجْهَهُ»

''اے اللہ کے رسول! اس اللہ کے دشمن نے بڑی ہی نازیبا اور قبیح بات کہی ہے۔ اس کا دعوٰی ہے کہ اللہ تعالیٰ فقیر اور محتاج ہے جبکہ یہ لوگ بے نیاز ہیں۔ جب اس نے یہ بات کہی تو مجھے اللہ تعالیٰ کی عظمت کی خاطر غصہ آ گیا اور میں نے اس کے چہرے پر تھپڑ دے مارا۔''

فنحاص سرے سے ہی اس بات کا انکاری ہو گیا۔ کہنے لگا: ''میں نے تو ایسا نہیں کہا۔'' اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تصدیق اور فنحاص کی تردید و تکذیب میں یہ آیت نازل فرمائی:

﴿لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّ نَحْنُ اَغْنِيَآءُ م سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ لا وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ○﴾

''اللہ نے ان لوگوں کی بات سن لی جنھوں نے کہا کہ اللہ فقیر ہے اور ہم مالدار ہیں۔ یقیناً ان کی یہ بات ہم لکھ لیں گے اور جو وہ نبیوں کو ناحق قتل کرتے رہے (وہ بھی ان کے اعمال نامے میں درج ہے) اور (قیامت کے دن) ہم ان سے کہیں گے: اب جلانے والے عذاب کا مزہ چکھو۔''[1]

اس معاملے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جو شدید غصہ آیا تھا اس کے بارے میں

[1] آل عمرٰن 3:181.

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نازل ہوا:

﴿لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۣ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ۭ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ﴾

''البتہ تمھیں تمھارے مالوں اور تمھاری جانوں کے بارے میں ضرور آزمایا جائے گا اور تم ان لوگوں سے جنھیں تم سے پہلے کتاب دی گئی اور ان لوگوں سے جنھوں نے شرک کیا، ضرور تکلیف دینے والی باتیں سنو گے اور اگر تم صبر کرو اور پرہیز گاری اختیار کرو تو بے شک یہ بڑی ہمت کا کام ہے۔''[1]

راز نبوی کی حفاظت

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا حضرت خنیس بن حذافہ رضی اللہ عنہ کی غزوۂ بدر میں شہادت کی بنا پر بیوہ ہو گئیں۔ میں نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی اور کہا: ''اگر آپ پسند کریں تو میں آپ سے حفصہ کا نکاح کر دوں۔'' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں سوچ کر جواب دوں گا۔ پھر وہ مجھے ملے تو کہنے لگے: ''میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ میں ان دنوں شادی نہ کروں۔'' پھر میں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی اور انھیں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کرنے کی پیش کش کی۔ انھوں نے خاموشی اختیار کی۔ کوئی جواب نہ دیا۔ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی نسبت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر زیادہ رنجیدہ خاطر ہوا۔ چند دن میں نے توقف کیا (اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کے سلسلے میں کسی سے گفتگو نہ کی) پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حفصہ رضی اللہ عنہا کے لیے پیغامِ نکاح بھیجا تو میں نے حفصہ رضی اللہ عنہا کا نکاح آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دیا۔ اس نکاح کے بعد مجھے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ملے اور فرمانے لگے:

[1] آل عمرٰن 186:3. تفسیر القرطبی: 295/4، وفتح القدیر للشوکانی: 60/2.

«لَعَلَّكَ وَجَدْتَّ عَلَيَّ حِينَ لَمْ أَرْجِعْ إِلَيْكَ؟»

''شاید آپ کو مجھ پر غصہ آیا ہوگا جب میں نے آپ کی پیش کش کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔'' میں نے کہا: ''جی ہاں!'' انھوں نے فرمایا:

«إِنَّهُ لَمْ يَمْنَعْنِي أَنْ أَرْجِعَ إِلَيْكَ إِلَّا أَنِّي عَلِمْتُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَدْ ذَكَرَهَا فَلَمْ أَكُنْ لِّأُفْشِيَ سِرَّ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَلَوْ تَرَكَهَا لَنَكَحْتُهَا»

''بلاشبہ آپ کو آپ کی پیش کش کا جواب دینے میں صرف یہ بات رکاوٹ بنی کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کرنے کا تذکرہ کیا تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کا راز افشا کروں۔ اگر نبی کریم ﷺ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ارادۂ نکاح ترک کر دیتے تو میں ان سے نکاح کر لیتا۔''[1]

نماز جمعہ کے متعلق فرمان الٰہی اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''نبی کریم ﷺ خطبۂ جمعہ ارشاد فرما رہے تھے۔ اسی دوران مدینہ منورہ کا تجارتی قافلہ آ پہنچا۔ صحابۂ کرام قافلے کی جانب بھاگے۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس صرف بارہ آدمی رہ گئے۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

﴿وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انْفَضُّوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِمًا ۚ قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ۚ وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِينَ ۝﴾

''اور (اے نبی!) جب وہ تجارت یا دلچسپی کی کوئی اور چیز دیکھتے ہیں تو اس کی طرف ٹوٹ پڑتے ہیں اور آپ کو کھڑا چھوڑ جاتے ہیں، کہہ دیجیے: جو اللہ کے پاس ہے وہ کھیل تماشے اور (سامانِ) تجارت سے کہیں بہتر ہے اور اللہ بہتر رزق دینے والا ہے۔''[2]

[1] صحيح البخاري، حديث: 4005، و الطبقات لابن سعد: 82/8. [2] الجمعة 11:62.

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جو بارہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ثابت قدمی سے بیٹھے رہے ان میں حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما بھی شامل تھے۔ [1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو تکبر سے بری قرار دیا

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ جَرَّ ثَوْبَهٗ خُيَلَاءَ لَمْ يَنْظُرِ اللّٰهُ إِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»

''جو شخص تکبر کی وجہ سے اپنا کپڑا (لٹکا کر زمین پر) گھسیٹ کر چلے گا اُسے اللہ تعالیٰ روز قیامت (نظرِ رحمت سے) نہیں دیکھے گا۔''

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

«إِنَّ أَحَدَ شِقَّيْ يَسْتَرْخِي إِلَّا أَنْ أَتَعَاهَدَ ذٰلِكَ مِنْهُ»

''میرے تہبند کا ایک پلہ لٹک جاتا ہے اور اگر میں اس کا خوب خیال رکھوں تو پھر ایسا نہیں ہوتا''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّكَ لَسْتَ تَصْنَعُ ذٰلِكَ خُيَلَاءَ»

''آپ تکبر کی بنا پر ایسا نہیں کرتے۔'' [2]

رزق حلال کی جستجو

حضرت قیس بن ابو حازم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا غلام جب بھی غلہ لے کر آتا تو آپ اس غلے کے بارے میں پوری تفتیش کیے بغیر اس میں سے کچھ بھی نہیں کھاتے تھے۔ تحقیقات کے بعد اگر وہ چیز آپ کو مرغوب ہوتی تو کھا لیتے ورنہ نہ کھاتے۔

[1] صحيح مسلم، حديث: (38)-863، و الإحسان في تقريب صحيح ابن حبان : 300/15.

[2] صحيح البخاري، حديث: 3665.

اتفاقاً ایک رات آپ نے اس کا لایا ہوا غلہ بلا تحقیق کھالیا، پھر آپ نے غلام سے اس غلے کے بارے میں تحقیق کی تو اس نے غلے کے حصول کا ایسا ذریعہ بیان کیا جو آپ کے نزدیک مکروہ تھا، چنانچہ آپ نے اپنی انگلی منہ میں ڈال کر سارا کھانا قے کر دیا اور پیٹ میں کوئی چیز باقی نہ رہنے دی۔ ①

یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ورع و تقویٰ کی ایک مثال ہے کہ آپ اپنے خورونوش کے سلسلے میں حلال چیز کی اس قدر جستجو کرتے تھے کہ اس سلسلے میں شبہات تک سے بھی اجتناب کرتے تھے۔ یہ عمدہ خصلت اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تقوی کے اعلیٰ درجے پر فائز تھے۔ دین اسلام میں حلال کھانے پینے اور لباس کی پاکیزگی کو جو زبردست اہمیت حاصل ہے اور دعا کی قبولیت میں اس کی جو تاثیر اور تعلق ہے، وہ کسی سے مخفی نہیں۔ ② جیسا کہ غبار آلود کپڑوں اور پراگندہ بالوں والے آدمی کی دعا کی عدم قبولیت کے سلسلے میں یہ فرمان نبوی منقول ہے:

«يَمُدُّ يَدَيْهِ إِلَى السَّمَاءِ: يَا رَبِّ! وَ مَطْعَمُهُ حَرَامٌ وَّمَشْرَبُهُ حَرَامٌ وَّمَلْبَسُهُ حَرَامٌ وَّ غُذِيَ بِالْحَرَامِ، فَأَنّٰى يُسْتَجَابُ لِذٰلِكَ؟»

”وہ (پراگندہ بالوں والا اور غبار آلود کپڑوں والا دور دراز سے آنے والا مسافر) اپنے ہاتھ آسمان کی جانب اٹھا کر دعا کرتا ہے: اے میرے رب! حالانکہ اس کا کھانا، پینا اور لباس حرام کی کمائی کا ہے اور اس شخص نے حرام ہی سے پرورش پائی ہے، لہٰذا اس کی دعا کیوں کر قبول کی جائے گی؟“ ③

نبی اکرم ﷺ کی گھریلو خوشی اور رنجش کے ہمراز

ایک دفعہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ کو اپنی

① التاريخ الإسلامي للحميدي : 13/19 بحواله الزهد للإمام أحمد، حديث : 110. ② التاريخ الإسلامي للحميدي : 13/18. ③ صحيح مسلم، حديث : 1015.

بیٹی عائشہ رضی اللہ عنہا کی بلند آواز سنائی دی۔ آپ نے یہ کہتے ہوئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو تھپڑ مارنے کے لیے ہاتھ اٹھایا: «أَلَا أَرَاكِ تَرْفَعِينَ صَوْتَكِ عَلٰى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ»

''یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں! تم رسول اللہ ﷺ کے سامنے اپنی آواز بلند کر رہی ہو۔''

یہ حالت دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو تھپڑ مارنے سے روکا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ غضب ناک ہوکر واپس چلے گئے۔ نبی کریم ﷺ نے معاً حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: «أَرَأَيْتِ كَيْفَ أَنْقَذْتُكِ مِنَ الرَّجُلِ»

''دیکھا! میں نے تمھیں اس آدمی سے کس طرح بچایا۔''

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے چند دن ملاقات سے توقف کیا، پھر آپ نے نبی اکرم ﷺ سے حاضر خدمت ہونے کی اجازت چاہی تو آپ نے دونوں میاں بیوی کو باہم راضی خوشی پایا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

«أَدْخِلَانِي فِي سِلْمِكُمَا كَمَا أَدْخَلْتُمَانِي فِي حَرْبِكُمَا»

''جس طرح آپ دونوں نے مجھے اپنی شکررنجی میں شریک کیا تھا، اسی طرح مجھے اپنی صلح میں بھی شریک فرمائیے۔''

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«قَدْ فَعَلْنَا قَدْ فَعَلْنَا» ''ہم نے آپ کو شریک کرلیا، شریک کرلیا۔''[1]

نیکی کے داعی اور برائی کے سامنے دیوار

ایک مرتبہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ عید کے دنوں میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے، اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس انصار کی دو بچیاں ترنم کے ساتھ اشعار گا رہی تھیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: «أَبِمَزْمُورِ الشَّيْطَانِ فِي بَيْتِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ؟»

[1] سنن أبي داود، حدیث: 4999، اس حدیث کو شیخ البانی رحمہ اللہ نے ضعیف قرار دیا ہے۔

''کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں شیطان کا باجا بجایا جا رہا ہے؟''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بچیوں سے اعراض فرما کر دیوار کی طرف چہرۂ مبارک کیے ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

«دَعْهُمَا يَا أَبَا بَكْرٍ! إِنَّ لِكُلِّ قَوْمٍ عِيدًا وَّ إِنَّ عِيدَنَا هٰذَا الْيَوْمُ»

''ابوبکر! انھیں چھوڑ دو کیونکہ ہر قوم کے لیے عید کا دن ہوتا ہے اور آج ہمارا عید کا دن ہے۔''[1]

اس حدیث سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابۂ کرام اس قسم کی محافل میں شرکت کے عادی نہیں تھے، اسی لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسے ''مزمور الشیطان'' (شیطان کا باجا) سے موسوم کیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کا دن ہونے کی بنا پر انھیں ایسا کرنے کی اجازت دی۔ عید کے موقع پر چھوٹے بچوں کو اس قسم کے کھیل کود کی اجازت دی گئی ہے جیسا کہ ایک حدیث میں ہے:

«لِتَعْلَمَ يَهُودُ أَنَّ فِي دِينِنَا فُسْحَةً»

''تاکہ یہود کو معلوم ہو جائے کہ ہمارے دین میں کشادگی ہے۔''[2]

مزید برآں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گڑیاں تھیں جن سے وہ کھیلا کرتی تھیں۔ بسا اوقات آپ کی ہم عمر سہیلیاں بھی آتی تھیں اور آپ کے ساتھ کھیلا کرتی تھیں۔

مذکورہ بالا حدیث میں یہ بات بیان نہیں ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی توجہ سے ان بچیوں کا نغمہ سن رہے تھے۔ بچیوں کے گانے بجانے کی سماعت کی ممانعت کا تعلق توجہ اور دلچسپی کے ساتھ سننے سے ہے، مطلق سماعت سے نہیں ہے۔[3]

اس واقعے سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ عید کے تہوار میں کھیل کود کی رخصت

[1] صحيح البخاري، حديث:3931، وصحيح مسلم، حديث:892. [2] مسند أحمد: 116/6 و233، والفتاوى لابن تيمية: 308/11. [3] الفتاوى لابن تيمية: 118/30.

صرف ایسے بچوں کو ہے جو کھلونوں سے کھیلتے ہیں جیسا کہ وہ دو انصاری بچیاں تھیں جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں عید کے دن گا رہی تھیں۔ [1]

مہمان نوازی

حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اصحاب صفہ نادار اور تنگدست لوگ تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا:

«مَنْ كَانَ عِنْدَهُ طَعَامُ اثْنَيْنِ فَلْيَذْهَبْ بِثَالِثٍ وَّ مَنْ كَانَ عِنْدَهُ طَعَامُ أَرْبَعَةٍ فَلْيَذْهَبْ بِخَامِسٍ أَوْ سَادِسٍ»

''جس شخص کے پاس دو آدمیوں کا کھانا ہو وہ (اصحاب صفہ میں سے ایک) تیسرا آدمی لے جائے اور جس کے پاس چار آدمیوں کا کھانا ہو وہ (اصحاب صفہ میں سے ایک یا دو) پانچواں یا چھٹا (آدمی) لے جائے۔''

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے ساتھ تین آدمی لے آئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ انھیں گھر چھوڑ کر پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس آ گئے اور رات کا کھانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں تناول کیا اور پھر اتنی رات گئے آئے جتنی اللہ تعالیٰ کو منظور تھی۔ آپ کی بیوی نے آپ سے پوچھا: ''آپ کو اپنے مہمانوں (کی مہمان نوازی) سے کس نے روکا ہے؟''

آپ نے جواباً سوال کیا: «وَ مَا عَشَّيْتِهِمْ؟» ''کیا تم نے انھیں کھانا نہیں کھلایا؟''

آپ کی بیوی نے جواب دیا: ''ہم نے تو انھیں کھانا پیش کیا تھا مگر انھوں نے آپ کی آمد تک کھانا کھانے سے انکار کر دیا تھا۔''

عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں (مارے ڈر کے) چھپ گیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھے پکارا کہ ارے احمق! (تم کہاں ہو؟) انھوں نے مجھے برا بھلا کہا اور

[1] الفتاویٰ لابن تیمیة: 118/30.

کوسا، پھر مہمانوں سے کہنے لگے: «كُلُوا هَنِيئًا وَّاللّٰهِ! لَا أَطْعَمُ أَبَدًا»
''اب تم سکون و اطمینان سے کھاؤ۔ اللہ کی قسم! میں کبھی یہ کھانا نہیں کھاؤں گا۔''
ایک مہمان نے بھی قسم اٹھالی کہ وہ بھی اس وقت تک کھانا نہیں کھائے گا جب تک حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کھانا تناول نہیں کرتے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: «هٰذِهٖ مِنَ الشَّيْطٰنِ» ''یہ شیطانی قسم ہے۔''
پھر آپ نے کھانا منگوایا اور ان کے ساتھ کھانا تناول کیا۔

حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''اللہ کی قسم! ہم لقمہ اٹھاتے تو نیچے پلیٹ میں پہلے سے بھی زیادہ کھانا بڑھ جاتا تھا حتی کہ سب سیر ہو گئے اور کھانے کی حالت یہ تھی کہ وہ پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ چکا تھا۔'' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ کھانا جوں کا توں پڑا ہے بلکہ کچھ زیادہ ہی ہو گیا ہے تو آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی سے پوچھا:
«يَا أُخْتَ بَنِي فِرَاسٍ! مَا هٰذَا؟» ''بنوفراس کی بہن! یہ کیا ماجرا ہے؟''
وہ کہنے لگیں: ''میری آنکھوں کی ٹھنڈک کی قسم! یہ کھانا تو پہلے کی نسبت تین گنا زیادہ ہو گیا ہے۔''

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کھانا تناول کیا اور فرمایا: «إِنَّمَا كَانَ ذٰلِكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ» ''یقیناً یہ (میرا قسم اٹھانا) شیطان کی طرف سے تھا۔''

آپ نے اس کھانے سے کھایا، پھر اسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئے۔ وہ کھانا صبح تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہا۔ ہمارے اور (کفار کی) قوم کے مابین معاہدہ تھا۔ اس معاہدے کی مدت ختم ہو چکی تھی۔ ہم (ان سے نبرد آزما ہونے کے لیے) بارہ آدمیوں کی قیادت میں منقسم ہو گئے۔ ان میں سے ہر آدمی کے ساتھ اللہ ہی جانتا ہے کہ کتنے لوگ تھے۔ (اس صبح) ان سب لوگوں نے وہی کھانا کھایا۔[1]

[1] صحيح البخاري، حديث: 3581، و صحيح مسلم، حديث: 2057.

مہمان نوازی کے واقعے سے ماخوذ سبق آموز باتیں: اس قصے سے مہمان نوازی کی ترغیب دلانے والی قرآنی آیات اور احادیث نبوی کو عملی شکل دینے کے لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی شدید تڑپ نمایاں ہوتی ہے۔ مہمان کی ضیافت کا شوق دلانے والی ایک آیت اور ایک حدیث درج ذیل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَقَرَّبَهٗۤ اِلَيْهِمْ قَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ۝﴾

''پھر انھوں (ابراہیم علیہ السلام) نے بھنا ہوا بچھڑا انھیں پیش کیا (اور) کہا: تم کھاتے کیوں نہیں؟''[1]

ضیافت کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

«مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ، فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهٗ»

''جو شخص اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے اپنے مہمان کی عزت کرنی چاہیے۔''[2]

❁ اس قصے سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی کرامت بھی جھلکتی ہے کہ جیسے ہی کوئی آدمی لقمہ اٹھاتا تھا تو اس کے نیچے رکھا ہوا کھانا مزید بڑھ جاتا تھا حتی کہ وہ سب کے سب سیر ہو گئے، پھر بھی کھانا نہ صرف بچ گیا بلکہ کھانا پہلے سے بھی بڑھ گیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور آپ کی بیوی (ام رومان رضی اللہ عنہا) نے کھانے کو پہلے سے بھی زیادہ پایا تو آپ یہ کھانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئے۔ وہاں لوگوں کے ایک جم غفیر نے یہی کھانا سیر ہو کر کھایا۔[3]

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو یہ کرامت ہر معاملے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اتباع ہی کی بدولت نصیب ہوئی۔ یہ کرامت آپ کے مقام ولایت پر فائز ہونے کی دلیل ہے، لہٰذا اولیاء اللہ وہ ہوتے ہیں جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اقتدا کرتے ہیں۔ آپ نے جس

[1] الذّٰریٰت 27:51. [2] صحیح البخاري، حدیث:6018، وصحیح مسلم، حدیث:47. [3] الفتاویٰ لابن تیمیة:153/11.

کام کا حکم دیا اسے بجا لاتے ہیں اور جس سے روکا ہو یا آپ نے ڈانٹ پلائی ہو اس سے احتراز کرتے ہیں۔ مزید برآں آپ ﷺ نے اپنے جس کام کو لائق اتباع قرار دیا ہو، اس میں وہ کامل اتباع کرتے ہیں۔ ان کی یہ محنت ثمر آور ہوتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں اور روح الامین حضرت جبریل علیہ السلام کے ذریعے سے ان کی تائید کرتا ہے اور ان کے دلوں میں انوار کی برسات کر دیتا ہے، چنانچہ ان سے ایسی کرامات ظہور میں آتی ہیں جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ اپنے تقویٰ شعار اولیاء کو عزت و تکریم سے نوازتا ہے۔ [1]

❁ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کبھی قسم نہیں توڑی۔ حتی کہ جب اللہ تعالیٰ نے کفارۂ قسم کے احکام نازل فرمائے تو آپ نے کہا:

«لَا أَحْلِفُ عَلٰی يَمِينٍ فَرَأَيْتُ غَيْرَهَا خَيْرًا مِّنْهَا إِلَّا أَتَيْتُ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ وَّ كَفَّرْتُ عَنْ يَّمِينِي»

''جب میں کسی معاملے میں قسم اٹھاتا ہوں اور بعد میں مجھے معلوم ہوتا ہے کہ قسم والے معاملے کے برعکس جو صورت ہے اس میں زیادہ خیر و بھلائی ہے تو میں زیادہ خیر و بھلائی والے کام پر عمل پیرا ہو جاتا ہوں اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کرتا ہوں۔'' [2]

چنانچہ آپ کی عادت کریمہ یہ تھی کہ جب آپ کسی چیز پر قسم اٹھا لیتے اور بعد ازاں انھیں دوسرے معاملے میں بھلائی محسوس ہوتی تو آپ قسم کا کفارہ ادا کر کے اس بھلائی کو اختیار کر لیتے۔ [3] مذکورہ بالا قصہ بھی آپ کی اسی عادت کریمہ کا شاہد ہے کہ آپ نے اپنے مہمانوں کی تعظیم کرتے ہوئے اپنی قسم ترک کر دی اور ان کے ساتھ شامل ہو کر کھانا تناول کیا۔ [4]

[1] الفتاوٰی لابن تيمية : 152/11. [2] موسوعة فقه أبي بكر للدكتور قلعجي، ص:240، والسنن الكبرىٰ للبيهقي : 34/10. [3] موسوعة فقه أبي بكر للدكتور قلعجي، ص :240، والمصنف لابن أبي شيبة : 158/1. [4] موسوعة فقه أبي بكر للدكتور قلعجي، ص :241.

آل ابوبکر! یہ تمھاری پہلی برکت نہیں

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر پر نکلے۔ جب ہم بیداء یا ذات الجیش نامی مقام پر پہنچے تو میرا ہار ٹوٹ کر کہیں کھو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تلاش میں وہیں ٹھہر گئے اور لوگ بھی آپ کے ساتھ وہیں رُک گئے۔ اس موقع پر نہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس پانی تھا نہ اس جگہ پانی کا کوئی نام و نشان تھا، چنانچہ لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر شکوہ کرنے لگے: ''آپ نے دیکھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کیا کیا ہے؟ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر لوگوں کو ایسی جگہ روک رکھا ہے جہاں پانی ہی نہیں ہے اور لوگوں کے پاس بھی پانی موجود نہیں۔''

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ میرے پاس آئے۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے زانو پر سر رکھے آرام فرما رہے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا:

«حَبَسْتِ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَالنَّاسَ وَ لَيْسُوا عَلٰى مَاءٍ وَّ لَيْسَ مَعَهُمْ مَّاءٌ»

''تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر لوگوں کو ایسی جگہ محبوس کر رکھا ہے جہاں پانی نہیں ہے نہ لوگوں کے پاس پانی ہے۔''

قصہ مختصر آپ نے مجھے ڈانٹ پلائی اور جو کچھ منشائے الٰہی تھا مجھ سے کہا، پھر آپ مجھے میری کوکھ پر اپنے ہاتھ سے مارنے لگے لیکن چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک میری ران پر تھا اس وجہ سے میں حرکت کرنے سے باز رہی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح تک سوئے رہے، چنانچہ آپ کی صبح بغیر پانی کے ہوئی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ۚ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ

فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ۝﴾

''اے ایمان والو! نماز کے قریب نہ جاؤ اس حال میں کہ تم نشے کی حالت میں ہو، یہاں تک کہ جو تم کہہ رہے ہو اسے سمجھنے لگو اور نہ ناپاکی کی حالت میں (نماز کے قریب جاؤ) یہاں تک کہ تم غسل کر لو۔ ہاں، اگر راہ چلتے گزرو تو اور بات ہے۔ اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی رفع حاجت سے (فارغ ہو کر) آیا ہو، یا تم نے عورتوں سے مباشرت کی ہو اور تمھیں پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے تیمّم کر لو، چنانچہ اسے اپنے منہ اور ہاتھوں پر مل لو، بے شک اللہ بہت معاف کرنے والا، بڑا بخشنے والا ہے۔''①

حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے اس رخصت کے نزول کی مناسبت سے فرمایا:

''آلِ ابوبکر! یہ کوئی تمھاری پہلی برکت نہیں ہے۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ میں جس اونٹ پر سوار تھی ہم نے اسے اٹھایا تو ہمیں اُسی کے نیچے سے ہار مل گیا۔②

اس قصے سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا یہ وصف جھلکتا ہے کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب و احترام اور آپ کی عظمت کا پاس لحاظ رکھنے کے معاملے میں نہایت حساس واقع ہوئے تھے۔ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب کسی معمولی سی پریشانی کی پرچھائیں بھی دیکھنے کے روادار نہ تھے۔ چاہے آپ کی صاحبزادی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا جیسی عزیز ترین زوجۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کیوں نہ ہو، آپ کو ہرگز گوارا نہ تھا کہ کسی کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ذرہ برابر بھی تکلیف پہنچے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم اور مسلمانوں کی خاطر داری کے لیے نہایت شائستہ سلوک اختیار کرنے کے داعیوں کے امام اور پیش رو تھے۔③

① النسآء 43:4. ② صحيح البخاري، حديث:3672. ③ تاريخ الدعوة الإسلامية للدكتور جميل عبدالله المصري، ص:403،402.

نبی کریم ﷺ کی طرف سے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی حمایت

احادیث صحیحہ سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ نبی اکرم ﷺ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی امداد اور جائز طرفداری کرتے تھے اور لوگوں کو آپ سے جھگڑنے اور آپ کی مخالفت کرنے سے منع فرماتے تھے۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ اسی اثنا میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے تہبند کا ایک کونہ اٹھائے اپنے گھٹنے کو برہنہ کیے ہوئے سامنے سے تشریف لائے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«أَمَّا صَاحِبُكُمْ فَقَدْ غَامَرَ»

''لگتا ہے تمھارے صاحب کسی سے لڑ کر آئے ہیں۔''

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کو سلام عرض کیا، پھر کہنے لگے:

«يَا رَسُولَ اللّٰهِ! إِنَّهُ كَانَ بَيْنِي وَ بَيْنَ ابْنِ الْخَطَّابِ شَيْءٌ فَأَسْرَعْتُ إِلَيْهِ ثُمَّ نَدِمْتُ فَسَأَلْتُهُ أَنْ يَّغْفِرَلِي فَأَبٰى عَلَيَّ فَأَقْبَلْتُ إِلَيْكَ»

''اے اللہ کے رسول! میرے اور خطاب کے بیٹے (عمر رضی اللہ عنہ) کے مابین ایک اختلاف پیدا ہوگیا تھا۔ میں نے جلد بازی کی۔ انھیں کچھ ملامت کردی، پھر مجھے اپنے عمل پر ندامت ہوئی تو میں ان سے معافی کا طلبگار ہوا لیکن انھوں نے معاف کرنے سے انکار کردیا، اب میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔''

نبی کریم ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا: «يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكَ يَا أَبَابَكْرٍ!»

''ابوبکر! اللہ تعالیٰ تمھیں معاف فرمائے۔''

پھر ہوا یوں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے انکار پر شرمندگی ہوئی۔ وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچے اور پوچھا کہ کیا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ گھر پر ہیں؟ گھر والوں نے نفی میں جواب دیا، وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آئے اور آپ کو سلام کیا۔ رسول اللہ ﷺ کے

چہرے کا رنگ (شدت غضب سے) بدلنے لگا حتیٰ کہ چہرۂ مبارک سے بشاشت اڑ گئی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کی حالت دیکھ کر ڈر گئے، مبادا آپ عمر رضی اللہ عنہ پر خفا ہوں۔ آپ دوزانو ہوکر بیٹھ گئے اور عرض کیا: «يَا رَسُولَ اللّٰهِ! أَنَا كُنْتُ أَظْلَمَ، يَا رَسُولَ اللّٰهِ! أَنَا كُنْتُ أَظْلَمَ» ''اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! زیادتی میری تھی، اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! زیادتی میری تھی۔'' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مرتبہ فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ بَعَثَنِي إِلَيْكُمْ، فَقُلْتُمْ: كَذَبْتَ وَقَالَ أَبُوبَكْرٍ: صَدَقَ وَوَاسَانِي بِنَفْسِهِ وَ مَالِهِ، فَهَلْ أَنْتُمْ تَارِكُو لِي صَاحِبِي؟»

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تمھاری طرف نبی بنا کر مبعوث کیا تو تم نے کہا: ''تو نے جھوٹ بولا ہے۔'' اور ابوبکر (رضی اللہ عنہ) نے کہا: ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ کہا ہے۔'' اور ابوبکر نے اپنی جان اور اپنے مال سے میری ڈھارس بندھائی۔ کیا تم میرے دوست کو میری خاطر چھوڑ سکتے ہو؟''

آپ کے یہ کلمات ارشاد فرمانے کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کبھی کسی نے ایذا دی نہ ستایا۔[1]

حمایت نبوی والے قصے سے ماخوذ اسباق: اس قصے میں بہت سے سبق، فوائد اور عبرتیں موجود ہیں جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

- اس قصے سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا بشری طبائع کا مرقع ہونا اور ان کا بشری تقاضوں کی بنا پر باہم اختلاف کرنا ثابت ہے۔
- مذکورہ بالا قصے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر صحابۂ کرام سے کوئی غلطی ہو جاتی تھی تو وہ بہت جلد اپنی غلطی کا اعتراف کر کے رجوع کر لیتے اور اپنے بھائی سے فوری طور پر معافی کی درخواست کرتے تھے۔

[1] صحيح البخاري، حديث: 3661.

* اس واقعے سے صحابۂ کرام کی باہمی محبت جھلکتی ہے۔
* رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا عالی رتبہ ثابت ہوتا ہے۔

ابوبکر! اللہ تجھے معاف فرمائے!

حضرت ربیعہ اسلمی رضی اللہ عنہ ایک مفصل حدیث میں بیان کرتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک موقع پر مجھے کچھ زمین عطا فرمائی اور میری طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بھی زمین کا ایک ٹکڑا مرحمت فرمایا۔ دنیا اپنی حشر سامانیوں کے ساتھ حملہ آور ہوئی اور کھجور کا ایک درخت ہمارے مابین وجہ نزاع بن گیا۔ میں کہتا تھا کہ یہ میری زمین کی حدود میں ہے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ یہ میری حدود میں ہے۔ اس معاملے میں میرے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مابین تکرار ہوئی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے ایک ایسی بات کہی جو بذات خود انھیں ناگوار گزری۔ وہ اس پر نادم ہوئے۔ انھوں نے مجھ سے کہا: «يَا رَبِيعَةُ! رُدَّ عَلَيَّ مِثْلَهَا حَتّٰى تَكُونَ قِصَاصًا» ''اے ربیعہ! اس بات کے بدلے میں تم بھی مجھ سے ایسی ہی بات کہہ دو تاکہ قصاص ہو جائے۔'' میں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

«لَتَقُولَنَّ أَوْ لَأَسْتَعْدِيَنَّ عَلَيْكَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ»

''مجھے اسی طرح کہہ دو ورنہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچ کر تمھارے خلاف فریاد کروں گا۔'' میں نے کہا: ''میں ایسا نہیں کروں گا۔''

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کی طرف چل دیے۔ میں بھی آپ کے پیچھے پیچھے ہولیا۔ (میرے قبیلے) بنو اسلم کے کچھ لوگ میرے پاس آئے۔ انھوں نے مجھ سے کہا: ''اللہ تعالیٰ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے! وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کس معاملے

پر آپ کے خلاف فریاد کریں گے، جبکہ آپ کو جو کچھ کہا ہے انھی نے کہا ہے۔" میں نے کہا: "کیا تم جانتے ہو کہ یہ کون ہیں؟ یہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، ثانی اثنین ہیں۔ مسلمانوں کے سردار اور ان کی عظمت کی علامت ہیں۔ احتیاط کرو! کہیں ابوبکر رضی اللہ عنہ ادھر متوجہ نہ ہو جائیں۔ انھوں نے تمھیں میری مدد کرتے ہوئے دیکھ لیا تو وہ ناراض ہوجائیں گے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چلے جائیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی ناراضی کی بنا پر غصے میں آجائیں گے اور ان دونوں کے غصے کے باعث اللہ تعالیٰ کی آتشِ غضب بھڑک اٹھے گی جس کے نتیجے میں ربیعہ ہلاک ہوجائے گا۔" انھوں نے مجھ سے پوچھا کہ ہمارے لیے کیا حکم ہے؟ میں نے کہا: "تم واپس چلے جاؤ۔"

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سیدھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چل دیے۔ میں بھی اکیلا ان کے پیچھے پیچھے ہولیا۔ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ کر پیش آمدہ واقعہ لفظ بلفظ بیان کردیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری جانب دیکھا اور پوچھا:

«يَا رَبِيعَةُ! مَالَكَ وَ لِلصِّدِّيقِ؟» "ربیعہ! تمھارا اور صدیق کا کیا معاملہ ہوا؟"

میں نے کہا: "اے اللہ کے رسول! اس اس طرح یہ واقعہ پیش آیا ہے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے ایک ایسی بات کہی جو بعد میں خود انھیں ناگوار گزری۔ انھوں نے مجھ سے کہا کہ تو بھی اسی طرح مجھ سے یہ بات کہہ لے جس طرح میں نے تجھ سے کہی ہے تاکہ میرے جرم کا قصاص ہوجائے۔ میں نے اس طرح کہنے سے انکار کردیا۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَجَلْ! فَلَا تَرُدَّ عَلَيْهِ وَ لٰكِنْ قُلْ: غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ يَا أَبَابَكْرٍ!»

"تم نے ٹھیک کیا! تم انھیں اسی طرح جواب نہ دینا لیکن تم یہ کہو: "ابوبکر! اللہ تعالیٰ تمھیں معاف فرمائے۔"

چنانچہ میں نے کہہ دیا: «غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ يَا أَبَا بَكْرٍ!» "ابوبکر! اللہ تعالیٰ آپ کو معاف فرمائے۔"

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وہاں سے روتے ہوئے واپس چلے گئے۔ [1]

اللہ کی قسم! کس قدر کامل یہ وجدان اور ضمیر ہے اور کس قدر باکمال یہ نفس ہے کہ جس سے جلد بازی میں کسی مسلمان کے خلاف دورانِ گفتگو کوئی لغزش ہوجائے تو وہ میلان اور خواہشات پر حاوی اور دل کے عزائم پر قابض شعور کے ساتھ اس وقت تک راضی نہ ہو جب تک اس سے اس کی لغزش کلام کا بدلہ نہ لے لیا جائے اور اس کی خطا سے درگزر نہ کیا جائے۔ وہ اس قصاص اور معافی کے حصول کے لیے اس حد تک چلا جائے کہ اپنے مقام ومرتبے اور جاہ وجلال کو بھی قربان کردے۔ حضرت ابوبکر صدیق کے نزدیک لغزشِ زبان، خواہ وہ کتنی ہی چھوٹی اور حقیر ہو بڑی تکلیف دہ بات تھی، آپ کا ضمیر بے قرار ہوجاتا تھا اور آپ کو اس وقت تک سکون نہ ملتا تھا جب تک آپ سے اس کا بدلہ نہ لے لیا جاتا۔ اور متاثر مسلمان راضی نہ ہوجاتا۔ [2]

وہ بڑا معمولی سا کلمہ تھا لیکن اس نے حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ کو الم زدہ کردیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس کلمے کی بنا پر لرزہ براندام ہوگئے اور اس کے قصاص پر اصرار کرنے لگے، حالانکہ اس وقت فرزندانِ اسلام میں آپ کا درجہ یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ ہی سب سے معتبر اور معزز شخصیت تھے اور وہ کلمہ بھی فحش اور بیہودہ نہیں تھا کیونکہ آپ سے کسی فحش کلمے کا صدور ناممکن تھا۔ آپ کا عمدہ اخلاق قطعاً آپ کو اس کی اجازت نہیں دے سکتا حتی کہ دور جاہلیت میں بھی سبقت لسانی کے باعث آپ کے منہ سے کسی فحش

[1] مسند أحمد :4/59,58. روایت کی سند میں مبارک بن فضالہ مدلس راوی ہے، لہٰذا شعیب ارناؤط کے نزدیک اس کی سند انتہائی ضعیف ہے۔ اس حدیث کو المعجم الکبیر:5/53,52 میں امام طبرانی نے بھی روایت کیا ہے۔ شیخ البانی نے اس کی سند کو ''حسن'' کہا ہے۔ (سلسلة الأحاديث الصحيحة، حديث:3145.) [2] من مشاهير الإسلام للدكتور رفيق العظم: 88/1.

کلمے کا نکلنا منقول نہیں، چہ جائیکہ دورِ اسلام میں ایسا ہوا ہو۔ (1)

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اس لغزشِ کلام کے انجام سے خوف زدہ ہو گئے تھے، اسی لیے آپ نے یہ معاملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور پیش کیا۔ یہ بڑا عجیب و غریب معاملہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی زمین اور اپنے نزاعی مسئلے کو بھول گئے اور اس کلمے نے آپ کے دل و دماغ پر غلبہ پا کر باقی سارے معاملات آپ کے ذہن سے نکال دیے کیونکہ (آپ جانتے تھے کہ) حقوق العباد میں صاحبِ حق کی معافی کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ (2)

اس قصے میں شیوخ، علماء، حکام اور داعیانِ دینِ حق کے لیے یہ سبق پنہاں ہے کہ وہ کیسے اپنی غلطیوں اور خطاؤں کا ازالہ اور کس طرح لوگوں کے حقوق کی پاسداری کریں نہ کہ ان کے حقوق اپنے پاؤں تلے روندیں۔

حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ کی قوم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اس طرزِ عمل پر بڑی حیران ہوئی کہ انھوں نے بذاتِ خود ہی ایک بات کی اور خود ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور مقدمہ پیش کرنے چل دیے ہیں۔ درحقیقت وہ لوگ حقوق العباد کے معاملات کو اس قدر گہرائی سے نہیں جانتے تھے جس قدر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جانتے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس بات سے بخوبی واقف تھے کہ اعمال نامہ میں نزاعی مقدمات کے درج ہونے اور روزِ قیامت اس اعمال نامے پر ہونے والے محاسبے سے پہلے پہلے دنیا ہی میں ان نزاعی مقدمات کا خاتمہ کرنا اور دلوں میں پیوست ہونے والے حزن و ملال کو زائل کرنا کس قدر ضروری ہے۔

حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ کی رضامندی کے اظہار اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بات کا جواب نہ دینے کی نصیحت کے باوجود خشیتِ الٰہی کے باعث حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔ آپ کا یہ رونا آپ کے زبردست ایمان اور پختہ یقین کی دلیل ہے۔

(1) خلفاء الرسول لخالد محمد خالد، ص: 103. (2) التاريخ الإسلامي لمحمود شاكر: 16/19.

حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ کا کردار بھی قابلِ ذکر ہے کہ انھوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا احترام کیا اور ان کی بات کا بعینہٖ جواب دینے سے انکار کردیا۔ یہ خوبی اصحاب فضل، معززین اور سربرآوردہ لوگوں کی قدر افزائی اور ان کے حق کی معرفت کی بہت بڑی پہچان ہے۔ حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ کا یہ مؤدبانہ کردار آپ کے متدین دانش ور ہونے کی دلیل ہے۔[1]

نیکیوں میں پیش پیش

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ قابل تعریف اخلاق اور اعلیٰ صفات سے مزین تھے۔ ہر لحہ نیکیوں میں پیش پیش رہتے تھے حتی کہ آپ امور خیر میں لوگوں کے رہنما اور مکارم اخلاق میں ایک آئیڈیل کی حیثیت اختیار کر گئے۔ آپ خیرو بھلائی کے کاموں کی شدید ترین تڑپ رکھتے تھے۔ آپ کو کامل یقین تھا کہ آدمی جو نیک کام کرگزرنے کی آج طاقت رکھتا ہے ہوسکتا ہے کہ کل وہ کام انجام دینا اس کے لیے ناممکن ہو جائے، لہٰذا آج کا دن بہت بڑی غنیمت ہے۔ آج یوم عمل ہے، یوم محاسبہ نہیں اور کل یوم محاسبہ ہوگا، یوم عمل نہیں ہوگا۔ اسی لیے آپ نیکی میں سبقت اور سُرعت دکھانے والے صحابہ کرام میں شمار ہوتے تھے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

«مَنْ أَصْبَحَ مِنْكُمْ صَائِمًا؟» ”آج تم میں سے کس کا روزہ ہے؟“

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: «أَنَا» ”میرا“

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: «فَمَنْ تَبِعَ مِنْكُمُ الْيَوْمَ جَنَازَةً؟» ”آج تم میں سے کس شخص نے جنازے میں شرکت کی ہے؟“

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جوابًا عرض کیا: «أَنَا» ”میں نے“

[1] التاريخ الإسلامي لمحمود شاكر: 16/19.

رسول اللہ ﷺ نے پھر پوچھا: «فَمَنْ عَادَ مِنْكُمُ الْيَوْمَ مَرِيضًا؟» ''آج تم میں سے کس شخص نے کسی مریض کی عیادت کی ہے؟''

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: «أَنَا» ''میں نے''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «مَا اجْتَمَعْنَ فِي امْرِئٍ إِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ»

''جس شخص میں یہ صفات عالیہ جمع ہو جائیں وہ ضرور جنت میں داخل ہوگا۔''[1]

آتش غضب پر قابو رکھنے کی فضیلت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تشریف فرما تھے کہ ایک آدمی نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر سب وشتم شروع کر دیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خاموش رہے۔ یہ ماجرا دیکھ کر رسول اللہ ﷺ محظوظ ہونے اور تبسم فرمانے لگے۔ وہ شخص سب وشتم میں آگے ہی بڑھتا چلا گیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کی بعض باتوں کا جواب دیا۔ نبی اکرم ﷺ غصے میں آ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کے پاس پہنچے اور عرض کیا:

«يَا رَسُولَ اللّٰهِ! كَانَ يَشْتُمُنِي وَ أَنْتَ جَالِسٌ، فَلَمَّا أَكْثَرَ رَدَدْتُ عَلَيْهِ بَعْضَ قَوْلِهِ غَضِبْتَ وَ قُمْتَ»

''اے اللہ کے رسول! وہ شخص مجھے سب وشتم کرتا رہا تو آپ بیٹھے رہے، جب وہ سب وشتم میں بڑھ گیا تو میں نے اس کی بعض باتوں کا جواب دے دیا۔ اس پر آپ ناراض ہو گئے اور اٹھ کر چل دیے۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّهُ كَانَ مَعَكَ مَلَكٌ يَرُدُّ عَنْكَ، فَلَمَّا رَدَدْتَ عَلَيْهِ بَعْضَ قَوْلِهِ وَقَعَ

[1] صحیح مسلم، حدیث: 1028

الشَّيْطَانُ، فَلَمْ أَكُنْ لِّأَقْعُدَ مَعَ الشَّيْطَانِ»

''یقیناً تمھارے ساتھ ایک فرشتہ تھا جو تمھاری طرف سے اسے جواب دے رہا تھا لیکن جب تم نے اس کی بعض باتوں کا جواب دیا تو شیطان نے مداخلت کر دی اور میں شیطان کے ساتھ نہیں بیٹھ سکتا۔''

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«يَا أَبَابَكْرٍ! ثَلَاثٌ كُلُّهُنَّ حَقٌّ: مَا مِنْ عَبْدٍ ظُلِمَ بِمَظْلَمَةٍ، فَيُغْضِي عَنْهَا لِلّٰهِ عَزَّوَجَلَّ إِلَّا أَعَزَّ اللّٰهُ بِهَا نَصْرَهُ وَمَا فَتَحَ رَجُلٌ بَابَ عَطِيَّةٍ يُّرِيدُ بِهَا صِلَةً إِلَّا زَادَهُ اللّٰهُ بِهَا كَثْرَةً وَّمَا فَتَحَ رَجُلٌ بَابَ مَسْأَلَةٍ يُّرِيدُ بِهَا كَثْرَةً إِلَّا زَادَهُ اللّٰهُ بِهَا قِلَّةً»

''ابوبکر! دیکھو! تین باتیں برحق ہیں: کسی آدمی پر جب کوئی ظلم کیا جاتا ہے اور وہ محض اللہ کی رضا کے لیے اس ظلم سے چشم پوشی کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اسے اپنی نصرت کے لیے عزیز تر بنا دیتا ہے۔ اور جو آدمی صلہ رحمی کے لیے کسی عطیے اور فیاضی کا دروازہ کھولتا ہے اللہ تعالیٰ اسے مال و دولت کی فراوانی سے نوازتا ہے۔ اور جو شخص حصولِ کثرت کی غرض سے ہاتھ پھیلاتا اور سوال کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی تنگدستی میں اضافہ کر دیتا ہے۔''[1]

سب و شتم کے واقعے سے ماخوذ اسباق و عبرتیں: حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ غصے پر بڑا کنٹرول رکھتے تھے لیکن جب وہ باز ہی نہیں آیا اور حد سے بڑھ گیا تو آپ نے اسے اس گمان کی بنا پر جواب دیا کہ شاید وہ اس بات سے خاموش ہو جائے۔ اس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو حلم، بردباری اور تحمل کی ترغیب دی اور غیظ و غضب کے مواقع پر زیور صبر سے

[1] مجمع الزوائد للهيثمي : 190/8، اس حدیث کو شیخ البانی رحمہ اللہ نے صحیح قرار دیا ہے۔ (السلسلة الصحيحة، حديث : 2231)

آراستہ ہونے کی تلقین فرمائی کیونکہ حلم و بردباری اور غصے پر قابو پا کر انسان لوگوں کے ہاں بلند مرتبہ حاصل کر لیتا ہے۔ یوں اس کی قدر و منزلت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی اس کا درجہ اونچا ہو جاتا ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مذکورہ بالا کردار سے آپ کا یہ وصف بھی اُجاگر ہوتا ہے کہ آپ ہر آن رسول اللہ ﷺ کی خوشنودی کے خوگر تھے۔ اگر کسی معاملے میں آپ ﷺ کی ناراضی کا احتمال ہوتا تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ کی رضامندی کو تمام امور پر ترجیح دیتے تھے اور آپ کو جلدی سے جلدی راضی کرنے کی کوشش کرتے تھے۔

مذکورہ حدیث میں غضب اور غصے کی مذمت، اس کی ممانعت، اس سے بچنے کی ترغیب اور شیطان کی ہم نشینی والی مجالس سے انبیاء کی کنارہ کشی کا تذکرہ بھی موجود ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ایسے مظلوم شخص کی فضیلت کا بیان بھی ہے جو صبر کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس پر اجر و ثواب کی امید بھی رکھتا ہے۔ مزید برآں اس حدیث میں عطیات اور صلہ رحمی کا شوق دلایا گیا ہے اور لوگوں کے سامنے دستِ سوال پھیلانے کی ممانعت بھی ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حلیم، بردبار اور غصے کو پی جانے والے تھے حتی کہ آپ اپنے حلم، تحمل، نرم خوئی، لچک اور حسن سلوک جیسی عظیم صفات کے باعث دور و نزدیک ہر جگہ معروف ہو گئے۔ اس کے معنی یہ نہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو غصہ آتا ہی نہیں تھا۔ ہاں! آپ کو غصہ آتا تھا مگر آپ کا غصہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتا تھا۔ جب آپ دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ کے محارم اور ممنوعہ امور کی خلاف ورزی کی جارہی ہے تو آپ کا غیظ و غضب انتہا کو چھونے لگتا تھا۔ [1]

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر غور و فکر اور تامل کرتے ہوئے اور اسے راہ عمل بناتے ہوئے اپنی زندگی بسر کی:

[1] سیرۃ و حیاۃ الصدیق لمجدی فتحی السید، ص 145

﴿ وَ سَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ۙ﴿﴾ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَ الْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَ الْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ؕ وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿﴾ ﴾

"اور اپنے رب کی بخشش اور اس جنت کی طرف دوڑو جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کے برابر ہے جو پرہیز گاروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ وہ لوگ جو خوشی اور سختی کے موقع پر (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں اور غصہ پی جانے والے اور لوگوں کو معاف کر دینے والے ہیں۔ اور اللہ نیکو کاروں کو پسند کرتا ہے۔" ①

مغفرت الٰہی کے لیے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا اشتیاق

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ کی کفالت کیا کرتے تھے۔ جب حضرت مسطح رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت کے سلسلے میں گفتگو کی جیسا کہ مشہور زمانہ حدیثِ افک میں منقول ہے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قسم اٹھائی کہ وہ مسطح رضی اللہ عنہ کو کبھی کسی قسم کا فائدہ نہیں پہنچائیں گے، چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی:

﴿ وَلَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْٓا اُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ؕ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿﴾ ﴾

"اور تم میں سے فضل اور وسعت والے، قرابت داروں اور مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو (مالی مدد) دینے سے قسم نہ کھائیں اور چاہیے کہ وہ معاف کر دیں اور درگزر کریں۔ کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمھاری مغفرت فرمائے اور اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔" ②

اس آیت مبارکہ کے نزول پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

① آل عمران 3: 133، 134 ② النور 24: 22

«وَاللّٰهِ! إِنِّي أُحِبُّ أَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لِي»

''اللہ کی قسم! میں تو یقیناً اللہ تعالیٰ کی مغفرت کو پسند کرتا ہوں۔''

چنانچہ آپ نے مسطح رضی اللہ عنہ کو دوبارہ اسی طرح خرچہ دینا شروع کر دیا جس طرح اس سے پہلے آپ ان پر خرچ کرتے تھے۔ اس موقع پر آپ نے فرمایا:

«وَاللّٰهِ! لَا أَنْزِعُهَا أَبَدًا»

''اللہ کی قسم! میں کبھی مسطح کے خرچے سے دست بردار نہیں ہوں گا۔''[1]

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مذکورہ بالا آیت سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ مومن کو اسلام کے اخلاق فاضلہ کی عملی تصویر ہونا چاہیے، چنانچہ اسے دوسروں کی لغزشوں، ٹھوکروں اور خطاؤں سے درگزر کرنا چاہیے۔ اگر وہ اس عالی قدر صفت سے متصف ہوگا تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے درگزر کرے گا، اس کی مغفرت فرمائے گا اور اس کے گناہوں کی پردہ پوشی کرے گا، جیسا کہ معروف اصول ہے کہ تم کسی کے ساتھ جیسا طرز عمل اختیار کرو گے، ویسا ہی برتاؤ تمھارے ساتھ بھی روا رکھا جائے گا، یعنی جیسی کرنی ویسی بھرنی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ﴾

''کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمھاری مغفرت فرمائے۔''[2]

یعنی جس طرح تم یہ پسند کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ تمھارے گناہوں سے درگزر کرے، اسی طرح تمھیں بھی چاہیے کہ تم اپنے سے کم تر لوگوں کی خطاؤں سے درگزر کرو اور انھیں معاف کر دو۔[3]

اس آیت سے یہ مسئلہ بھی روز روشن کی طرح نمایاں ہوتا ہے کہ اگر کسی نے کوئی کام نہ کرنے کی قسم اٹھائی ہو، پھر اُسے معلوم ہو کہ اس کام کا کرنا اسے ترک کرنے کی نسبت

[1] صحيح البخاري، حديث: 4750. [2] النور 24:22. [3] التفسير المنير للزحيلي: 190/18.

بہتر ہے تو اسے چاہیے کہ وہ اس کام کو کر گزرے اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کرے۔

بعض علمائے کرام فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کی یہ آیت کریمہ سب سے زیادہ امید دلانے والی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں تہمت لگانے والے عاصیوں پر رحم کرنے اور نرم برتاؤ کا حکم دیا ہے۔[1]

یہ آیت کریمہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سب سے افضل ہونے پر بھی دلالت کرتی ہے کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسی تعجب انگیز صفات سے متصف کیا ہے جو دین اسلام میں آپ کی عالی شان کو نمایاں کرتی ہیں۔ امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں اس آیت سے مستنبط آپ کی چودہ صفات کا تذکرہ کیا ہے۔

مدینہ سے شام تک تجارتی سفر

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تجارت کے لیے شام کے شہر بصریٰ کا سفر کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت اور آپ سے گہری وابستگی کی شدید تڑپ نے آپ کو تجارت کے سفر سے نہ روکا۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے شدید محبت کے باوجود آپ کو یہ سفر کرنے سے منع نہ فرمایا۔[2]

اس سفر تجارت سے اس بات کی اہمیت واضح ہوتی ہے کہ مسلمان کے لیے حلال ذریعے سے اتنا رزق کمانا ضروری ہے جس کی بنا پر اُسے لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی نوبت نہ آئے بلکہ وہ اس رزق کے ذریعے ستم رسیدہ لوگوں کی امداد کرنے اور قیدیوں کو چھڑانے جیسے کار خیر میں آگے بڑھ کر دوسرے مخیّر لوگوں کے ساتھ شریک ہو اور انفاق فی سبیل اللہ کے دیگر اُمور میں دولت لٹانے کے لیے دوسروں سے آگے نکلنے کی کوشش کرے۔

[1] التفسیر المنیر للزحیلی: 18/190. [2] فتح الباری: 4/357.

غیرت صدیق اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے آپ کی بیوی کا تزکیہ

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ بنو ہاشم کے چند افراد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کے پاس آئے، اسی اثنا میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی گھر تشریف لے آئے اور یہ صورت حال انھیں بڑی ناگوار گزری۔ آپ نے اس بات کا تذکرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا اور کہا کہ میں نے کوئی بری چیز نہیں دیکھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی قَدْ بَرَّأَهَا مِنْ ذٰلِكَ»

''یقیناً اللہ تعالیٰ نے اسماء کو اس فعل شنیع سے دور رکھا ہے۔''

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا:

«لَا يَدْخُلُ رَجُلٌ بَعْدَ يَوْمِي هٰذَا عَلٰى مُغِيبَةٍ إِلَّا وَمَعَهُ رَجُلٌ أَوِاثْنَانِ»

''آج کے بعد کوئی شخص ایک آدمی یا دو آدمیوں کی معیت کے بغیر اکیلا کسی ایسی عورت کے پاس نہ جائے جس کا خاوند گھر پر نہ ہو۔''[1]

خشیت الٰہی

بلاشبہ اللہ تعالیٰ کا خوف و خشیت ایسی عمدہ خوبی ہے جو بندے کو گناہوں سے دور رکھنے اور جلوت و خلوت، خفیہ اور اعلانیہ طور پر اللہ تعالیٰ کے احکام ملحوظ رکھنے کا باعث بنتی ہے۔ اس سے آدمی کے افعال و اعمال پاکیزہ اور خوشنما بن جاتے ہیں۔ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر مومنوں کو خوف الٰہی کی پاسداری کا حکم دیا گیا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ۝﴾

'' اے بنی اسرائیل! میری وہ نعمت یاد کرو جو میں نے تم پر انعام کی اور میرا

[1] صحیح مسلم، حدیث: 2173.

عہد پورا کرو، میں تمھارے عہد پورے کروں گا اور مجھی سے ڈرو۔"[1]

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿ فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ۭ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝﴾

"چنانچہ (اے نبی!) آپ ثابت قدم رہیں جس طرح آپ کو حکم دیا گیا ہے اور وہ لوگ بھی جنھوں نے آپ کے ساتھ توبہ کی (ایمان لائے) اور تم سرکشی نہ کرو، بے شک تم جو عمل کرتے ہو وہ (اللہ) انھیں دیکھ رہا ہے۔"[2]

اللہ تعالیٰ نے خوف الٰہی رکھنے والے بندے کے لیے بہت اجر تیار کر رکھا ہے۔ فرمایا:

﴿ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ۝ ﴾

"اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈر گیا اس کے لیے دو باغ ہیں۔"[3]

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ایسا خطبہ ارشاد فرمایا کہ ایسا خطبہ میں نے کبھی نہیں سنا۔ آپ نے فرمایا:

«لَوْ تَعْلَمُونَ مَا أَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيلًا وَّلَبَكَيْتُمْ كَثِيراً»

"جو میں جانتا ہوں اگر وہ تمھیں معلوم ہو جائے تو تم بہت کم ہنسا کرو اور بہت زیادہ رویا کرو۔"

یہ سن کر اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چہرے ڈھانپ لیے اور (کثرت آہ و زاری کی بنا پر) ان کی ناک سے آواز نکل رہی تھی۔[4]

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خوف و رجا کے اعتبار سے بھی نہایت عظیم شخصیت تھے۔ آپ آخرت میں کامیابی، نجات اور فلاح کے متمنی ہر مسلمان کے لیے چاہے وہ حاکم ہو یا محکوم،

[1] البقرة 2:40. [2] هود 11:112. [3] الرحمٰن 55:46. [4] صحيح البخاري، حديث:4621.

آقا ہو یا غلام، سپہ سالار ہو یا عام سپاہی ایک عملی نمونہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔[1]

محمد بن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''نبی کریم ﷺ کے بعد کوئی شخص اپنی طرف سے بات کرنے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا نہیں تھا۔''[2]

قیس رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنی نوکِ زبان پکڑے ہوئے دیکھا۔ آپ فرما رہے تھے:

«هٰذَا الَّذِي أَوْرَدَنِي الْمَوَارِدَ»

''یہی وہ چیز ہے جس نے مجھے ہلاکت گاہوں تک پہنچایا ہے۔''[3]

ایک موقع پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

«اِبْكُوا فَإِنْ لَّمْ تَبْكُوا فَتَبَاكُوا»

''رویا کرو اور اگر تمھیں رونا نہ آئے تو رونی صورت ہی بنا لیا کرو۔''[4]

میمون بن مہران رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس بہت گھنے پروں والا ایک پرندہ لایا گیا۔ آپ نے اسے الٹ پلٹ کر دیکھا، پھر فرمایا:

«مَا صِيدَ مِنْ صَيْدٍ وَّلَا عُضِدَتْ مِنْ شَجَرَةٍ إِلَّا بِمَا ضِيعَ مِنَ التَّسْبِيحِ»

''اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس کو ضائع کیے بغیر کوئی شکار شکار کیا جاتا ہے نہ کوئی درخت کاٹا جاتا ہے۔''[5] (یعنی انسان ذکر الٰہی ترک کر کے ہی ان امور میں مصروف ہوتا ہے۔)

بروایت حسن بصری منقول ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

[1] تاريخ الدعوة إلى الإسلام للدكتور يسري محمد هاني، ص: 396. [2] شرح العقيدة الطحاوية:1/386. [3] صفة الصفوة لابن الجوزي:2/253. [4] الزهد للإمام أحمد، ص: 108.
[5] الزهد للإمام أحمد، ص: 110.

«وَاللّٰهِ لَوَدِدْتُّ أَنِّي كُنْتُ هٰذِهِ الشَّجَرَةَ تُؤْكَلُ وَ تُعْضَدُ»

''اللہ کی قسم! کاش! میں یہ درخت ہوتا جسے کھا لیا جاتا یا کاٹ لیا جاتا۔''[1]

ایک مرتبہ آپ نے فرمایا:

«لَوَدِدْتُّ أَنِّي كُنْتُ شَعْرَةً فِي جَنْبِ عَبْدٍ مُّؤْمِنٍ»

''کاش میں کسی بندۂ مومن کے پہلو کا ایک بال ہوتا۔''[2]

آپ اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے:

لَا تَزَالُ تَنْعٰى حَبِيبًا حَتّٰى تَكُونَهٗ   وَقَدْ يَرْجُو الْفَتَى الرَّجَا يَمُوتُ دُونَهٗ

''تم ہمیشہ اپنے کسی نہ کسی محبوب کی موت کی خبر دیتے رہتے ہو حتیٰ کہ تم خود بھی مردہ ہو جاؤ گے۔ جوان آدمی زندگی میں بڑی امیدیں وابستہ کرتا ہے لیکن ان کی تکمیل سے پہلے ہی فوت ہو جاتا ہے۔''[3]

[1] الزهد للإمام أحمد، ص: 112. [2] الزهد للإمام أحمد، ص: 112. [3] الزهد للإمام أحمد، ص: 108
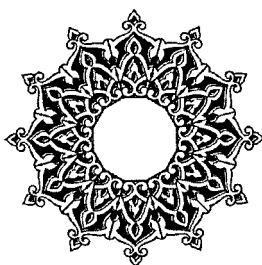
حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بعض فضائل ومناقب اور اہم اوصاف

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شخصیت میں اعلیٰ قائدانہ صفات جمع ہو گئی تھیں، مثلاً: عقیدے کی سلامتی ،علم شریعت سے کامل روشناسی، اللہ پر توکل، بہترین نمونہ ، صدق، قناعت، شجاعت، مروت، زہد، ایثار و قربانی، مردم شناسی، معاونین کا حسن انتخاب، انکسار، دوسروں کی قربانی اور خدمات کو سراہنا اور ان کا اعتراف کرنا،حلم، بردباری،صبر،عالی ہمتی، پختہ عزمی، قوی ارادہ،عدل و انصاف، مشکلات حل کرنے کا ملکہ،دوسروں کی تعلیم و تربیت اور قیادت کو تیار کرنے کا فن آپ کی بہت اہم اور نمایاں خوبیاں ہیں۔

اگر کوئی محقق صحبت نبوی میں گزارے ہوئے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مکی دور، رسول اللہ ﷺ کی معیت میں مدنی دور کے معرکوں اور غزوات میں آپ کی شرکت اور مسلم معاشرے میں آپ کے شب و روز کا بنظرِ عمیق مطالعہ کرے تو اس پر مندرجہ بالا صفات عالیہ کے علاوہ بھی آپ کی بہت سی گرانقدر خوبیاں آشکار ہو سکتی ہیں۔

آپ کی بعض خوبیاں تو وہ ہیں جو اس وقت عیاں ہوئیں جب آپ نے حکومت کی

باگ ڈور سنبھالی اور آپ رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ بنے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اللہ تعالیٰ کی ودیعت کردہ قائدانہ صلاحیتوں کی بدولت ہی حکومت اسلامیہ کی حفاظت کی اور فتنۂ ارتداد کا قلع قمع کیا اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم ہی سے آپ نے ثابت قدمی اور پامردی کا مظاہرہ کرتے ہوئے امت اسلامیہ کو اس کے طے شدہ اہداف کی طرف گامزن کر دیا۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بعض اہم صفات کی تفصیل درج ذیل ہے:

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ایمان کی عظمت

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا اللہ تعالیٰ پر ایمان نہایت محکم اور عظیم تھا۔ آپ کو ایمان کی حقیقت کا گہرا ادراک تھا۔ کلمۂ توحید آپ کے رگ و پے میں سرایت کر گیا تھا۔ آپ کے دل و دماغ پر ایمان و یقین ہی کی حکمرانی تھی۔ کلمۂ توحید کے آثار و نتائج آپ کے جوارح پر بھی مرتب ہوئے اور انھی آثار کی روشنی میں آپ نے اپنی حیات مستعار بسر کی۔ آپ اعلیٰ اخلاق سے آراستہ اور گھٹیا اخلاق سے پاک تھے۔ آپ شریعت الٰہی کو مضبوطی سے تھامنے کی اور رسول اللہ ﷺ کی ہدایت اور راہنمائی کی اقتدا کی بڑی شدید تڑپ رکھتے تھے۔ آپ کا ایمان باللہ سرگرمی و نشاط، عزم و ہمت، جہد مسلسل، عمل پیہم، مجاہدے، جہاد و تربیت، عزت، ترقی اور عالی مرتبے کا باعث تھا۔ آپ کے دل میں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی عظمت کے بارے میں ایسا ناقابلِ تسخیر ایمان و یقین تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کوئی بھی اس معاملے میں آپ کا ہم پلہ نہیں تھا۔

ابوبکر بن عیاش رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے نماز روزے کی کثرت کی وجہ سے دوسرے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے فائق نہیں تھے بلکہ وہ اس چیز کی بنا پر ان سے سبقت لے گئے جو ان کے دل میں سرایت کر گئی تھی۔''[1]

اسی لیے کہا جاتا ہے کہ اگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ایمان اور تمام اہل زمین کے ایمان

[1] فضائل الصحابة للإمام أحمد: 173/1.

کا وزن کیا جائے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ایمان کا پلڑا بھاری رہے گا۔ جیسا کہ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا:

«مَنْ رَّأَى مِنْكُمْ رُؤْيَا؟» ''تم میں سے کس نے خواب دیکھا ہے؟''

ایک آدمی نے کہا: ''میں نے دیکھا کہ آسمان سے ایک میزان نازل ہوئی اور اس میں آپ کا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا وزن کیا گیا تو آپ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے وزن میں بھاری رہے، پھر حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا وزن کیا گیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا پلڑا وزنی ہوا، پھر حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کا وزن کیا گیا تو حضرت عمر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بھاری ثابت ہوئے، پھر وہ میزان اوپر اٹھا لی گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس خواب سے کبیدہ خاطر ہوئے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«خِلَافَةُ نُبُوَّةٍ ثُمَّ يُؤْتِي اللّٰهُ الْمُلْكَ مَنْ يَّشَاءُ»

''یہ نبوت کی خلافت ہے، پھر اللہ تعالیٰ جسے چاہے گا بادشاہی عطا کرے گا۔''[1]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز فجر ادا کی، پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا:

«بَيْنَمَا رَجُلٌ يَّسُوقُ بَقَرَةً قَدْ حَمَلَ عَلَيْهَا، فَالْتَفَتَتْ إِلَيْهِ فَكَلَّمَتْهُ فَقَالَتْ: إِنِّي لَمْ أُخْلَقْ لِهٰذَا لٰكِنِّي خُلِقْتُ لِلْحَرْثِ»

''ایک آدمی نے اپنے بیل پر بوجھ لادا ہوا تھا اور اسے ہانک رہا تھا۔ بیل نے اس کی طرف دیکھا اور اس سے بات کرتے ہوئے کہا: ''بلاشبہ مجھے باربرداری کے لیے تو نہیں پیدا کیا گیا بلکہ مجھے تو صرف کھیتی باڑی کا کام کرنے کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔''

[1] سنن أبي داود، حديث:4635,4634، وجامع الترمذي، حديث:2287. علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے، دیکھیے: (صحيح سنن أبي داود، حديث:4635)

لوگوں نے یہ سن کر اظہار تعجب کرتے ہوئے کہا: ''سبحان اللہ! (عجیب بات ہے) کیا بیل بھی کلام کرتا ہے؟''

اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «فَإِنِّي أُؤْمِنُ بِهِ وَ أَبُوبَكْرٍ وَّعُمَرُ»

''یقیناً میں اس پر ایمان لایا ہوں اور ابوبکر و عمر بھی اس پر ایمان رکھتے ہیں۔''

آپ ﷺ نے بات جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

«بَيْنَمَا رَاعٍ فِي غَنَمِهِ عَدَا عَلَيْهِ الذِّئْبُ فَأَخَذَ مِنْهَا شَاةً فَطَلَبَهُ الرَّاعِي، فَالْتَفَتَ إِلَيْهِ الذِّئْبُ فَقَالَ: مَنْ لَّهَا يَوْمَ السَّبُعِ يَوْمَ لَيْسَ لَهَا رَاعٍ غَيْرِيْ؟»

''ایک چرواہا اپنی بکریوں میں موجود تھا اسی اثنا میں ایک بھیڑیا اس کے ریوڑ پر حملہ آور ہوا اور اس نے اس میں سے ایک بکری دبوچ لی۔ چرواہے نے بکری کے حصول کے لیے اس کا تعاقب کیا حتی کہ اپنی بکری اس سے چھڑا لی۔ بھیڑیے نے اس کی طرف متوجہ ہو کر کہا: ''درندوں کے دن ان بکریوں کا کون محافظ ہوگا اور وہ دن ایسا ہوگا کہ اس دن میرے علاوہ کوئی بکریوں کو چرانے والا نہ ہوگا؟''

لوگوں نے پھر تعجب سے کہا: ''سبحان اللہ! بھیڑیا باتیں کرتا ہے؟''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «فَإِنِّي أُؤْمِنُ بِذٰلِكَ وَ أَبُوبَكْرٍ وَّعُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ»

''یقیناً میں اس پر ایمان رکھتا ہوں اور ابوبکر و عمر بھی اس پر ایمان رکھتے ہیں۔''

حالانکہ وہ (ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما) دونوں اس مجلس میں حاضر نہیں تھے۔ [1]

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ایمان کی پختگی، شریعت الٰہی کے التزام اور اسلام کے لیے آپ کے صدق و اخلاص کی دلیل یہ ہے کہ آپ نبی کریم ﷺ کو سب سے زیادہ محبوب تھے۔

[1] صحيح البخاري، حديث:3663، وصحيح مسلم، حديث:2388.

اور یہ محبت بڑھتے بڑھتے یہ صورت اختیار کر گئی کہ رسول اللہ ﷺ کے قلب مبارک میں محبت آپ کے تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر مقدم ہو گئی۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے انھیں ذات السلاسل کے لشکر کا امیر بنا کر بھیجا۔ عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا: ''لوگوں میں سے آپ کو سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «عَائِشَةُ» ''عائشہ۔''

میں نے کہا: ''مردوں میں سے کون ہے؟''

آپ ﷺ نے جواب دیا: «أَبُوهَا» ''عائشہ کا باپ۔''

میں نے کہا: ''ان کے بعد پھر کون ہے؟''

آپ نے فرمایا: «ثُمَّ عُمَرُبْنُ الْخَطَّابِ» ''پھر عمر بن خطاب ہیں۔''

بعدازاں آپ نے کئی آدمیوں کے نام لیے۔ [1]

اسی عظیم ایمان، شریعت الٰہی کے التزام اور رب العالمین کے دین کی خاطر مساعی کی بدولت رسول اللہ ﷺ نے آپ کو جنت کا مستحق قرار دیا اور ساتھ ہی یہ بشارت بھی دی کہ آپ جنت کے تمام دروازوں سے بلائے جانے کے مستحق ہیں۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے گھر سے وضو کر کے نکلا اور دل میں یہ عہد کیا کہ آج میں دن بھر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہوں گا۔ میں مسجد پہنچا اور رسول اللہ ﷺ کے بارے میں پوچھا تو لوگوں نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ باہر نکل کر اُس طرف تشریف لے گئے ہیں۔ میں رسول اللہ ﷺ کے تعاقب میں چل دیا، رسول اللہ ﷺ بئر اریس نامی باغ میں داخل ہو گئے۔ میں اس باغ کے دروازے کے قریب بیٹھ گیا۔ یہ دروازہ کھجور کی شاخوں کا بنا ہوا تھا۔ رسول اللہ ﷺ جب قضائے حاجت سے فارغ

[1] صحيح البخاري، حديث: 3662.

ہوئے اور وضو کر چکے تو میں آپ کی خدمت میں جا کھڑا ہوا۔ دیکھا کہ آپ بئر اُریس کی منڈیر کے بیچ میں بیٹھے ہوئے ہیں اور آپ نے اپنی دونوں پنڈلیوں سے کپڑا ہٹا کر انھیں کنویں میں لٹکا رکھا ہے۔ میں نے آپ کو سلام کیا، پھر واپس آ کر باغ کے دروازے پر جا بیٹھا اور دل میں تہیہ کر لیا کہ میں آج رسول اللہ ﷺ کا دربان رہوں گا۔ اسی اثنا میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آ گئے۔ انھوں نے دروازہ کھولنا چاہا۔

میں نے پوچھا: ''کون ہے؟''

انھوں نے جواب دیا: ''ابوبکر۔''

میں نے کہا: ''ذرا ٹھہریے'' پھر میں رسول اللہ ﷺ کے خدمت میں حاضر ہوا اور انھیں بتایا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے ہیں اور حاضر خدمت ہونے کی اجازت چاہتے ہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا: «اِئْذَنْ لَّهُ وَ بَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ»

''انھیں اندر آنے کی اجازت دو اور ساتھ ہی جنت کی خوشخبری بھی سنا دو؟''

میں نے واپس آ کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا: ''اندر آ جائیے۔ رسول اللہ ﷺ آپ کو جنت کی خوشخبری دیتے ہیں۔''

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اندر داخل ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کی دائیں جانب آپ کے ساتھ منڈیر پر بیٹھ گئے اور انھوں نے بھی رسول اللہ ﷺ کی طرح اپنی پنڈلیوں سے کپڑا ہٹا کر اپنی ٹانگیں کنویں میں لٹکا دیں......۔ [1]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دفعہ فرمایا:

«مَنْ أَنْفَقَ زَوْجَيْنِ فِي شَيْءٍ مِّنَ الْأَشْيَاءِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ دُعِيَ مِنْ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ: يَا عَبْدَ اللّٰهِ! هٰذَا خَيْرٌ، فَمَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الصَّلَاةِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الصَّلَاةِ وَ مَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الْجِهَادِ دُعِيَ مِنْ بَابِ

[1] صحيح البخاري، حديث: 3674.

الْجِهَادِ وَ مَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الصَّدَقَةِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الصَّدَقَةِ وَ مَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الصِّيَامِ دُعِيَ مِنْ بَابِ الصِّيَامِ وَ بَابِ الرَّيَّانِ»

''جو شخص کسی چیز کا ایک جوڑا اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرے گا وہ جنت کے دروازوں سے یوں بلایا جائے گا: ''اے اللہ کے بندے! (اس دروازے سے جنت میں داخل ہو جا کیونکہ) یہ دروازہ بہتر ہے۔'' جو شخص نمازی ہوگا وہ ''باب الصلاۃ'' (نماز کے دروازے) سے بلایا جائے گا، جو شخص اہل جہاد سے ہوگا وہ ''باب الجہاد'' سے بلایا جائے گا، جو شخص صدقہ و خیرات کرنے والوں میں سے ہوگا اسے ''باب الصدقہ'' سے بلایا جائے گا اور جو شخص روزے داروں میں سے ہوگا وہ ''باب الصیام یا باب الریان'' سے پکارا جائے گا۔''

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا:

«مَا عَلٰى هٰذَا الَّذِي يُدْعٰى مِنْ تِلْكَ الْأَبْوَابِ مِنْ ضَرُورَةٍ، هَلْ يُدْعٰى مِنْهَا كُلِّهَا أَحَدٌ يَّا رَسُولَ اللّٰهِ؟»

''جو شخص ان دروازوں میں سے کسی بھی دروازے سے بلا لیا گیا اسے کوئی حاجت اور تکلیف نہیں رہے گی۔ لیکن اے اللہ کے رسول! کیا کوئی ایسا آدمی بھی ہوگا جسے ان سب دروازوں سے بلایا جائے گا؟''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «نَعَمْ، وَأَرْجُو أَنْ تَكُونَ مِنْهُمْ يَا أَبَا بَكْرٍ»

''ہاں! اور اے ابوبکر! مجھے امید ہے کہ تم بھی انھی میں سے ہوگے۔''[1]

علم ومعرفت

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ صحابۂ کرام میں سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی معرفت اور

[1] صحيح البخاري، حديث: 3666.

اس کا علم رکھنے والے تھے اور سب سے زیادہ اللہ کا خوف رکھنے والے تھے۔[1] تمام اہل سنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تمام امت میں سب سے بڑے عالم تھے۔ متعدد ائمہ کرام نے اس بات پر اجماع بیان کیا ہے۔[2]

علم و فضل میں تمام صحابۂ کرام پر آپ کے تفوق کا سبب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی دائمی وابستگی ہے۔ آپ سفر و حضر میں شب و روز ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے۔ نماز عشاء کے بعد دیر تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ کر باتیں کیا کرتے تھے۔ اس مجلس میں آپ کے علاوہ کوئی دوسرا صحابی نہیں ہوتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے مسلمانوں کے معاملات کے بارے میں گفتگو فرماتے تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام سے کوئی مشورہ طلب کرتے تو مجلس شوریٰ میں سب سے پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ گفتگو کا آغاز کرتے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا کہ (آپ کے بعد) کوئی دوسرا آدمی مشورہ دے دیتا اور بعض اوقات ایسا بھی ہوتا کہ آپ کے علاوہ کوئی اور گفتگو ہی نہیں کرتا تھا، چنانچہ تنہا آپ ہی کی رائے کے مطابق عمل کر لیا جاتا۔ اگر کوئی آپ کی رائے کے خلاف مشورہ دے دیتا تو اس کی رائے کے بجائے آپ ہی کی رائے کو ترجیح دی جاتی اور آپ کی رائے کی پیروی کی جاتی تھی۔[3]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیائے اسلام کے پہلے حج میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ سے امیر الحج بنا کر روانہ فرمایا۔ عبادات میں مناسک حج کا علم انتہائی دقیق ہے۔ اگر آپ کے پاس وسعت علم نہ ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو کبھی امیر الحج نہ بناتے۔ اسی طرح نماز کے معاملے میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی کو اپنا نائب بنایا۔ اگر آپ نماز کے مسائل سے بخوبی آگاہ نہ ہوتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو اپنا

[1] تاريخ الخلفاء للسيوطي، ص: 59. [2] الفتاوىٰ لابن تيمية: 127/13. [3] أبوبكر الصديق لمحمد مال الله، ص: 334، 335.

نائب نہ بناتے۔ حق یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آپ کے علاوہ کسی اور صحابی کو حج میں اپنا خلیفہ اور نائب بنایا نہ نماز میں۔ رسول اللہ ﷺ نے امور زکاۃ کے سلسلے میں جو ضابطہ اور قانون لازم ٹھہرایا تھا اسے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے تحریری شکل میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی سے حاصل کیا تھا۔ زکاۃ کی روایات کے سلسلے میں صحیح ترین روایت بھی یہی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ والی روایت ہے۔[1] اس سے واضح ہوتا ہے کہ امور زکاۃ کا علم بھی سب صحابہ رضی اللہ عنہم سے زیادہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہی کو تھا۔ فقہائے کرام اور ائمۂ عظام وغیرہ نے اسی تحریر پر اظہارِ اعتماد کیا ہے اور اس بارے میں دیگر جتنی تحریریں تھیں انھیں منسوخ قرار دیا ہے۔ یہ اس بات کی بڑی واضح دلیل ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ناسخ ومنسوخ کے بارے میں بھی سب سے زیادہ باخبر تھے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ایسا ایک بھی قول نقل نہیں کیا گیا جس میں آپ نے قرآن وسنت کی کسی نص کی مخالفت کی ہو۔ یہ چیز آپ کی انتہا درجے کی باریک بینی، مہارت، اور اعلیٰ علم کا بین ثبوت ہے۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ علم شریعت کے کسی بھی مسئلے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کسی خطا کا صدور معروف نہیں، جبکہ دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے بہت سے مسائل میں خطا سرزد ہونا معروف ہے۔[2]

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کی موجودگی میں لوگوں کے مابین فیصلے کرتے اور فتویٰ جاری کرتے تھے اور رسول اللہ ﷺ آپ کے فیصلے اور فتوے کی توثیق فرماتے تھے۔ یہ فضیلت آپ کے سوا کسی اور صحابی کے حصے میں نہیں آئی۔ اس کی توضیح گزشتہ صفحات میں غزوۂ حنین میں "رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا قول فیصل" کے زیرعنوان گزر چکی ہے۔[3]

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد آپ کا علمی تفوق اور زیادہ نکھر کر سامنے آیا۔ آپ

[1] صحیح البخاري، حدیث:1448. [2] أبوبکر الصدیق لمحمد بن عبدالرحمٰن، ص:60.
[3] أبوبکر الصدیق لمحمد بن عبدالرحمٰن، ص:57.

کے دور خلافت میں امت اسلامیہ کا جس مسئلے پر بھی کوئی اختلاف رونما ہوا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے راسخ علم کی بدولت کتاب و سنت کے دلائل و براہین بر محل پیش کرکے اس مسئلے کا متفقہ حل پیش کر دیا۔ یہ سب کچھ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے علمی کمال، عدل و انصاف اور نزاع و اختلاف زائل کرنے والے براہین کی ماہرانہ معرفت کی بنا پر ہوا، اِسی لیے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم آپ کی مکمل اطاعت کرتے تھے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے صحابۂ کرام کے سامنے وفات النبی کا انتہائی الم انگیز سانحہ اتنی وضاحت سے بیان کیا کہ لوگوں کے دل و دماغ سے شکوک وشبہات کے سارے بادل چھٹ گئے اور آپ کی اسی تقریر کی بدولت صحابۂ کرام اپنے ایمان پر ثابت قدم رہے۔ آپ ہی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدفن کی نشاندہی کی۔ آپ ہی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میراث کا معاملہ بھی حل فرمایا۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسا عبقری بھی مانعین زکاۃ سے قتال کے معاملے میں شکوک وشبہات کا شکار تھا، اس وقت بھی یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی تھے جنھوں نے صحابہ کرام کے سامنے یہ مسئلہ قرآن وسنت کی روشنی میں اس قدر واضح اور مدلل طور پر بیان فرمایا کہ سب کو پوری طرح شرحِ صدر ہو گیا۔ مسئلۂ خلافت اور جیشِ اسامہ کی روانگی جیسے مسائل کا حل بھی سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہی نے پیش کیا، مزید برآں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا:

«إِنَّ اللّٰهَ خَيَّرَ عَبْدًا بَيْنَ الدُّنْيَا وَ بَيْنَ مَا عِنْدَ اللّٰهِ فَاخْتَارَ ذٰلِكَ الْعَبْدُ مَا عِنْدَ اللّٰهِ»

”اللہ تعالیٰ نے ایک بندے کو یہ اختیار دے دیا ہے کہ وہ دنیا اور جو اللہ کے پاس ہے اس میں سے جسے چاہے اپنے لیے منتخب کرلے تو بندے نے جو اللہ کے پاس ہے اسے پسند کرلیا۔“

تو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی نے یہ وضاحت فرمائی تھی کہ مذکورہ بندے سے مراد خود

رسول اللہ ﷺ ہیں۔ ①

ان تمام امور کی تفصیل ان شاء اللہ اپنے اپنے مقام پر آئے گی۔

رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ ایک خواب دیکھا جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے رسوخ علم پر دلالت کرتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«رَأَيْتُ كَأَنِّي أُعْطِيتُ عُسًّا مَّمْلُوءً لَّبَنًا، فَشَرِبْتُ مِنْهُ حَتّٰى تَمَلَّأْتُ، فَرَأَيْتُهَا تَجْرِي فِي عُرُوقِي بَيْنَ الْجِلْدِ وَاللَّحْمِ، فَفَضَلْتُ مِنْهَا فَضْلَةً، فَأَعْطَيْتُهَا أَبَا بَكْرٍ»

''میں نے خواب میں دیکھا کہ مجھے دودھ سے لبریز ایک بڑا پیالہ دیا گیا۔ میں نے اس میں سے اس قدر دودھ پیا کہ میں اچھی طرح سیر ہو گیا۔ پھر میں نے یہی دودھ اپنی جلد اور گوشت کے مابین اپنی رگوں میں بہتا ہوا دیکھا۔ بعد ازاں میں نے اس پیالے میں کچھ دودھ باقی رہنے دیا، پھر میں نے وہ پیالہ ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کے حوالے کر دیا۔''

لوگوں نے کہا: ''اے اللہ کے رسول! یہ تو علم تھا جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو تفویض کیا حتیٰ کہ جب آپ اس علم سے سیراب ہو گئے اور اس میں سے کچھ علم باقی رہنے دیا تو آپ نے وہ علم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دے دیا۔'' اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«قَدْ أَصَبْتُمْ» ''تم نے صحیح تعبیر کی ہے۔'' ②

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خوابوں کو برحق تصور کرتے تھے اور ان کی نہایت عمدہ تعبیر کرتے تھے۔ جب صبح ہوتی تو آپ لوگوں سے فرمائش کرتے کہ جس نے کوئی اچھا خواب دیکھا

① أبو بكر الصديق لمحمد بن عبدالرحمٰن، ص: 59. ② الإحسان في تقريب صحيح ابن حبان: 269/15. شعیب ارناؤط نے اس حدیث کے بارے میں کہا ہے کہ یہ امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔

ہے وہ ہمیں سنائے۔ آپ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ کامل اور ٹھیک ٹھیک وضو کرنے والے مسلمان کا اچھا خواب دیکھنا مجھے فلاں فلاں چیز سے زیادہ محبوب ہے۔ [1]

یہاں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا تعبیر کردہ ایک خواب بیان کیا جاتا ہے:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: ''میں نے رات کو نیند میں ایک سائبان دیکھا۔ اس سے گھی اور شہد ٹپک رہا تھا۔ پھر کچھ لوگ دکھائی دیے جو ہاتھ پھیلا کر شہد اور گھی کو لے رہے تھے، کوئی تھوڑا لیتا تھا، کوئی زیادہ۔ پھر کیا دیکھتا ہوں کہ ایک رسی زمین سے آسمان تک پہنچی ہوئی ہے۔ آپ نے وہ رسی پکڑی اور اوپر چڑھ گئے۔ پھر ایک اور آدمی نے وہ رسی تھامی اور اوپر چڑھ گیا۔ پھر ایک اور آدمی نے رسی تھامی اور اسی کے ذریعے اوپر چڑھ گیا۔ آخر میں ایک اور آدمی نے یہی رسی پکڑی تو وہ ٹوٹ گئی۔ پھر اسے جوڑ دیا گیا۔''

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

«يَا رَسُولَ اللّٰهِ! بِأَبِي أَنْتَ وَاللّٰهِ! لَتَدَعَنِّي فَأَعْبُرَهَا»

''اے اللہ کے رسول! میرا باپ آپ پر قربان ہو! اللہ کی قسم! مجھے اجازت دیجیے کہ میں اس خواب کی تعبیر بیان کروں۔''

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اجازت مرحمت فرما دی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

«أَمَّا الظُّلَّةُ فَالْإِسْلَامُ وَ أَمَّا الَّذِي يَنْطِفُ مِنَ الْعَسَلِ وَالسَّمْنِ فَالْقُرْآنُ حَلَاوَتُهُ تَنْطِفُ، فَالْمُسْتَكْثِرُ مِنَ الْقُرْآنِ وَالْمُسْتَقِلُّ وَ أَمَّا السَّبَبُ الْوَاصِلُ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ فَالْحَقُّ الَّذِي أَنْتَ عَلَيْهِ تَأْخُذُ بِهِ فَيُعْلِيكَ اللّٰهُ ثُمَّ يَأْخُذُ بِهِ رَجُلٌ فَيَعْلُو بِهِ ثُمَّ يَأْخُذُ بِهِ رَجُلٌ

[1] خطب أبي بكر الصديق للدكتور أحمد عاشور، ص: 155.

فَيَعْلُو بِهٖ ثُمَّ يَأْخُذُ بِهٖ رَجُلٌ فَيَنْقَطِعُ بِهٖ ثُمَّ يُوَصَّلُ لَهٗ فَيَعْلُو بِهٖ. فَأَخْبِرْنِي يَا رَسُولَ اللّٰهِ! بِأَبِي أَنْتَ: أَصَبْتُ أَمْ أَخْطَأْتُ؟»

''سائبان سے مراد اسلام ہے۔ گھی اور شہد ٹپکنے کا مطلب قرآن کریم ہے کہ اسی کی مٹھاس ٹپک رہی ہے، پس قرآن کی یہ حلاوت کوئی تھوڑی حاصل کر رہا ہے تو کوئی زیادہ۔ رہی رسی جو آسمان سے زمین تک پہنچی ہوئی ہے تو اس سے مراد وہ حق ہے جس پر آپ قائم ہیں۔ آپ نے حق کا دامن تھاما تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو بلند کر دیا۔ پھر ایک اور آدمی اسے تھامے گا تو اس کی وجہ سے وہ بھی بلند ہو جائے گا۔ اس کے بعد ایک اور آدمی اسے تھامے گا تو وہ بھی اس کے ذریعے بلند ہو جائے گا، پھر ایک اور آدمی اسے تھامے گا تو وہ رسی ٹوٹ جائے گی مگر اسے جوڑ دیا جائے گا تو وہ آدمی بھی بلند ہو جائے گا۔ اے اللہ کے رسول! میرا باپ آپ پر قربان ہو! اب فرمائیے کہ میں نے صحیح تعبیر کی ہے یا مجھ سے خطا ہوئی ہے؟''

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «أَصَبْتَ بَعْضًا وَّ أَخْطَأْتَ بَعْضًا»

''کچھ تعبیر تم نے صحیح کی ہے اور بعض باتوں میں تم سے خطا سرزد ہوئی ہے۔''

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: «وَ اللّٰهِ! لَتُحَدِّثَنِّي بِالَّذِي أَخْطَأْتُ»

''اللہ کی قسم! مجھے خطا ضرور بتائیے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «لَا تُقْسِمْ» ''قسم نہ ڈالو۔''[1]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: ''میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے گھر میں تین چاند اُتر آئے ہیں۔ میں نے یہ خواب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بتایا، ابوبکر رضی اللہ عنہ لوگوں میں سب سے عمدہ تعبیر کرنے والے تھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

[1] صحیح البخاري، حدیث: 7046.

«إِنْ صَدَقَتْ رُؤْيَاكِ لَيُدْفَنَنَّ فِي بَيْتِكِ مِنْ خَيْرِ أَهْلِ الْأَرْضِ ثَلٰثَةٌ»

''اگر تیرا خواب سچا ہے تو اہل زمین میں سے تین بہترین آدمی تیرے گھر میں ضرور دفن ہوں گے۔''

جب نبی کریم ﷺ فوت ہوئے تو آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا:

«يَا عَائِشَةُ! هٰذَا خَيْرُ أَقْمَارِكِ»

''عائشہ! یہ تیرے چاندوں میں سب سے بہتر چاند ہے۔''[1]

بلاشبہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے بعد اس امت کے سب سے بڑے معبر (تعبیر کرنے والے) تھے۔[2]

تمام صحابۂ کرام میں سب سے بڑے عالم ہونے کے باوجود آپ تکلف، خودنمائی اور دکھلاوے سے سب سے زیادہ دور تھے۔ ابراہیم نخعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ آیت کریمہ تلاوت کی:

﴿وَفَاكِهَةً وَّأَبًّا ۝﴾ ''اور میوے اور چارا (اگایا)۔''[3]

پوچھا گیا کہ ''الأَب'' سے کیا مراد ہے؟ اس پر لوگ اپنی طرف سے اس کے معانی بیان کرنے لگے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

«إِنَّ هٰذَا لَهُوَ التَّكَلُّفُ، أَيُّ أَرْضٍ تُقِلُّنِي وَأَيُّ سَمَاءٍ تُظِلُّنِي إِذَا قُلْتُ فِي كِتَابِ اللّٰهِ مَا لَا أَعْلَمُ؟»

''یقیناً یہ تکلف ہے، اگر میں نے کتاب اللہ کے بارے میں ایسی بات کہی جس کا مجھے علم نہیں ہے تو پھر کون سی زمین میرا بوجھ اٹھائے گی اور کون سا آسمان مجھ پر سایہ فگن ہوگا؟''[4]

[1] تاريخ الخلفاء للسيوطي، ص:129. [2] تاريخ الخلفاء للسيوطي، ص:130. [3] عبس 31:80.
[4] فتح الباري: 258/13. سنداً یہ قصہ ضعیف ہے کیونکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ابراہیم نخعی کے مابین انقطاع ہے۔

دعاؤں کا اہتمام اور آہ و زاری

بلاشبہ دعا ایک عظیم دروازہ ہے۔ جب یہ دروازہ کسی بندے کے لیے کھل جاتا ہے تو اس پر پے در پے بھلائیوں کی برسات ہو جاتی ہے اور برکات کا نزول ہوتا ہے۔ اسی لیے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے رب تعالیٰ سے عمدہ تعلق، بہترین رابطے اور بکثرت دعا کے انتہائی شائق تھے۔

بلاشبہ دعا دشمنوں کے خلاف حصول نصرت کے عوامل میں سب سے قوی اور سب سے عظیم عامل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِيٓ أَسْتَجِبْ لَكُمْ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ ۝ ﴾

"اور تمھارے رب نے کہا ہے: تم مجھے پکارو، میں تمھاری (دعائیں) قبول کروں گا، بلاشبہ جو لوگ میری عبادت سے سرکشی کرتے ہیں، وہ عنقریب ذلیل وخوار ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔"[1]

دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ۖ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ ۝ ﴾

"اور (اے نبی!) جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں سوال کریں تو بے شک میں قریب ہوں، میں دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں، جب بھی وہ مجھ سے دعا کرے، پس چاہیے کہ وہ بھی میرے حکموں کو مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں تاکہ وہ ہدایت پائیں۔"[2]

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ رہے۔ آپ نے بغور

[1] المؤمن 40:60 [2] البقرۃ 2:186

مشاہدہ کیا کہ رسول اللہ ﷺ کس طرح اللہ تعالیٰ سے فریاد کرتے ہیں اور کس طرح مدد طلب کرتے ہیں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اس عظیم عبادت کو رسول اللہ ﷺ سے سیکھنے کے انتہائی آرزومند تھے۔ آپ چاہتے تھے کہ آپ کی دعائیں اور تسبیحات اُنھی الفاظ اور صیغوں کے مطابق ہوں جنھیں رسول اللہ ﷺ نے پسند کیا اور ان کا حکم دیا۔ کیونکہ کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ دعا، تسبیحات اور نبی کریم ﷺ پر درود و سلام میں مسنون وماثور الفاظ اور صیغوں پر دوسرے خودساختہ الفاظ کو ترجیح دے، چاہے وہ الفاظ ظاہری طور پر کتنے ہی خوبصورت، دلربا اور عمدہ معانی والے ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ بھلائی اور خیر کے معلم اور صراط مستقیم کی طرف راہنمائی فرمانے والے تھے اور افضل اور اکمل دعا کے سلسلے میں آپ ہی سب سے زیادہ معرفت اور علم رکھتے تھے۔ [1]

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا:

«عَلِّمْنِي دُعَاءً أَدْعُو بِهِ فِي صَلَاتِي»

''اے اللہ کے رسول! مجھے کوئی ایسی دعا سکھا دیجیے جس کے ساتھ میں اپنی نماز میں دعا کروں۔''

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تم یہ دعا کیا کرو:

«اَللّٰهُمَّ! إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي ظُلْمًا كَثِيرًا وَّ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ، فَاغْفِرْلِي مَغْفِرَةً مِّنْ عِنْدِكَ وَارْحَمْنِي إِنَّكَ أَنْتَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ»

''اے اللہ! یقیناً میں نے اپنے نفس پر بہت زیادہ ظلم کیے ہیں اور تیرے سوا گناہوں کو کوئی معاف نہیں کر سکتا، لہٰذا تو اپنی خاص مغفرت سے مجھے معاف فرما دے اور مجھ پر رحم فرما، بے شک تو معاف کرنے والا مہربان ہے۔'' [2]

[1] أبوبكر الصديق للطنطاوي، ص:207. [2] صحيح البخاري، حديث:834، وصحيح مسلم، حديث:2705.

اس دعا میں بندہ اپنا یہ وصف بیان کرتا ہے کہ وہ مغفرت الٰہی کا شدید محتاج ہے اور دوسری طرف وہ اپنے رب کا ایسا وصف بیان کرتا ہے جو اس بات کا موجب ہے کہ اس مطلوب پر قدرت رکھنے والی ہستی سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں۔ اس دعا میں بندہ اپنی حاجت روائی کے لیے بڑی صراحت سے سوال کرتا ہے، پھر اس دعا میں قبولیتِ دعا کے آداب اور تقاضوں میں سے ایک بات کا بیان ہے اور وہ ہے رب تعالیٰ کو مغفرت اور رحمت سے موصوف قرار دینا، لہٰذا یہ اندازِ دعا انواعِ طلب میں سب سے اعلیٰ ہے۔ [1]

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

«يَا رَسُولَ اللّٰهِ! مُرْنِي بِكَلِمَاتٍ أَقُولُهُنَّ إِذَا أَصْبَحْتُ وَ إِذَا أَمْسَيْتُ»

”اے اللہ کے رسول! مجھے ایسی دعا سکھائیے جو میں صبح اور شام کے وقت پڑھا کروں۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”آپ کہا کریں:

«اَللّٰهُمَّ! فَاطِرَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ، عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ، رَبَّ كُلِّ شَيْءٍ وَّ مَلِيكَهٗ! أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ، أَعُوذُبِكَ مِنْ شَرِّ نَفْسِي وَ مِنْ شَرِّ الشَّيْطَانِ وَ شِرْكِهٖ وَ أَنْ أَقْتَرِفَ عَلٰى نَفْسِي سُوءً أَوْ أَجُرَّهٗ إِلٰى مُسْلِمٍ»

”اے اللہ! آسمان و زمین کو پیدا کرنے والے! ہر ظاہر اور مخفی کو جاننے والے! ہر چیز کے مالک اور پروردگار! میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی لائق عبادت نہیں۔ میں اپنے نفس کے شر سے، شیطان کے شر سے اور اس کے شرک سے تیری پناہ میں آتا ہوں اور میں (اس بات سے بھی پناہ مانگتا ہوں کہ میں) اپنے نفس کے خلاف کسی برائی کا ارتکاب کروں یا کسی مسلمان پر کوئی زیادتی کروں۔“

[1] الفتاوٰی لابن تیمیۃ: 146/9

(نبی ﷺ نے فرمایا:) صبح و شام اور سوتے وقت آپ یہ کلمات کہا کریں۔"[1]

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سبق سیکھا کہ کسی آدمی کے لیے یہ گمان کرنا جائز نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے توبہ کرنے اور گناہوں سے استغفار کرنے سے مستغنی ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہر فرد دائمی طور پر مغفرت الٰہی کا محتاج ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ الْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ط اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۙ لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ وَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ط وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝﴾

"بلاشبہ ہم نے (اپنی) امانت آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کی تو انھوں نے اسے اٹھانے سے انکار کر دیا اور وہ اس سے ڈر گئے اور وہ (امانت) انسان نے اٹھالی، یقیناً وہ بڑا ظالم اور بہت جاہل ہے (ہم نے یہ امانت اس لیے اٹھوائی) کہ اللہ منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو عذاب دے اور اللہ مومن مردوں اور مومن عورتوں پر رحم فرمائے اور اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔"[2]

پس انسان ظالم و جاہل ہے اور مومن مردوں اور مومن عورتوں کا منتہائے کار توبہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی لاریب کتاب میں اپنے نیک بندوں کی توبہ اور ان پر کی گئی اپنی مغفرت کا تذکرہ کیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: «لَنْ يُّدْخِلَ أَحَدًا عَمَلُهُ الْجَنَّةَ»

"کوئی شخص اپنے عمل کی بنا پر جنت میں داخل نہیں ہوگا۔"

صحابہ کرام نے عرض کیا: "اے اللہ کے رسول! کیا آپ بھی نہیں؟" رسول اللہ ﷺ

[1] سنن أبي داود، حديث: 5067، وجامع الترمذي، حديث: 3392. [2] الأحزاب 33:72، 73.

نے جواب دیا: «لَا، وَلَا أَنَا إِلَّا أَنْ يَّتَغَمَّدَنِيَ اللّٰهُ بِفَضْلٍ وَّرَحْمَةٍ»
''نہیں، میں بھی جنت میں داخل نہیں ہوسکوں گا مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنے فضل و کرم اور رحمت سے ڈھانپ دے۔''①

یہ حدیث مبارکہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے منافی نہیں ہے:

﴿كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ ۝﴾

''(جنتیوں سے کہا جائے گا:) مزے سے کھاؤ اور پیو ان (اعمال) کے بدلے جو تم نے گزرے دنوں میں آگے بھیجے۔''②

مذکورہ حدیث کے قرآنی آیت کے منافی نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ حدیث میں ''باء'' مقابلے یا عوض کی ہے کہ جنت اعمال کے بدلے میں نہیں ملے گی، جبکہ قرآن مجید میں ''باء'' سببیت کی ہے کہ یہ اعمال جنت میں جانے کا سبب ہوسکتے ہیں۔

اسی طرح کسی کہنے والے نے جو کہا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرنے لگتا ہے تو اس بندے کو گناہ کوئی نقصان نہیں پہنچاتے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو محبوب بنالیتا ہے تو اس کے دل میں توبہ و استغفار القاء کر دیتا ہے، لہٰذا وہ گناہوں پر اصرار نہیں کرتا اور جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ گناہوں پر مصر رہنے والے کو گناہ کوئی نقصان نہیں دیتے تو ایسا شخص گمراہ ہے۔ وہ کتاب و سنت اور سلف صالحین اور ائمہ کرام کے اجماع کی مخالفت کرنے والا ہے کیونکہ یہ قانون فطرت ہے کہ جس شخص نے ذرہ بھر بھی نیکی کی یقیناً وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر بھی برائی کی یقیناً وہ بھی اسے دیکھ لے گا۔③

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہمیشہ ذکر الٰہی سے رطب اللسان رہنے والے، بہت زیادہ گریہ و

① صحيح البخاري، حديث: 5673، وصحيح مسلم، حديث: 2818. ② الحآقّة 24:69.

③ الفتاوىٰ لابن تيمية: 11/142.

زاری کرنے والے اور اللہ تعالیٰ کی طرف ہر آن متوجہ رہنے والے تھے۔ آپ ہر وقت اللہ تعالیٰ کے حضور مناجات اور دعاؤں میں مصروف رہتے تھے۔ آپ کی بعض دعائیں اور مناجات نقل کی گئی ہیں جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

«أَسْأَلُكَ تَمَامَ النِّعْمَةِ فِي الْأَشْيَاءِ كُلِّهَا وَالشُّكْرَ لَكَ عَلَيْهَا حَتّٰى تَرْضٰى وَ بَعْدَ الرِّضَا وَالْخِيَرَةَ فِي جَمِيعِ مَا تَكُونُ إِلَيْهِ الْخِيَرَةُ بِجَمِيعِ مَيْسُورِ الْأُمُورِ كُلِّهَا، لَا بِمَعْسُورِهَا يَا كَرِيمُ!»

''میں تمام چیزوں میں تجھ سے تیری کامل نعمت کا سوال کرتا ہوں اور ان نعمتوں پر تیرے اس قدر شکر کی توفیق کا طلبگار ہوں کہ تو راضی ہو جائے اور تیری رضا کے بعد بھی (میں تیرا شکر ہی ادا کرتا رہوں)، اے رب کریم! جن امور کے متعلق مجھے اختیار حاصل ہے ان سب امور میں تجھ سے تنگی اور کلفت کے بغیر آسانی سے میسر آنے والی خیر و بھلائی اور برکت کے حصول کا سوالی ہوں!''[1]

❁ آپ اپنی دعا میں یہ کہا کرتے تھے:

«اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَسْأَلُكَ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ لِّي فِي عَاقِبَةِ الْخَيْرِ، اللّٰهُمَّ اجْعَلْ آخِرَ مَا تُعْطِينِي مِنَ الْخَيْرِ رِضْوَانَكَ وَالدَّرَجَاتِ الْعُلَا مِنْ جَنَّاتِ النَّعِيمِ»

''اے اللہ! میں تجھ سے اس چیز کا سوال کرتا ہوں جو انجام کے لحاظ سے میرے لیے مفید اور بہتر ہے۔ اے اللہ! تو مجھے جن بھلائیوں اور خوش بختیوں سے نوازے ان میں آخری بھلائی اپنی رضا اور نعمتوں والی جنتوں میں اعلیٰ درجات کو بنا!''[2]

[1] الشكر لابن أبي الدنيا، رقم: 159 بحوالہ خطب أبي بكر الصديق للدكتور أحمد عاشور، ص: 39. [2] خطب أبي بكر الصديق للدكتور أحمد عاشور، ص: 139.

❀ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی دعاؤں میں یہ بھی کہا کرتے تھے:

«اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ خَيْرَ عُمْرِي آخِرَهٗ وَ خَيْرَ عَمَلِي خَوَاتِمَهٗ وَ خَيْرَ أَيَّامِي يَوْمَ أَلْقَاكَ»

''اے اللہ! میری آخری عمر کو میری بہترین عمر بنا، میرے خاتمۂ عمل کو میرا بہترین عمل بنا اور میرا بہترین دن وہ بنا جس دن میں تجھ سے ملاقات کا شرف حاصل کروں۔''[1]

❀ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سنتے کہ کوئی شخص آپ کی مدح سرائی کر رہا ہے تو آپ یہ دعا فرماتے:

«اَللّٰهُمَّ! أَنْتَ أَعْلَمُ بِي مِنْ نَّفْسِي وَ أَنَا أَعْلَمُ بِنَفْسِي مِنْهُمْ، اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِي خَيْرًا مِّمَّا يَظُنُّونَ وَاغْفِرْلِي مَا لَا يَعْلَمُونَ وَلَا تُؤَاخِذْنِي بِمَا يَقُولُونَ»

''اے اللہ! تو مجھے میرے نفس سے کہیں بڑھ کر جانتا ہے اور میں خود ان لوگوں کی نسبت اپنے بارے میں زیادہ جانتا ہوں۔ اے اللہ! یہ لوگ میرے متعلق جو گمان رکھتے ہیں مجھے اس سے بہتر بنا دے اور میرے ان گناہوں کو معاف فرما جنھیں یہ لوگ نہیں جانتے اور یہ لوگ میری توصیف میں جو باتیں کرتے ہیں ان میں میرا مواخذہ نہ فرما!''[2]

یہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی چند اہم صفات اور چند فضائل و مناقب تھے جن کا اختصار کے ساتھ تذکرہ کیا گیا ہے۔ اب ہم اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان اور توفیق سے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ذات پر مرتب ہونے والے نبوی تربیت کے ان آثار کا جائزہ لیتے ہیں جو

[1] كنز العمال، رقم:5030 بحوالہ خطب أبي بكر الصديق للدكتور أحمد عاشور، ص:39.
[2] أسد الغابة:324/3.

نبی کریم ﷺ کے سانحۂ ارتحال کے بعد نمایاں ہوئے اور یہ کہ آپ رسول اللہ ﷺ کے کیسے عظیم خلیفہ ثابت ہوئے؟ آپ کی موجودگی میں کوئی اور اس مقام کا اہل کیوں نہ ہو سکا؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی عمیق تربیت، عظیم ایمان، راسخ علم اور رسول اللہ ﷺ سے کسبِ فیض کی بدولت فوجی نظام کو عمدہ بنایا۔ آپ نے اپنے رہبرِ اعظم ﷺ کی سی نرمی اور حسن سلوک کے ساتھ فوجی نظام کے تمام مراحل اور مقاصد کی تکمیل کی۔ جب آپ امت اسلامیہ کے خلیفہ بنے تو سفینۂ اسلام کو شدید منہ زور طوفانوں، تلاطم خیز مخالف موجوں اور کٹھن فتنوں کا سامنا تھا۔ آپ ان تمام فتنوں سے نبرد آزما ہوتے ہوئے سفینۂ اسلام کو بڑی کامیابی کے ساتھ امن و سلامتی کے ساحل پر لانے میں کامیاب ہوئے۔

5
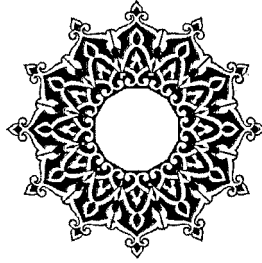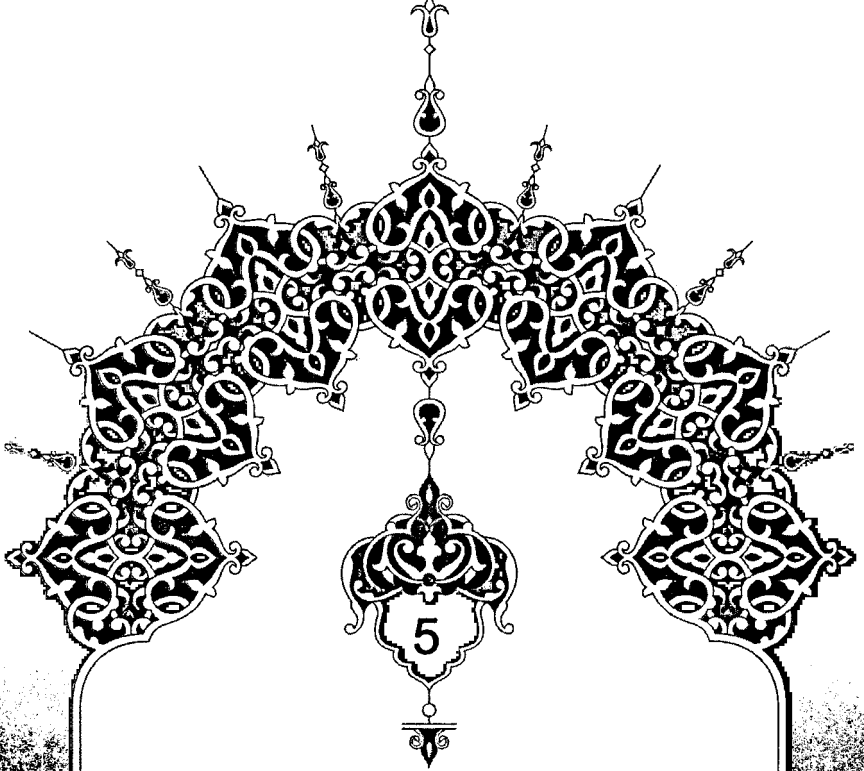
وفات رسول ﷺ اور خلافت ابو بکر

- رسول اللہ ﷺ کی وفات اور سقیفہ بنی ساعدہ
- خلافت صدیقی پر قرآن وحدیث کے اشارات اور استدلالات
- بیعت عام، خطبۂ خلافت اور داخلی نظم ونسق
- خلافت صدیقی کے نمایاں پہلو

﴿ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ؕ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا ؕ وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ○ ﴾

''اور محمد (ﷺ) ایک رسول ہی تو ہیں۔ ان سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ اگر ان کا انتقال ہو جائے یا یہ شہید ہو جائیں تو کیا تم اسلام سے اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے؟ اور جو کوئی اپنی ایڑیوں کے بل پھر جائے تو وہ اللہ کا کچھ بھی بگاڑ نہ سکے گا۔ اور اللہ شکر ادا کرنے والوں کو اچھی جزا دے گا۔''

(آل عمرٰن 3:144)

رسول اللہ ﷺ نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

«اُدْعِي لِي أَبَا بَكْرٍ أَبَاكِ وَ أَخَاكِ حَتّٰى أَكْتُبَ كِتَابًا فَإِنِّي أَخَافُ أَنْ يَّتَمَنّٰى مُتَمَنٍّ وَّ يَقُولَ قَائِلٌ: أَنَا أَوْلٰى ، وَ يَأْبَى اللّٰهُ وَالْمُؤْمِنُونَ إِلَّا أَبَابَكْرٍ»

''اپنے والد ابوبکر اور اپنے بھائی (عبد الرحمٰن) کو میرے پاس بلا لاؤ تاکہ میں انھیں ایک تحریر لکھ دوں، مجھے ڈر ہے مبادا کوئی (خلافت کا) متمنی (میرے بعد) تمنا کرنے لگے یا کوئی کہنے والا کہنے لگے: ''میں (خلافت کا) زیادہ حقدار ہوں، حالانکہ اللہ تعالیٰ اور مومن سوائے ابوبکر کے کسی کو خلیفہ نہیں مانیں گے۔''

(صحیح مسلم، حدیث: 2387)

رسول اللہ ﷺ کی وفات اور سقیفہ بنی ساعدہ

سانحۂ ارتحال رسالت مآب ﷺ

بلاشبہ بعض قرآنی آیات میں واضح طور پر بیان کر دیا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک بشر ہیں اور آپ دوسرے انسانوں کی طرح موت کا ذائقہ چکھیں گے اور اُسی طرح موت کی سختیاں بھی جھیلیں گے جس طرح پہلے انبیائے کرام علیہم السلام نے موت کا ذائقہ چکھا اور سختیاں جھیلی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ بعض آیات قرآنیہ سے یہ مفہوم اخذ کر چکے تھے کہ آپ کی اجل قریب ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے کئی ایک احادیث میں اپنی وفات کے قریب ہونے کا اشارہ کر دیا تھا۔ ان احادیث میں بعض تو وہ ہیں جن میں بڑی وضاحت سے وفات کا تذکرہ ہے اور بعض احادیث میں ایسی صراحت تو موجود نہیں لیکن چند جلیل القدر صحابۂ کرام جیسے سیدنا ابوبکر، سیدنا عباس اور سیدنا معاذ رضی اللہ عنہم نے ان احادیث سے یہ نتیجہ اخذ کر لیا تھا کہ آفتاب نبوت عنقریب غروب ہونے والا ہے۔[1]

رسول اللہ ﷺ کے مرض الموت کا آغاز

رسول اللہ ﷺ ماہ ذوالحجہ 10 ھ میں حجۃ الوداع سے فراغت کے بعد واپس مدینہ منورہ

[1] مرض النبي ﷺ ووفاته لخالد أبي صالح، ص: 33

تشریف لائے اور ذوالحجہ کے باقی ایام، محرم اور صفر کے مہینے مدینہ منورہ ہی میں بسر کیے، پھر آپ جیش اسامہ رضی اللہ عنہ کی تیاری میں مصروف ہو گئے۔ آپ نے اس لشکر کا امیر حضرت اسامہ بن زید بن حارثہ رضی اللہ عنہم کو مقرر فرمایا اور انھیں بلقاء اور فلسطین کے علاقوں کی طرف پیش قدمی کا حکم دیا، چنانچہ لوگ تیار ہو گئے جن میں مہاجرین و انصار دونوں گروہوں کے افراد شامل تھے۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ 18 سالہ نوجوان تھے۔ بعض لوگوں نے مہاجرین و انصار جیسے کبار صحابۂ کرام پر اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کے بطور امیر تقرر پر یہ اعتراض کیا کہ آپ آزاد کردہ غلام[1] ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی امارت پر اس اعتراض کو مسترد کر دیا اور فرمایا:

«إِنْ تَطْعَنُوا فِي إِمَارَتِهِ فَقَدْ كُنْتُمْ تَطْعَنُونَ فِي إِمَارَةِ أَبِيهِ مِنْ قَبْلُ وَأَيْمُ اللّٰهِ! إِنْ كَانَ لَخَلِيقًا لِّلْإِمَارَةِ وَ إِنْ كَانَ لَمِنْ أَحَبِّ النَّاسِ إِلَيَّ وَ إِنَّ هٰذَا لَمِنْ أَحَبِّ النَّاسِ إِلَيَّ بَعْدَهُ»

''اگر (اب) تم نے اسامہ کی امارت پر اعتراض کیا ہے تو اس سے پہلے تم اس کے والد کی امارت پر بھی اعتراض کر چکے ہو۔ اللہ کی قسم! زید یقیناً امارت کے قابل تھا اور میرے محبوب اور پسندیدہ لوگوں میں سے ایک تھا۔ اس کے بعد اس کا یہ بیٹا میرے محبوب اور پسندیدہ لوگوں میں سے ہے۔''[2]

لوگ ابھی جہاد کی غرض سے جیش اسامہ میں شمولیت کی تیاری کر رہے تھے کہ نبی اکرم ﷺ کے مرض الموت کا آغاز ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ کے مرض الموت اور وفات کے مابین جو اہم واقعات رونما ہوئے وہ مندرجہ ذیل ہیں:

- رسول اللہ ﷺ شہدائے احد کی قبروں کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے اور ان

[1] السيرة النبوية الصحيحة للدكتور العمري: 552/2. [2] صحيح البخاري، حديث: 4469.

کے لیے دعا فرمائی۔ [1]

❁ رسول اللہ ﷺ کی بیماری شدت اختیار کر گئی اور آپ نے اپنی ازواج مطہرات سے بیماری کے دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر بسر کرنے کی اجازت چاہی۔ [2]

❁ رسول اللہ ﷺ نے وصیت فرمائی کہ مشرکین کو جزیرۂ عرب سے نکال دیا جائے اور پہلے کی طرح وفود کو آنے کی اجازت دی جائے۔ [3]

❁ آپ نے اپنی قبر کو سجدہ گاہ بنانے کی ممانعت فرمائی۔ [4]

❁ آپ نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن رکھنے کی وصیت فرمائی۔ [5]

❁ آپ ﷺ نے نمازوں کی محافظت اور غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت کی۔ [6]

❁ آپ نے صاف اعلان کر دیا کہ اب نبوت کی بشارتوں کا سلسلہ باقی نہیں رہا۔ البتہ سچے خوابوں کا سلسلہ باقی ہے۔ [7]

❁ آپ نے انصار کی خیر خواہی اور ان کے ساتھ بھلائی کے سلوک کی وصیت فرمائی۔ [8]

❁ آپ نے ایام علالت میں ایک خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے کہا:

«إِنَّ اللّٰهَ خَيَّرَ عَبْدًا بَيْنَ الدُّنْيَا وَ بَيْنَ مَا عِنْدَ اللّٰهِ فَاخْتَارَ ذٰلِكَ الْعَبْدُ مَا عِنْدَ اللّٰهِ»

''اللہ تعالیٰ نے ایک بندے کو اختیار دیا ہے کہ وہ دنیا کو پسند کر لے یا جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس (آخرت میں) ہے اسے پسند کر لے، چنانچہ اس بندے نے اسے اختیار کر لیا ہے جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔''

[1] صحيح البخاري، حديث:1344. [2] صحيح السيرة النبوية لإبراهيم العلي، ص:695. [3] صحيح البخاري، حديث:3053. [4] صحيح البخاري، حديث:435,436. [5] صحيح مسلم، حديث:2877. [6] سنن ابن ماجه، حديث:2697. [7] صحيح مسلم، حديث:479. [8] صحيح البخاري، حديث:3799.

یہ سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ زاروقطار رونے لگے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے رونے پر بڑا تعجب ہوا کہ رسول اللہ ﷺ تو کسی ایسے شخص کا تذکرہ کر رہے ہیں جسے (اپنی پسند کا) اختیار دیا گیا ہے (بھلا اس میں رونے کی کیا بات ہے؟) لیکن درحقیقت اس ارشاد سے مراد خود رسول اللہ ﷺ ہی تھے جنھیں دنیاوآخرت میں سے کسی ایک کو پسند کرنے کا اختیار دیا گیا تھا۔ یقیناً حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہم سے زیادہ صاحب علم تھے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ مِنْ أَمَنِّ النَّاسِ عَلَيَّ فِي صُحْبَتِهٖ وَ مَالِهٖ أَبُوبَكْرٍ وَّ لَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيلًا غَيْرَ رَبِّي لَاتَّخَذْتُ أَبَابَكْرٍ وَّلٰكِنْ أُخُوَّةُ الْإِسْلَامِ وَ مَوَدَّتُهٗ، لَا يَبْقَيَنَّ فِي الْمَسْجِدِ بَابٌ إِلَّا سُدَّ إِلَّا بَابَ أَبِي بَكْرٍ»

”مجھے سب لوگوں سے بڑھ کر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی صحبت اور مال سے ممنونِ احسان کیا ہے۔ اگر میں اپنے رب کے سوا کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو بناتا لیکن ہمارا باہمی تعلق اسلامی بھائی چارے اور محبت کا ہے۔ مسجد میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دروازے کے علاوہ کوئی دروازہ کھلا نہ رہنے دیا جائے۔“ [1]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جس اشارے کنایے سے اپنی وفات کی خبر دی تھی اسے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس بنا پر سمجھ گئے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ بات اپنے مرض الموت کے دنوں میں بیان کی تھی۔ اس سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ذہنِ رسا میں فوری طور پر یہ بات آئی کہ ”اس بندے“ کے الفاظ کے پردے میں درحقیقت آپ ﷺ خود اپنی ہی طرف اشارہ فرما رہے ہیں، چنانچہ یہ الم انگیز بات سوچ کر آپ رو پڑے۔ [2]

[1] صحيح البخاري، حديث: 3654. [2] فتح الباري: 16/7.

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی بیماری شدت اختیار کر گئی۔ نماز کا وقت ہوا تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان کہی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ» ''ابوبکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔''

آپ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بڑے رقیق القلب انسان ہیں، وہ آپ کی جگہ پر کھڑے ہوں گے تو لوگوں کو نماز نہیں پڑھا سکیں گے۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنی بات دہرائی تو آپ کو دوبارہ وہی جواب دیا گیا۔ آپ نے تیسری مرتبہ اپنی بات کا اعادہ کیا اور فرمایا:

«إِنَّكُنَّ صَوَاحِبُ يُوسُفَ، مُرُوا أَبَابَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ»

''بلاشبہ تم یوسف علیہ السلام کو بہلانے پھسلانے کی کوشش کرنے والی عورتوں کی طرح ہو۔ ابوبکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔''[1]

ایک دن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نماز پڑھانے آئے تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے آپ کو ہلکا پھلکا اور روبصحت محسوس کیا، چنانچہ آپ دو آدمیوں کا سہارا لے کر گھر سے باہر تشریف لائے۔ (راوی کہتا ہے کہ) وہ منظر اب بھی میری آنکھوں کے سامنے ہے کہ رسول اللہ ﷺ شدید تکلیف کی وجہ سے اپنی دونوں مبارک ٹانگوں سے گھسٹ گھسٹ کر تشریف لا رہے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پیچھے ہٹنا چاہا لیکن نبی کریم ﷺ نے اشارے سے آپ کو اپنی جگہ پر کھڑا رہنے کا حکم دیا۔ آپ کو (قریب) لایا گیا حتیٰ کہ آپ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پہلو میں بیٹھ گئے۔

اعمش (راوی حدیث) سے پوچھا گیا کہ نبی کریم ﷺ نماز پڑھا رہے تھے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی نماز کی اقتدا کرتے ہوئے ساتھ ساتھ نماز پڑھا بھی رہے تھے

[1] یعنی حقیقت میں ان عورتوں کا مقصد کچھ اور تھا اور ظاہر کچھ کر رہی تھیں۔ اسی طرح تم بھی اظہار کچھ کا کرتی ہو اور حقیقت میں مقصد کچھ اور ہے۔

اور لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اقتدا میں نماز ادا کر رہے تھے؟ اعمش رحمہ اللہ نے اثبات میں سر ہلا کر (اس بات کی) توثیق کی۔ ①

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مسلمانوں کو مسلسل نماز پڑھاتے رہے حتیٰ کہ جب دوشنبہ کے دن مسلمان نماز فجر میں صف بستہ تھے، نبی کریم ﷺ نے حجرے کا پردہ اٹھایا اور مسلمانوں کو دیکھنے لگے جو اپنے رب کے حضور کھڑے تھے۔ یوں آپ نے دیکھا کہ آپ کی دعوت و جہاد کا لگایا ہوا نخل ثمر آور ہو گیا ہے۔ امت اسلامیہ نمازوں کی حفاظت کی تربیت پا چکی ہے۔ چاہے ان کے نبی ان میں موجود ہوں یا ان کی نظروں سے اوجھل ہوں وہ ہر حال میں نمازوں کی پابندی کرتے ہیں۔ اس دلکش منظر، کامیابی اور عظیم مقصد کی حصول یابی کی وجہ سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو گئیں، جبکہ آپ کے پیش رو انبیائے کرام علیہم السلام اس قدر کامیابی سے ہمکنار نہیں ہوئے تھے۔ اب رسول اللہ ﷺ کو یہ اطمینان ہو گیا کہ دین اسلام اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کے ساتھ اس امت کا تعلق عارضی نہیں بلکہ دائمی ہے اور اپنے نبی کی وفات سے ان کا یہ تعلق منقطع نہیں ہو گا، چنانچہ آپ ﷺ نے فرط مسرت کا اظہار کیا اور اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ آپ اس موقع پر کس قدر شاداں و فرحاں تھے۔ خوشی کی وجہ سے آپ کا چہرۂ مبارک پہلے سے بڑھ کر روشن ہو گیا۔ ②

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کا پردہ اٹھایا اور کھڑے ہو کر ہمیں دیکھنے لگے۔ آپ کا چہرہ مبارک اتنا درخشاں لگ رہا تھا جیسے مصحف کا نورانی ورق ہو، آپ نے تبسم فرمایا اور پھر فرطِ مسرت سے ہنس پڑے۔ ہم بھی فرط مسرت سے بے قابو ہو گئے۔ ہمیں یہ خدشہ لاحق ہو گیا مبادا شدت جذبات سے ہماری نماز ٹوٹ جائے۔ ہم سمجھے کہ شاید نبی کریم ﷺ نماز کے لیے تشریف لانے والے ہیں لیکن رسول اللہ ﷺ نے ہمیں نماز مکمل کرنے کا اشارہ فرمایا اور اسی طرح

① صحيح البخاري، حديث :664. ② السيرة النبوية للندوي، ص :401.

پردہ آگے کرلیا۔ ①

نماز سے فراغت کے بعد صحابۂ کرام اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہو گئے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی بیٹی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے اور کہا:

«مَا أَرٰى رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ إِلَّا قَدْ أَقْلَعَ عَنْهُ الْوَجْعُ»

''لگتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بیماری دور ہوگئی ہے۔''

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا یہ دن آپ کی بیوی بنت خارجہ کی باری کا دن تھا۔ وہ ''سنح'' نامی مقام پر رہتی تھیں، چنانچہ آپ گھوڑے پر سوار ہوکر اپنے اس گھر چل دیے۔ ②

وفات رسول ﷺ

نبی کریم ﷺ پر عالم نزع طاری ہوا۔ موت کی سختیاں اور بے ہوشیاں شدت اختیار کرتی چلی گئیں۔ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے لیکن آپ ﷺ میں نقاہت کی وجہ سے بات کرنے کی سکت بھی نہیں تھی، چنانچہ آپ خاموش رہے۔ آپ بار بار اپنا مبارک ہاتھ آسمان کی طرف بلند کرتے، پھر حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ پر رکھ دیتے۔ آپ ﷺ کے اس عمل سے یوں محسوس ہوا جیسے آپ اسامہ رضی اللہ عنہ کے لیے دعا کر رہے ہیں۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کو تھاما اور اپنے سینے کے ساتھ آپ ﷺ کی ٹیک لگا دی۔ اسی اثنا میں عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہما آپ کی خدمتِ اقدس میں آئے۔ ان کے ہاتھ میں مسواک تھی۔ رسول اللہ ﷺ مسواک کی طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے لگے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: ''کیا میں یہ مسواک آپ کے لیے لے لوں؟'' آپ نے اثبات میں سر ہلایا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے وہ مسواک اپنے بھائی سے لے لی، اسے چبا کر نرم

① صحیح البخاری، حدیث: 680. ② السیرۃ النبویۃ لأبی شہبۃ: 593/2.

کیا، پھر اسے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے نہایت احسن انداز سے مسواک کی۔ اس پورے دورانیے میں آپ ﷺ یہ کلمات دہراتے رہے:

«اَللّٰهُمَّ! فِي الرَّفِيقِ الْأَعْلٰى»

”اے اللہ! بلند رفیق کی رفاقت نصیب ہو۔“ [1]

رسول اللہ ﷺ کے قریب پانی کا کٹورا رکھا ہوا تھا۔ آپ بار بار اس میں ہاتھ تر کر کے اپنے چہرے پر پھیرتے اور فرماتے:

«لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، إِنَّ لِلْمَوْتِ سَكَرَاتٍ»

”اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ یقیناً موت کی بڑی سختیاں ہیں۔“

پھر آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور بار بار کہنے لگے:

«اَللّٰهُمَّ! فِي الرَّفِيقِ الْأَعْلٰى» ”اے اللہ! بلند رفیق کی رفاقت نصیب ہو۔“

حتیٰ کہ آپ کی روح پرواز کر گئی اور آپ کا ہاتھ اپنی جگہ آ گیا۔ [2]

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

«اَللّٰهُمَّ! أَعِنِّي عَلٰى غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَسَكَرَاتِ الْمَوْتِ»

”اے اللہ! موت کی سختیوں اور سکرات پر میری اعانت فرما۔“ [3]

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ کی روح مبارک پرواز ہونے سے پہلے میں نے کان لگا کر آپ کی یہ بات سنی۔ آپ اس وقت میرے سینے سے اپنی کمر مبارک کی ٹیک لگائے ہوئے تھے اور یہ فرما رہے تھے:

«اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِي وَارْحَمْنِي وَ أَلْحِقْنِي بِالرَّفِيقِ»

[1] صحيح البخاري، حديث: 4437. [2] صحيح البخاري، حديث: 4449. [3] جامع الترمذي، حديث: 978، شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

''اے اللہ! مجھے معاف فرما دے، مجھ پر رحم فرما اور مجھے رفیق (اعلیٰ) کے ساتھ ملا دے۔''[1]

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے والد مکرم ﷺ کی بار بار غشی دیکھی تو کہنے لگیں: «وَا كَرْبَ أَبَاهْ» ''ہائے میرے باپ کی بے چینی اور تکلیف!''

یہ سن کر آپ ﷺ نے انھیں مخاطب کر کے فرمایا: «لَيْسَ عَلٰى أَبِيكِ كَرْبٌ بَعْدَ الْيَوْمِ» ''آج کے بعد تمھارے باپ کو کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔''

جب آپ ﷺ فوت ہو گئے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ''ہائے! ابا جان! آپ نے اللہ تعالیٰ کا بلاوا قبول کر لیا۔ ہائے ابا جان! جنت الفردوس آپ کا ٹھکانا ہے۔ ہائے ابا جان! ہم جبریل علیہ السلام کو آپ کے سانحۂ ارتحال کی خبر دیتے ہیں۔'' جب رسول اللہ ﷺ دفن کر دیے گئے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے کہا:

''انس! تمھارے دلوں نے رسول اللہ ﷺ پر مٹی ڈالنا کس طرح گوارا کر لیا؟''[2]

جن دنوں رسول اللہ ﷺ اس دنیا سے رخصت ہوئے ان دنوں جزیرۂ عرب پر آپ ہی کا حکم چلتا تھا، دنیا کے تمام بادشاہ آپ سے لرزہ براندام رہتے تھے۔ صحابۂ کرام آپ پر اپنی جان، مال اور اولاد نچھاور کرتے تھے۔

آپ نے اپنی وفات پر کوئی درہم و دینار چھوڑا نہ غلام اور کوئی لونڈی۔ نہ آپ نے اپنے ترکے میں کوئی قیمتی چیز چھوڑی۔ آپ کی کل املاک ترکہ ایک سفید خچر تھا جس پر آپ سواری فرماتے تھے، اسی طرح اسلحہ اور زمین کا ایک ٹکڑا تھا جسے آپ نے مسافروں کے لیے صدقہ کر دیا تھا۔[3]

جب تاجدار مدینہ اور کائنات کے بے مثل و بے مثال شخصیت حضرت محمد ﷺ نے

[1] صحيح البخاري، حديث: 4440. [2] صحيح البخاري، حديث: 4462. [3] صحيح البخاري، حديث: 4461.

اس دار فانی سے کوچ فرمایا تو آپ کی زرہ تیس صاع جو کے عوض ایک یہودی کے پاس گروی رکھی ہوئی تھی۔ ①

آپ نے بروز دوشنبہ 12 ربیع الاول 11ھ کو زوال کے بعد وفات پائی۔② آپ ﷺ کی عمر مبارک 63 سال تھی۔ ③

رسول اللہ ﷺ کی وفات کا دن مسلمانوں کے لیے بڑا تاریک، المناک، کٹھن اور مشکل ترین دن تھا۔ آپ کی وفات انسانیت کے لیے ایک بہت بڑی ابتلا اور آزمائش تھی۔ یہ دن اس دن کے بالکل برعکس تھا کہ جس دن آپ کی ولادت سے یہ دنیا سعادت مند ہوئی۔ یقیناً آپ کی ولادت کا دن تمام ایام میں سب سے زیادہ بابرکت و باسعادت تھا۔ ④

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”جس دن رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں قدم رنجہ فرمایا، اس دن آپ کی آمد کی بدولت ہر چیز روشن ہوگئی۔ جب وہ دن آیا جس دن آپ نے وفات پائی تو ہر چیز تاریک ہوگئی۔“ ⑤

حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا رو رہی تھیں۔ سیدنا صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما نے ان سے پوچھا کہ (نبی مکرم ﷺ کی رحلت پر آپ کو ان کی) کون سی بات اشک بہانے پر مجبور کر رہی ہے؟ انھوں نے جواب دیا: ”بلاشبہ مجھے معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے لیے جو کچھ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے وہ بہت بہتر ہے لیکن میں تو اس بات پر رو رہی ہوں کہ وحی اترنے کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے۔“ ⑥

وفاتِ رسول کے اندوہ ناک سانحے میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا کردار

امام ابن رجب رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”رسول اللہ ﷺ کی وفات انتہائی الم انگیز سانحہ

① صحيح البخاري، حديث:4467. ② البداية والنهاية:223/4. ③ صحيح مسلم، حديث: 2348. ④ السيرة النبوية للندوي، ص:404. ⑤ جامع الترمذي، حديث:3618، وسنن ابن ماجه، حديث:1631. ⑥ صحيح مسلم، حديث:2454.

تھا۔ اس کی وجہ سے مسلمان بے قرار ہوکر غیر منظم اور پریشان ہو گئے۔ بعض مسلمانوں کے ہوش اڑ گئے۔ ان کے دماغوں کو عارضہ لاحق ہو گیا اور وہ لغو اور اول فول باتیں کرنے لگے۔ بعض ایسے تھے کہ اس سانحے نے انھیں زمین پر پٹخ دیا اور وہ کھڑے ہونے کے قابل نہ رہے، کچھ ایسے تھے کہ ان کی زبانوں کو تالے لگ گئے۔ ان میں گفتگو کرنے کا دم بھی نہ رہا اور کچھ ایسے تھے جنھوں نے حتمی طور پر آپ کی وفات ہی کا انکار کر دیا۔''[1]

امام قرطبی رحمہ اللہ اس اندوہناک مصیبت کی ہولناکی اور اس پر مرتب ہونے والے امور بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''سب سے بڑی مصیبت وہ ہے جو دین کے معاملے میں آئے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«إِذَا أُصِيبَ أَحَدُكُمُ الْمُصِيبَةَ فَلْيَذْكُرْ مُصِيبَتَهُ بِي فَإِنَّهَا أَعْظَمُ الْمَصَائِبِ»

''جب تم میں سے کسی کو کوئی مصیبت پہنچے تو اسے میرے معاملے میں پہنچنے والی مصیبت کو یاد کرنا چاہیے کیونکہ بلاشبہ وہ مصیبت تمام مصائب سے بڑی اور سنگین ہے۔''

رسول اللہ ﷺ نے بالکل سچ فرمایا۔ بلاشبہ آپ کے معاملے میں پہنچنے والی مصیبت ان تمام مصائب سے بڑی اور تکلیف دہ تھی جو آپ کے بعد روز قیامت تک مسلمانوں کو پہنچیں گی۔ اس مصیبت کی بنا پر وحی منقطع ہو گئی، نبوت داغ مفارقت دے گئی اور عرب کے ارتداد کے ساتھ نت نئے فتنوں اور شر کے ظہور کا آغاز ہو گیا، چنانچہ آپ ﷺ کی وفات خیر و بھلائی منقطع ہونے کا آغاز اور مسلمانوں کے نقصان کی ابتدا ثابت ہوئی۔[2]

ابن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''جب رسول اللہ ﷺ نے وفات پائی تو مسلمانوں کا درد و کرب اور مصیبت بڑی سنگین صورت اختیار کر گئی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ایک

[1] لطائف المعارف لابن رجب الحنبلي، ص: 114. [2] تفسير القرطبي: 176/2. رسول اللہ ﷺ کا فرمان مبارک ملاحظہ کیجیے: (السلسلة الصحيحة، حديث: 1106)

بات مجھے پہنچی ہے کہ انھوں نے فرمایا: ''جب نبی کریم ﷺ نے وفات پائی تو عرب مرتد ہو گئے، یہودی اور نصرانی سر اٹھانے لگے، نفاق کھل کر سامنے آ گیا اور مسلمان اپنے نبی ﷺ کی جدائی پر سرد رات میں بارش میں بھیگی ہوئی بکری کے مانند ہو گئے۔''[1]

قاضی ابوبکر بن عربی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''وفاتِ نبی ﷺ پر مسلمانوں کے احوال غیر منظم اور پریشان کن ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات کمر توڑ سانحہ تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس قدر غمگین اور پریشان ہوئے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں روپوش ہو کر بیٹھ گئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر سکوت طاری ہو گیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے جری انسان مارے غم کے بے تکی باتیں کرنے لگے اور کہنے لگے: ''رسول اللہ ﷺ فوت نہیں ہوئے بلکہ آپ کے رب نے آپ سے اسی طرح ملاقات کا وعدہ کیا ہے جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کا وعدہ کیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ ضرور واپس آئیں گے (اور ایسی چہ میگوئیاں کرنے والے) لوگوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیں گے۔''[2]

جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس سانحے کی خبر سنی تو فوراً گھوڑے پر سوار ہو کر ''سنح'' سے مدینہ منورہ تشریف لائے۔ گھوڑے سے اترے۔ مسجد نبوی میں داخل ہوئے۔ لوگوں سے کوئی گفتگو نہیں کی۔ سیدھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں پہنچے جہاں رسول اللہ ﷺ کا جسد اطہر یمنی کپڑے سے ڈھکا ہوا تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ کے چہرۂ مبارک سے کپڑا ہٹایا اور جھک کر آپ کے سر مبارک کا بوسہ لیا اور فرطِ غم سے رو پڑے، پھر فرمایا:

«بِأَبِي أَنْتَ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ! لَا يَجْمَعُ اللّٰهُ عَلَيْكَ مَوْتَتَيْنِ أَمَّا الْمَوْتَةُ الَّتِي كُتِبَتْ عَلَيْكَ فَقَدْ مُتَّهَا»

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 4/323. [2] العواصم من القواصم (تحقيق محب الدين الخطيب)، ص: 38.

”میرا باپ آپ پر قربان ہو! اللہ تعالیٰ آپ کو دو مرتبہ موت نہیں دے گا۔ جو موت آپ کے حق میں لکھی گئی تھی وہ آ چکی۔“①

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حجرے سے باہر نکلے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ابھی تک لوگوں سے محو گفتگو تھے۔ آپ نے فرمایا: «اِجْلِسْ يَا عُمَرُ!» ”عمر! بیٹھ جاؤ!!“ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جوش غضب میں اپنی گفتگو جاری رکھی۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور خطبہ دینے لگے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرنے کے بعد فرمایا:

«فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا، فَإِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ وَمَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللّٰهَ، فَإِنَّ اللّٰهَ حَيٌّ لَّا يَمُوتُ»

”امابعد! تم میں سے جو شخص حضرت محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا وہ جان لے کہ محمد ﷺ وفات پا چکے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ یقیناً زندہ ہے۔ اسے کبھی موت نہیں آئے گی۔“

پھر آپ نے یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی:

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ؕ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ۝﴾

”اور محمد (ﷺ) ایک رسول ہی تو ہیں۔ ان سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ اگر ان کا انتقال ہو جائے یا یہ شہید ہو جائیں تو کیا تم اسلام سے اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے؟ اور جو کوئی اپنی ایڑیوں کے بل پھر جائے تو وہ اللہ کا کچھ بھی بگاڑ نہ سکے گا۔ اور اللہ شکر ادا کرنے والوں کو اچھی جزا دے گا۔“②

① صحيح البخاري، حديث: 1241. ② اٰل عمرٰن 3:144.

یہ سن کر لوگ اس قدر روئے کہ روتے روتے ان کی ہچکی بندھ گئی۔ ①

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جوں ہی میں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس آیت کی تلاوت کرتے سنا، میرے قدموں میں میرا بوجھ سہارنے کی سکت ہی نہ رہی۔ میں زمین پر گر پڑا اور مجھے یقین ہو گیا کہ واقعی رسول اللہ ﷺ وفات پا چکے ہیں۔ ②

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''یہ آیت کریمہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شجاعت، جرأت اور پامردی کی سب سے بڑی دلیل ہے کیونکہ جرأت و شجاعت کی تعریف یہ ہے کہ مصائب کے چھا جانے پر دل مطمئن اور پرسکون رہے، مضطرب اور بے قابو نہ ہو۔ آدمی کے اوسان بحال رہیں اور بڑی سے بڑی مصیبت بھی رسول اللہ ﷺ کی وفات سے بڑھ کر سنگین نہیں ہو سکتی، چنانچہ اس سے آپ رضی اللہ عنہ کی شجاعت و بسالت اور علمی مقام نمایاں ہو گیا۔ بعض لوگوں نے جن میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے یہ کہنا شروع کر دیا کہ رسول اللہ ﷺ فوت نہیں ہوئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی زبان پر مہرِ سکوت لگ گئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ روپوش ہو گئے اور معاملات بے قابو اور غیر منظّم ہو گئے حتیٰ کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی جائے مسکن ''سنح'' سے آ کر اس آیت کریمہ کی تلاوت کر کے حقیقت آشکارا کی۔'' ③

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ان مختصر کلمات اور قرآن کریم سے استدلال کی بدولت لوگوں پر چھائے ہوئے حیرت و وحشت کے سائے چھٹنے لگے اور لوگ حواس باختگی سے نکل کر صحیح فہم و شعور کی دنیا میں لوٹ آئے کہ اللہ وحدہ لا شریک ہی وہ یکتا ذات ہے جو حی و قیوم ہے، اس پر کبھی موت طاری نہیں ہو گی، اکیلا وہی ہے جو عبادت اور پوجا کا مستحق ہے اور اسلام حضرت محمد ﷺ کی وفات کے بعد بھی باقی رہے گا۔ ④

① صحيح البخاري، حديث:1242و3668. ② صحيح البخاري، حديث:4454. ③ تفسير القرطبي:222/4. ④ استخلاف أبي بكر الصديق لجمال عبدالهادي، ص:160.

ایک روایت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ آپ نے فرمایا: ''یقیناً اللہ تعالیٰ کا دین قائم و دائم ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کلمہ کامل ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ اس آدمی کی مدد کرنے والا ہے جو اس (کے دین) کی مدد کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے دین کو عزت و رفعت سے نوازنے والا ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن کریم ہمارے درمیان موجود ہے جو نور اور شفا ہے۔ اسی کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو صراط مستقیم دکھائی تھی۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے حلال اور حرام کردہ امور موجود ہیں۔ اللہ کی قسم! ہمیں ہرگز پروا نہیں کہ کون ہمارے خلاف لشکر جمع کرتا ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ کی تلواریں سونتی ہوئی ہیں، ہم نے رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد انھیں میان میں نہیں ڈالا۔ ہمارے خلاف جو بھی صف بستہ ہوگا ہم اس کے خلاف اسی طرح جہاد کریں گے جس طرح ہم رسول اللہ ﷺ کی معیت میں جہاد کرتے تھے، لہٰذا کوئی زیادتی کرے نہ حد سے بڑھے۔ اگر کوئی ایسا کرے گا تو درحقیقت اس کی یہ زیادتی اور ظلم بذاتِ خود اس کے اپنے ہی خلاف ہوگا۔''[1]

حضرت محمد ﷺ کی وفات بڑی ہی دل دوز مصیبت اور آزمائش تھی۔ اس سانحے کے دوران اور اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شخصیت امت اسلامیہ کے ایسے منفرد قائد کی حیثیت سے ابھری جس کی کوئی مثال نہیں تھی۔[2] بلاشبہ آپ کا دل پختہ ایمان و یقین سے لبریز تھا۔ حقائق کے رسوخ سے یہ یقین مزید نکھر گیا اور آپ نے عبودیت، نبوت اور موت کی حقیقت کو پہچان لیا۔ یوں اس نازک اور پرآشوب صورتحال میں آپ کی حکمت و دانائی رنگ لائی اور آپ لوگوں کو ساتھ لے کر توحید کی آغوش میں آ گئے۔ آپ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے تو وہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ حی و قیوم ہے، اسے کبھی موت نہیں آئے گی۔ حضرت ابوبکر صدیق کے ناقابلِ تسخیر ایمان و یقین کی بدولت مسلمانوں کے قلوب و اذہان میں توحید ہمیشہ تروتازہ اور سدابہار رہی۔ جیسے ہی

[1] دلائل النبوة للبيهقي: 218/7. [2] أبوبكر رجل الدولة لمجدي حمدي، ص: 26,25.

انھوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نصیحت اور یاددہانی سنی وہ حق کی طرف لوٹ آئے۔ ①

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''اللہ کی قسم! یوں محسوس ہوتا تھا جیسے لوگ یہ جانتے ہی نہیں تھے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت بھی نازل فرمائی ہے حتیٰ کہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تلاوت کی تو آپ ہی سے لوگوں نے یہ آیت سیکھی، پھر جسے بھی دیکھا گیا وہ یہی آیت تلاوت کر رہا تھا۔'' ②
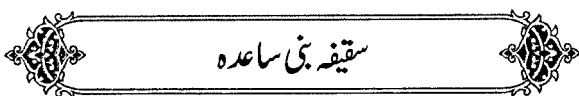
سقیفہ بنی ساعدہ

جب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو رسول اللہ ﷺ کی وفات کا علم ہوا تو انصار اسی دن بروز دوشنبہ 12 ربیع الاول 11ھ کو سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے۔ پھر وہ رسول اللہ ﷺ کے بعد خلافت کے معاملات سنبھالنے کے لیے کسی شخص کے انتخاب کے بارے میں باہم سوچ بچار اور گفت وشنید کرنے لگے۔ ③

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ فوت ہوئے تو انصار ہمیں چھوڑ کر سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوگئے، اسی طرح سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھ کچھ لوگوں نے بھی ہماری مخالفت کی، جبکہ مہاجرین سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس جمع ہوگئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا: ''ہمیں اپنے ان انصاری بھائیوں کی طرف لے چلیں۔'' پھر ہم ان کے پاس جانے کے ارادے سے چل دیے۔ ہم ان کے قریب پہنچے تو ہمیں انصار کے دو نیک اور صالح افراد (عویم بن ساعدہ اور معن بن عدی رضی اللہ عنہما) ملے۔ ان دونوں نے وہ بات بتائی جس پر قوم انصار متفق ہوئی تھی۔ پھر ان دونوں نے پوچھا: ''اے مہاجرین کی جماعت! تم لوگ کہاں جانے کا ارادہ

① استخلاف أبي بكر الصديق لجمال عبدالهادي، ص: 160. ② صحيح البخاري، حديث: 1242,1241 ③ التاريخ الإسلامي للحميدي: 21/9.

رکھتے ہو؟" ہم نے جواب دیا: "ہم اپنے انصاری بھائیوں کے پاس جانا چاہتے ہیں۔" وہ دونوں کہنے لگے: "آپ ان کے پاس نہ جائیں۔ اپنے معاملے کا خود ہی کوئی فیصلہ کر لیں۔" سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا: "اللہ کی قسم! ہم ان کے پاس ضرور جائیں گے" چنانچہ ہم آگے چل دیے اور سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار کے پاس پہنچ گئے۔ ہم نے دیکھا کہ وہ سب جمع ہیں اور ان کے بیچ میں ایک آدمی کمبل اوڑھے بیٹھا ہے۔ میں نے پوچھا: "یہ کون ہیں؟" لوگوں نے بتایا کہ یہ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ ہیں، پھر میں نے پوچھا کہ انھیں کیا ہوا؟ لوگوں نے بتایا کہ بخار میں مبتلا ہیں۔ ہم ابھی تھوڑی دیر ہی بیٹھے تھے کہ انصار میں سے ایک خطیب اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے کلمۂ شہادت پڑھا اور اللہ تعالیٰ کے شایانِ شان اس کی حمد وثنا بیان کی، پھر کہنے لگا:

> "امابعد! ہم اللہ تعالیٰ کے انصار ہیں۔ اسلام کا لشکر ہیں۔ اے مہاجرین کی جماعت! تم ہمارے مابین قلیل تعداد میں ہو۔ تم میں سے تھوڑے سے لوگ اپنی قوم (قریش) سے نکل کر آئے تھے۔ اب یہ لوگ چاہتے ہیں کہ ہماری بیخ کنی کریں اور ہمیں خلافت سے محروم کردیں۔"

وہ آدمی خاموش ہوا تو میں نے گفتگو کرنا چاہی۔ میں نے موقع محل کی مناسبت سے اپنے دل میں خوبصورت الفاظ سے مزین اپنی ایک پسندیدہ عمدہ تقریر تیار کر لی تھی اور چاہتا تھا کہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پہلے اسے پیش کروں۔ میں اس گفتگو سے مجلس کی آتش غضب کو محبت اور آپس کی دلجوئی میں تبدیل کرنا چاہتا تھا۔ لیکن جب میں نے کلام کرنا چاہا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: «عَلٰی رِسْلِكَ» "ذرا ٹھہرو!" میں نے انھیں ناراض کرنا اچھا نہ سمجھا، چنانچہ انھوں نے تقریر کی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مجھ سے کہیں زیادہ حلیم، بردبار اور باوقار تھے۔ اللہ کی قسم! میری اپنے دل میں آراستہ کی ہوئی تقریر کا کوئی کلمہ ایسا نہیں تھا جو مجھے بھلا لگا ہو اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی بے ساختہ اور فی البدیہہ تقریر میں

وہ جملہ نہ کہہ دیا ہو یا اس سے بہتر اور فصیح تر کلمہ اس کی جگہ نہ بولا ہو، پھر آپ تقریر کر کے خاموش ہو گئے۔

بعد ازاں سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

«مَا ذَكَرْتُمْ فِيكُمْ مِنْ خَيْرٍ فَأَنْتُمْ لَهُ أَهْلٌ وَّ لَنْ يُّعْرَفَ هٰذَا الْأَمْرُ إِلَّا لِهٰذَا الْحَيِّ مِنْ قُرَيْشٍ، هُمْ أَوْسَطُ الْعَرَبِ نَسَبًا وَّ دَارًا وَّ قَدْ رَضِيتُ لَكُمْ أَحَدَ هٰذَيْنِ الرَّجُلَيْنِ، فَبَايِعُوا أَيَّهُمَا شِئْتُمْ»

”آپ نے اپنے بارے میں جو ذکرِ خیر کیا ہے، واقعی آپ اس کے اہل اور مستحق ہیں۔ لیکن خلافت قریش کے سوا کسی اور قبیلے کے لیے مناسب نہیں ہو گی کیونکہ قریش از روئے نسب اور علاقہ، تمام اقوام عرب سے اعلیٰ ہیں۔ میں نے ان دونوں میں سے ایک شخص کو تمھارے لیے پسند کیا ہے، لہٰذا تم ان میں سے جس کی چاہو بیعت کر لو۔“

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہمارے ساتھ ہی بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے آخری جملہ کہتے ہوئے میرا اور حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اس بات کے علاوہ مجھے ان کی اور کوئی بات ناگوار نہیں گزری۔ اللہ کی قسم! مجھے آگے کر دیا جاتا اور بے گناہ میری گردن تن سے جدا کر دی جاتی تو یہ معاملہ مجھے اس بات سے زیادہ محبوب تھا کہ میں کسی ایسی قوم کا امیر بنوں جس میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جیسی شخصیت موجود ہو۔ خدایا! ممکن ہے کہ موت کے وقت میرے دل میں کوئی ایسی بات آ جائے جو اب میرے دل میں نہیں ہے۔

بہرحال انصار میں سے ایک آدمی[1] کہنے لگا: ”میری رائے کو بڑی اہمیت حاصل ہے اس کے بغیر گاڑی چلنا ناممکن ہے، میں ہی اس مسئلے کا حل بتا سکتا ہوں۔ (میری رائے

[1] یہ حباب بن منذر رضی اللہ عنہ تھے جیسا کہ آگے تفصیل آ رہی ہے۔

ہے کہ) ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک امیر تم میں سے ہو۔"

یہ بات سن کر مجلس میں شور برپا ہو گیا۔ آوازیں بلند ہو گئیں حتیٰ کہ مجھے مسلمانوں کے مابین اختلاف پھوٹ پڑنے کا خطرہ محسوس ہونے لگا۔ میں نے کہا: "ابوبکر! اپنا ہاتھ بڑھائیے" انھوں نے اپنا ہاتھ بڑھایا تو میں نے ان کی بیعت کر لی اور مہاجرین نے بھی آپ کی بیعت کر لی اور پھر انصار نے بھی آپ کی بیعت کر لی۔ [1]

مسند احمد کی روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب تقریر فرمائی تو انھوں نے کوئی ایسی بات نہیں چھوڑی جو انصار کے بارے میں نازل ہوئی ہو یا رسول اکرم ﷺ نے انصار کی شان میں فرمائی ہو۔ آپ نے فرمایا:

«وَلَقَدْ عَلِمْتُمْ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: «لَوْ سَلَكَ النَّاسُ وَادِيًا وَّسَلَكَتِ الْأَنْصَارُ وَادِيًا سَلَكْتُ وَادِيَ الْأَنْصَارِ» وَ لَقَدْ عَلِمْتَ يَا سَعْدُ! أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ وَ أَنْتَ قَاعِدٌ: «قُرَيْشٌ وُّلَاةُ هٰذَا الْأَمْرِ فَبَرُّ النَّاسِ تَبَعٌ لِّبَرِّهِمْ وَ فَاجِرُهُمْ تَبَعٌ لِّفَاجِرِهِمْ»

"یقیناً تم جانتے ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: "اگر لوگ ایک وادی میں چلیں اور انصار دوسری وادی میں چلیں تو میں انصار کی وادی میں چلوں گا۔" سعد! تمھیں معلوم ہے کہ تم بیٹھے ہوئے تھے اور رسول اللہ ﷺ نے تمھاری موجودگی میں فرمایا تھا: "قریش خلافت کے منتظم اور والی ہوں گے۔ لوگوں میں سے نیک ان کے نیک آدمی کی اور ان میں سے فاجر آدمی ان کے فاجر کی پیروی کریں گے۔"

اس پر حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "آپ نے سچ فرمایا ہے، ہم وزراء

[1] صحيح البخاري، حديث: 6830.

ہوں گے اور آپ امراء ہوں گے۔"[1]

خلیفہ کے انتخابی عمل کے روشن اسباق

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اپنی بات منوانے میں طاق تھے

امام احمد رحمہ اللہ کی بیان کردہ روایت سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کتنی دانشمندی سے مسلمانوں کو کسی فتنے میں مبتلا کیے بغیر انصار کے دلوں کو مسخر کر کے اپنی مبنی برحق رائے کو منوانے میں کامیاب ہوئے۔ آپ نے کتاب وسنت میں وارد انصار کے فضائل ومناقب بیان کر کے انھیں خراج تحسین پیش کیا۔

مدمقابل کی خدمات کو سراہنا اور اسے خراج تحسین پیش کرنا اسلامی منہج ہے۔ اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ مدمقابل پر انصاف کی بالادستی کا اظہار ہو اور مخالف کے منصفانہ ضمیر کو بیدار کیا جائے، اس کی آتشِ غضب کو رفتہ رفتہ ماند کیا جائے اور فخر وغرور اور انانیت کے اسباب کا قلع قمع کر دیا جائے تاکہ حق کے نمایاں ہو جانے پر قلوب قبولِ حق کے لیے تیار ہو جائیں۔

رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ سے ہمیں بہت سی ایسی مثالیں ملتی ہیں جو ایسے خراج تحسین کے جواز پر روشنی ڈالتی ہیں۔ پھر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے نہایت حسین تدبیر سے رشتۂ کلام اپنی تمہیدی گفتگو سے ملا کر واضح فرما دیا کہ ہر چند انصار کی عظمت و فضیلت اور مقام ومرتبہ مسلّم ہے لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ خلافت کا زیادہ حق رکھتے ہیں کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے یہ تصریح فرمائی ہے کہ خلافت میں قریش کے مہاجرین ہی کو مقدم رکھا جائے گا۔[2]

[1] مسند أحمد: 5/1. شعیب ارناؤط نے اسے "صحیح لغیرہ" کہا ہے۔

[2] التاریخ الإسلامي للحمیدي: 24/9.

ابن عربی مالکی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قریش کی خلافت پر رسول اللہ ﷺ کی اس وصیت سے استدلال کیا جس میں آپ ﷺ نے انصار کے ساتھ حسن سلوک اور بھلائی کا برتاؤ کرنے، انصار کے نیکوکار لوگوں کو قبول کرنے اور ان کے خطا کار سے درگزر کرنے کی وصیت فرمائی۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مہاجرین کا حق خلافت ثابت کرنے کے لیے جو دیگر دلائل بطور حجت پیش کیے ان میں سے ایک دلیل یہ بھی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ہم مہاجرین کا نام الصادقین ''سچے'' اور تمھارا نام المفلحین ''فلاح پانے والے'' رکھا ہے۔ یوں دراصل آپ نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرف اشارہ کیا:

﴿ لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۚ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴾

''(مالِ فے) ان مہاجر فقراء کے لیے ہے جو اپنے گھروں اور اپنے مالوں سے نکالے گئے، وہ اللہ کا فضل اور اس کی رضا ڈھونڈتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں، یہی لوگ سچے ہیں۔ اور (ان کے لیے ہے) جنھوں نے (مدینہ کو) گھر بنا لیا تھا اور ان (مہاجرین) سے پہلے ایمان لا چکے تھے، وہ (انصار) ان سے محبت کرتے ہیں جو ان کی طرف ہجرت کرے اور وہ اپنے دلوں میں اس (مال) کی کوئی حاجت نہیں پاتے جو ان (مہاجرین) کو دیا جائے اور اپنی ذات پر (ان کو) ترجیح دیتے ہیں اگرچہ خود انھیں سخت ضرورت ہو

اور جو کوئی اپنے نفس کے لالچ سے بچا لیا گیا تو وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔''①

مزید برآں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمھیں حکم دیا ہے کہ ہم جہاں کہیں بھی ہوں، تم ہمارا ساتھ دو گے، چنانچہ فرمان الٰہی ہے:

﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ ۝ ﴾

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ سے ڈرو اور سچ بولنے والوں کے ساتھ ہو جاؤ۔''②

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دیگر کئی قوی دلائل اور اہم اقوال پیش کیے جن سے انصار بہت متاثر ہوئے۔ انھیں ایک ایک کر کے تمام باتیں یاد آنے لگیں، چنانچہ انھوں نے آپ کی رائے تسلیم کر لی۔③

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے خطاب میں یہ بھی واضح فرمایا کہ خلافت کے لیے نامزد کی جانے والی قوم میں یہ لیاقت ضرور موجود ہونی چاہیے کہ عالم عرب اس کی سیادت اور حکمرانی کو قبول کرے، تمام معاملات مستحکم رہیں اور امن و امان برقرار رہے۔ اور وہ قوم ایسی ہو کہ اس کے حکومت میں ہوتے ہوئے مملکت میں مختلف قسم کی شورشیں اور فتنے جنم نہ لینے پائیں۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ بات بھی واضح کر دی کہ عرب قریشی مسلمانوں کے سوا کسی کی سیادت تسلیم نہیں کریں گے کیونکہ نبی اکرم ﷺ کا تعلق قریش سے ہے اور قریش کی تعظیم عربوں کے دل و دماغ میں قدیم سے بسی ہوئی ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ان خوبصورت اور روشن کلمات کی بنا پر انصار نے اقرار کر لیا

① الحشر 59:8،9. ② التوبة 9:119. ③ العواصم من القواصم (تحقيق محب الدين الخطيب)، ص: 10.

کہ وہ حسب سابق اسی طرح اعانت کرنے والے وزراء اور مخلص سپاہی رہیں گے جس طرح عہد نبوی میں تھے۔ اس طرح مسلمانوں کی صف میں وحدت اور اتحاد کی شان پیدا ہوگئی۔ ①

ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت سے بے نیازی اور وحدت امت کی تڑپ

سقیفہ بنی ساعدہ میں جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی گفتگو مکمل کر چکے تو آپ نے حضرت عمر اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہما کو خلافت کے لیے پیش کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ بات گراں گزری۔ بعد ازاں آپ نے ایک موقع پر فرمایا: ”حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اس بات کے علاوہ مجھے ان کی کوئی بات ناگوار نہیں گزری۔ اللہ کی قسم! مجھے آگے کر دیا جاتا اور بے گناہ میری گردن ماری جاتی تو یہ فعل مجھے اس بات سے کہیں زیادہ گوارا ہوتا کہ میں کسی ایسی قوم کا امیر بنوں جس میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ موجود ہوں۔“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی جذبۂ قناعت سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے استحقاق خلافت پر راضی ہو کر ان سے کہا: ”ابوبکر! اپنا ہاتھ بڑھائیے۔“ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ہاتھ بڑھا دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر میں نے فوراً آپ کی بیعت کر لی اور مہاجرین و انصار نے بھی آپ کی بیعت کر لی۔

ایک روایت میں یہ وضاحت بھی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیعت کے وقت فرمایا: ”اے انصار کے گروہ! کیا تمھیں معلوم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو لوگوں کی امامت کا حکم دیا تھا؟ پس تم میں سے کون ہے جو یہ پسند کرے کہ وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فوقیت لے جائے؟“ اس پر انصار نے بیک زبان کہا: ”ہم اس بات سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں کہ ہم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فوقیت لے جائیں۔“ ②

① التاريخ الإسلامي للحميدي: 24/9. ② مسند أحمد: 21/1، احمد شاکر رحمہ اللہ نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

یہ بڑے نکتے کی بات تھی جس کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو توفیق ملی۔ نبی کریم ﷺ نے بھی مرض الموت میں اسی بات کا ارادہ کیا تھا۔ آپ علیہ السلام نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی کی امامت پر اصرار کیا۔ یہ اس بات کا قوی اشارہ تھا کہ دوسروں کے مقابلے میں ابوبکر صدیق ہی خلافت کے زیادہ حق دار ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا کلام نہایت ادب، تواضع اور خوش دلی کا آئینہ دار ہے۔ انھوں نے خلافت سے خود اپنی دستبرداری کا اعلان جس بلیغ پیرائے میں کیا، وہ اپنی مثال آپ ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی امارت سے بے رغبتی آپ کے اس خطبے سے عیاں ہوتی ہے جس میں آپ نے خلافت قبول کرنے کی مجبوری بیان کی تھی۔ آپ نے فرمایا:

«وَاللّٰهِ مَا كُنْتُ حَرِيصًا عَلَى الْإِمَارَةِ يَوْمًا وَّ لَا لَيْلَةً قَطُّ وَلَا كُنْتُ فِيهَا رَاغِبًا وَّلَا سَأَلْتُهَا اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ فِي سِرٍّ وَّلَا عَلَانِيَةٍ وَّ لٰكِنِّي أَشْفَقْتُ مِنَ الْفِتْنَةِ وَ مَا لِي فِي الْإِمَارَةِ مِنْ رَّاحَةٍ وَّ لٰكِنْ قُلِّدْتُ أَمْرًا عَظِيمًا مَّا لِي بِهٖ مِنْ طَاقَةٍ وَّلَا يَدِ إِلَّا بِتَقْوِيَةِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَ لَوَدِدْتُّ أَنَّ أَقْوَى النَّاسِ عَلَيْهَا مَكَانِي الْيَوْمَ»

''اللہ کی قسم! میں کبھی کسی دن امارت کا حریص ہوا نہ میں نے کسی شب کو امارت کا لالچ کیا ہے۔ میں اس طرف کبھی راغب نہ ہوا۔ میں نے کبھی عیاں یا نہاں اللہ تعالیٰ سے بھی اِس کا سوال نہیں کیا لیکن مجھے فتنے کا ڈر پیدا ہو گیا، (اس لیے میں نے امارت قبول کر لی) امارت میں میرے لیے کوئی راحت نہیں ہے۔ یہ ایک نہایت سنگین معاملہ ہے جو میرے سپرد کر دیا گیا ہے۔ مجھ میں اللہ تعالیٰ کی نصرت و تائید کے بغیر اس معاملے سے عہدہ برآ ہونے کی طاقت نہیں ہے۔ میں تو یہ چاہتا تھا کہ آج لوگوں میں سب سے قوی شخص اس منصب پر فائز ہوتا۔'' [1]

[1] المستدرک للحاکم: 3/66، امام حاکم اور ذہبی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

یہ بات بھی ثابت ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

«وَدِدْتُّ أَنِّي يَوْمَ سَقِيفَةَ بَنِي سَاعِدَةَ كُنْتُ قَذَفْتُ الْأَمْرَ فِي عُنُقِ أَحَدِ الرَّجُلَيْنِ، أَبِي عُبَيْدَةَ أَوْ عُمَرَ وَ كُنْتُ وَزِيرًا»

''میری آرزو تو یہ ہے کہ کاش سقیفہ بنی ساعدہ کے روز میں نے منصب خلافت کو ان دو آدمیوں ابوعبیدہ اور عمر رضی اللہ عنہما میں سے کسی ایک کے حوالے کر دیا ہوتا اور خود میں ان کا وزیر بن جاتا۔''[1]

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے متعدد خطبات میں خلافت کی ذمہ داری اٹھانے سے معذرت ظاہر کی، ایک مرتبہ آپ نے فرمایا:

«أَيُّهَا النَّاسُ! هٰذَا أَمْرُكُمْ إِلَيْكُمْ تَوَلُّوا مَنْ أَحْبَبْتُمْ عَلٰى ذٰلِكَ وَ أَكُونُ كَأَحَدِكُمْ»

''لوگو! تمھاری خلافت کے معاملے کو میں تمھارے سپرد کرتا ہوں، تم یہ منصب جسے چاہو سونپ دو۔ میں تمھارا ایک ادنیٰ آدمی بن کر رہوں گا۔''

لوگوں نے آپ کو جواب دیا: ''آپ رسول اللہ ﷺ کے رفیقِ غار اور ثانی اثنین ہیں۔ ہم آپ ہی کی قیادت پر راضی ہیں۔''[2]

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خلافت کے بارے میں مسلمانوں کے ہر قسم کے اعتراضات بخوبی دور کیے اور ان سے حلفِ اطاعت لیا۔ بیعت خلافت کے تین یا سات دن بعد منبرِ رسول پر کھڑے ہوئے اور فرمایا:

«أَيُّهَا النَّاسُ! أُذْكُرُوا اللّٰهَ، أَيُّمَا رَجُلٍ نَدِمَ عَلٰى بَيْعَتِي لَمَا قَامَ عَلٰى رِجْلَيْهِ»

① الأنصار في العصر الراشدي للدكتور حامد محمد الخليفة، ص: 108، وتاريخ الخلفاء للسيوطي، ص: 91. ② عصر الخلافة الراشدة للدكتور العمري، ص: 13.

"لوگو! اللہ تعالیٰ کو یاد کرو۔ تم میں سے جو شخص میری بیعت کرنے پر نادم ہے وہ کھڑا ہو جائے۔"

اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے۔ آپ کے پاس تلوار تھی۔ آپ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اتنے قریب چلے گئے کہ آپ نے اپنا ایک پاؤں منبر کے زینے پر اور دوسرا نیچے کنکریوں پر رکھا اور فرمایا:

«وَاللّٰهِ! لَا نَقِيلُكَ وَلَا نَسْتَقِيلُكَ، قَدَّمَكَ رَسُولُ اللّٰهِ فَمَنْ ذَا يُؤَخِّرُكَ؟»

"اللہ کی قسم! ہم آپ کی بیعت فسخ کریں گے نہ آپ کی سبکدوشی پسند کریں گے۔ آپ کو رسول اللہ ﷺ نے آگے کیا ہے، بھلا کون ہے جو آپ کو پیچھے کرے؟"[1]

خلافت و مسئولیت سے دور بھاگنے کا معاملہ صرف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی سے خاص نہیں تھا بلکہ یہ تو بلاشک وشبہ اس دور کی روح اور طبعی جذبہ تھا۔ صحابۂ کرام نام ونمود سے دور بھاگتے تھے۔

مذکورہ بالا نصوص کے پیشِ نظر یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں جو ردوقدح اور بحث ومباحثہ ہوا تو وہ اس میلانِ طبع سے خالی نہیں تھا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ مکالمہ اسلامی دعوت کے حسین اور روشن مستقبل کے حصول اور اس کے راستے میں قربانیاں پیش کرنے کی پیہم تیاری کے لیے انصار کے شائق ہونے کی دلیل تھا، اسی لیے انھیں اس وقت تک سکون اور اطمینان نہیں ہوا جب تک انھوں نے بیعت کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے سرعت کے ساتھ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کر لی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی بیعت کا بارگراں مذکورہ اسباب ہی کی بنا پر قبول کیا۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ نظریہ اپنے بعد آنے والے بہت سے ایسے نام نہاد محققین کے

[1] سبل الهدى والرشاد للصالحي: 317/12، و الأنصار في العصر الراشدي للدكتور حامد محمد الخليفة، ص: 108.

نظریات سے متصادم ہے جنھوں نے علمی منہج اور موضوعی مطالعے کی مخالفت کرتے ہوئے سقیفہ بنی ساعدہ کے معاملے میں اپنی من مانی تحقیق کی کوشش کی ہے۔ ایسے لوگوں کی تحقیق اور مطالعہ اس دور کی روح اور جذبے کا نقیض اور انصار اور غیر انصار اصحاب رسول ﷺ کی امنگوں اور توقعات سے متصادم ہے۔

ان نام نہاد محققین کے مطابق سقیفہ بنی ساعدہ کا اجتماع مہاجرین و انصار کے مابین نفرت و عداوت اور خلفشار کا پیش خیمہ ثابت ہوا تھا۔[1] ان لوگوں کا یہ کہنا باطل ہے کیونکہ اگر ایسا تھا تو پھر انصار نے بیعت ابوبکر کو کیوں قبول کر لیا، جبکہ وہ اس شہر کے قدیمی باشندے تھے اور پھر وہ تعداد اور استعداد میں (مہاجرین پر) فوقیت رکھتے تھے؟ اور اگر وہ خلافت کی نصرت و اعانت کے لیے پرجوش نہیں تھے تو انھوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کیوں تسلیم کی؟ پھر اس خلافت کی جڑوں اور اس کے اطراف و اکناف کو مضبوط و مستحکم کرنے کے لیے مشرق و مغرب میں اسلامی لشکروں میں شامل ہو کر اپنے گھروں کو کس لیے خیرباد کہا؟[2]

خلافت سے متعلقہ امور کی تنفیذ، نگہداشت اور مرتدین سے مقابلے کی غرض سے انصار کی ہمہ تن مصروفیت اور تڑپ سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ انصار میں سے ایک شخص بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت سے پیچھے نہیں رہا چہ جائیکہ ان کے علاوہ مسلمانوں میں سے کوئی اور شخص بیعت کا منکر ہوا ہو۔ بلاشبہ مہاجرین و انصار کی اخوت اور باہمی محبت ان تخیلات سے ماورا ہے جو مہاجرین و انصار کے مابین اختلاف کی من گھڑت روایات میں پیش کیے گئے ہیں۔[3]

[1] الإسلام وأصول الحكم لمحمد عمارة، ص:71-74. [2] الأنصار في العصر الراشدي للدكتور حامد محمد الخليفة، ص: 109. [3] الأنصار في العصر الراشدي للدكتور حامد محمد الخليفة، ص:109.

خلافت صدیق کے بارے میں سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا موقف

سقیفہ بنی ساعدہ میں ہونے والی گفت و شنید کے بعد حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی تھی۔ وہ امارت کے دعوے سے دستبردار ہو گئے اور حضرت ابوبکر صدیق کی خلافت کو صدق دل سے تسلیم کر لیا۔ سقیفہ بنی ساعدہ کے اجتماع میں سعد رضی اللہ عنہ کے چچازاد بھائی بشیر بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ نے انصار میں سے سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت کی۔ بعض مورخین کے دعوے کے برعکس اس موقع پر کوئی خطرناک بحران پیدا ہوا نہ امت محمدیہ مختلف گروہوں میں بٹی کہ ہر گروہ کا لیڈر خلافت کا دعویدار بن بیٹھا ہو۔ اس بارے میں کوئی صحیح روایت موجود نہیں۔ اسلامی اخوت و مودت بدستور پہلے کی طرح قائم رہی بلکہ مضبوط تر ہو گئی جیسا کہ صحیح روایات سے معلوم ہوتا ہے۔

اسی طرح اس بارے میں بھی کوئی صحیح روایت موجود نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق، عمر اور ابوعبیدہ رضی اللہ عنہم نے خلافت پر قبضہ جمانے کے لیے کوئی خصوصی مشاورت کی تھی۔ ان پاکباز اور متقی ہستیوں کی طرف سے ایسی مشاورت ممکن نہیں ہے۔ [1]

بعض متعصب اور غالی قسم کے مؤرخین نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی شخصیت کو مسخ کرنے کی گھٹیا کوشش کی ہے۔ انھوں نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو مہاجرین کا مد مقابل ظاہر کیا ہے کہ حضرت سعد خلافت کے حریص تھے اور اس کے حصول کے لیے مسلمانوں میں سازشوں، انتشار اور فرقہ بندی کا ہر طریقہ آزما رہے تھے۔

لیکن جب ہم تاریخ کی روشنی میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی شخصیت و کردار کا مطالعہ کرتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ کے لیے ان کی بے لوث خدمات اور کارنامے انھیں رسول اللہ ﷺ

[1] استخلاف أبي بكر للدكتور جمال عبد الهادي، ص: 50-53.

کے بہترین جاں نثاروں میں بہت بلند مقام پر فائز کرتے ہیں۔ آپ ایک ایسے جاں نثار تھے جن کے نزدیک دنیا کوئی حیثیت نہیں تھی۔ بیعت عقبہ ثانیہ کے بارہ نقیبوں میں سے ایک نقیب آپ ہی تھے۔ قریش نے انھیں مکہ مکرمہ کے قریب سے گرفتار کرلیا تھا، ان کے ہاتھ گردن کے ساتھ باندھ کر قیدی کی حیثیت سے مکہ لے گئے تھے۔ انھیں جبیر بن مطعم بن عدی نے آزادی دلوائی کیونکہ حضرت سعد مدینہ منورہ میں انھیں پناہ دیا کرتے تھے۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ وہ خوش نصیب شخص ہیں جنھیں جنگ بدر میں شامل ہو کر بدری صحابی ہونے کا عظیم اعزاز حاصل ہے۔[1] آپ کا گھرانہ جودوسخا میں معروف تھا۔ رسول اللہ ﷺ بھی آپ کی اس صفت کے معترف تھے۔ رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے بعد آپ اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہما پر بہت اعتماد کرتے تھے۔ جنگ خندق کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ کا ایک تہائی پھل عیینہ بن حصن فزاری کو دینے کا مشورہ کیا تو دونوں حضرات سعد بن عبادہ اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہما کا جواب ان کے ایمان کی گہرائی اور کمالِ فدویت کی دلیل تھا۔[2]

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے کارنامے اور روشن کردار مشہور و معروف ہے۔ آپ ایک ایسے جلیل القدر صحابی ہیں جن کا شاندار ماضی اسلام کی خدمت اور رسول اللہ ﷺ پر جان چھڑکنے کے لیے وقف تھا، لہٰذا یہ کہنا سفید جھوٹ ہے کہ وہ سقیفہ بنی ساعدہ میں جاہلی خاندانی عصبیت کو ہوا دے کر منصبِ خلافت حاصل کرنا چاہتے تھے۔ اسی طرح یہ بھی نہایت نامعقول اور ناقابل اعتبار بات ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت کے بعد حضرت سعد رضی اللہ عنہ ان کی امامت میں نماز پڑھتے تھے نہ مسلمانوں کے ساتھ حج کرنے جاتے تھے۔ گویا کہ حضرت سعد نے مسلمانوں کی جماعت سے علیحدگی اختیار کرلی تھی۔[3]

[1] الاستيعاب لابن عبدالبر:594/2. [2] الخلافة والخلفاء الراشدون لسالم البهنساوي، ص:49.
[3] الخلافة والخلفاء الراشدون لسالم البهنساوي، ص:49.

یہ بات بالکل باطل اور محض بہتان ہے۔ صحیح روایات سے یہ حقیقت ثابت ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی تھی، چنانچہ جب حضرت ابوبکر نے سقیفہ والے دن انصار کی فضیلت بیان کرتے ہوئے کہا: ”یقیناً تمھیں معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا:

«لَوْ سَلَكَ النَّاسُ وَادِيًا وَّسَلَكَتِ الْأَنْصَارُ وَادِيًا أَوْ شِعْبًا لَّسَلَكْتُ وَادِيَ الْأَنْصَارِ أَوْ شِعْبَ الْأَنْصَارِ»

”اگر لوگ ایک وادی میں چلیں اور انصار دوسری وادی یا گھاٹی میں چلیں تو میں انصار کی وادی یا گھاٹی میں چلوں گا۔“[1]

پھر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو مضبوط اور فیصلہ کن دلیل یاد دلاتے ہوئے فرمایا: ”اے سعد! یقیناً تمھیں معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تمھاری موجودگی میں یہ ارشاد فرمایا تھا:

«قُرَيْشٌ وُّلَاةُ هٰذَا الْأَمْرِ، فَبَرُّ النَّاسِ تَبَعٌ لِّبَرِّهِمْ وَفَاجِرُهُمْ تَبَعٌ لِّفَاجِرِهِمْ»

”قریش خلافت کے منتظم اور والی ہوں گے۔ لوگوں میں سے نیک ان کے نیک آدمی اور لوگوں میں سے فاجر ان کے فاجر آدمی کی پیروی کریں گے۔“

یہ فرمان نبوی سنتے ہی حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”آپ نے بالکل سچ فرمایا ہے، ہم وزراء اور آپ امراء ہوں گے۔“[2]

پھر سعد رضی اللہ عنہ نے بیعت کر لی اور دوسرے لوگوں نے بھی یکے بعد دیگرے بیعت شروع کر دی۔[3]

مذکورہ واقعے سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر

[1] صحيح البخاري، حديث: 7244. [2] مسند أحمد: 5/1، صحيح لغيره. [3] الأنصار في العصر الراشدي للدكتور حامد محمد الخليفة، ص: 102.

صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی تھی اور تمام انصاری صحابۂ کرام بھی اس پر متفق تھے، لہٰذا اس باطل روایت کی کوئی حقیقت باقی نہیں رہتی کہ حضرت سعد نے کہا تھا: ''میں اپنا آخری تیر آزمانے تک تمھاری بیعت نہیں کروں گا۔ میں اس وقت تک تمھارا تابع نہیں ہوں گا جب تک اپنا نیزہ تمھارے خون سے رنگ نہ لوں اور اپنی تلوار سے تمھیں کاٹ نہ ڈالوں۔'' چنانچہ حضرت سعد مسلمانوں کے ساتھ نماز باجماعت میں شریک نہیں ہوتے تھے، نہ ان کے ساتھ نماز جمعہ میں شرکت کرتے، نہ مسلمانوں کے فیصلے کے مطابق فیصلے کرتے نہ ان کے ساتھ حج کے لیے روانہ ہوتے۔ ①

یہ روایت حقیقت کے خلاف ہے بلکہ انصار کے سردار پر بہت بڑا اتہام ہے کہ انھوں نے مسلمانوں کی وحدت کو پارہ پارہ کیا۔ یہ روایت حضرت سعد کی ان تمام قربانیوں کی نفی کرتی ہے جو انھوں نے دین حنیف کی سربلندی، جہاد فی سبیل اللہ اور مہاجرین کی خدمت و نصرت کے لیے انجام دی تھیں بلکہ یہ روایت ان کے اسلام پر بھی بہت بڑا طعن ہے۔ بلاشبہ یہ روایت جس کے ذریعے مہاجرین و انصار کی وحدت اور سچی محبت و مودت کے برعکس بغض و عناد ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے، بالکل باطل ہے۔ کیونکہ اس کا راوی متعصب اور غالی ہے۔ وہ اس قدر ناقابل اعتبار اخباری قلم کار ہے کہ اس کی کوئی توثیق ہی نہیں کرتا، خصوصًا اختلافی معاملات میں اس کی روایات قطعاً معتبر نہیں۔ ②

امام ذہبی رحمہ اللہ اس روایت کے بارے میں فرماتے ہیں: ''اس کی سند نہایت ضعیف ہے۔'' ③ اس کا متن بھی حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی سیرت و کردار، ان کی سمع و طاعت

① تاريخ الطبري : 42/4. ② ميزان الاعتدال للذهبي : 2992/3. اس روایت کا راوی لوط بن یحییٰ ابومخنف ہے جو متروک ہے۔ شیعہ کے سوا کوئی بھی اس کی روایات کو معتبر نہیں سمجھتا، نہ اس پر اعتماد کرتا ہے۔ شیعہ عالم ابن القمی کے مطابق یہ شیعوں کا عظیم مؤرخ ہے۔ (مرويات أبي مخنف في تاريخ الطبري للدكتور يحيى بن إبراهيم اليحيى، ص: 46,45) ③ سير أعلام النبلاء: 277/1

پر مبنی بیعت اور فضائل و مناقب سے یکسر متضاد ہے۔ ①

حضرت عمر اور حباب بن منذر رضی اللہ عنہما کے مابین اختلاف کی حقیقت

سقیفہ بنی ساعدہ کی مجلس میں حضرت عمر اور حباب بن منذر رضی اللہ عنہما کے درمیان اختلاف کا مزعومہ قصہ بھی درست نہیں۔ بلاشبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے کیے ہوئے عہد کے مطابق حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ کو ناراض کرنے کی کبھی کوشش نہیں کی۔ اس بارے میں خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضرت حباب بن منذر نے مجھ سے بات کرنے کی کوشش کی تو میں نے انھیں کوئی جواب نہیں دیا کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ایک بار میرا ان سے اختلاف ہوا تھا تو آپ ﷺ نے مجھے ان کو ناراض کرنے کی ممانعت فرمائی تھی۔ میں نے اسی وقت قسم کھائی تھی کہ میں آئندہ ایسی کوئی بات نہیں کروں گا جو انھیں ناگوار گزرے۔ ②

اسی طرح حضرت حباب کے بارے میں مروی اختلاف اور جھگڑے کا قصہ بھی ان کے کردار کے برعکس ہے۔ کیونکہ وہ ''ذوالرأی''③ یعنی عقلمند اور صاحب تدبیر کے لقب سے جانے جاتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں بھی وہ نہایت ذہین، دانا اور صاحبِ بصیرت صحابی مانے جاتے تھے۔ انھیں یہ لقب اس لیے ملا تھا کہ نبی کریم ﷺ نے غزوۂ بدر اور خیبر میں انھی کے مدبرانہ مشوروں کو شرفِ قبولیت سے نوازا تھا۔ ④

رہا حباب بن منذر رضی اللہ عنہ کا یہ قول کہ ''ایک امیر ہم میں سے ہوگا اور ایک تم میں سے۔'' تو اس کی وضاحت انھوں نے خود ہی فرما دی تھی کہ اس سے ان کا مقصود امارت و خلافت کا حصول نہ تھا۔ انھوں نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! ہم تم سے امارت و خلافت

① الأنصار في العصر الراشدي للدكتور حامد محمد الخليفة، ص:103,102. ② الأنصار في العصر الراشدي للدكتور حامد محمد الخليفة، ص:100. ③ الاستيعاب لابن عبدالبر:316/1.
④ الأنصار في العصر الراشدي للدكتور حامد محمد الخليفة، ص:100.

کے لیے مقابلہ نہیں کرنا چاہتے، ہمیں صرف یہ خدشہ ہے مبادا ہمارا امیر اسے بنا دیا جائے جس کے آباء و اجداد اور بھائی بندوں کو ہم نے میدان کارزار میں قتل کیا ہے۔" [1]

لہٰذا مہاجرین نے ان کا یہ عذر قبول کر لیا، مہاجرین خود بھی مشرکین رشتہ داروں کے قتل میں شریک رہے تھے۔ [2]

"خلفاء قریش سے ہوں گے" کے بارے میں انصار کا موقف

"خلفاء قریش سے ہوں گے" یہ حدیث صحیحین اور دیگر کتب حدیث میں متعدد الفاظ سے مروی ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«إِنَّ هٰذَا الْأَمْرَ فِي قُرَيْشٍ لَّا يُعَادِيهِمْ أَحَدٌ إِلَّا كَبَّهُ اللّٰهُ فِي النَّارِ عَلٰى وَجْهِهِ، مَا أَقَامُوا الدِّينَ»

"خلافت و امارت قریش کا منصب ہے جب تک کہ وہ دین پر کاربند رہیں، جو شخص بھی ان سے (اس بارے میں) عداوت رکھے گا اللہ تعالیٰ اسے اوندھے منہ جہنم رسید کرے گا۔" [3]

صحیح مسلم میں یہ الفاظ ہیں:

«لَا يَزَالُ الْإِسْلَامُ عَزِيزًا إِلَى اثْنَيْ عَشَرَ خَلِيفَةً كُلُّهُمْ مِّنْ قُرَيْشٍ»

"اسلام بارہ خلفاء کے عہد تک غالب و عزیز رہے گا...... وہ سب خلفاء قریشی ہوں گے۔" [4]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا:

---

[1] الأنصار في العصر الراشدي للدكتور حامد محمد الخليفة، ص: 100. [2] الأنصار في العصر الراشدي للدكتور حامد محمد الخليفة، ص: 100. [3] صحيح البخاري، حديث: 7139. [4] صحيح مسلم، حديث: 1821.

«لَا يَزَالُ هٰذَا الْأَمْرُ فِي قُرَيْشٍ مَّا بَقِيَ مِنْهُمُ اثْنَانِ»

’’جب تک دو قریشی بھی باقی ہوں خلافت قریش ہی کے پاس رہے گی۔‘‘ [1]

نیز آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«اَلنَّاسُ تَبَعٌ لِّقُرَيْشٍ فِي هٰذَا الشَّأْنِ مُسْلِمُهُمْ لِمُسْلِمِهِمْ وَ كَافِرُهُمْ لِكَافِرِهِمْ»

’’لوگ خلافت میں قریش کے تابع ہیں۔ ان کے مسلمان قریش کے مسلمان امراء کے ماتحت ہیں اور ان کے کافر قریش کے کافروں کے تابع ہیں۔‘‘ [2]

بکیر بن وہب جزری بیان کرتے ہیں کہ حضرت انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا: ’’میں تمھیں ایک حدیث سناتا ہوں جو میں ہر کسی سے بیان نہیں کرتا۔ ہم ایک انصاری کے گھر میں موجود تھے کہ نبی کریم ﷺ بھی وہاں تشریف لے آئے، آپ ﷺ دروازے کی چوکھٹ تھام کر کھڑے ہوگئے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

«اَلْأَئِمَّةُ مِنْ قُرَيْشٍ، إِنَّ لَهُمْ عَلَيْكُمْ حَقًّا، وَّلَكُمْ عَلَيْهِمْ حَقًّا مِّثْلَ ذٰلِكَ، مَا إِنِ اسْتُرْحِمُوا فَرَحِمُوا وَإِنْ عَاهَدُوا وَفَوْا وَإِنْ حَكَمُوا عَدَلُوا»

’’خلفاء قریشی ہوں گے، تم پر ان کے حقوق ہیں اور انھی جیسے تمھارے حقوق ان پر ہیں۔ اس وقت تک کہ جب تک ان سے رحم کی درخواست کی جائے تو وہ رحم کریں، وعدہ کریں تو وعدہ وفا کریں اور فیصلہ کریں تو عدل کریں۔‘‘ [3]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں باب: الأمراء من قریش کے تحت کتب السنن، مسانید اور مصنفات سے متعدد احادیث بیان کی ہیں۔ کتب حدیث

[1] صحیح البخاری، حدیث: 7140۔ [2] صحیح مسلم، حدیث: 1818۔ [3] مسند أحمد: 129/3۔

میں سے کوئی کتاب اس مسئلے سے خالی نہیں۔ یہ اس مسئلے کے سلسلے میں کثرت احادیث کی واضح دلیل ہے۔ یہ احادیث مختلف الفاظ سے مروی ہیں مگر سب کا مقصود یہی ہے کہ امارت کے حقدار قریشی ہیں اور اس امارت سے مراد صرف خلافت ہے۔ باقی امور میں تمام مسلمان برابر ہیں۔ [1]

جس طرح احادیث نبویہ میں قریش کے حق خلافت کو تسلیم کیا گیا ہے، اسی طرح ان کی اندھی تقلید سے بھی ڈرایا گیا ہے۔ بلاشبہ ان کا یہ حق اس وقت تک ہے جب تک وہ دین کے پاسدار رہیں گے۔ جیسا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں گزرا ہے، یا جس طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں مزید وضاحت موجود ہے کہ خلفاء کی پیروی اس وقت تک ہی کی جائے جب تک وہ رحم طلب کرنے پر رحم کریں، اپنے عہد و پیماں کی پاسداری کریں اور عدل و انصاف سے فیصلے کریں۔ پس ان میں سے جو امیر یہ کام نہ کرے اُس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہو۔ [2]

چنانچہ نبی ﷺ نے تنبیہ کی ہے کہ اگر قریشی احکام الٰہیہ سے روگردانی کرنے لگیں اور درج بالا شروط پر عمل پیرا نہ ہوں تو ان کی اتباع ہرگز نہ کی جائے کیونکہ اس وقت وہ امت محمدیہ کے لیے سخت خطرناک ہوں گے۔

احادیث شریفہ میں شریعت کے مخالف امور میں قریشی امراء کی اتباع سے منع کیا گیا ہے بلکہ ان سے کنارہ کشی اور ان کی مدد سے ہاتھ کھینچ لینے کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ ایسے حکمرانوں سے تعاون کرنا امت محمدیہ کے لیے سخت نقصان دہ ہوگا۔

ارشاد نبوی ہے: «هَلَكَةُ أُمَّتِي عَلٰى يَدَيْ غِلْمَةٍ مِّنْ قُرَيْشٍ»

''میری امت کی ہلاکت قریش کے کم عمر کم عقل امراء کے ہاتھوں ہوگی۔'' [3]

[1] الأنصار في العصر الراشدي للدكتور حامد محمد الخليفة، ص: 111. [2] مسند أحمد: 129/3. [3] صحيح البخاري، حديث: 7058.

جب آپ سے یہ سوال کیا گیا کہ آپ ہمیں ان کے بارے میں کیا حکم دیتے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: «لَوْ أَنَّ النَّاسَ اعْتَزَلُوهُمْ»

''کاش! لوگ ان سے کنارہ کش ہو جائیں۔''[1]

ان نصوص سے یہ مسئلہ کہ ''امراء قریشی ہوں گے'' واضح ہو جاتا ہے اور انصار نے انھی نصوص کے تحت قریش کی امارت قبول کی تھی۔ انھی قواعد وضوابط کے مطابق انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی بیعت کرتے وقت سمع وطاعت، دوسروں کو ان پر ترجیح دیے جانے پر صبر کرنے اور حکمرانوں سے جنگ نہ کرنے کا اقرار کیا تھا اِلّا یہ کہ حکمران صریح کفر کے مرتکب ہوں۔ اور ان کے کفر پر واضح برہان موجود ہو۔[2]

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انصار کو مسئلۂ خلافت سے مکمل آگاہی تھی اور یہ مسئلہ ان کی نظروں سے اوجھل نہیں تھا۔ حدیث: «اَلْأَئِمَّةُ مِنْ قُرَيْشٍ» بیان کرنے والے بہت سے انصاری صحابہ موجود تھے۔ جو اس حدیث کو نہیں جانتے تھے وہ بھی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بیان کرنے پر سر تسلیم خم کر گئے تھے، اسی لیے جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کو بطور دلیل پیش کیا تو کسی انصاری صحابی نے ان سے اختلاف نہیں کیا، چنانچہ خلافتِ صدیقی مشورے اور شرعی و عقلی نصوص کی روشنی میں برضا ورغبت تسلیم کی گئی۔ ان تمام نصوص میں قریش کے حق امارت کو تسلیم کیا گیا تھا، لہٰذا سقیفہ بنی ساعدہ میں بیعت کرنے کے بعد کسی بھی انصاری صحابی کے بارے میں یہ ثابت نہیں کہ اس نے اپنے لیے خلافت کا دعویٰ کیا ہو۔ یہ اس بات کی مزید تاکید ہے کہ تمام انصاری صحابی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر راضی اور مطمئن تھے۔

مذکورہ دلائل کی روشنی میں رافضیوں کی یہ بات قابلِ التفات نہیں کہ حدیث ''امراء

[1] صحيح البخاري، حديث:3604، ومسند أحمد:301/2، ودلائل النبوة للبيهقي:464/6، والإحسان في تقريب صحيح ابن حبان، حديث:6713. [2] صحيح البخاري، حديث:7056.

قریشی ہوں گے۔'' ایک سیاسی نعرہ تھا جو قریش نے انصار سے خلافت چھیننے کے لیے بلند کیا تھا۔ یا یہ کہ یہ حضرت ابوبکر کی سیاسی رائے تھی اور حدیث رسول سے اس کا کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ قریش کا سیاسی نقطۂ نظر تھا جو اس وقت کے عربی معاشرے میں قریش کے سیاسی اثر ورسوخ کا عکاس تھا۔

لیکن اسے حضرت ابوبکر کی رائے قرار دینا یا قریش کا سیاسی نعرہ کہنا دراصل خلافتِ راشدہ اور اسلام کی ابتدائی تاریخ کو مسخ کرنے کی بھونڈی چال ہے، حالانکہ خلافتِ راشدہ مہاجرین، انصار اور ان کے نیکو کار پیروکاروں کی مساعی جمیلہ کا ثمر ہے۔ مہاجرین اور انصار کے تعلقات نہایت مضبوط اور محبت سے لبریز تھے۔ حتی کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انصار کے بارے میں کہا تھا: ''ہمارا اور انصار کا باہمی رشتہ ایسے ہی ہے جیسے کسی شاعر نے کہا ہے:

أَبَوْا أَنْ يَّمَلُّونَا وَلَوْ أَنَّ أُمَّنَا   تُلَاقِي الَّذِي يَلْقَوْنَ مِنَّا لَمَلَّتِ

''انصار ہمارے ساتھ تعاون سے بالکل نہیں اکتائے، حالانکہ اگر ان جیسے مشکل حالات کا سامنا ہماری والدہ کو کرنا پڑتا تو وہ بھی ہم سے اکتا جاتی۔''[1]

[1] الأنصار في العصر الراشدي للدكتور حامد محمد الخليفة، ص: 116.
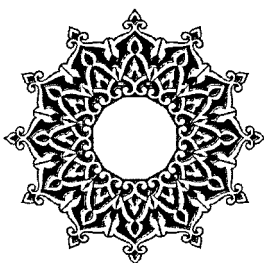
خلافت صدیقی پر قرآن و حدیث کے اشارات واستدلالات

خلافت صدیقی پر قرآن مجید کے اشارات

قرآن مجید میں ایسی متعدد آیات آئی ہیں جن میں اس بات کا واضح اشارہ موجود ہے کہ نبی ﷺ کا خلیفہ ہونے کا سب سے زیادہ حق ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ہے۔ وہ آیات درج ذیل ہیں:

دلیل 1:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝ ﴾

’’ہمیں سیدھا راستہ دکھا۔ ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا، ان کا نہیں جن پر تیرا غضب ہوا اور نہ گمراہوں کا۔‘‘ [1]

[1] الفاتحۃ 7،6:1

وجہ استدلال: اس آیت سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کی دلیل اس طرح قائم ہوتی ہے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ ان انعام یافتہ لوگوں میں شامل ہیں جن کے رستے پر چلنے اور ان کا طریقہ اختیار کرنے کی توفیق مانگنے کا مومنوں کو حکم دیا گیا ہے۔ ان انعام یافتہ گروہوں میں سے ایک صدیقین کا گروہ بھی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ○﴾

''اور جو کوئی اللہ اور رسول کی اطاعت کرے تو وہ ایسے لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا، (یعنی) انبیاء، صدیقین، شہیدوں اور نیکو کاروں کے ساتھ اور یہ لوگ رفاقت کے لحاظ سے کس قدر اچھے ہوں گے۔''[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ صدیقین میں سے ہیں۔ یہ فرمان نبوی اس بات کی دلیل ہے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ گروہ صدیقین کے رکن ہیں بلکہ ان کے سردار ہیں۔ چنانچہ جب ابو بکر ان لوگوں میں سے ہیں جن کا راستہ ہی سیدھا راستہ قرار دیا گیا ہے تو پھر کسی عقل مند کو اس امر میں قطعاً کوئی شک نہیں ہونا چاہیے کہ امت محمدیہ میں خلافتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے زیادہ مستحق ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی ہیں۔[2]

محمد بن عمر الرازی فرماتے ہیں کہ حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی امامت کی دلیل ہے:

﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۙ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ○﴾

''ہمیں سیدھا راستہ دکھا۔ ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا، ان کا نہیں جن پر تیرا غضب ہوا اور نہ گمراہوں کا۔''[3]

[1] النسآء 4:69. [2] عقيدة أهل السنة والجماعة للدكتور ناصر بن علي الشيخ: 2/532.
[3] الفاتحة 1:6-7

کیونکہ آیت کی تقدیری عبارت یوں ہے: «اِهْدِنَا صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ»
''ہمیں ان لوگوں کا راستہ دکھا جن پر تو نے انعام کیا ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے دوسری آیت میں انعام یافتہ لوگوں کا تذکرہ اس طرح فرمایا ہے:

﴿ فَأُولَٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ .... ﴾

''تو وہ ایسے لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا، (یعنی) انبیاء اور صدیقین......۔''[1]

اور بلاشبہ ابوبکر رضی اللہ عنہ گروہ صدیقین کے سربراہ ہیں، چنانچہ آیت کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس راستے کی ہدایت طلب کرنے کا ہمیں حکم دیا ہے جس پر ابوبکر اور تمام صدیقین گامزن تھے۔ اور اگر ابوبکر رضی اللہ عنہ صراطِ مستقیم پر نہ ہوتے تو ان کی اقتدا قطعاً جائز نہ ہوتی۔

مذکورہ بالا تفصیل سے ثابت ہوا کہ یہ آیت امامتِ ابوبکر کی دلیل ہے۔[2]

علامہ محمد امین شنقیطی فرماتے ہیں: ''یہ آیت امامت صدیق کے درست ہونے کی دلیل ہے۔ کیونکہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ان انعام یافتہ لوگوں میں شامل ہیں جن کے راستے پر چلنے کی توفیق مانگنے کا ہمیں سورۂ فاتحہ میں حکم دیا گیا ہے۔ وہ سورۂ فاتحہ جسے سبع مثانی اور قرآن عظیم کہا گیا، چنانچہ یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ انھی لوگوں کا رستہ صراط مستقیم ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سورۂ فاتحہ میں فرمایا:

﴿ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۙ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ ﴾

''ہمیں سیدھا راستہ دکھا، ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا۔''[3]

پھر جب اللہ تعالیٰ نے انعام یافتہ لوگوں کا تذکرہ کیا تو ان میں صدیقین کو بھی شمار کیا، جبکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ابوبکر صدیقین میں شامل ہیں۔ اس سے واضح ہوا

[1] النسآء 4: 69. [2] تفسیر الرازی 1/260. [3] الفاتحۃ 1: 6، 7.

کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ان انعام یافتہ لوگوں میں سے ہیں جن کی اقتدا کرنے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے، لہٰذا اس میں شک کا کوئی امکان باقی نہیں رہتا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ صراط مستقیم پر گامزن تھے اور ان کی امامت برحق تھی۔" ①

دلیل 2:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۡ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ۭ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝﴾

"اے ایمان والو! تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے پھر جائے تو پھر جلد اللہ ایسے لوگ لائے گا کہ وہ ان سے محبت کرتا ہوگا اور وہ اس سے محبت کرتے ہوں گے، وہ مومنوں پر نرمی کرنے والے ہوں گے اور کافروں پر سختی کرنے والے، وہ اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔ یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور اللہ بڑی وسعت والا خوب جاننے والا ہے۔" ②

اس آیت میں مذکورہ صفات کا اطلاق سب سے پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ان کے لشکر پر ہوتا ہے جنھوں نے مرتدین کے خلاف جنگ کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس لشکر کی تعریف کامل ترین صفات کے ساتھ کی ہے۔

وجہ استدلال: اس آیت سے خلافتِ صدیق کی دلیل اس طرح لی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کامل علم میں یہ بات موجود تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد لوگ مرتد ہوں

① تفسير أضواء البيان للشنقيطي: 36/1. ② المآئدة 5:54

گے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا اور اللہ کے تمام وعدے سچے ہوتے ہیں، کہ وہ ایسے لوگوں کی قوم پیدا کرے گا جو اللہ سے سچی محبت کرنے والے ہوں گے اور اللہ ان سے محبت کرے گا۔ وہ مومنوں کے لیے ''ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم'' اور کافروں کے لیے ''رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن'' کے مصداق ہوں گے، اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے اور لوگوں کی ملامت سے خوف نہ کھانے والے ہوں گے، چنانچہ جب اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ تھا کہ مرتدین ارتداد کا شکار ہوں گے تو اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ بھی تھا کہ اللہ کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے وفادار ساتھیوں کے ساتھ مرتدوں کا قلع قمع کریں گے اور ملامت کرنے والوں کی ملامت کا بالکل خیال نہیں کریں گے، لہٰذا ایسا ہی ہوا، حق غالب آ گیا، باطل مٹ گیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد اللہ تعالیٰ کے اس وعدے کی تصدیق ایک طرف لوگوں کے لیے واضح نشانی اور دوسری طرف خلافت صدیق رضی اللہ عنہ کے برحق ہونے کی دلیل بن گئی۔ [1]

دلیل: 3

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ؕ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝﴾

''اگر تم اس (نبی) کی مدد نہیں کرو گے تو تحقیق اللہ نے اس کی (اس وقت) مدد کی جب کافروں نے اس کو (مکہ سے) نکال دیا تھا (وہ) دو میں دوسرا تھا، جبکہ دونوں غار (ثور) میں تھے۔ جب وہ (نبی) اپنے ساتھی (ابوبکر) سے کہہ رہا تھا:

[1] الاعتقاد للبیہقی، ص: 173، 174

غم نہ کر یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے، پھر اللہ نے اس پر سکینت نازل کی اور ایسے لشکروں سے اس کی مدد کی جنھیں تم نے دیکھا نہیں اور اس نے کافروں کی بات کو پست کر دیا۔ اور بات تو اللہ ہی کی بلند ہے۔ اور اللہ بہت زبردست ہے خوب حکمت والا ہے۔"[1]

وجہ استدلال: امام ابوعبداللہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بعض علماء سے منقول ہے کہ وہ اس ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ﴾ کے متعلق فرماتے ہیں: یہ آیت نبی کریم ﷺ کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خلیفہ ہونے کی دلیل ہے کیونکہ خلیفہ ہمیشہ وہی ہوتا ہے جو دوسرے نمبر پر ہو۔ میں نے اپنے استاذ ابوالعباس احمد بن عمر رحمہ اللہ کو فرماتے ہوئے سنا، انھوں نے کہا: "حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ثاني اثنين ہونے کے لقب کے مستحق اس لیے ٹھہرے کیونکہ نبی کریم ﷺ کے بعد انھوں نے امور سلطنت کو اسی طرح جاری رکھا جس طرح رسول اللہ ﷺ نے چلایا تھا۔ وہ اس طرح کہ نبی اکرم ﷺ کی دفات کے بعد تمام عرب قبائل مرتد ہو گئے تھے۔ اسلام صرف مدینہ منورہ، مکہ مکرمہ اور جواثا[2] میں باقی رہ گیا تھا۔ اس وقت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو پوری قوت کے ساتھ اسلام کی دعوت دی اور دینِ اسلام میں واپس نہ آنے پر ان کے خلاف اُسی طرح جہاد کیا جس طرح نبی کریم ﷺ نے منکرینِ اسلام کے ساتھ جنگیں لڑی تھیں۔ اس لحاظ سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ثاني اثنين کے لقب کے مستحق ٹھہرے۔"[3]

دلیل: 4

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ

---

(1) التوبة 9:40. (2) جواثا: بحرین کی ایک بستی ہے۔ دیکھیے: معجم البلدان: 174/2. (3) تفسیر القرطبي: 148,147/8.

بِإِحْسَانٍ رَّضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّٰتٍ تَجْرِي تَحْتَهَا الْأَنْهَٰرُ خَٰلِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۚ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿۱۰۰﴾

’’اور (قبول اسلام میں) سبقت کرنے والے مہاجرین اور انصار اور وہ لوگ جنھوں نے نیکوکاری کے ساتھ ان کی پیروی کی، اللہ ان سے راضی ہوگیا اور وہ اس سے راضی ہوگئے اور اللہ نے ان کے لیے ایسے باغ تیار کیے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔‘‘[1]

وجہ استدلال: اس آیت سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امامت کی حقانیت کی دلیل اس طرح اُجاگر ہوتی ہے کہ ہجرت انسانی طبع پر نہایت شاق گزرتی ہے، لہٰذا جو سب سے پہلے یہ مشکل ترین کام کر گزرے وہ اس اطاعت میں دوسروں کے لیے اسوہ بن جاتا ہے۔ یہ عظیم مگر مشکل کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دلی اطمینان اور فرحت کا باعث تھا۔ اسی طرح نبی اکرم کے ساتھ تعاون میں سبقت کرنا بھی ایک عظیم الشان عمل ہے، چنانچہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ کی خدمت و مدد میں سبقت کرنے والے صحابہ عظیم ترین منصب کے حامل قرار پائے۔

جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ ہجرت میں پہل کرنے اور نبی مکرم کی خدمت و تعاون میں سبقت کرنے سے یہ عظیم منصب حاصل ہوتا ہے تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہجرت کرنے والوں میں سے سب سے سبقت لے گئے تھے کیونکہ وہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر و حضر کے ساتھی اور خدمتگار رہتے، اس لیے وہ مہاجرین میں بلند ترین مقام پر فائز ہوگئے۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وہ ہستی ہیں جن سے اللہ راضی ہو چکا اور وہ اللہ سے راضی ہیں۔ اور یہ فضیلت کا اعلیٰ ترین مرتبہ ہے۔

درج بالا دلائل سے یہ بات لازم ٹھہرتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سیدنا ابوبکر

[1] التوبۃ 9:100.

صدیق رضی اللہ عنہ ہی سچے اور برحق خلیفہ ہیں۔

اس طرح یہ آیت حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کی فضیلت اور ان کی خلافت کے درست ہونے کی سب سے واضح اور مضبوط دلیل ہے۔[1]

دلیل: 5

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـــًٔـا ۭ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ○﴾

''جو تم میں سے ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے اللہ نے ان لوگوں سے وعدہ کیا ہے کہ وہ انھیں زمین میں ضرور خلافت دے گا جیسے اس نے ان سے پہلے لوگوں کو خلافت دی تھی۔ اور ان کے لیے ضرور ان کا وہ دین محکم و پائیدار کر دے گا جو اس نے ان کے لیے چنا اور یقیناً ان کی حالتِ خوف کو بدل کر وہ ضرور انھیں امن دے گا۔ وہ میری عبادت کریں گے، میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے اور جو کوئی اس کے بعد کفر کرے تو وہی لوگ فاسق ہیں۔''[2]

وجہ استدلال: مذکورہ آیت حضرت ابوبکر اور ان کے بعد آنے والے تین خلفائے راشدین کی خلافت کے جواز پر پوری اترتی ہے، لہٰذا جب خلیفہ ہونے میں اور اقتدار کی درج بالا خوبیوں میں حضرت ابوبکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم شریک ہیں تو یہ اس بات کی

[1] تفسیر الرازي :16/169,168. [2] النور 24:55.

دلیل ہے کہ ان کی خلافت برحق ہے۔ [1]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سلف کا یہ قول ہے: ''ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت نص قرآنی سے ثابت ہے، پھر انھوں نے استدلال کے طور پر یہی آیت تلاوت کی۔'' [2]

دلیل: 6

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ ۚ فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ○﴾

''آپ ان پیچھے چھوڑے جانے والے اہل دیہات سے کہہ دیجیے: عنقریب تم ایک سخت جنگجو قوم کی طرف بلائے جاؤ گے تم ان سے لڑو گے یا وہ مسلمان ہوجائیں گے، پھر اگر تم اطاعت کرو گے تو اللہ تمھیں نیک اجر دے گا اور اگر تم منہ موڑو گے جیسا کہ اس سے پہلے تم نے منہ موڑا تھا تو وہ تمھیں نہایت دردناک عذاب دے گا۔'' [3]

وجہ استدلال: امام ابوالحسن اشعری فرماتے ہیں: سورۂ توبہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی امامت کی دلیل موجود ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی نصرت نہ کرنے والوں اور جہاد سے منہ موڑ کر بیٹھے رہنے والوں کے بارے میں ارشاد فرمایا:

﴿فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا ؕ اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ ○﴾

''(اے نبی!) پھر اگر اللہ آپ کو ان (منافقین) کے کسی گروہ کی طرف واپس لے

[1] تفسير ابن كثير: 121/5. [2] تفسير ابن كثير: 121/5. [3] الفتح 16:48.

آئے پھر وہ آپ سے (جہاد پر) نکلنے کی اجازت مانگیں تو کہہ دیجیے: اب تم میرے ساتھ (جہاد پر) کبھی نہیں نکلو گے اور نہ کبھی میرے ساتھ مل کر دشمن سے لڑو گے۔ تم پہلی بار (پیچھے) بیٹھ رہنے پر راضی ہو گئے تھے تو (اب بھی) پیچھے رہنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔'' (1)

جبکہ سورۂ فتح میں ارشاد فرمایا:

﴿سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰى مَغَانِمَ لِتَاْخُذُوْهَا ذَرُوْنَا نَتَّبِعْكُمْ ۚ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ بَلْ تَحْسُدُوْنَنَا ؕ بَلْ كَانُوْا لَا يَفْقَهُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ○ قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ ۚ فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ○﴾

''عنقریب جب تم مال غنیمت حاصل کرنے کے لیے (خیبر کو) چلو گے تو پیچھے چھوڑے جانے والے لوگ کہیں گے: ''ہمیں اجازت دو ہم بھی تمھارے ساتھ چلتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کا کلام (وعدہ) بدل دیں، کہہ دیجیے: تم ہرگز ہمارے ساتھ نہیں چلو گے۔ اللہ نے پہلے ہی سے یہ فرمادیا ہے، پھر وہ یقیناً کہیں گے: (نہیں) بلکہ تم ہم سے حسد کرتے ہو، (ایسا نہیں) بلکہ وہ لوگ کم ہی سمجھتے ہیں۔ آپ ان پیچھے چھوڑے جانے والے اہل دیہات سے کہہ دیجیے: عنقریب تم ایک سخت جنگجو قوم کی طرف بلائے جاؤ گے، تم ان سے لڑو گے یا وہ مسلمان ہو جائیں گے، پھر اگر تم اطاعت کرو گے تو اللہ تمھیں نیک اجر دے گا اور اگر تم منہ موڑو گے جیسا کہ اس سے پہلے تم نے منہ موڑا تو وہ تمھیں نہایت دردناک عذاب دے گا۔'' (2)

(1) التوبة 9:83 (2) الفتح 48:15، 16

یعنی اگر تم نے جہاد کی دعوت دینے والے داعی کی پکار پر لبیک نہ کہا، جیسا کہ تم اس سے پہلے بھی منہ موڑ چکے ہو تو اللہ تمھیں دردناک عذاب دے گا۔ اور یہ داعی رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کوئی اور شخص ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ توبہ میں یہ ارشاد فرمایا ہے:

﴿ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِیَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِیَ عَدُوًّا ﴾

”تو (اے نبی!) کہہ دیجیے: تم اب میرے ساتھ (جہاد پر) کبھی نہیں نکلو گے اور نہ کبھی میرے ساتھ (مل کر) دشمن سے لڑو گے۔“①

اور سورۂ فتح میں فرمایا: ﴿ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ ﴾

”وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کا کلام (وعدہ) بدل دیں۔“②

لہٰذا اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنے نبی کے ساتھ جہاد پر نکلنے سے منع کر دیا اور ان کے خروج کو اپنے کلام میں تبدیلی قرار دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ داعی جو انھیں اب جہاد کی دعوت دے گا وہ داعی رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی دوسرا شخص ہوگا۔③

امام مجاہد رحمہ اللہ نے اللہ کے فرمان: ﴿ اُولِیْ بَاْسٍ شَدِیْدٍ ﴾ ”سخت جنگجو قوم“ کی تفسیر میں کہا ہے کہ اس سے مراد رومی اور ایرانی ہیں۔ امام حسن بصری رحمہ اللہ نے بھی اس کی یہی تفسیر بیان کی ہے۔

ان قوموں سے مسلمانوں کی جنگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ہوئی۔ امام عطا فرماتے ہیں: ”اس جنگجو قوم سے مراد ایرانی ہیں۔“ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ایک قول بھی یہی ہے، جبکہ دوسرے قول کے مطابق اس قوم سے مراد بنو حنیفہ ہیں جن کے ساتھ جنگ یمامہ ہوئی۔ اگر اس جنگجو قوم سے مراد بنو حنیفہ ہیں تو ان کے خلاف جنگ خلافت صدیق ہی میں ہوئی۔ اور حضرت ابوبکر صدیق ہی نے مسیلمہ کذاب اور یمامہ کے باسی

① التوبة 83:9. ② الفتح 15:48. ③ الإبانة عن أصول الديانة لأبي الحسن الأشعري، ص:67، ومقالات الإسلاميين لأبي الحسن الأشعري: 144/2.

بنو حنیفہ کے خلاف اعلان جنگ کیا تھا۔

اور اگر اس قوم سے مراد رومی اور ایرانی ہیں① تب بھی ان کے خلاف جنگوں کا آغاز حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی کے دور میں ہوا تھا اور پھر عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ان جنگجو قوموں کو مسلمانوں نے شکست فاش سے دوچار کیا۔

لہٰذا اگر اس آیت سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی امامت برحق ثابت ہوتی ہے تو اسی آیت سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت بالاولیٰ ثابت ہوتی ہے کیونکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی نے حضرت عمر کو خلیفہ مقرر کیا تھا۔

قرآن مجید کی مذکورہ آیات حضرت ابوبکر اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی امامت کی روشن دلیلیں ہیں، لہٰذا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر کی خلافت برحق ثابت ہوئی تو پھر یہ بات آپ ہی آپ لازم ٹھہری کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ سب مسلمانوں سے افضل ہیں۔②

دلیل: 7

ارشاد ربانی ہے:

﴿لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝﴾

”(مال فے) ان مہاجر فقراء کے لیے ہے جو اپنے گھروں اور اپنے مالوں سے نکالے گئے وہ اللہ کا فضل اور اس کی رضا ڈھونڈتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں، یہی لوگ سچے ہیں۔“③

وجہِ استدلال: اس آیت سے خلافت صدیق کی دلیل اس طرح بنتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مہاجرین کو ”صادقین“ کے نام سے موسوم کیا ہے۔ اور جس شخص کی سچائی کی گواہی خود

① تفسير الطبري:26/82-84، والاعتقاد للبيهقي، ص:173. ② الإبانة عن أصول الديانة لأبي الحسن الأشعري، ص:67. ③ الحشر 59:8.

رب العالمین دے تو اس شخص سے جھوٹ کا ارتکاب ناممکن ہے۔ وہ شخص جھوٹ کے قریب بھی نہیں پھٹک سکتا۔ انھی صادقین کے گروہ نے، جنھیں عرش والے نے نہایت سچا قرار دیا ہے، متفقہ طور پر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفۂ رسول ہونے کا لقب عطا کیا ہے۔ [1]

اس اعتبار سے یہ آیت خلافت صدیق کے برحق ہونے کی واضح دلیل ہے۔ [2]

خلافتِ صدیقی پر احادیث نبویہ کے اشارات

خلافت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خبر بہت سی مشہور اور متواتر احادیث میں مذکور ہے۔ ان احادیث میں سے بعض میں خلافت ابوبکر کی صراحت ہے تو بعض میں واضح اشارہ موجود ہے۔ ان احادیث کا تواتر ایسا یقینی علم ہے جس کا انکار غلط نظریات کے حامل طبقے کے لیے بھی ناممکن ہے۔ [3] ان مشہور و متواتر احادیث میں سے چند ایک یہ ہیں:

حدیث 1:

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنی کسی حاجت کے لیے حاضر ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پھر کسی وقت آنے کا حکم دیا۔ اس نے عرض کیا: فرمائیے اگر آپ سے میری ملاقات نہ ہو سکی (تو پھر کیا کروں؟) وہ آپ کی وفات کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«إِنْ لَّمْ تَجِدِينِي فَأْتِي أَبَابَكْرٍ»

''اگر مجھ سے تمھاری ملاقات نہ ہو سکی تو تم ابوبکر کے پاس آجانا۔'' [4]

[1] منهاج السنة لابن تيمية: 135/1، والفصل في الملل والأهواء والنحل لابن حزم: 107/4.
[2] عقيدة أهل السنة والجماعة للدكتور ناصر بن علي الشيخ: 538/2. [3] عقيدة أهل السنة والجماعة للدكتور ناصر بن علي الشيخ: 539/2. [4] صحيح البخاري، حديث: 3659، وصحيح مسلم، حديث: 2386.

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ نبی کریم ﷺ کے وعدوں کو پورا کرنا آپ کے خلیفہ کی ذمہ داری ہے۔ اور اس میں شیعہ کا رد بھی ہے جن کا دعویٰ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت علی اور عباس رضی اللہ عنہما کی خلافت کی صراحت فرمائی ہے۔''[1]

حدیث: 2

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک موقع پر ہم نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«إِنِّي لَا أَدْرِي مَا بَقَائِي فِيكُمْ فَاقْتَدُوا بِاللَّذَيْنِ مِنْ بَعْدِي -- وَأَشَارَ إِلٰى أَبِي بَكْرٍ وَّعُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا -- وَتَمَسَّكُوا بِهَدْيِ عَمَّارٍ وَّمَا حَدَّثَكُمُ ابْنُ مَسْعُودٍ فَصَدِّقُوهُ»

''مجھے معلوم نہیں کہ میں تم میں کتنا عرصہ زندہ رہوں گا۔ تم میرے بعد آنے والے دو (خلفاء)، کی اقتدا کرنا ـــ آپ نے ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کی طرف اشارہ کرکے یہ بات ارشاد فرمائی ـــ اور عمار کی میرت کو اپنانا اور جو بات تمھیں ابن مسعود بیان کریں اس کی تصدیق کرنا۔''[2]

آپ ﷺ کے اس ارشاد ''میرے بعد آنے والے دو افراد کی اقتدا کرنا'' کا مطلب ہے کہ ان دو خلفاء کی اقتدا کرنا جو میرے بعد امور سلطنت سنبھالیں گے اور وہ دو حضرات ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما ہیں۔ آپ نے ان کی حسن سیرت اور پاک طینت کی وجہ سے ان کی اقتدا کی ترغیب دلائی ہے۔ یوں اس حدیث میں ان دونوں کی خلافت کی واضح دلیل موجود ہے۔[3]

[1] فتح الباري: 24/7. [2] سلسلة الأحاديث الصحيحة: 3/233-236، والجامع الصغير للألباني: 428/1. [3] تحفة الأحوذي: 147/10.

حدیث:3

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«بَيْنَا أَنَا نَائِمٌ أُرِيتُ أَنِّي أَنْزِعُ عَلٰى حَوْضِي أَسْقِي النَّاسَ فَجَائَنِي أَبُوبَكْرٍ فَأَخَذَ الدَّلْوَ مِنْ يَّدِي لِيُرَوِّحَنِي فَنَزَعَ دَلْوَيْنِ وَ فِي نَزْعِهٖ ضُعْفٌ وَّ اللّٰهُ يَغْفِرُ لَهٗ، فَجَاءَ ابْنُ الْخَطَّابِ فَأَخَذَ مِنْهُ فَلَمْ أَرَ نَزْعَ رَجُلٍ قَطُّ أَقْوٰى مِنْهُ، حَتّٰى تَوَلَّى النَّاسُ وَالْحَوْضُ مَلْآنُ يَتَفَجَّرُ»

''میں سویا ہوا تھا۔ مجھے خواب میں دکھایا گیا کہ میں اپنے حوض سے پانی نکال کر لوگوں کو پلا رہا ہوں، اتنے میں ابوبکر آ گئے۔ انھوں نے میرے ہاتھ سے ڈول لے لیا تاکہ مجھے آرام وسکون کا موقع دیں۔ انھوں نے دو ڈول کھینچے لیکن ان کے ڈول نکالنے میں کمزوری تھی۔ اللہ ان کی مغفرت فرمائے، پھر عمر آ گئے۔ انھوں نے ابوبکر سے ڈول لے کر (خوب پانی نکالا) میں نے کبھی اس سے زیادہ قوت کے ساتھ ڈول کھینچتے کسی کو نہیں دیکھا۔ حتی کہ لوگ سیر ہو کر چلے گئے اور حوض ابھی بھرا ہوا تھا اور بڑے جوش کے ساتھ پھوٹ رہا تھا۔''[1]

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''انبیائے کرام کے خواب وحی ہیں۔ آپ کا یہ ارشاد ''ابوبکر کے ڈول نکالنے میں کچھ کمزوری تھی۔'' اس سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کی مختصر مدت، ان کی جلدی وفات اور مرتدین کے ساتھ جنگ میں مشغولیت مراد ہے جس کے باعث آپ کے عہد میں زیادہ فتوحات نہ ہو سکیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے طویل دور خلافت میں اسلامی مملکت کی حدود خوب پھیلتی چلی گئیں۔[2]

[1] صحيح مسلم، حديث: 2392. [2] الاعتقاد للبيهقي، ص: 171.

حدیث:4

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیماری کے دوران فرمایا:

«اُدْعِي لِي أَبَا بَكْرٍ أَبَاكِ وَ أَخَاكِ حَتّٰى أَكْتُبَ كِتَابًا فَإِنِّي أَخَافُ أَنْ يَّتَمَنّٰى مُتَمَنٍّ وَّ يَقُولَ قَائِلٌ: أَنَا أَوْلٰى، وَ يَأْبَى اللّٰهُ وَالْمُؤْمِنُونَ إِلَّا أَبَابَكْرٍ»

''اپنے والد ابوبکر اور اپنے بھائی (عبد الرحمٰن) کو میرے پاس بلا لاؤ تا کہ میں انھیں ایک تحریر لکھ دوں، مجھے ڈر ہے مبادا کوئی (خلافت کا) متمنی (میرے بعد) تمنا کرنے لگے یا کوئی کہنے والا کہنے لگے: میں (خلافت کا) زیادہ حقدار ہوں، حالانکہ اللہ تعالیٰ اور مومن سوائے ابوبکر کے کسی کو خلیفہ نہیں مانیں گے۔''[1]

یہ حدیث حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت کی بڑی واضح دلیل ہے۔ اس میں نبی کریم ﷺ نے اپنے رفیق اعلیٰ سے ملنے کے بعد پیدا ہونے والے حالات کی پیش گوئی کی اور یہ بتا دیا تھا کہ مسلمان ابوبکر کے سوا کسی کو خلیفہ بنانے پر راضی نہ ہوں گے۔

اس حدیث میں یہ اشارہ بھی تھا کہ آپ ﷺ کے بعد امر خلافت میں اختلاف پیدا ہوگا، چنانچہ آپ کی پیش گوئی کے مطابق ایسا ہی ہوا۔ بعدازاں مسلمان ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر متفق ہو گئے۔[2]

حدیث:5

عبید اللہ بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا، میں نے ان سے عرض کیا: ''کیا آپ مجھے رسول اللہ ﷺ کے مرض کا واقعہ سنانا پسند

[1] صحيح مسلم، حديث: 2387. [2] عقيدة أهل السنة والجماعة للدكتور ناصر بن علي الشيخ: 2/542.

کریں گی؟'' انھوں نے کہا: ''ضرور سناؤں گی۔ رسول اللہ ﷺ کی طبیعت زیادہ خراب ہوگئی تو آپ ﷺ نے پوچھا: «أَصَلَّى النَّاسُ؟» ''کیا لوگوں نے نماز ادا کر لی ہے؟'' ہم نے عرض کیا: ''جی نہیں، اللہ کے رسول! لوگ تو آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔'' آپ ﷺ نے حکم دیا: «ضَعُوا لِي مَاءً فِي الْمِخْضَبِ» ''میرے لیے ٹب میں پانی رکھو۔'' ہم نے پانی رکھا۔ آپ نے غسل کیا، پھر اٹھنے کی کوشش کی تو آپ بے ہوش ہوگئے، ہوش آیا تو دریافت فرمایا: «أَصَلَّى النَّاسُ؟» ''کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی؟'' ہم نے جواب دیا: ''نہیں، اے اللہ کے رسول! وہ تو آپ کے منتظر ہیں۔''

آپ نے پھر حکم دیا کہ میرے لیے ٹب میں پانی رکھو۔ ہم نے پانی رکھ دیا۔ آپ نے غسل کیا، پھر مسجد میں جانے کے لیے اٹھنے کی کوشش کی تو آپ پر غشی طاری ہوگئی۔ پھر ہوش آنے پر پوچھا: «أَصَلَّى النَّاسُ؟» ''کیا صحابہ نے نماز ادا کر لی ہے؟'' ہم نے عرض کیا: ''جی نہیں، اے اللہ کے رسول! وہ تو آپ کے انتظار میں ہیں۔''

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ صحابہ کرام مسجد میں بیٹھے عشاء کی نماز کے لیے آپ کا انتظار کر رہے تھے۔ آپ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو پیغام بھیجا کہ لوگوں کو نماز پڑھا دیں۔ آپ کے پیغام بر نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو پیغام دیا کہ رسول اللہ ﷺ آپ کو نماز پڑھانے کا حکم دے رہے ہیں۔ حضرت ابوبکر نہایت رقیق القلب تھے، انھوں نے حضرت عمر سے کہا: «يَا عُمَرُ! صَلِّ بِالنَّاسِ» ''عمر! تم لوگوں کو نماز پڑھا دو۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''آپ امامت کے زیادہ حق دار ہیں۔'' (لہٰذا آپ ہی امامت کرائیں)، چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ کی بیماری کے ایام میں لوگوں کو نماز پڑھائی۔

ایک دن رسول اللہ ﷺ نے اپنی طبیعت بہتر محسوس کی تو دو آدمیوں کا سہارا لے کر نماز ظہر کے لیے تشریف لائے۔ ان دو آدمیوں میں سے ایک حضرت عباس رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ صحابہ کرام کو نماز پڑھا رہے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کو

آتے ہوئے دیکھا تو مصلے سے پیچھے ہٹنا شروع کر دیا۔ لیکن نبی کریم ﷺ نے انھیں اشارے سے حکم دیا کہ پیچھے مت ہٹو۔ پھر دونوں ساتھیوں کو حکم دیا کہ مجھے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پہلو میں بٹھا دو۔ انھوں نے آپ ﷺ کو ابوبکر کے پہلو میں بٹھا دیا، چنانچہ آپ ﷺ نے امامت شروع کر دی۔ ابوبکر کھڑے ہو کر نبی اکرم کی اقتدا میں نماز ادا کرنے لگے اور صحابۂ کرام حضرت ابوبکر کی اقتدا میں نماز پڑھنے لگے، جبکہ نبی کریم ﷺ بیٹھے ہوئے تھے۔

عبیداللہ بیان کرتے ہیں: ''میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: ''کیا میں آپ کو رسول اللہ ﷺ کی بیماری کا واقعہ سناؤں جو مجھے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے سنایا ہے؟'' انھوں نے کہا: ''ہاں سناؤ۔'' میں نے سارا واقعہ سنایا تو انھوں نے اس کی مکمل تصدیق کی۔ صرف اتنا پوچھا: ''کیا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے تمھیں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ دوسرے شخص کا نام نہیں بتایا؟'' میں نے عرض کیا: ''نہیں۔'' تو انھوں نے بتایا کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔''[1]

یہ حدیث متعدد اہم نکات پر مشتمل ہے۔ ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

- اس حدیث سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تمام صحابۂ کرام پر فضیلت اور ترجیح ثابت ہوتی ہے۔ مزید برآں اس حدیث میں اس بات کا واضح اشارہ موجود ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ساری امت سے زیادہ خلافت نبوی کے مستحق ہیں۔
- اگر امام کسی عذر کی بنا پر نماز نہ پڑھا سکتا ہو تو وہ نماز پڑھانے کے لیے اپنا نائب مقرر کر سکتا ہے۔
- امام اپنا نائب اسے مقرر کرے گا جو لوگوں میں سے سب سے افضل ہو۔
- اس حدیث میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت بھی ہے کیونکہ

[1] صحیح البخاري، حدیث: 687، وصحیح مسلم، حدیث: 418.

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے (نماز پڑھانے کے لیے) صرف انھی کا انتخاب کیا۔ [1]

حدیث: 6

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے تو انصار کہنے لگے: ''ایک امیر ہم میں سے اور ایک تم میں سے ہوگا۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ انصار کے پاس آئے اور فرمایا: ''اے انصار کی جماعت! کیا تمھیں معلوم نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر کو لوگوں کی امامت کرانے کا حکم دیا تھا؟ لہٰذا اب تم میں سے کون ہے جو ابوبکر پر خود کو مقدم سمجھتا ہے؟'' اس پر انصار نے جواب دیا: ''ہم اس بات سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں کہ ہم ابوبکر رضی اللہ عنہ پر خود کو مقدم کریں۔'' [2]

حدیث: 7

ابن سعد نے اپنی سند کے ساتھ حسن بصری رحمہ اللہ سے بیان کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے تو ہم نے اپنے حالات کا جائزہ لیا۔ ہم نے دیکھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نماز کی امامت سونپی تھی، چنانچہ ہم نے اپنی دنیا کی امامت کے لیے انھی کو پسند کر لیا جنھیں رسول اللہ نے ہمارے دین کی امامت کے لیے چنا تھا۔'' [3]

امام ابو الحسن اشعری رحمہ اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نماز کی امامت سونپنے کے واقعے پر حاشیہ لکھتے ہوئے فرمایا ہے: '' حضرت ابوبکر کو نماز کی امامت سونپنا بدیہی امر ہے، اس میں کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا انھیں مقدم کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ تمام صحابۂ کرام میں بڑے عالم اور قاری تھے۔ کیونکہ

[1] شرح صحيح مسلم للنووي: 4/137. [2] المستدرك للحاكم: 3/67. [3] الطبقات لابن سعد: 3/183.

محدثین کے نزدیک ایک متفق علیہ حدیث سے یہ ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«يَؤُمُّ الْقَوْمَ أَقْرَؤُهُمْ لِكِتَابِ اللّٰهِ، فَإِنْ كَانُوا فِي الْقِرَاءَةِ سَوَاءً فَأَعْلَمُهُمْ بِالسُّنَّةِ فَإِنْ كَانُوا فِي السُّنَّةِ سَوَاءً فَأَقْدَمُهُمْ هِجْرَةً، فَإِنْ كَانُوا فِي الْهِجْرَةِ سَوَاءً فَأَقْدَمُهُمْ سِلْماً»

''لوگوں کی امامت وہ شخص کرائے جو کتاب اللہ کا سب سے بڑا قاری اور حافظ ہو۔ اگر تمام لوگ قراءت میں برابر ہوں تو سنت نبوی کا بڑا عالم امامت کرائے، اگر سنت نبوی کے علم میں سب برابر ہوں تو ہجرت میں سبقت کرنے والا امام بنے۔ اگر ہجرت کرنے میں بھی سب یکساں ہوں تو اسلام میں مقدم شخص جماعت کرائے۔''①

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ کا یہ کلام سنہری حروف میں لکھے جانے کے قابل ہے۔ یہ تمام صفات حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ میں بیک وقت موجود تھیں۔''②

خلافت صدیقی آئمۂ کرام کی رائے میں

کیا سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت منصوص علیہ تھی؟

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت نص جلی سے ثابت ہے یا اشارے اور نص خفی کے ساتھ؟ اس بارے میں اہل سنت والجماعت کے دو قول ہیں۔ کچھ علماء کہتے ہیں: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت نص خفی اور اشارے کے ساتھ ثابت ہے۔ یہ قول امام حسن بصری اور محدثین کی ایک جماعت کی طرف منسوب ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ کی ایک روایت بھی یہی ہے۔③

ان علمائے کرام کی دلیل یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نماز کی

① صحيح مسلم، حديث: 673. ② البداية والنهاية: 265/5. ③ منهاج السنة لابن تيمية: 135,134/1

امامت سونپی تھی، نیز آپ نے مسجد نبوی کی طرف کھلنے والے تمام صحابۂ کرام کے دروازے بند کرنے کا حکم دیا تھا سوائے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دروازے کے۔

بعض علماء کا خیال ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت نص جلی سے ثابت ہے۔ یہ قول محدثین کی ایک جماعت کا ہے۔[1] جن میں امام ابن حزم الظاہری بھی شامل ہیں۔[2] ان علماء نے درج ذیل نصوص سے استدلال کیا ہے:

1. وہ حدیث جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت سے کہا تھا:

«إِنْ لَّمْ تَجِدِينِي فَأْتِي أَبَا بَكْرٍ»

''اگر تمھاری مجھ سے ملاقات نہ ہو سکی تو تم ابوبکر کی خدمت میں حاضر ہو جانا۔''[3]

2. حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں حکم دیا تھا:

«اُدْعِي لِي أَبَا بَكْرٍ أَبَاكِ وَ أَخَاكِ حَتّٰى أَكْتُبَ كِتَابًا فَإِنِّي أَخَافُ أَنْ يَّتَمَنّٰى مُتَمَنٍّ وَّ يَقُولَ قَائِلٌ: أَنَا أَوْلٰى وَ يَأْبَى اللّٰهُ وَالْمُؤْمِنُونَ إِلَّا أَبَا بَكْرٍ»

''میرے پاس اپنے والد محترم ابوبکر اور بھائی (عبد الرحمٰن) کو بلا لاؤ تا کہ میں انھیں ایک تحریر لکھ دوں کیونکہ مجھے خدشہ ہے کہ کوئی (اقتدار کا) خواہش مند یہ نہ کہنے لگے کہ میں (امامت و خلافت کا) زیادہ مستحق ہوں، حالانکہ اللہ اور مومن سوائے ابوبکر کے (خلیفہ ہونے کے) سب لوگوں کا انکار کریں گے۔''[4]

3. رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب والی حدیث جس میں آپ نے دیکھا کہ آپ حوض سے پانی نکال کر لوگوں کو پلا رہے ہیں، پھر آپ کو آرام کا موقع دینے کے لیے ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ڈول لے کر پانی نکالنا شروع کر دیا۔[5]

---

[1] عقیدة أهل السنة والجماعة للدكتور ناصر بن علي الشيخ: 547/2. [2] الفصل في الملل والأهواء والنحل لابن حزم: 107/4. [3] صحيح البخاري، حديث: 3659، وصحيح مسلم، حديث: 2386. [4] صحيح مسلم، حديث: 2387. [5] صحيح مسلم، حديث: 2392.

دکتور ناصر بن علی کہتے ہیں کہ زیر بحث مسئلے میں میرا رجحان اس طرف ہے کہ نبی مصطفیٰ ﷺ نے لوگوں کو حکم نہیں دیا کہ وہ آپ کے بعد ابوبکر کو اپنا خلیفہ اور امام بنائیں، تاہم آپ نے وحی الٰہی کے مطابق مسلمانوں کو کئی طرح کے دلائل دیے کہ مسلمان ابوبکر ہی کو خلیفہ منتخب کریں گے۔ کیونکہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بہت سے فضائل ومناقب قرآن وسنت میں آئے ہیں اور وہ ساری امت محمدیہ پر فوقیت لے گئے ہیں۔ (1)

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''یقیناً نبی کریم ﷺ نے اپنے متعدد اقوال وافعال کے ذریعے سے مسلمانوں کی راہنمائی کی تھی کہ وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنائیں۔ آپ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بارے میں اپنی رضامندی اور خواہش کا اظہار کیا تھا۔ آپ نے ان کے لیے وصیت نامہ تحریر کرنے کا عزم بھی کیا تھا، پھر آپ کو معلوم ہوا کہ مسلمان انھی پر اتفاق کرلیں گے، لہٰذا آپ نے اسی پر اکتفا کیا اور وصیت نامہ تحریر کرنے کی ضرورت محسوس نہیں فرمائی۔ اگر خلیفہ کا تعین مسلمانوں کے لیے مشتبہ معاملہ ہوتا تو آپ اس کا شافی بیان ضرور فرماتے تاکہ کسی قسم کا عذر باقی نہ رہتا لیکن جب آپ نے متعدد دلائل سے راہنمائی کردی کہ ابوبکر ہی خلیفہ ہوں گے اور مسلمان بھی آپ کی مراد سمجھ گئے تو اصل مقصود حاصل ہوگیا، اس لیے آپ ﷺ نے وصیت نامہ تحریر نہیں فرمایا۔

اسی لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مہاجرین وانصار کی مجلس میں اپنے خطبے میں کہا تھا: ''ابوبکر کے سوا تم میں کوئی شخص ایسا نہیں جسے خلیفۂ وقت کی صورت میں دیکھا جائے......''

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے مزید فرمایا: ''ابوبکر کی خلافت کی صحت پر بہت سی نصوص موجود ہیں، ان کی خلافت کے ثبوت اور اللہ اور اس کے رسول کی رضامندی کی بہت سی صحیح نصوص وارد ہیں۔ مسلمانوں نے ان کی بیعت کی اور انھیں اپنا خلیفہ چنا۔ مسلمانوں کے اس چناؤ کی بنیاد یہ تھی کہ حضرت ابوبکر صدیق کو خود اللہ تعالیٰ نے فضیلت دی تھی اور اس

(1) عقیدة أهل السنة والجماعة للدكتور ناصر بن علي الشيخ: 2/548.

کے رسول ﷺ کے ہاں بھی ان کی بڑی فضیلت تھی۔ اس طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت قطعی دلائل اور مسلمانوں کے اجماع سے ثابت ہے۔

نصوص کی دلالت اس طرح ہے کہ ابوبکر کی خلافت پر اللہ اور اس کے رسول راضی ہیں، ان کی خلافت برحق ہے، اللہ نے اس کا حکم دیا ہے، اس کو مقدر کیا ہے اور یہ کہ مسلمان خود خلیفہ منتخب کریں گے۔ یہ تمام چیزیں مجرد تحریر نامے سے زیادہ بلیغ ہیں کیونکہ اُس صورت میں صرف تحریر ہی خلافتِ صدیق کے صحیح ہونے کی دلیل سمجھی جاتی۔

لیکن جب مسلمانوں نے انھیں بغیر کسی تحریری دستاویز کے خلیفہ چنا اور نصوص نے ان کے انتخاب کی درستی پر مہر تصدیق ثبت کردی کہ یہ اللہ اور اس کے رسول کی رضامندی والا کام ہے تو یہ اس حقیقت کی بہت بڑی دلیل تھی کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایسے ممتاز فضائل کے حامل تھے جو کسی دوسرے مسلمان کو حاصل نہ تھے۔ ان فضائل و خصائل ہی کی بدولت مسلمانوں کو علم ہوا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہی امامت کے سب سے زیادہ مستحق ہیں اور ایسی خوبیوں سے متصف شخص کے لیے کسی عہد نامے کی ضرورت نہیں۔"[1]

خلافت صدیق پر اجماع

سلف صالحین اور جمہور علماء کا اجماع ہے کہ نبی کریم ﷺ کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے فضائل و مکارم، سبقت اسلام اور تمام صحابہ پر امامتِ نماز میں نبی ﷺ کی تقدیم کی وجہ سے خلافت کے مستحق ہیں۔ جب نبی کریم ﷺ نے انھیں نماز کی امامت سونپی تو صحابۂ کرام نبی کریم کی مراد سمجھ گئے، لہٰذا انھوں نے بالاتفاق ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی کو اپنا خلیفہ چن لیا اور ایک فرد بھی اس اتفاق سے پیچھے نہیں رہا۔ اور یہ ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ تمام صحابہ کو گمراہی پر متفق کرتا، چنانچہ سب نے دلی رضامندی کے ساتھ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی

[1] منهاج السنة لابن تيمية: 1/139-141، و الفتاوى لابن تيمية: 35/47-49.

بیعت کی۔ وہ سب آپ کی اطاعت کرتے تھے، کسی نے بھی ان کے خلیفہ بننے پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ ①

جب حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کب ہوئی؟ تو انھوں نے جواب دیا: ''اسی دن جس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی۔ صحابۂ کرام نے گوارا نہ کیا کہ وہ چند گھڑیاں بھی بغیر جماعت اور امیر کے گزاریں۔'' ②

معتبر علمائے کرام کی ایک جماعت نے صحابہ کرام اور ان کے بعد اہل سنت والجماعت کا اجماع نقل کیا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کسی بھی دوسرے مسلمان سے خلافت کے زیادہ مستحق تھے۔ ③ اس سلسلے میں اہل علم کے چند اقوال درج ذیل ہیں:

❁ امام خطیب بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''مہاجرین اور انصاری صحابہ کا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اجماع ہے۔ صحابۂ کرام حضرت ابوبکر کو خلیفۂ رسول کے نام سے پکارتے تھے۔ ان کے بعد کسی اور کو یہ لقب نہیں دیا گیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت تیس ہزار مسلمان موجود تھے، وہ سب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ کا خلیفہ کہہ کر مخاطب کرتے تھے۔ اور آپ کے خلیفہ منتخب ہونے پر راضی تھے۔'' ④

❁ امام ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ نے مہاجرین، انصار اور اسلام میں سبقت کرنے والوں کی تعریف کی ہے۔ قرآن مجید کے متعدد مقامات پر مہاجرین اور انصار کی مدح بیان ہوئی ہے۔ قرآن مجید نے اہل بیعت الرضوان کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے: ﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ﴾

''تحقیق اللہ مومنوں سے راضی ہوگیا جب وہ درخت کے نیچے آپ کی بیعت

① عقيدة أهل السنة والجماعة للدكتور ناصر بن علي الشيخ: 550/2. ② أباطيل يجب أن تمحى من التاريخ للدكتور إبراهيم علي، ص: 101. ③ عقيدة أهل السنة والجماعة للدكتور ناصر بن علي الشيخ: 550/2. ④ تاريخ بغداد: 131,130/10.

کر رہے تھے۔‘‘ ①

یہ تمام صحابہ جن کی تعریف و توصیف اللہ تعالیٰ نے کی ہے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی امامت پر متفق ہیں۔ انھوں نے حضرت ابوبکر کو ’’خلیفۂ رسول اللہ‘‘ کا لقب دیا، ان کی بیعت کی اور دل و جان سے ان کے احکامات کی تعمیل کرتے رہے۔ ان سب نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی یگانہ فضیلت کا اقرار کیا ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ امامت کے استحقاق کے لیے مطلوب تمام ضروری اوصاف، مثلاً: علم، زہد، تقوی، قوت رائے اور سیاسی تدبر وبصیرت میں تمام صحابہ سے افضل و اعلیٰ تھے۔‘‘ ②

❁ عبدالملک جوینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ’’حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی امامت و خلافت صحابۂ کرام کے اجماع سے ثابت ہے۔ بلاشبہ وہ سب آپ کی اطاعت وفرماں برداری پر متفق تھے۔ ...... اور شیعہ نے یہ بالکل صریح جھوٹ گھڑا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی امامت کے لیے ڈٹ گئے تھے اور انھوں نے سخت موقف اختیار کیا تھا۔

ہاں، اتنی بات درست ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر حزن و ملال کی وجہ سے سقیفہ بنی ساعدہ میں بیعت کے وقت موجود نہیں تھے۔ لیکن بعد میں وہ بھی دیگر صحابہ کی طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت میں داخل ہوگئے۔ انھوں نے بہت سے صحابہ کی موجودگی میں حضرت ابوبکر کی بیعت کی تھی۔‘‘ ③

❁ حافظ ابوبکر الباقلانی رحمہ اللہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اجماع کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ’’ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اطاعت وفرماں برداری اور امامت پر مسلمانوں کے اجماع کی وجہ سے آپ کی اطاعت فرض تھی۔ اسی لیے جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ

① الفتح 48:18. ② الإبانة عن أصول الديانة لأبي الحسن الأشعري، ص: 66. ③ كتاب الإرشاد للجويني، ص: 361.

کے سامنے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا: «أَقِيلُونِي فَلَسْتُ بِخَيْرِكُمْ»
''مجھے سبکدوش کردو کیونکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں۔''
تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:
''ہم آپ کو سبکدوش کریں گے نہ آپ سے سبکدوش ہونے کا مطالبہ کریں گے۔
جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو ہماری دینی ذمہ داری سونپی تھی، تو کیا ہم آپ کو اپنی دنیاوی ذمہ داری کے لیے پسند نہ کریں؟''
حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اشارہ آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں نماز کی امامت کی ذمہ داری ملنے اور آپ کے امیر حج بنائے جانے کی طرف تھا۔ رسول اللہ نے آپ کو 9ھ میں امیر حج بنا کر روانہ فرمایا تھا۔
حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ امت محمدیہ میں سب سے افضل، سب سے اعلیٰ، ایماندار، سب سے کامل فہم وادراک والے اور سب سے بڑے عالم دین تھے۔'' [1]

منصب خلافت، خلیفہ کی ذمہ داریاں اور استحقاقِ خلافت

منصب خلافت اور خلیفہ کی ذمہ داریاں

خلافت اسلامی ہی وہ منہج وطریقہ ہے جسے امت اسلامیہ نے اپنے لیے طرزِ حکومت کے طور پر اختیار کیا۔ اسی نظام کے تحت امت کے امور کی نگہبانی کی جائے گی۔ نظام خلافت کی ابتدا امت اسلامیہ کی ایک ضرورت کے تحت ہوئی اور پھر امت اس پر بالکل

[1] الإنصاف فيما يجب اعتقاده لأبي بكر الباقلاني، ص: 65. یہاں یہ وضاحت کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ خلافت صدیق کے بارے میں قرآن وسنت کی تمام نصوص اور اجماع کا تذکرہ میں نے ناصر بن عائض حسن الشیخ کی بے مثال کتاب «عقيدة أهل السنة والجماعة في الصحابة الكرام» سے اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے۔

مطمئن ہوگئی، اسی لیے مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد کمال سرعت سے معاً آپ کا جانشین چن لیا۔

امام ابوالحسن الماوردی فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے ایک سربراہ مقرر کردیا تھا جو نبوت کا جانشین بنا اور اس نے ملت کے امور سنبھال لیے۔ سیاسی امور بھی اسی کے سپرد ہوئے تاکہ تمام مسائل کا حل دین حنیف کے دائرے میں رہتے ہوئے ہو اور مسلمانوں کی اجتماعی رائے ایک امام کی رائے کے تابع ہو۔ یوں امامت ہی کی بنیاد پر دین کی اساسیات کو استحکام ملا اور انسانی فلاح و بہبود کا کام ہوا۔ امور عامہ نے بھی امامت ہی سے تقویت حاصل کی اور خاص امور کی انجام دہی کے سلسلے میں بھی اسی سے استفادہ کیا گیا۔'' ①

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد امت اسلامیہ کو نہایت نازک اور پُرخطر حالات کا سامنا تھا جس میں تمام امور سرعت اور حکمت و تدبر کے ساتھ نبٹانے کی اشد ضرورت تھی تاکہ کسی قسم کے انتشار وافتراق کا موقع نہ ملے اور افراد کے دلوں میں شک کا زہر سرایت نہ کرسکے۔ رسول اللہ ﷺ کی قائم کی ہوئی شاندار عمارت میں کسی قسم کی کمزوری نہ آئے۔ جب خلافت ہی مسلمانوں کا نظام حکومت ٹھہرا تو اس کے اصول وقواعد بھی مسلمانوں کے دستور قرآن مجید اور سنت نبوی ہی سے اخذ کیے گئے۔ ②

فقہائے کرام نے خلافت اسلامیہ کی اساس کے بارے میں خصوصی بحثیں لکھی ہیں۔ ان کے نزدیک خلافت اسلامیہ کی بنیاد شوریٰ اور بیعت پر ہے اور انھی دو بنیادوں کی طرف قرآن مجید میں اشارہ کیا گیا ہے۔

منصب خلافت پر امارت اور امامت کا اطلاق بھی ہوتا ہے۔ تمام مسلمانوں کا خلافت

① الأحكام السلطانية للماوردي، ص:3. ② عصر الخلفاء الراشدين للدكتورة فتحية النبراوي، ص:23,22.

کے وجوب پر اجماع ہے، یعنی خلیفہ کا تعین واجب ہے تا کہ وہ امت کے امور کی نگہبانی کرے، اللہ کی حدود نافذ کرے، دعوت اسلامی کی نشر واشاعت کا اہتمام کرے، جہاد فی سبیل اللہ کے ذریعے دین اور امت کی حفاظت کرے، شریعت الٰہی کا نفاذ کرے، لوگوں کے حقوق کی حفاظت کرے، مظلوموں کی دادرسی کرے اور معاشرے کے ہر فرد کو ضروریات زندگی بہم پہنچائے۔

خلیفہ کے یہ تمام فرائض قرآن وسنت اور اجماع امت سے ثابت ہیں۔ [1]

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ﴾

''اے ایمان والو! تم اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں۔'' [2]

نیز ارشاد فرمایا:

﴿ يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ ۝﴾

''(ہم نے کہا:) اے داود بے شک ہم نے تمھیں زمین میں خلیفہ بنایا ہے، لہٰذا تم لوگوں کے درمیان انصاف سے فیصلہ کرنا اور نفسانی خواہش کی پیروی نہ کرنا کہ وہ تمھیں اللہ کے راستے سے بھٹکا دے گی، بلاشبہ جو لوگ اللہ کے راستے سے بھٹک جاتے ہیں ان کے لیے شدید عذاب ہے، اس لیے کہ وہ یوم حساب کو بھول گئے۔'' [3]

اور رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«مَنْ خَلَعَ يَدًا مِّنْ طَاعَةٍ لَّقِيَ اللّٰهَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَا حُجَّةَ لَهٗ وَ مَنْ

[1] الخلافة والخلفاء الراشدون لسالم البهنساوي، ص: 58. [2] النسآء 4:59. [3] صٓ 38:26.

مَّاتَ وَ لَيْسَ فِي عُنُقِهِ بَيْعَةٌ مَّاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً»

''جس نے (حاکم کی) اطاعت سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا وہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ اس کے پاس کوئی دلیل نہیں ہوگی۔ اور جو (حاکم کی) بیعت کے بغیر ہی مرگیا، وہ جاہلیت کی موت مرا۔''[1]

اس بارے میں اجماع کی دلیل یہ ہے کہ صحابۂ کرام نے رسول اللہ ﷺ کی تجہیز و تکفین اور تدفین سے قبل ہی کمال سرعت کے ساتھ سقیفہ بنی ساعدہ میں جوق درجوق جمع ہوکر اپنے امام اور خلیفہ کا انتخاب اور بیعت کی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس امانت کو اس خدشے کے پیش نظر قبول کر لیا مبادا خلیفہ کے عدم تعین سے امت میں افتراق و انتشار پھوٹ پڑے۔[2]

امام شہرستانی اس بارے میں رقمطراز ہیں: ''حضرت ابوبکر یا کسی اور صحابی کے دل میں یہ تصور ہی نہیں تھا کہ امام کے بغیر بھی رہا جاسکتا ہے۔''

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ تمام صحابۂ کرام اس بات پر متفق تھے کہ امام کا ہونا ضروری ہے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا یہی اجماع امام کے وجوب کی قاطع دلیل ہے۔[3]

مذکورہ تفصیل اور دلائل سے واضح ہوا کہ حاسدین کا یہ پراپیگنڈہ بالکل باطل ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے دفن کے انتظامات کے بجائے خلیفہ کے انتخاب میں مشغولیت دراصل حکمرانی کی طمع کے سبب تھی۔[4]

علامہ ابن خلدون نے خلافت کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے: ''تمام لوگوں کو ان کے اخروی اور دنیوی مصالح ومنافع میں شریعت کا پابند اور تابع بنانا خلافت ہے کیونکہ شارع کے نزدیک تمام دنیوی احوال اخروی مصالح کے تابع ہیں، چنانچہ خلافت درحقیقت

[1] صحيح مسلم، حديث:1851. [2] الخلافة والخلفاء الراشدون لسالم البهنساوي، ص: 59.
[3] الملل والنحل للشهرستاني :83/7، ونظام الحكم لمحمود الخالدي، ص:237-248.
[4] الخلافة والخلفاء الراشدون لسالم البهنساوي، ص:49.

اس دین کی حفاظت اور اس کے ساتھ دنیوی امور کی تدبیر میں صاحب شریعت کی نیابت کا نام ہے۔"[1]

استحقاقِ خلافت سے متعلقہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ممتاز خوبیاں

علامہ ابوالحسن ندوی رحمہ اللہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت کے تقاضے اور شرائط بیان کی ہیں۔ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی سیرت سے دلائل و براہین کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ ان میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ ہونے کی شرائط بدرجہ اتم موجود تھیں۔ ہم وہ شرائط مختصراً بیان کریں گے لیکن ان کے شواہد کا تذکرہ نہیں کریں گے جو علامہ صاحب نے بیان کیے ہیں، البتہ میں نے اس کتاب میں متعدد مقامات پر ان کا تذکرہ کیا ہے۔ ان شرائط میں سے اہم ترین درج ذیل ہیں:

- حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس لحاظ سے ممتاز ہیں کہ اسلام قبول کرنے کے بعد وہ ساری زندگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معتمد خاص رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر اپنے بے پناہ اعتماد کی گواہی بھی دی ہے۔ آپ نے انھیں دین اسلام کے اہم ترین اور بنیادی ارکان کی انجام دہی میں اپنا خلیفہ مقرر کیا، بہت ساری اہم مہمات اور دینی و دنیوی اُمور میں اپنا قائم مقام بنایا۔ خطرناک ترین لمحات کے لیے اپنا ساتھی چنا، ایسے حالات میں انھیں اپنا معتمد ومصاحب بنایا جب انسان صرف اپنے انتہائی معتبر اور معتمد خاص ہی پر بھروسا کرسکتا ہے۔
- کفر و ارتداد کی تند وتیز آندھیوں اور طوفانوں میں قوت ایمان کے ساتھ مضبوط کھڑے رہنے میں بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ممتاز ہیں۔ ایسی آندھیاں جو دین اسلام کو جڑ سے اکھاڑنے کے لیے چلیں اور صاحب رسالت کی مساعی جمیلہ کو ختم کرنے کے درپے ہوئیں حتیٰ کہ مضبوط سے مضبوط تر ایمان والے قدیم مسلمانوں کے دل بھی دہل گئے، اس

[1] المقدمة لابن خلدون، ص:191

وقت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی تھے جو پہاڑ کی طرح جمے رہے۔ آپ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مخلص، سچے اور پختہ ایمان خلیفہ ہونے کا عظیم کردار ادا کیا۔ آپ نے پُر آشوب حالات میں آنکھوں پر پڑنے والے گمراہی کے پردے ہٹائے اور خالص دین اور صحیح اسلامی عقیدے پر پڑنے والے گرد وغبار کو آپ ہی نے صاف کیا۔

❁ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں اسلام کی گہری بصیرت اور دقیق فہمی کے لحاظ سے بھی سب سے ممتاز اور منفرد نظر آتے ہیں۔ زمانۂ جنگ ہو یا صلح، خوف و ہراس کی فضا ہو یا امن و امان کی، اجتماع کی حالت ہو یا خلوت و انفرادیت کی تنگی کا زمانہ ہو یا خوشحالی کا دور، سب مواقع پر آپ گہری اسلامی بصیرت اور جرأت و دانائی کے ساتھ ممتاز نظر آتے ہیں۔

❁ جتنی غیرت لوگ اپنی عزت وشرف، بیویوں اور ماؤں، بیٹوں اور بیٹیوں کے بارے میں دکھاتے ہیں اس سے کہیں زیادہ شدید غیرت ایمانی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ دین حنیف اور اس کی بقا کے لیے رکھتے تھے۔ ان کی اس دینی غیرت اور اسلامی حمیت میں کوئی خوف، طمع، تاویل یا اپنے پیاروں کی عدم موافقت حائل نہیں ہونے پاتی تھی۔

❁ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمناؤں کی تکمیل ابوبکر رضی اللہ عنہ کا نصب العین تھا اور وہ اس بارے میں بے حد حساس تھے۔ آپ کی خواہشات کی تکمیل میں بال برابر کمی یا تبدیلی بھی برداشت نہیں کرتے تھے۔ اس سلسلے میں کسی سے سودے بازی ممکن تھی نہ انھیں کسی کی ملامت کا خوف دامن گیر تھا۔

❁ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ دنیاوی مال ومتاع کو اس قدر ہیچ اور ناقابل توجہ سمجھتے تھے کہ اس سے بڑھ کر اعلیٰ درجے کے زہد کی شان صرف انبیاء اور ان کے امام و پیشوا سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کو حاصل تھا۔ اپنے خاندان اور ورثاء کے لیے ملک وحکومت کی تاسیس وتوسیع کا انھیں کبھی خیال تک نہیں آیا جیسا کہ اس دور میں جزیرۂ عرب کے قرب میں رومی اور ایرانی

حکمران خاندان اپنے اپنے علاقوں میں کر رہے تھے۔ [1]

مذکورہ بالا تمام صفات اور شرائط سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی ذات میں موجود تھیں۔ یہ صفات ان کی زندگی اور سیرت کا حصہ تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں خلافت سے پہلے بھی موجود تھیں اور خلافت ملنے کے بعد فوت ہونے تک بدرجہ اتم باقی رہیں۔

کوئی منکر ان کا انکار کر سکتا ہے نہ کوئی شاکی ان کی صحت میں شک کر سکتا ہے کیونکہ یہ وہ حقائق ہیں جو تواتر کے ساتھ ثابت ہیں۔ [2]

سقیفہ بنی ساعدہ میں اہل حل وعقد نے جمع ہو کر ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیعتِ خاص کی، پھر انھوں نے اگلے ہی روز مسجد نبوی میں اپنے نامزد خلیفہ کی بیعتِ عام کا بندوبست کیا۔ [3]

سقیفہ بنی ساعدہ میں طے پانے والے امور

سقیفہ بنی ساعدہ کی مجلس میں چند بنیادی اصول طے پا گئے تھے۔ ان میں سے چند ایک یہ ہیں:

1. امت کے قائد کا انتخاب چناؤ کے طریقے سے کیا جائے گا۔
2. اس انتخاب اور شرعی قیادت کے لیے اصل قاعدہ بیعت ہے۔
3. خلافت وہی سنبھالے گا جو دین میں سب سے مضبوط اور انتظامی امور کا ماہر ہو، چنانچہ خلیفہ کا انتخاب اسلامی، شخصی اور اخلاقی لوازم کے ساتھ ہوگا اور اس میں وراثت نسبی یا خاندانی کا کوئی دخل نہیں ہوگا۔ اور سقیفہ بنی ساعدہ میں قریش کی برتری کو امرِ واقعہ کے طور پر تسلیم کرنا چاہیے، اسی طرح ان کی مذکورہ حیثیت کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کے مشابہ ہر اس امر کا بھی اعتبار کرنا ضروری ہے جو کسی اسلامی اصول سے متعارض نہ ہو۔

مؤلف یہ کہنا چاہتا ہے کہ قریش کو خلافت کا حقدار قرار دیا گیا تھا بعض اوصاف اور

[1] المرتضى لأبي الحسن الندوي، ص:66,65. [2] المرتضى لأبي الحسن الندوي، ص:67.
[3] الخلافة والخلفاء الراشدون لسالم البهنساوي، ص:67,66.

امور کی بنا پر لہٰذا یہ اوصاف اور امور جس قبیلے میں ہوں وہ بھی مستحق خلافت ہے۔

4 سقیفہ بنی ساعدہ میں ہونے والی گفتگو مکمل طور پر پرامن تھی۔ اس موقع پر کوئی ہنگامہ یا فساد نہیں ہوا، کسی کی تکذیب نہیں ہوئی، کوئی خفیہ سازش نہیں ہوئی، مسلمانوں کے اتحاد و اتفاق پر کوئی آنچ نہیں آئی بلکہ ان شرعی نصوص کو تسلیم کر لیا گیا جو اس گفتگو میں فیصلے کے لیے پیش کی گئیں۔ [1]

دکتور توفیق الشاوی نے واقعۂ سقیفہ سے خلفائے راشدین کے دور میں شوریٰ سے صادر ہونے والے بعض واقعات پر استدلال کیا ہے۔

وہ فرماتے ہیں: ''سقیفہ بنی ساعدہ والے دن پہلی چیز یہ منظور ہوئی کہ نظام حکومت اور ملک کا آئین آزاد شورائی نوعیت کا ہوگا۔ یہ قرارداد قرآنی نص کے اصول کو اپناتے ہوئے پاس ہوئی، اس طرح اس بنیادی قانون پر اجماع صحابہ ہوگیا۔ اس اجماع کی بنیاد وہ قرآنی نصوص تھیں جن میں شوریٰ کی فرضیت بیان ہوئی ہے، یعنی اس اجماع نے اسلامی حکومت کے نظام کے شورائی قانون کی مزید تاکید کر کے اسے عوام کے سامنے پیش کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد یہ پہلا دستوری قانون تھا جسے بذریعہ اجماع پاس کیا گیا۔ لیکن یہ بات یاد رہے کہ اس اجماع کی حیثیت صرف اتنی تھی کہ اس نے قرآن و سنت میں وارد شورائی نظام کے متعلق نصوص کی تائید اور نفاذ کی حمایت کی ہے۔

سقیفہ بنی ساعدہ کی مجلس میں یہ قرارداد بھی پاس کی گئی کہ اسلامی حکومت کے سربراہ اور اس کے اختیارات کا تعین شوریٰ کے ذریعے ہونا ضروری ہے، یعنی شوریٰ آزاد بیعت کے ذریعے سے منتخب نمائندے کو متعینہ شرائط اور قوانین کے مطابق حکومت سونپے گی اور وہی شخص مملکت کا سربراہِ اعلیٰ ہوگا۔ گویا یہ موجودہ دور کا آئین تھا۔

یہ دوسرا قانون بھی صحابۂ کرام کے نزدیک مکمل اتفاق رائے سے لاگو ہوا۔

[1] دراسات في عهد النبوة والخلافة الراشدة للشجاع، ص: 256.

سابقہ دو قوانین کے مطابق ہی سقیفہ بنی ساعدہ کی مجلس نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اسلامی حکومت کا سربراہ منتخب کیا۔"[1]

لیکن یہ نامزدگی بھی حتمی نہیں تھی تاوقتیکہ بیعت عام کے ساتھ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تائید نہ کر دی گئی، یعنی اگلے دن جمہور مسلمانوں نے مسجد نبوی میں ان کی عام بیعت کر کے اس انتخاب کو حتمی شکل دی، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ خلافت چند شرائط کے ساتھ ہی قبول کی۔ انھوں نے اپنے ابتدائی خطاب ہی میں وہ شرائط بیان کر دیں۔[2] ہم وہ شرائط عنقریب تفصیل سے بیان کریں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

[1] فقه الشورٰى والاستشارة للدكتور توفيق الشاوي، ص:140. [2] فقه الشورٰى والاستشارة للدكتور توفيق الشاوي، ص:142.
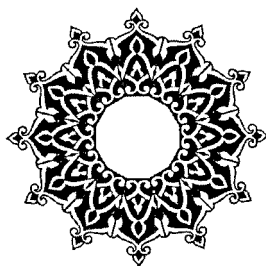
بیعتِ عام، خطبۂ خلافت اور داخلی نظم ونسق

بیعت عام

سقیفہ بنی ساعدہ میں بیعت خاص کی تکمیل کے بعد اگلے روز مسلمان عام بیعت کے لیے مسجد نبوی میں جمع ہوئے۔ اس موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خصوصی خطاب کیا جس میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے فضائل ومناقب بیان کرکے ان کی تائید کی اور لوگوں کو ان کی بیعت کی دعوت دی۔ [1]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت ہوئی تو اگلے دن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ منبر پر تشریف فرما ہوئے۔ اس موقع پر حضرت عمر نے کھڑے ہوکر خطبۂ استقبالیہ دیا۔ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی، پھر فرمایا:

''اے لوگو! میں نے کل جو خطاب کیا تھا وہ قرآن مجید میں تھا نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس کا حکم دیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس معاملے کا

[1] عصر الخلفاء الراشدين للدكتورة فتحية النبراوي، ص: 30

بندوبست ضرور فرمائیں گے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تمھاری راہنمائی کے لیے اپنی کتاب تمھارے پاس محفوظ رکھی ہے۔ اس کتاب کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی راہنمائی فرمائی تھی، لہٰذا اگر تم بھی اسے مضبوطی سے تھام لوگے تو رسول اللہ ﷺ کی طرح راہ ہدایت پالوگے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تمھیں تمھارے بہترین شخص کی حکمرانی پر جمع کردیا ہے۔ یہ رسول اللہ ﷺ کے معتمد خاص ہیں، غارِ ثور میں ہجرت کے وقت آپ کے ساتھ تھے، لہٰذا اٹھو اور ان کی بیعت کرو۔‘‘ چنانچہ تمام لوگوں نے سقیفہ کی بیعت خاص کے بعد بیعت عام کی۔

خطبۂ خلافت اور اس کے اہم نکات

خطبۂ خلافت

بیعت کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی شان اقدس کے لائق حمدوثنا بیان کی اور فرمایا:

«أَمَّا بَعْدُ! أَيُّهَا النَّاسُ فَإِنِّي قَدْ وُلِّيتُ عَلَيْكُمْ وَ لَسْتُ بِخَيْرِكُمْ، فَإِنْ أَحْسَنْتُ فَأَعِينُونِي وَ إِنْ أَسَأْتُ فَقَوِّمُونِي، اَلصِّدْقُ أَمَانَةٌ وَّالْكَذِبُ خِيَانَةٌ وَّالضَّعِيفُ فِيكُمْ قَوِيٌّ عِنْدِي حَتّٰى أُرِيحَ عَلَيْهِ حَقَّهُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ وَالْقَوِيُّ فِيكُمْ ضَعِيفٌ عِنْدِي حَتّٰى آخُذَ الْحَقَّ مِنْهُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ، لَا يَدَعُ قَوْمٌ الْجِهَادَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ إِلَّا ضَرَبَهُمُ اللّٰهُ بِالذُّلِّ وَ لَا تَشِيعُ الْفَاحِشَةُ فِي قَوْمٍ إِلَّا عَمَّهُمُ اللّٰهُ بِالْبَلَاءِ، أَطِيعُونِي مَا أَطَعْتُ اللّٰهَ وَ رَسُولَهُ، فَإِذَا عَصَيْتُ اللّٰهَ وَ رَسُولَهُ فَلَا طَاعَةَ لِي عَلَيْكُمْ،

قُومُوا إِلٰى صَلَاتِكُمْ يَرْحَمُكُمُ اللّٰهُ»

''امابعد! سامعین کرام! مجھے تمھارا سربراہ بنایا گیا ہے۔ میں خود کو تم سے بہتر نہیں سمجھتا۔ اگر میں درست کام کروں تو میری مدد کرنا۔ اگر مجھ سے غلطی ہو جائے تو میری اصلاح کرنا۔ سچ امانت ہے اور جھوٹ خیانت ہے۔ تمھارا کمزور شخص میرے نزدیک طاقتور ہے حتی کہ میں اس کا حق اسے دلادوں، ان شاء اللہ۔ تمھارا طاقتور شخص میرے نزدیک کمزور ہے حتی کہ میں اس سے مظلوم کا حق وصول کرلوں، ان شاء اللہ۔ جب کوئی قوم جہاد فی سبیل اللہ سے منہ موڑ لیتی ہے تو اللہ تعالیٰ اسے ذلیل کر دیتا ہے۔ جس قوم میں بے حیائی عام ہو جائے اللہ تعالیٰ ان پر عمومی عذاب نازل کر دیتا ہے۔ میری اطاعت اس وقت تک کرنا جب تک میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا رہوں۔ جب میں اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرنے لگوں تو تم پر میری اطاعت ضروری نہیں۔ اٹھو نماز ادا کرو، اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے۔''[1]

اس روز حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اصرار کر کے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو منبر پر تشریف فرما ہونے کا کہا، جب وہ منبر پر تشریف فرما ہو گئے تو سب لوگوں نے ان کی بیعت کی۔[2]

یہ خطبہ مختصر ہے اور اپنی عمدگی کے اعتبار سے شاندار اسلامی خطبات میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس خطبے میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حاکم اور رعایا کے تعلقات میں عدل و انصاف اور رحمدلی کی اہمیت بیان کی۔ انھوں نے واضح کر دیا کہ سربراہ حکومت کی اطاعت اس وقت تک ضروری ہے جب تک وہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت پر کاربند ہے۔ جہاد فی سبیل اللہ کی صراحت اس لیے کی کہ امت اسلامیہ کی عزت و وقار اسی میں پنہاں ہے۔ فواحشات سے بچنے کی تلقین کی کیونکہ گناہوں سے لت پت معاشرے انحطاط اور تباہی

[1] البداية والنهاية: 306,305/6، إسناده صحيح. [2] صحيح البخاري، حديث: 7219.

سے دوچار ہوجاتے ہیں۔ [1]

خطبۂ خلافت کے اہم نکات

اس عظیم خطبے اور رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد رونما ہونے والے حادثات و واقعات سے ایک محقق خلافت راشدہ کے ابتدائی نظام حکومت کے نمایاں اثرات مستنبط کرسکتا ہے۔ اہم اور چیدہ چیدہ اثرات درج ذیل ہیں:

بیعت کا مفہوم: علمائے کرام نے بیعت کی متعدد تعریفیں کی ہیں۔ علامہ ابن خلدون نے اس کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

''امیر کی اطاعت وفرمانبرداری کا عہد و پیمان بیعت کہلاتا ہے۔'' [2]

کچھ علماء نے بیعت کی تعریف اس طرح کی ہے:

''اسلام کے لیے کیے گئے عہد و پیمان کو بیعت کہتے ہیں۔'' [3]

یہ بھی کہا گیا ہے کہ کتاب وسنت نے جن چیزوں کو باقی رکھا ہے اور ان کی ترویج کی ہے ان چیزوں کی بقا اور ترویج کے لیے باہمی میثاق اور عہد و پیمان کا نام بیعت ہے۔ [4]

مسلمان جب کسی امیر کی بیعت کرلیتے تھے تو پھر اپنے ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیتے تھے، وہ یہ کام معاہدے کو مزید پختہ اور مؤکد بنانے کے لیے کرتے تھے۔ ان کا یہ عمل خرید وفروخت کرنے والے دو اشخاص کے مشابہ ہے۔ (کیونکہ اس دور میں بائع اور مشتری بیع کو حتمی شکل دینے کے لیے ایک دوسرے سے ہاتھ ملاتے تھے) اسی لحاظ سے مسلمانوں کے اس عمل کو بیعت کہا جاتا ہے۔ [5]

[1] التاريخ الإسلامي للحميدي:28/9. [2] المقدمة لابن خلدون، ص:209. [3] جامع الأصول في أحاديث الرسول للجزري:252/1. [4] نظام الحكم في الإسلام لعارف أبي عيد، ص:248.
[5] نظام الحكم في الإسلام لعارف أبي عيد، ص:250.

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت سے یہ سبق ملتا ہے کہ اسلامی مملکت کا سربراہ جب اہل رائے افراد کے مشورے اور عوامی بیعت کے ذریعے سے اپنا عہدہ سنبھال لیتا ہے تو پھر تمام مسلمانوں پر اس کی بیعت کرنا اور اس پر متفق ہونا واجب ہو جاتا ہے۔ اس کے خلاف بغاوت کرنے والوں کے خلاف اس کی مدد کرنا بھی واجب ہو جاتا ہے تاکہ اسلامی حکومت اندرونی اور بیرونی دشمنوں کے سامنے مکمل اتحاد و اتفاق کا مظاہرہ کر سکے۔ [1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

«مَنْ مَّاتَ وَلَيْسَ فِي عُنُقِهِ بَيْعَةٌ، مَّاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً»

''جو شخص امام کی بیعت کے بغیر مر گیا تو وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔'' [2]

اس حدیث میں امام کی بیعت کرنے کی ترغیب دلائی گئی ہے، جبکہ بیعت نہ کرنے والوں کے لیے شدید وعید بیان ہوئی ہے، لہٰذا جو شخص بغیر بیعت کے زندگی گزارتا ہے وہ گمراہی پر جیتا اور گمراہی پر مرتا ہے۔ [3]

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

«مَنْ بَايَعَ إِمَامًا فَأَعْطَاهُ صَفْقَةَ يَدِهِ وَثَمَرَةَ قَلْبِهِ، فَلْيُطِعْهُ إِنِ اسْتَطَاعَ، فَإِنْ جَاءَ آخَرُ يُنَازِعُهُ فَاضْرِبُوا عُنُقَ الْآخَرِ»

''جس شخص نے امام (خلیفہ) کی بیعت کی، اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیا اور اپنے دل کا ثمرہ (خلوص) بھی اس کے حوالے کر دیا تو اب اسے حسب استطاعت اس کی فرمانبرداری کرنی چاہیے، بعد ازاں اگر کوئی دوسرا شخص اس سے امارت چھیننے کے درپے ہو تو اسے قتل کر دو۔'' [4]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امام کے خلاف بغاوت کرنے والے کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے جو

[1] نظام الحكم في الإسلام لعارف أبي عيد، ص:250. [2] صحيح مسلم، حديث:1851.
[3] نظام الحكم في الإسلام لعارف أبي عيد، ص:250. [4] صحيح مسلم، حديث:1844.

بغاوت کی حرمت کی دلیل ہے۔ کیونکہ یہ باغی شخص پہلی بیعت کو توڑ کر، جو مسلمانوں پر فرض تھی، اپنی بیعت کا طالب ہوا ہے۔ ①

ملکی دارالحکومت میں امام خود بیعت لے گا، جبکہ صوبوں میں امام کے نائب امام کے لیے بیعت لیں گے یا امام خود ہی صوبوں میں پہنچ کر لوگوں سے بیعت لے گا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت میں بھی ایسا ہی ہوا تھا، اہل مکہ اور طائف والوں سے خلیفہ کے نائب نے بیعت لی تھی۔

امام کے لیے جن لوگوں کی بیعت لینا واجب ہے وہ اہل رائے، علمائے امت، مسلمان قائدین، شوریٰ کے ارکان اور شہروں کے گورنر ہیں۔ باقی تمام لوگ اور عوام انھی کی بیعت کے ماتحت ہوں گے اور اگر اہل رائے کی خصوصی بیعت کے بعد عوامی بیعت بھی ہو جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ ②

کچھ علمائے کرام کے نزدیک عوام کی بیعت لینا بھی ضروری ہے۔ کیونکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بطور خلیفہ اپنی ذمہ داریاں اس وقت تک نہیں سنبھالی تھیں جب تک عام مسلمانوں نے ان کی بیعت نہیں کر لی تھی۔ ③

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی یہ خصوصی بیعت تھی۔ اس قسم کی بیعت صرف اسلامی حکومت کے سربراہ کے لیے ہو سکتی ہے۔ اس کے سوا کسی شخص کے لیے ایسی بیعت نہیں ہو گی، خواہ ایسی بیعت اسلامی حکومت کے ماتحت لی گئی ہو یا اسلامی حکومت کی عدم موجودگی میں، کیونکہ اس خصوصی بیعت پر بہت سے احکام مرتب ہوتے ہیں۔ ④

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ بیعت کے خصوصی معنی یہ ہیں کہ خلیفہ کے ساتھ جاں نثاری، وفاداری اور اطاعت و فرمانبرداری کا عہد کرنا۔ اس عہد کے بعد منتخب خلیفہ شریعت کے

① نظام الحكم في الإسلام لعارف أبي عيد، ص: 253. ② نظام الحكم في الإسلام لعارف أبي عيد، ص: 253. ③ فقه الشورى والاستشارة للدكتور توفيق الشاوي، ص: 439، وعصر الخلفاء الراشدين للدكتورة فتحية النبراوي، ص: 30. ④ نظام الحكم في الإسلام لعارف أبي عيد، ص: 254.

احکام کے مطابق حکمرانی کا پابند ہوگا۔ درحقیقت بیعت اپنی اصل کے اعتبار سے فریقین کے عہد و پیمان کا نام ہے۔ پہلا فریق امام ہے اور دوسرا فریق امت ہے۔ خلیفہ اس بات کا عہد کرتا ہے کہ وہ کتاب وسنت کے مطابق حکمرانی کرے گا اور نظام حیات، عقیدے اور شریعت میں وہ اسلام کے مکمل تابع ہوگا۔ جبکہ امت اس بات پر بیعت کرتی ہے کہ وہ شرعی حدود کے اندر رہتے ہوئے خلیفہ کی مکمل سمع و طاعت کرے گی۔

اس طرح کی بیعت اسلامی نظام حکومت کی منفرد خصوصیت ہے جس سے وہ تمام قدیم اور جدید نظام ہائے حکومت سے ممتاز ہوتا ہے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ حاکم اور رعایا دونوں ہی اسلامی شرعی احکام کے پابند ہیں۔ دونوں میں سے کسی کے لیے بھی شرعی احکام سے خروج درست نہیں یا قرآن وسنت کے مخالف احکام (قوانین) کے مطابق فیصلے کرنا جائز نہیں۔ اسلامی شرعی قوانین کے مخالف قوانین اختیار کرنا اسلام سے بغاوت متصور ہوگا۔ یہ فعل اسلامی حکومت کے خلاف اعلان جنگ ہوگا بلکہ اس سے بھی شدید تر حقیقت یہ ہے کہ قرآن مجید نے ایسے لوگوں کو ایمان سے محروم گردانا ہے۔[1]

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾

”چنانچہ (اے نبی) آپ کے رب کی قسم! وہ مومن نہیں ہوسکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں آپ کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں، پھر آپ کے کیے ہوئے فیصلے پر ان کے دلوں میں کوئی تنگی نہ آنے پائے اور وہ اسے دل و جان سے مان لیں۔“[2]

عہد صدیقی میں قانون سازی کے مآخذ: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا: ”میری

[1] نظام الحكم في الإسلام لعارف أبي عيد، ص:153,152. [2] النسآء 4:65.

اطاعت اس وقت تک کرنا جب تک میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتا رہوں۔ اگر میں اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کروں تو تم پر میری اطاعت واجب نہیں۔"[1] چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قانون سازی کے مآخذ درج ذیل ہیں:

❁ **قرآن مجید:** ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ۭ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَاۗىِٕنِيْنَ خَصِيْمًا ۝ ﴾

"(اے نبی) بے شک ہم نے آپ کی طرف یہ کتاب حق کے ساتھ نازل کی ہے تاکہ آپ کو اللہ نے جو سیدھی راہ دکھائی ہے اس کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلہ کریں اور آپ خیانت کرنے والوں کے حمایتی نہ بنیں۔"[2]

چنانچہ قرآن مجید قانون سازی کا پہلا سرچشمہ ہے جس میں نظام زندگی کے تمام قوانین کا احاطہ کیا گیا ہے۔ اس میں زندگی کے ہر شعبے کی اصلاح اور ترقی کے لیے قطعی قوانین اور بنیادی قواعد موجود ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید نے مسلمانوں کی حکومت کے تمام بنیادی قوانین بیان کر دیے ہیں۔

❁ **سنت مطہرہ:** سنت نبوی اسلامی آئین کا دوسرا بنیادی سرچشمہ ہے۔ سنت ہی کے ذریعے قوانینِ قرآن کی تنفیذ وتطبیق کے طریقے معلوم ہوتے ہیں۔[3]

بلاشبہ خلافتِ صدیق شریعت کی مکمل پابند تھی اور اس میں اسلامی شرعی قوانین کو ہر قانون پر بالادستی حاصل تھی۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے شاندار دور خلافت نے ہمیشہ کے لیے بتلا دیا کہ اسلامی حکومت شرعی حکومت ہوتی ہے۔ جس کا سارا نظام شریعت کے تابع ہوتا ہے اور حکمران

[1] البداية والنهاية: 306/6. [2] النسآء 105:4. [3] فقه التمكين في القرآن الكريم للصلابي، ص: 432.

بھی شرعی احکام کا پابند ہوتا ہے، وہ ان احکام سے ذرہ برابر بھی آگے پیچھے نہیں ہوسکتا۔ [1]

فی الجملہ عہدِ صدیق اور صحابۂ کرام کے معاشرے میں شریعت کو مکمل بالادستی حاصل تھی جس کے سامنے حاکم اور محکوم سب سرِ تسلیم خم کیے ہوئے تھے۔ اسی لیے ابوبکر رضی اللہ عنہ نے امت پر اپنی اطاعت اسی وقت تک واجب قرار دی تھی جب تک وہ خود اللہ اور اس کے رسول کے مطیع ہوں۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

«لَا طَاعَةَ فِي مَعْصِيَةٍ، إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ»

''معصیت ونافرمانی میں (حکمران کی) اطاعت جائز نہیں۔ بلاشبہ اطاعت معروف کاموں میں ہے۔'' [2]

عوام کو حکمرانوں کے محاسبے کا حق حاصل ہے: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا تھا:

«فَإِنْ أَحْسَنْتُ فَأَعِينُونِي وَ إِنْ أَسَأْتُ فَقَوِّمُونِي»

''چنانچہ اگر میں درست کام کروں تو میری مدد کرنا اور اگر میں غلطی کروں تو میری اصلاح کرنا۔'' [3]

اس طرح ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عوام کو اپنے اعمال کی نگرانی اور محاسبے کا حق دیا بلکہ یہ حق بھی دیا کہ اگر وہ کوئی خلاف شرع کام کرنے لگیں تو امت انھیں روک دے اور شرعی طریقۂ کار پر گامزن کرے۔ [4]

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے اولین خطاب ہی میں اقرار کرلیا تھا کہ حکمران سے غلطی سرزد ہونا ممکن ہے، لہٰذا اس کا محاسبہ بھی ہوسکتا ہے۔ حکمران کا اقتدار ایسا کوئی شخصی امتیاز نہیں رکھتا جو اسے دوسروں سے افضل اور بالاتر قرار دے کیونکہ رسالت اور انبیائے کرام علیہم السلام، جو کہ معصوم عن الخطا ہوتے ہیں، ان کا دور ختم ہوچکا ہے۔ اور خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم

[1] نظام الحكم في الإسلام لعارف أبي عيد، ص:227. [2] صحيح البخاري، حديث:7257.
[3] البداية والنهاية:305/6. [4] فقه الشورى والاستشارة للدكتور توفيق الشاوي، ص:441.

جو وحی الٰہی کے ذریعے نظام چلاتے تھے، جوارِ رحمت میں پہنچ چکے ہیں۔ ان کا اقتدار معصوم تھا کیونکہ وہ نبی اور رسول ہونے کے اعتبار سے آسمانی راہنمائی میں تمام کام انجام دیتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات سے یہ عصمت ختم ہوگئی۔ اب آپ علیہ السلام کی وفات کے بعد حکمرانی اور اقتدار بیعت ہی کے ذریعے حاصل ہوگا اور امت ہی اپنے منتخب حکمران کو حق حکمرانی تفویض کرے گی۔ [1]

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مطابق امت محمدیہ کو ایک زندہ اور بیدار نظام دیا گیا ہے جو باہمی تعاون، ہمدردی اور اتفاق کی بنیاد پر اصلاح کی قدرت رکھتا ہے۔ رعایا پر واجب ہے کہ شرعی قانون کے مطابق حکمرانی کرنے والے حاکم کی بھرپور مدد کرے اور امور دین کی تکمیل اور جہاد فی سبیل اللہ میں اس کا بھرپور ساتھ دے۔ امام کی حمایت و مدد میں سے یہ بھی ہے کہ اسے ذلیل نہ کیا جائے اور اس کے تعاون میں سے یہ بھی ہے کہ اس کا احترام کیا جائے کیونکہ اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے اس کی حکمرانی اور امت کی قیادت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ اس کی عزت وتکریم کی جائے، درحقیقت اس کا اکرام اللہ تعالیٰ کی شریعت کا اعزاز واکرام ہوگا جس کے دفاع کے لیے وہ کام کررہا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ مِنْ إِجْلَالِ اللّٰهِ إِكْرَامَ ذِي الشَّيْبَةِ الْمُسْلِمِ وَ حَامِلِ الْقُرْآنِ غَيْرِ الْغَالِي فِيهِ وَالْجَافِي عَنْهُ وَ إِكْرَامَ ذِي السُّلْطَانِ الْمُقْسِطِ»

''یقیناً اللہ تعالیٰ کے اکرام واحترام میں سے یہ بھی ہے کہ بزرگ مسلمان کی عزت کی جائے، قرآن کے حافظ وقاری کی عزت وتکریم کی جائے جو اس میں غلو کرنے والا ہو نہ اس میں کوتاہی کرنے والا ہو اور عادل حکمران کی عزت کی جائے۔'' [2]

[1] فقه الشورىٰ والاستشارة للدكتور توفيق الشاوي، ص:441. [2] سنن أبي داود، حديث: 4843، شیخ البانی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔

امت پر واجب ہے کہ وہ اپنے حکمرانوں سے بھلائی اور خیر خواہی کا سلوک کرے۔
نبی مکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: «اَلدِّينُ النَّصِيحَةُ»
''دین خیر خواہی ہے۔'' آپ نے یہ تین بار فرمایا، صحابہ نے عرض کی: ''اللہ کے رسول! کس کی خیر خواہی دین ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا:
«لِلّٰهِ وَلِكِتَابِهٖ وَ لِرَسُولِهٖ وَ لِأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ وَ عَامَّتِهِمْ»
''اللہ کے لیے، اس کی کتاب، اس کے رسول، مسلمانوں کے ائمہ کے لیے اور عام مسلمانوں کے لیے (خیر خواہی دین ہے۔)''[1]

صحابۂ کرام کا پختہ یقین تھا کہ امت محمدیہ کا استحکام حکمرانوں کی استقامت پر منحصر ہے، اسی لیے رعایا کا فرض ہے کہ وہ خیر خواہی کے جذبے سے اپنے حکمرانوں کی غلطیوں کی اصلاح کرے۔ جدید دور میں کئی ممالک نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اسی شاندار سیاست کو اپنایا ہے، اس مقصد کے لیے متعدد کمیٹیاں اور مجالس شوریٰ قائم کی ہیں جو پروگرام مرتب کر کے حکمران کو فراہم کرتی ہیں، اسے معلومات مہیا کرتی ہیں اور مفاد عامہ کے لیے نت نئے منصوبے زیر عمل لانے کا مشورہ دیتی ہیں۔

کس قدر ملال انگیز بات ہے کہ بہت سے اسلامی ممالک اس عظیم نظام سے اعراض کیے ہوئے ہیں۔ اسی وجہ سے ان ممالک پر جابر اور ظالم حکمران مسلط ہیں۔ بہت سے اسلامی ممالک کے تنزل اور انحطاط کا سبب یہی قابل نفرت قابض حکمران یا آمر ہیں۔ انھوں نے امت میں شجاعت اور باہمی خیر خواہی کے جذبات فنا کر کے بزدلی، خوف اور لالچ کے بیج بو دیے ہیں۔ سوائے ان کے جن پر اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت ہے۔

جو قوم اپنے حکمران کی نگرانی اور خیر خواہی کرتی ہے وہی دنیا میں طاقتور اور غالب ہوتی ہے اور وہی قوم دنیا کے کونے کونے میں دعوت الی اللہ کا فریضہ انجام

[1] صحیح مسلم، حدیث: 55.

دیتی ہے۔ ①

عدل وانصاف اور مساوات کا اصول: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے اولین خطاب میں فرمایا تھا:

«اَلضَّعِيفُ فِيكُمْ قَوِيٌّ عِنْدِي حَتّٰى أُرِيحَ عَلَيْهِ حَقَّهٗ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ وَالْقَوِيُّ فِيْكُمْ ضَعِيفٌ عِنْدِي حَتّٰى آخُذَ الْحَقَّ مِنْهُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ»

''تمھارا کمزور آدمی میرے نزدیک طاقتور ہے حتی کہ میں اس کا حق اسے دلا دوں، ان شاء اللہ۔ اور تمھارا طاقتور آدمی میرے نزدیک کمزور ہے حتی کہ میں اس سے مظلوم کا حق وصول کرلوں، ان شاء اللہ۔'' ②

شرعی نظام حکومت کا ایک بنیادی ہدف یہ ہوتا ہے کہ وہ اسلامی نظام کی بنیادوں کو مضبوط وقائم رکھتا ہے۔ مسلم معاشرے کی بقا کے لیے بنیادوں کو مضبوط کرنے کا یہ عمل نہایت ضروری ہے۔ ان اہم ترین بنیادوں میں سے چند یہ ہیں: شوریٰ اور عدل و انصاف، مساوات اور شخصی آزادی وغیرہ۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے خطاب میں ان اصولوں کو بیان کیا۔ شوریٰ کا اظہار خلیفہ کے انتخاب، ان کی بیعت اور مسجد نبوی میں ان کے خطاب کے دوران ہوا۔ اس وقت جمہور مسلمان موجود تھے۔ آپ کے عدل و انصاف کا اظہار آپ کے خطاب ہی میں موجود ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے نزدیک عدل سے مقصود اسلامی عدل و انصاف ہے جو اسلامی معاشرے اور اسلامی حکومت کا مرکزی ستون ہے۔ کیونکہ جس معاشرے میں ظلم کا دور دورہ ہو اور عدل و انصاف ناپید ہو وہاں اسلام کا وجود باقی نہیں رہتا۔

① تاريخ الدعوة إلى الإسلام للدكتور يسري محمد هاني، ص: 249. ② البداية والنهاية: 305/6.

یقیناً انفرادی، اجتماعی اور ملکی سطح پر عدل و انصاف کا قیام کوئی نفلی کام نہیں جو حاکم کی مرضی پر چھوڑ دیا جائے بلکہ دین اسلام میں لوگوں کے درمیان عدل وانصاف کرنا اسلامی حکومت کی سب سے اہم اور مقدس ذمہ داری ہے کیونکہ عدل وانصاف کے قیام کے وجوب پر امت کا اجماع ہے۔[1]

امام فخر الرازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مسلمانوں کا اجماع ہے کہ حکمران پر عدل وانصاف سے فیصلے کرنا واجب ہے۔[2]

اس حکم کی تائید قرآن وسنت سے ہوتی ہے۔ اسلامی حکومت کے اہداف میں سے ہے کہ وہ ایسا اسلامی معاشرہ تشکیل دے جس میں عدل و انصاف اور مساوات کی بالادستی ہو اور ہر طرح کے ظلم وجور کے ہر حربے کی بیخ کنی کی گئی ہو۔

اسلامی حکومت کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ وہ ہر شخص کے لیے مواقع فراہم کرے کہ وہ کسی مالی یا جسمانی مشقت کے بغیر اپنا حق آسانی سے وصول کر سکے، اسی طرح اس کی ذمہ داری یہ بھی ہے کہ حق دار کو اس کا حق وصول کرنے میں رکاوٹ بننے والے ذرائع کا خاتمہ کرے۔

اسلام نے حکمرانوں پر واجب قرار دیا ہے کہ وہ بلا امتیاز رنگ ونسل، یا زبان ومکان لوگوں کو عدل و انصاف فراہم کریں۔ حاکم وقت دو جھگڑنے والوں کے درمیان عدل و انصاف سے فیصلہ کرے۔ اسے اس سے کوئی غرض نہیں ہونی چاہیے کہ جن کے حق میں فیصلہ ہوا ہے وہ اس کے دوست ہیں یا دشمن، وہ امیر ہیں یا غریب، مزدور ہیں یا سرمایہ دار![3]

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ كُونُوا۟ قَوَّٰمِينَ لِلَّهِ شُهَدَآءَ بِٱلْقِسْطِ ۖ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ

[1] فقه التمكين في القرآن الكريم للصلابي، ص: 455. [2] تفسير الرازي: 141/10. [3] فقه التمكين في القرآن الكريم للصلابي، ص: 459.

شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۫ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۫ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝﴾

''اے ایمان والو! تم اللہ کے لیے (حق پر) قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو اور کسی قوم کی دشمنی تمھیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم عدل نہ کرو، عدل کرو، یہی بات تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔ اور اللہ سے ڈرو، بے شک تم جو عمل کرتے ہو اللہ اس سے خوب آگاہ ہے۔''[1]

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ عدل وانصاف میں بہترین قدوہ ہیں۔ آپ کے عدل و انصاف نے دلوں کو گرویدہ اور عقلوں کو خیرہ کردیا۔ آپ کے نزدیک عدل وانصاف اسلام کی عملی دعوت ہے۔ اس سے لوگوں کے دل ایمان کے لیے کھلتے ہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو دیے جانے والے عطیات میں عدل کیا اور لوگوں سے درخواست کی کہ وہ عدل کرنے میں ان کا ساتھ دیں۔ حتی کہ انھوں نے خود کو قصاص کے لیے پیش کردیا جو کہ ان کے بے لاگ عدل اور خوف الٰہی کی واضح دلیل ہے۔[2]

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جمعہ والے دن خطبے کے لیے کھڑے ہوئے تو انھوں نے فرمایا:

«إِذَا كُنَّا بِالْغَدَاةِ فَأَحْضِرُوا صَدَقَاتِ الْإِبِلِ نَقْسِمُهَا وَلَا يَدْخُلُ عَلَيْنَا أَحَدٌ إِلَّا بِإِذْنٍ»

''کل صبح زکاۃ کے اونٹ پیش کرنا ہم انھیں تقسیم کریں گے۔ کوئی شخص بلا اجازت ہمارے پاس نہ آئے۔''

چنانچہ ایک خاتون نے اپنے خاوند سے کہا: یہ رسی لو اور تم بھی جاؤ، ممکن ہے اللہ تعالیٰ ہمیں کوئی اونٹ عطا کردے۔ وہ شخص آیا تو اس نے دیکھا کہ حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما

[1] المآئدة 5:8. [2] تاریخ الدعوة إلى الإسلام للدكتور يسري محمد هاني، ص: 410.

اونٹوں کے باڑے میں داخل ہوئے ہیں، لہٰذا یہ شخص بلا اجازت اندر چلا گیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نظر اس پر پڑی تو فرمایا: «مَا أَدْخَلَكَ عَلَيْنَا؟» ''تم کیسے اندر آ گئے؟''

پھر اس سے رسی لے کر اسی سے اس کو مارا۔ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اونٹوں کی تقسیم سے فارغ ہوئے تو اس شخص کو بلایا، اسے رسی دی اور کہا: «اِسْتَقِدْ» ''اپنا بدلہ لے لو۔''

اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''اللہ کی قسم! یہ ہرگز بدلہ نہیں لے گا۔ نہ آپ یہ طریقہ نکالیں (کہ ہر کوئی خلیفۃ المسلمین سے بدلہ لیتا پھرے۔)'' یہ سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: «فَمَنْ لِّي مِنَ اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟»

''قیامت والے دن اللہ کے دربار میں میرا سہارا کون ہوگا؟''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ (چونکہ غلطی اسی کی تھی، لہٰذا آپ) اسے کچھ دے دلا کر راضی کر لیں۔ اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام سے کہا کہ ایک اونٹنی، اس کا کجاوہ، ایک مخملی کمبل اور پانچ دینار لاؤ، پھر یہ چیزیں اس شخص کو دے کر اسے راضی کر لیا۔ [1]

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے پہلے خطاب میں مساوات کا جو اصول بیان کیا تھا وہ ان عمومی اصولوں میں سے ایک ہے جنھیں اسلام نے قائم کیا ہے۔ اور یہ قانون اسلامی معاشرے کی تشکیل میں بڑا اہم کردار ادا کرتا ہے۔ دور حاضر کے قوانین میں اسے اہم مقام حاصل ہے۔ قرآن مجید میں مساوات کے اصول کی تاکید کی گئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَّقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقَاكُمْ ۚ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾

''اے لوگو! بلاشبہ ہم نے تمھیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا۔ اور ہم نے

[1] تاریخ الدعوۃ إلی الإسلام للدکتور یسري محمد هاني، ص: 411.

تمھارے خاندان اور قبیلے بنائے تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو، بلاشبہ اللہ کے ہاں تم میں سے زیادہ عزت والا (وہ ہے جو) تم میں سے زیادہ متقی ہے۔ بلاشبہ اللہ بہت علم والا، خوب باخبر ہے۔''[1]

یقیناً اسلام کی نظر میں سب لوگ برابر ہیں، وہ حاکم ہو یا محکوم، مرد ہو یا عورت، عربی ہو یا عجمی، سرخ وسفید ہو یا سیاہ۔ اسلام نے جنس، رنگ ونسب یا قبائلی وجہ امتیاز کو یکسر مٹا دیا۔ چنانچہ حکمران اور رعایا شریعت کی نظر میں برابر ہیں۔[2]

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس قانون پر عمل درآمد کی شاندار مثال قائم کی۔ انھوں نے فرمایا تھا:

«وُلِّيتُ عَلَيْكُمْ وَ لَسْتُ بِخَيْرِكُمْ فَإِنْ أَحْسَنْتُ فَأَعِينُونِي وَ إِنْ أَسَأْتُ فَقَوِّمُونِي، اَلْقَوِيُّ فِيكُمْ ضَعِيفٌ عِنْدِي حَتّٰى آخُذَ الْحَقَّ مِنْهُ وَالضَّعِيفُ فِيكُمْ قَوِيٌّ عِنْدِي حَتّٰى آخُذَ لَهُ حَقَّهُ»

''میں تمھارا سربراہ بنا دیا گیا ہوں جبکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں، لہٰذا اگر میں ٹھیک کام کروں تو میری اعانت کرنا اور اگر میں غلطی کرنے لگوں تو میری اصلاح کرنا، تمھارا طاقتور شخص میرے نزدیک کمزور ہے حتی کہ میں اس سے حق دار کا حق وصول کرلوں اور تمھارا کمزور آدمی میرے نزدیک طاقتور ہے حتی کہ میں اسے اس کا حق دلا دوں۔''[3]

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے بیت المال سے لوگوں میں برابر برابر عطیات تقسیم کرتے تھے۔ امام ابن سعد اور دیگر مؤرخین نے بیان کیا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مقام سنح پر بیت المال قائم کر رکھا تھا۔ اُس پر کوئی محافظ مقرر نہیں تھا۔ آپ سے عرض

[1] الحجرٰت 13:49. [2] فقه التمكين في القرآن الكريم للصلابي، ص:461,460. [3] البداية والنهاية:305/6.

کیا گیا: ''آپ بیت المال پر محافظ کیوں مقرر نہیں کرتے؟'' انھوں نے جواب دیا: ''بیت المال کو کوئی خطرہ نہیں۔'' عرض کیا گیا: ''وہ کیسے؟'' آپ نے جواب دیا: ''اس پر تالا لگا ہوا ہے۔''

آپ کا طریقۂ کار یہ تھا کہ بیت المال کا سارا مال غرباء میں تقسیم کر دیتے تھے۔ جب آپ (سُنح (بالائی مدینہ منورہ) سے) مدینہ منورہ منتقل ہوئے تو بیت المال کو بھی ساتھ ہی منتقل کر لیا اور اسے اپنے گھر ہی میں قائم کیا، پھر جہینہ قبیلے کی معدنیات میں سے بہت سا مال آیا، جبکہ آپ کی خلافت ہی میں بنوسلیم قبیلے کی معدنیات بھی دریافت ہوگئی تھیں۔ ان دو مقامات سے زکاۃ کا مال آنا شروع ہوا تو آپ اسے بیت المال میں رکھوا دیتے، پھر لوگوں میں برابر برابر تقسیم کرتے۔ آزاد اور غلام، مرد اور عورت، چھوٹے اور بڑے سب کو برابر مال عطا فرماتے تھے۔

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''آپ نے پہلے سال آزاد مرد اور غلام، عورت اور لونڈی سب کو دس دس دینار عطا کیے۔ اگلے سال بیس بیس دینار عطا کیے۔'' ایک مسلمان نے ان سے عرض کیا: ''اے خلیفۂ رسول! آپ نے عطیات میں سے لوگوں کو برابر برابر عطا کیا ہے، حالانکہ لوگوں میں کچھ سبقت اسلام اور دیگر فضائل میں ممتاز ہیں، اگر آپ ان فاضل اور قدیم الاسلام افراد کو زیادہ عطا کریں تو بہتر ہے۔'' اس پر انھوں نے جواب دیا:

«أَمَّا مَا ذَكَرْتُمْ مِّنَ السَّوَابِقِ وَالْقِدَمِ وَالْفَضْلِ فَمَا أَعْرِفُنِي بِذٰلِكَ وَ إِنَّمَا ذٰلِكَ شَيْءٌ ثَوَابُهُ عَلَى اللّٰهِ جَلَّ ثَنَاءُهُ وَ هٰذَا مَعَاشٌ، فَالْأُسْوَةُ فِيهِ خَيْرٌ مِّنَ الْأَثَرَةِ»

''تم نے لوگوں کی اسلام میں سبقت اور ان کے فضائل و محاسن کا جو تذکرہ کیا ہے، میں اسے نہیں جانتا، ان اعمال کا ثواب تو اللہ رب العزت ہی کے ذمے

ہے۔ جبکہ یہ مال ضرورت زندگی ہے، لہٰذا اس میں کسی کو ترجیح دینے کے بجائے سب کو برابر رکھنا ہی بہتر ہے۔''[1]

چنانچہ ان کے دور میں عطیات برابر برابر ہی تقسیم ہوتے تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں ان سے عرض کیا: ''کیا آپ دو مرتبہ ہجرت کرنے والے، دو قبلوں کی طرف نماز پڑھنے والے صحابی اور فتح مکہ والے دن مسلمان ہونے والوں کو برابر برابر عطا کریں گے؟'' اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

«إِنَّمَا عَمِلُوا لِلّٰهِ وَ إِنَّمَا أُجُورُهُمْ عَلَى اللّٰهِ وَ إِنَّمَا الدُّنْيَا بَلَاغٌ لِّلرَّاكِبِ»

''بلاشبہ ان کے یہ اعمال اللہ کی رضا کے لیے تھے اور ان کا اجر اللہ کے ذمے ہے، جبکہ یہ دنیا کا مال تو مسافر کے زادِراہ کی طرح ہے۔''

اگرچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ حکومت میں عطیات کی تقسیم کا یہ طریقۂ کار تبدیل کر دیا تھا اور اسلام میں سبقت کرنے والے اور جہاد میں اعلیٰ کارنامے انجام دینے والے مجاہدین کے عطیات میں واضح برتری کر دی تھی لیکن اپنی امارت کے اواخر میں یہ کلمات فرمائے: ''اگر مجھے وہ حقائق و حالات پہلے معلوم ہو جاتے جو مجھے اب معلوم ہوئے ہیں تو میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے طریقۂ کار ہی کو اختیار کرتا اور لوگوں کو عطیات دینے میں برابری کا سلوک کرتا۔''[2]

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جہاد فی سبیل اللہ کی تیاری کے لیے اونٹ، گھوڑے اور اسلحہ خریدا کرتے تھے۔ ایک سال انھوں نے دیہات سے برائے فروخت آنے والی مخملی چادریں خریدیں اور موسم سرما میں مدینہ منورہ کی بیواؤں میں تقسیم کیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ

[1] أبو بكر الصديق للطنطاوي، ص:188,187، والطبقات لابن سعد:193/3. [2] الأحكام السلطانية للماوردي، ص:201.

کی حکومت میں محصولات کی مقدار دو لاکھ دینار تک پہنچ گئی تھی جسے انھوں نے مختلف رفاہی کاموں میں خرچ کیا۔ ①

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں میں عدل وانصاف کے قیام اور مساوات کے لیے منہجِ ربانی کی پیروی کی۔ انھوں نے ضعفاء کے حقوق کی پاسداری کی۔ بطور خلیفہ اپنا وزن کمزور و ناتواں لوگوں کے پلڑے میں ڈالا۔ وہ نہایت مہذب آواز، کھلی آنکھوں اور پرعزم ارادے کے ساتھ کمزوروں کے ہم نوا بن گئے اور ان کے اس عزم کو کسی قسم کا کوئی دباؤ کمزور نہیں کر سکا۔

آپ کے دورِ خلافت میں اسلام کا نظام عدل و انصاف پوری شان سے نافذ ہوا۔ آپ ہر دباؤ اور طاقت کو قدموں تلے روندکر آگے بڑھتے رہے اور عدل وانصاف سے ملت اسلامیہ کا سرفخر سے بلند کرتے رہے۔ اسی عمل سے ان کی خلافت مضبوط ہوئی اور ملت کی حفاظت کرتی رہی۔ ②

منصب خلافت سنبھالنے کے پہلے دن ہی سے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان بلند اصولوں پرعمل درآمد شروع کر دیا۔ انھیں یقین تھا کہ عدل و انصاف حاکم اور رعایا دونوں کے لیے باعث عزت وافتخار ہے، اسی لیے صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی سیاست میں عدل و انصاف کے فوری نفاذ کو یقینی بنایا۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد دہراتے رہے:

﴿ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ○﴾

”بے شک اللہ عدل اور احسان کا اور قرابت داروں کو دینے کا حکم دیتا ہے۔ اور بے حیائی اور برے کاموں اور ظلم وزیادتی سے منع کرتا ہے۔ وہ تمھیں وعظ کرتا

① تاريخ الدعوة إلى الإسلام للدكتور يسري محمد هاني، ص:258. ② أبوبكر رجل الدولة لمجدي حمدي، ص:46.

ہے تاکہ تم نصیحت پکڑو۔‘‘ ①

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خواہش تھی کہ مسلمان اپنے دین سے مکمل طور پر مطمئن ہوں اور انھیں دعوت اسلام کی مکمل آزادی نصیب ہو۔ مسلمانوں کو مکمل طمانیت اسی وقت مل سکتی تھی جب حکمران ہر قسم کی خواہشات نفسانی سے بلند تر ہوکر عوام کو عدل و انصاف مہیا کرے۔

عدل وانصاف کا تقاضا یہ ہے کہ حکمران تمام شخصی عوامل سے بلند تر ہو اور عدل و رحم اس کی حکمرانی کی نمایاں خصوصیات ہوں۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا نظریۂ حکومت یہ تھا کہ حکمران اپنی ذات سے بے پروا ہوکر خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لیے فرائض انجام دے۔ اس طرح اسے کمزور کا احساس ہوگا اور معاشرے کی ضروریات کا علم رہے گا۔ اسی احساس کے زیرِ اثر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے امور مملکت کی نگہبانی قبول کی۔ عدل و انصاف کے ذریعے وہ ہر دشواری پر غالب آگئے، مسلمانوں کی خدمت کے لیے انھوں نے اپنی ذات، اولاد اور خاندان کو فراموش کردیا۔ یوں وہ عقل وبصیرت کے ساتھ امور مملکت کی انجام دہی میں دن رات مشغول رہے۔ ②

گزشتہ سطور سے معلوم ہوا کہ جب حکمران عدل وانصاف کا پرچم لہراتا ہے تو کمزور اپنے حق کے بارے میں بے خوف ہوجاتا ہے کیونکہ اسے یقین ہوتا ہے کہ عدل و انصاف والی حکومت اس کا حق دلائے گی اور اس کی کوئی کمزوری اس کے حقوق میں رکاوٹ نہیں بنے گی۔ وہ عدل ہی کی وجہ سے طاقتور ہے، اس کا حق روکا جاسکتا ہے نہ چھینا جاسکتا ہے۔ جبکہ عدل طاقتور کو ظلم کرنے سے روک دے گا اور مظلوم اس سے اپنا حق وصول کرلے گا۔ ظالم کسی منصب، حاکم یا کسی عہدے دار کی رشتہ داری کی بنا پر بچ نہیں سکے گا۔

① النحل 16:90. ② الصدیق أبوبكر لمحمد حسین هیكل، ص:224.

یہی احساس عزت وفخر کی بلندی اور زمین پر اصلی حکمرانی کی شان عطا کرتا ہے۔[1]

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کتنی خوبصورت بات کہی ہے، وہ فرماتے ہیں: ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ عدل وانصاف والے بادشاہ کا مددگار ہوتا ہے اگرچہ وہ کافر ہی ہو۔ اور ظالم حکومت کی مدد نہیں کرتا اگرچہ وہ مسلمان ہو۔......عدل وانصاف سے لوگوں کی اصلاح ہوتی ہے اور اموال میں برکت آتی ہے۔''[2]

حکمران اور عوام میں تعامل کی بنیاد سچائی ہے: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

«اَلصِّدْقُ أَمَانَةٌ وَّ الْكَذِبُ خِيَانَةٌ» ''سچ امانت ہے اور جھوٹ خیانت ہے۔''[3]

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے امت کی قیادت کے بنیادی اصول کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا:

«إِنَّ الصِّدْقَ بَيْنَ الْحَاكِمِ وَالْأُمَّةِ هُوَ أَسَاسُ التَّعَامُلِ»

''حاکم اور رعایا کے درمیان تعامل کی بنیاد سچائی پر قائم ہے۔''

یہ دانش مندانہ سیاسی اصول امت کی قوت مجتمع کرنے میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ کیونکہ سچ ہی سے حکمران اور رعایا میں اعتماد کے تعلقات فروغ پاتے ہیں۔ یہ ایک سیاسی ضابطہ ہے جو دعوت اسلامی سے لیا گیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ ۝﴾

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچ بولنے والوں کے ساتھ ہو جاؤ۔''[4]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جھوٹ سے ڈراتے ہوئے فرمایا:

«ثَلَاثَةٌ لَّا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ

[1] تاریخ الدعوة إلی الإسلام للدکتور یسري محمد هاني، ص:246. [2] السیاسة الشرعیة لابن تیمیه، ص:10. [3] البدایة والنهایة:3/305. [4] التوبة 9:119.

وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ: شَيْخٌ زَانٍ وَّ مَلِكٌ كَذَّابٌ وَّ عَائِلٌ مُّسْتَكْبِرٌ»

''تین افراد ایسے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ قیامت والے دن کلام نہیں کرے گا، نہ انھیں پاک کرے گا اور نہ ان کی طرف (نظر رحمت سے) دیکھے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے: ❶ بوڑھا زانی ❷ جھوٹا حکمران ❸ غریب متکبر۔''[1]

''سچ امانت ہے'' ان الفاظ نے معانی کا لباس پہنا تو گویا ان میں ایسی روح بیدار ہو گئی جس کی بدولت یہ کلمات صبح وشام لوگوں کے دلوں میں غیرت وحمیت کو برانگیختہ اور امیدوں کے چراغ روشن کرتے رہے۔

اور ''جھوٹ خیانت ہے'' کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے نزدیک جھوٹ کے بھی خاص معانی ہیں اور انھوں نے چیزوں کو نام دیے ہیں۔ آپ کے نزدیک جھوٹا حکمران وہ خائن وکیل ہے جو امت کا مال کھا کر اسے دھوکا دیتا ہے۔ وہ حاکم کتنا بدبخت ہے جو جھوٹ بولے اور اسے انداز سیاست قرار دے!

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جھوٹ کو صریح خیانت قرار دیا اور فرمایا کہ جھوٹ امت کا دشمن نمبر1 ہے۔ کیا خیانت سے بڑھ کر بھی کوئی دشمنی ہوسکتی ہے؟

یقیناً ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے اس شاندار موقف کی بنا پر آج بھی دنیا پر غالب ہیں، اسی موقف کی حامل اقوام کو آج بھی بلندی مل رہی ہے اور اس سے روگردانی کرنے والی قومیں پستی کا شکار ہیں۔

امور مملکت چلانے کے لیے جوہرِ قابل تلاش کرنا بھی حکمرانی کا ایک اعلیٰ فن ہے کیونکہ قابل افراد ہی امت کا اصل سرمایہ ہوتے ہیں جس کی بدولت امت ہنگامی حالات میں اپنا دفاع کرتی ہے۔ جو شخص حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مذکورہ بالا کلمات پر غور کرے گا وہ یقیناً اس بات کی تصدیق کرے گا کہ حکومت کے لیے جوہر قابل کی تلاش نہایت ضروری

[1] صحیح مسلم، حدیث: 107.

ہے۔ اس لحاظ سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بلند مقام پر فائز تھے۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منہج پر چلنے والے تھے۔[1]

دور حاضر میں تمام ممالک حکمران اور عوام کے درمیان تعامل کے اسی منہج ربانی کے محتاج ہیں تاکہ انتخابی دھوکا بازیوں اور باہم ایک دوسرے پر جھوٹے الزامات لگانے سے محفوظ رہ سکیں۔ جو لوگ مخالفین کے خلاف پروپیگنڈا کرنے کے لیے ذرائع ابلاغ کا استعمال کرتے ہیں انھیں بھی اس منہج کی اشد ضرورت ہے۔

عوام کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے ان اداروں کی مدد سے حکمرانوں کا محاسبہ کریں جو حکمرانوں کے محاسبے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں تاکہ حکمران سچ اور امانت داری پر قائم رہیں۔ اگر عوام یہ کام کر گزریں تو حکمران عوام کے حق خودارادیت، عزت و شرف، آزادی اور مال میں کبھی خیانت نہیں کر سکیں گے۔

جہاد کی ترغیب: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

«مَا تَرَكَ قَوْمٌ الْجِهَادَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ إِلَّا خَذَلَهُمُ اللّٰهُ بِالذُّلِّ»

''جو قوم جہاد فی سبیل اللہ سے منہ موڑ لیتی ہے اللہ تعالیٰ اسے رسوا کر دیتا ہے۔''[2]

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جہادی تربیت براہ راست اپنے عظیم قائد نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کی تھی۔ انھوں نے شرک اور ایمان، گمراہی اور ہدایت اور خیر و شر کے درمیان ہونے والے معرکوں میں شریک ہو کر عملی تربیت حاصل کی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوات میں آپ کا کردار بیان کیا جا چکا ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کا مطلب خوب سمجھ لیا تھا:

«إِذَا تَبَايَعْتُمْ بِالْعِينَةِ وَ أَخَذْتُمْ أَذْنَابَ الْبَقَرِ وَ رَضِيتُمْ بِالزَّرْعِ وَتَرَكْتُمُ

[1] أبوبكر رجل الدولة للمجدي حمدي، ص: 37,36. [2] البداية والنهاية: 305/6.

الْجِهَادَ سَلَّطَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ ذُلًّا لَّا يَنْزِعُهُ حَتّٰى تَرْجِعُوا إِلٰى دِينِكُمْ»

''جب تم بیع عینہ ① کرنے لگو گے، بیلوں کی دُمیں پکڑ کر (زراعت میں) مشغول ہو جاؤ گے، اسی پر راضی ہو جاؤ گے اور جہاد ترک کر دو گے تو اللہ تعالیٰ تم پر ذلت مسلط کر دے گا جسے وہ تمھارے دین کی طرف لوٹ آنے تک دور نہیں کرے گا۔'' ②

جب امت جہاد چھوڑ دے گی تو اسے ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا، چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جہاد فی سبیل اللہ کو اپنے دور خلافت کا اہم فریضہ بنالیا۔ آپ نے جہاد کے لیے امت کی توانائیوں کو جمع کیا تاکہ مظلوموں پر ظلم ختم ہو، مغلوب و مقہور لوگ دعوت حق سے آشنا ہوں، محروموں کو آزادی نصیب ہو اور دین حق کی دعوت ہر رکاوٹ کو عبور کر کے دنیا کے کونے کونے میں پہنچ جائے۔ ③

فواحشات کے خلاف اعلانِ جنگ: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

«وَ لَا تَشِيعُ الْفَاحِشَةُ فِي قَوْمٍ إِلَّا عَمَّهُمُ اللّٰهُ بِالْبَلَاءِ»

''جس قوم میں بے حیائی عام ہو جائے اللہ اسے بیماریوں میں مبتلا کر دیتا ہے۔'' ④

دراصل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے امت اسلامیہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان یاد دلایا ہے:

«لَمْ تَظْهَرِ الْفَاحِشَةُ فِي قَوْمٍ قَطُّ حَتّٰى يُعْلِنُوا بِهَا، إِلَّا فَشَا فِيهِمُ

① بیع عینہ: بیع عینہ کی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کو معینہ مدت کے لیے ادھار پر مال بیچ دے مگر قیمت وصول کرنے سے پہلے ہی پھر اس سے وہی مال قیمت فروخت سے کم قیمت پر نقد پیسوں سے خرید لے اور مقررہ مدت پر ادھار والی قیمت بھی وصول کرے۔ ② سنن أبي داود، حديث: 3462.
③ أبوبكر رجل الدولة للمجدي حمدي، ص: 73. ④ البداية والنهاية: 305/6.

الطَّاعُونُ وَالْأَوْجَاعُ الَّتِي لَمْ تَكُنْ مَّضَتْ فِي أَسْلَافِهِمُ الَّذِينَ مَضَوْا»

''جس قوم میں بے حیائی پھیل جائے حتی کہ لوگ علی الاعلان بے حیائی کے مرتکب ہونے لگیں تو ان میں طاعون اور ایسی ایسی بیماریاں جنم لیں گی جو پہلے لوگوں نے سنی تک نہ ہوں گی۔''[1]

بلاشبہ بے حیائی لا علاج معاشرتی برائی ہے۔ یہ کسی بھی معاشرے کی کمزوری اور خاتمے کا سبب ہے۔ کیونکہ جہاں بے حیائی عام ہو وہاں کسی چیز کی حرمت باقی نہیں رہتی۔ بے حیا معاشرے کی غیرت و حمیت ختم ہو جاتی ہے اور وہ بے غیرتی پر راضی ہو جاتے ہیں۔ ایسا معاشرہ، شرم و حیا سے عاری اور وباؤں اور بیماریوں کی آماجگاہ بن کر زوال کا شکار ہو جاتا ہے۔ دورِ حاضر میں لوگوں کی موجودہ حالت اس کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے امت کی اخلاقی اور دینی اقدار کی حفاظت کا بیڑا اٹھایا۔[2] انھوں نے امت کو ہر قسم کی پوشیدہ اور ظاہری بے حیائی سے بچایا اور اسے پاک صاف بنانے کی بھرپور کوشش کی۔ اس طرح ان کا مقصد یہ تھا کہ امت اسلامیہ مضبوط ترین ملت بنے جسے دنیاوی لذتیں گھیر سکیں نہ شیطان اسے گمراہ کر سکے۔ یوں امت اسلامیہ انسانیت کے لیے خیر و برکت کا باعث بنے۔

یقیناً کسی بھی مملکت کے قیام اور اس کی تہذیب کے فروغ و ترقی کا دارومدار اخلاقی اقدار پر ہے۔ اگر اخلاقیات فاسد ہو جائیں، ذمہ داری کا فقدان ہو تو امت ضائع ہو جاتی ہے اور اس کا فساد اور ہلاکت عام ہو جاتی ہے۔ گزشتہ قوموں اور ان کی تہذیب کا بغور معائنہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان قوموں نے اخلاقی اقدار اور خالص دین پر کاربند رہنے کا کس قدر اہتمام کیا تھا، مثلاً: حضرت سلیمان اور داود علیہما السلام کے دور کی تہذیب یا ذوالقرنین کے زمانے کی تہذیب یا ان جیسی دیگر قوموں کی تہذیب، یعنی جب تک وہ

[1] سنن ابن ماجہ، حدیث: 4019. [2] أبو بكر رجل الدولة لمجدي حمدي، ص: 66.

اخلاقی اقدار کی حامل رہیں مضبوط وقائم رہیں۔ لیکن جب ان میں بے حیائی عام ہو گئی تو یہ تہذیبیں شیطان کے جال میں پھنس گئیں۔ انھوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی۔ اس طرح وہ قومیں ہلاکت وبربادی کی خندق میں جا گریں، ان کی قوت نابود ہوگئی اور ان کی ثقافت کے نشان مٹ گئے۔ [1]

بلاشبہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قوموں کی تعمیر وتخریب کا جائزہ لیتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے طریقوں کا بالاستیعاب مطالعہ کیا تھا۔ انھیں خوب علم تھا کہ جو قومیں عیش پرستی، فساد اور بے حیائی کی راہ لیتی ہیں وہ مٹ جاتی ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِذَآ أَرَدْنَآ أَن نُّهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا۟ فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا ٱلْقَوْلُ فَدَمَّرْنَٰهَا تَدْمِيرًا ۝ ﴾

''اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہیں تو اس کے خوشحال متکبر لوگوں کو حکم دیتے ہیں، وہ اس میں نافرمانی کرنے لگتے ہیں، چنانچہ اس بستی پر (عذاب کی) بات ثابت ہوجاتی ہے، تب ہم اسے مکمل طور پر تباہ کر ڈالتے ہیں۔'' [2]

یعنی ہم اس قوم کو اطاعت وفرمانبرداری کا حکم دیتے ہیں اور گناہوں سے روکتے ہیں مگر وہ نافرمانی اور فسق وفجور میں لگ جاتے ہیں جس کے نتیجے میں عذاب بھیج کر انھیں ہلاک کر دیا جاتا ہے۔

اور ایک قراءت میں لفظ ﴿أَمَّرْنَا﴾ ہے۔ [3] یعنی ہم انھیں حکمرانی دے دیتے ہیں، پھر وہ نافرمانی اور فسق کی وجہ سے ہلاکت کے مستحق ہو جاتے ہیں۔

اگرچہ ''ترف'' یعنی خوشحالی کے اسباب میں کثرت اموال اور حکمرانی بھی شامل ہے لیکن یہ ایک نفسیاتی حالت کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ کے راستے سے دور لے جاتی ہے۔ ہر

[1] تاريخ الدعوة إلى الإسلام للدكتور يسري محمد هاني، ص: 252. [2] بنيّ إسرآء يل 16:17.
[3] تفسير ابن كثير: 58/5.

آسودگی اور خوشحالی ''ترف'' نہیں ہوتی۔ [1]

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جس طرح بے حیائی کے خلاف کوششیں کی تھیں وہی پالیسی ہر مسلم حکمران کو اپنانی چاہیے کیونکہ ایک متقی، ذہین اور عادل حکمران وہ ہوتا ہے جو اپنی قوم کی تربیت اخلاقیات پر کرتا ہے۔ اسی صورت میں اس کی قوم انسانیت کا احساس کرنے والی ہوگی اور اس کی رگوں میں انسانیت کا غم رکھنے والا خون دوڑے گا۔ اس کے برعکس اگر حکمران دانشمندی سے محروم ہو تو وہ اپنی قوم میں بے حیائی پھیلاتا ہے اور اسے قانونی تحفظ فراہم کرتا ہے بلکہ اخلاقی اقدار اور عمدہ اوصاف کے خلاف برسرپیکار ہو جاتا ہے۔ یوں وہ اپنی قوم کو گندے بدبودار جوہڑوں میں چھوڑ دیتا ہے جو آوارہ جانوروں کی طرح زندگی گزارتے ہیں جن کا مقصدِ زندگی صرف ساز وسامان اور دنیاوی زیب و زینت ہوتا ہے۔ اس کے بعد اس کی قوم مردانگی اور جوانمردی کے اوصاف سے محروم ہو کر کمینی اور گھٹیا ترین قوم بن جاتی ہے۔ [2]

ایسی قوم کے بارے میں درج ذیل ارشاد باری تعالیٰ بالکل سچ ثابت ہوتا ہے:

﴿ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۝ ﴾

''اور اللہ نے ایک بستی کی مثال بیان کی ہے جو امن و اطمینان سے (آباد) تھی۔ اس کا رزق اسے ہر جگہ سے وافر (میسر) آتا تھا، پھر اس (کے باشندوں) نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی تو اللہ نے انھیں ان کے کرتوتوں کی وجہ سے بھوک کا مزہ چکھایا اور خوف کا لباس (پہنایا)۔'' [3]

[1] منهج كتابة التاريخ الإسلامي لمحمد بن صامل السلمي، ص:65. [2] تاريخ الدعوة إلى الإسلام للدكتور يسري محمد هاني، ص:253. [3] النحل 112:16.

یہ وہ چند تعلیقات ہیں جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خطبے پر لگائی گئی ہیں۔ اس خطبے میں انھوں نے اپنی حکومت کی پالیسی کا اعلان کیا ہے۔ اس میں انھوں نے حکمران کے فرائض اور عوام کے ساتھ اس کے تعلقات کی نوعیت بیان کی ہے۔ یوں آپ نے اپنے خطبے میں وہ اہم ترین اصول جو عوام کی تربیت کے لیے ضروری تھے اُجاگر کیے۔ اس طرح خلافت اسلامی قائم ہوئی اور عملی طور پر حکومت کی حدود وقیود کا تعین کیا گیا۔ امت بھی ایسے ہی خلیفہ کی خواہش مند تھی۔ مسلمانوں کی فوری رضامندی اس بات کی دلیل ہے کہ وہ نظامِ مصطفیٰ ﷺ کی بقا کو ضروری جانتے تھے۔ وہ بخوبی جانتے تھے کہ اگرچہ رسول اللہ ﷺ وفات پاگئے ہیں مگر وہ ان کی راہنمائی کے لیے مکمل دین اور لاثانی کتاب چھوڑ گئے ہیں۔ مسلمانوں کا خلافت ابوبکر کو تسلیم کر لینا اور اس پر رضامند ہوجانا اس بات کی قوی دلیل ہے کہ وہ نظام مصطفیٰ ﷺ کی بقا چاہتے تھے۔ ①

مسلمان حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت سے زیادہ دیر تک مستفید نہیں ہوسکے، آپ نے اپنے اولین خطاب میں اعلیٰ اختیارات کی حدود کا تعین فرمادیا تھا، گویا کہ وہ ایک ایسی مثالی شورائی حکومت تھی کہ آزادی اور عدل کے خواہش مندوں کو اس سے بہتر مثال نہیں ملتی۔ ②

محسن انسانیت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے سب سے زیادہ دانشمند شاگرد، اعلیٰ صلاحیتوں کے مالک، سب سے بڑے عالم اور آپ پر ایمان لانے والوں میں عظیم ترین انسان ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس شورائی نظام کے رہبر اعظم تھے۔

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اس شرط کے بغیر کوئی شخص حکمران نہیں ہوسکتا۔''

ان کی مراد وہ عظیم شرائط تھیں جو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے اولین سیاسی خطبے میں

① دراسات في الحضارة الإسلامية لأحمد إبراهيم الشريف، ص:210-219. ② أشهر مشاهير الإسلام لرفيق العظم، ص:120.

ارشاد فرمائی تھیں۔ ①

ملکی نظم و نسق (کابینہ اور وزراء)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی ملکی پالیسی کے نفاذ کے لیے صحابۂ کرام میں سے اپنے معاونین منتخب کیے، امت محمدیہ کے امین ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو وزیر خزانہ مقرر کیا اور بیت المال کے فرائض ان کے سپرد کر دیے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو وزارت عدل وانصاف کا قلمدان سونپا، جبکہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ خود بھی عدالتی امور نبٹاتے تھے۔ وزارت مواصلات، ڈاک کا انتظام اور خط کتابت کا فریضہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا۔ ② ان کی غیر موجودگی میں حاضرین مجلس، مثلاً: حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما بھی یہ فریضہ ادا کرتے تھے۔

بھلا دور حاضر کی انسانیت صحابۂ کرام کے ان زریں قوانین سے کیا مناسبت رکھتی ہے؟ ان پاکباز ہستیوں کے بعد قومی خزانہ لوگوں کی ذاتی ملکیت کی حیثیت اختیار کر گیا ہے وہ جس طرح چاہتے ہیں اس میں تصرف کرتے ہیں۔ ان کے شاہانہ اخراجات کی کوئی حد نہیں، مزید ظلم یہ کہ بیرونی ممالک کے بینکوں میں ان کے خفیہ اکاؤنٹس ہیں۔ حتی کہ کافر ممالک بھی انھی اموال پر عیش کر رہے ہیں، حالانکہ یہ مال غریب ممالک کے عوام کا ہے جو ان کے عیاش حکمرانوں نے لوٹ کھسوٹ کر کے ان بینکوں میں جمع کرا رکھا ہے۔

یہ لوگ جتنا جی چاہے مال و دولت جمع کر لیں، بیرون ملک ان کے وسیع محلات اور جاگیریں چاہے جتنی بڑھ جائیں مگر وقت آنے پر یہ سب کچھ ان ظالموں کے لیے کافی نہیں ہوگا۔ نہ اس سے انھیں کچھ فائدہ ہوگا۔ شاہ ایران اپنی بے پناہ غیر ملکی دولت وثروت کے باوجود آخری وقت میں دربدر کی ٹھوکریں کھاتا رہا۔ دنیا کا کوئی ملک اسے اپنے ہاں پناہ دینے پر راضی نہ تھا۔ یہ تو دنیا کی سزا تھی، جبکہ آخرت کا عذاب بہت سخت اور حساب

① تاريخ الخلفاء للسيوطي، ص:92. ② في التاريخ الإسلامي للدكتور شوقي أبي خليل، ص:218.

بہت کٹھن ہوگا۔ [1]

لہٰذا مسلمان حکمرانوں کو چاہیے کہ وہ اس جلیل القدر صحابی رسول کی اقتدا کریں جس نے رسول اللہ ﷺ کے بعد اسلامی مملکت کی باگ ڈور سنبھالی تھی۔ ان کا یہ فرمان کتنا دلنشین ہے:

«لَقَدْ عَلِمَ قَوْمِي أَنَّ حِرْفَتِي لَمْ تَكُنْ تَعْجِزُ عَنْ مَّؤُونَةِ أَهْلِي وَشُغِلْتُ بِأَمْرِ الْمُسْلِمِينَ، فَسَيَأْكُلُ آلُ أَبِي بَكْرٍ مِّنْ هٰذَا الْمَالِ وَأَحْتَرِفُ لِلْمُسْلِمِينَ فِيهِ»

''میری قوم بخوبی جانتی ہے کہ میرا پیشہ میری گھریلو ضروریات کے لیے کافی تھا۔ لیکن اب میں مسلمانوں کے امور کی نگہبانی میں مصروف ہوگیا ہوں، لہٰذا آل ابوبکر مسلمانوں کے مال سے اخراجات پورے کریں گے اور میں مسلمانوں کی خدمت میں مصروف رہوں گا۔'' [2]

بلاشبہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے شاندار روایات قائم کی ہیں، مسلمانوں کی حکمرانی بذات خود کوئی نفع بخش عہدہ نہیں ہے بلکہ حاکم وقت کا وظیفہ اس بنا پر مقرر کیا جاتا ہے کہ وہ اپنا وقت عوام کی خدمت کے لیے صرف کرتا ہے، جبکہ خود اسے اپنے لیے کچھ کمانے کا موقع ہی نہیں ملتا۔ [3]

حضرت ابوبکر اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے تاریخ کے صفحات پر اتنے جاندار اور شاندار کارنامے رقم کیے ہیں کہ آج انسانیت ترقی کے بامِ بلند پر پہنچ کر بھی یہی محسوس کرتی ہے کہ وہ ابھی صحابۂ کرام کے قدموں ہی میں پڑی ہے۔ [4]

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسلامی حکومت کی تعمیر و ترقی کے لیے زبردست محنت کی، انھوں نے داخلی محکموں کی تعمیر کا بڑھ چڑھ کر اہتمام کیا اور رسول اللہ ﷺ کی تعمیر کردہ عظیم

[1] التاريخ الإسلامي لمحمود شاكر، ص:11. [2] صحيح البخاري، حديث:2070. [3] أبوبكر رجل الدولة لمجدي حمدي، ص:35. [4] أبوبكر رجل الدولة لمجدي حمدي، ص:36.

اسلامی مملکت کی راہ میں حائل ہونے والی ہر رکاوٹ دور کر دی۔ انھوں نے عوام کی فلاح و بہبود کے عظیم منصوبے شروع کیے۔ عدالتی نظام کو خوب مستحکم کر دیا۔ اپنے گورنروں کے معاملات کی بڑی نگرانی اور خبر گیری کی اور تمام پالیسیوں میں رسول اللہ ﷺ کے منہج کی پیروی کی۔
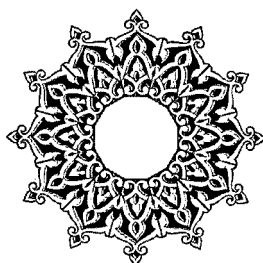
خلافت صدیقی کے نمایاں پہلو

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی معاشرتی زندگی

خلیفۂ رسول ہونے کی حیثیت سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی زندگی اس طرح بسر ہوئی کہ آپ نے ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کیا۔ آپ ہر دم مسلمانوں کو دین حنیف سکھاتے تھے، نیکی کا حکم دیتے تھے اور برائی سے روکتے نظر آتے تھے۔ آپ کے اس اہتمام سے رعایا کو ہدایت کی راہ ملتی تھی، ایمان پختہ ہوتا تھا اور اخلاقی اقدار مضبوط سے مضبوط تر ہوتی چلی جاتی تھیں۔ آپ کی معاشرتی تگ ودو کی چند جھلکیاں درج ذیل ہیں:

بکریوں کا دودھ دوہنا

خلافت کے منصب پر متمکن ہونے سے پہلے آپ ایک کنبے کی بکریوں کا دودھ دوہا کرتے تھے۔ جب آپ خلیفہ بن گئے تو اس کنبے کی ایک بچی کہنے لگی: ''اب تو آپ ہماری بکریوں کا دودھ نہیں دوہا کریں گے۔'' یہ سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! میں یہ خدمت انجام دیتا رہوں گا۔ امید ہے کہ میری نئی ذمہ داری مجھے میری گزشتہ نیکیوں سے مانع نہیں ہوگی۔'' چنانچہ آپ حسب سابق ان کی بکریوں کا دودھ دوہتے رہے جب

وہ بچیاں اپنی بکریاں لے کر آتیں تو آپ از راہ شفقت فرماتے: «أُرْغِي لَكِ أَوْ أُصَرِّحُ؟» ”دودھ کا جھاگ بناؤں یا نہ بناؤں؟“ اگر وہ کہتیں کہ جھاگ بنادیں تو برتن کو ذرا دور رکھ کر دودھ دوہتے حتی کہ خوب جھاگ بن جاتا۔ اگر وہ کہتیں کہ جھاگ نہ بنائیں تو برتن تھن کے قریب کرکے دودھ دوہتے تاکہ دودھ میں جھاگ نہ بنے۔ آپ مسلسل چھ ماہ تک مقام سُنح میں یہ خدمت انجام دیتے رہے، پھر آپ نے مدینہ منورہ میں رہائش اختیار کرلی۔ [1]

اس واقعے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اخلاق حسنہ کی ایک نادر جھلک دیکھی جاسکتی ہے۔ یہ اعلیٰ درجے کی تواضع ایک ایسے شخص کی ہے جو عمر میں بڑا اور مقام ومرتبے میں اعلیٰ تھا۔ آپ اس وقت خلیفۃ المسلمین تھے لیکن اس کے باوجود اپنی گزشتہ نیکیوں کو جاری رکھنے کے متمنی تھے، چاہے اس پر ان کا کتنا ہی وقت صرف ہوجائے، حالانکہ انھیں وقت کی اشد ضرورت بھی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ واقعہ ہمیں یہ بھی بتاتا ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نیکی اور بھلائی کے کاموں کا کس قدر اہتمام کرتے تھے، چاہے اس عمل میں کیسی ہی کلفت و مشقت پیش آئے۔ [2]

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنی سچی عزیمت اور اعلیٰ درجے کی استقامت کی بنا پر جزیرۂ عرب پر غالب آئے۔ انھوں نے جزیرہ نمائے عرب کو اللہ کے دین کے تابع کردیا، پھر اسی سرزمین کا لشکر اس وقت کی دو سپر پاور حکومتوں سے ٹکر لینے کے لیے روانہ کردیا۔ اور ان کو فتح کر دکھایا۔

یہ ہیں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ...... بچیوں کے لیے بکریوں کا دودھ نکال کر انھیں دیتے ہیں اور خلیفہ بننے کے بعد ارشاد فرماتے ہیں: «أَرْجُو أَنْ لَّا يُغَيِّرَنِي مَا دَخَلْتُ فِيهِ» ”امید ہے کہ میری نئی ذمہ داری میرے خیر کے کاموں میں رکاوٹ نہیں بنے گی۔“ [3]

ان کی نئی ذمہ داریاں کوئی آسان کام نہ تھا۔ وہ خلیفۂ رسول تھے۔ عرب کے سردار اور اس

[1] الطبقات لابن سعد: 186/3. [2] التاريخ الإسلامي للحميدي: 8/19. [3] صفة الصفوة لابن الجوزي: 258/1.

لشکر جرار کے سپہ سالار تھے جو ایرانی جبروت اور رومی غرور کو خاک میں ملانے کے لیے روانہ ہوا تھا۔ جس نے وہاں عدل وانصاف، علم اور تہذیب کے جھنڈے گاڑنے تھے۔ اس سب کچھ کے باوجود ان کی آرزو یہ ہے کہ وہ اپنے سابقہ نیک اعمال بھی بدستور جاری رکھیں گے اور حسب سابق لاوارث بچیوں کی خدمت کرتے رہیں گے۔[1]

اخلاق حمیدہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے ثمرات میں سے ہے۔ ان اخلاق حمیدہ میں سے ایک تواضع ہے جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی شخصیت میں بدرجۂ اتم نظر آتی ہے۔ ان کی یہ خوبی درج بالا واقعے اوران کی دیگر پالیسیوں سے واضح ہوتی ہے۔

جب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اونٹنی کی مہار گر جاتی تو وہ بذات خود نیچے اتر کر اسے تھام لیتے تھے۔ کسی اور کو حکم نہیں دیتے تھے۔ ان سے عرض کیا گیا: ''اگر آپ ہمیں حکم دیتے تو ہم آپ کو مہار پکڑا دیتے۔'' آپ فرماتے:

«أَمَرَنَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَلَّا نَسْأَلَ النَّاسَ شَيْئًا»

''ہمیں رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے کہ ہم لوگوں سے سوال نہ کریں۔''[2]

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ہمارے لیے تواضع کی درخشاں مثال چھوڑی ہے۔ تواضع کا سبق انھوں نے قرآن مجید کے اس فرمان سے اخذ کیا تھا:

﴿وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُودُهُ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ إِلَيْنَا لَا يُرْجَعُونَ ۝ فَأَخَذْنَاهُ وَجُنُودَهُ فَنَبَذْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ ۖ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظَّالِمِينَ ۝﴾

''اور اس (فرعون) اور اس کے لشکروں نے زمین (مصر) میں ناحق تکبر کیا اور انھوں نے سمجھ رکھا تھا کہ بے شک انھیں ہماری طرف لوٹایا نہیں جائے گا، چنانچہ ہم نے اسے اور اس کے لشکروں کو پکڑا اور ہم نے انھیں سمندر میں پھینک دیا، تو

[1] أبوبكر الصديق للطنطاوي، ص: 186۔ [2] التاريخ الإسلامي لمحمود شاكر، ص: 8۔

دیکھو! ان ظالموں کا انجام کیسا ہوا؟''[1]

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تواضع کا سبق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے حاصل کیا:

«مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِّنْ مَّالٍ وَّمَا زَادَ اللّٰهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ إِلَّا عِزًّا وَّمَا تَوَاضَعَ أَحَدٌ لِّلّٰهِ إِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ»

''صدقہ کرنے سے مال کم نہیں ہوتا، بندے کے معاف کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کی عزت میں اضافہ کردیتا ہے اور جو شخص اللہ کے لیے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ اسے بلند مقام عطا کردیتا ہے۔''[2]

آپ اپنی اسی خوبی کو بروئے کار لاکر کمزوروں کی خدمت اور حاجت مندوں کی ضروریات پوری فرماتے تھے۔

نابینا خاتون کی خدمت

حضرت ابو صالح غفاری بیان کرتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں ایک اندھی بڑھیا رہتی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ رات کے وقت اس کی خدمت کے لیے جایا کرتے تھے۔ اُسے پانی وغیرہ لاکر دیتے اور دیگر ضروریات کا سامان بہم پہنچاتے۔ اکثر ایسا ہوتا جب وہ وہاں پہنچتے تو انھیں معلوم ہوتا کہ کوئی شخص ان سے پہلے بڑھیا کی خدمت کر گیا ہے۔ کئی بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ جلدی جلدی پہنچے تاکہ کوئی دوسرا شخص ان سے پہلے یہ خدمت نہ کر جائے مگر وہ ایسا نہ کر پائے۔ ایک رات انھوں نے چھپ کر اس شخص کا پتا لگایا تو وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نکلے جو اس بڑھیا کی خدمت کر جاتے تھے، حالانکہ وہ اس وقت مسلمانوں کے خلیفہ تھے۔[3]

[1] القصص 28:39، 40۔ [2] صحيح مسلم، حديث: 2588۔ [3] أبوبكر الصديق للطنطاوي، ص: 29۔

ام ایمن رضی اللہ عنہا کی زیارت

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا:

«اِنْطَلِقْ بِنَا إِلٰی أُمِّ أَیْمَنَ نَزُورُهَا کَمَا کَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ یَزُورُهَا»

''چلو ہم ام ایمن رضی اللہ عنہا کی زیارت کرتے ہیں جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی زیارت کیا کرتے تھے۔''

جب ہم ان کی خدمت میں پہنچے تو وہ رونے لگیں۔ دونوں نے پوچھا: ''آپ کیوں رو رہی ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اللہ تعالیٰ کے پاس بہترین جزا اور صلہ ہے۔'' اس پر وہ کہنے لگیں: ''میں اس لیے نہیں رو رہی کہ مجھے یہ علم نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اللہ تعالیٰ کے پاس بہترین جزا ہے۔ میں تو اس لیے رو رہی ہوں کہ آسمان سے وحی کا سلسلہ منقطع ہوگیا ہے۔'' ان کی یہ بات سن کر حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما بھی رو پڑے۔[1]

خاموش حج کرنے والی عورت کو نصیحت

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ لوگوں کو جاہلی اعمال اور بدعات کے ارتکاب سے روکتے تھے۔ آپ صحیح اسلامی اعمال کرنے اور اتباعِ سنت کی تاکید کرتے تھے۔ قیس بن ابی حازم سے مروی ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ احمس قبیلے کی زینب نامی ایک عورت کے پاس پہنچے۔ آپ نے دیکھا کہ وہ بالکل چپ ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا:

«مَا لَهَا لَا تَتَکَلَّمُ؟» ''اسے کیا ہوا ہے؟ یہ باتیں کیوں نہیں کرتی؟''

حاضرین نے جواب دیا کہ اس نے خاموش حج کرنے کی نذر مانی ہے۔ آپ نے

[1] صحیح مسلم، حدیث:2454.

اسے حکم دیا کہ اپنی خاموشی توڑو، ایسی نذر ماننا جائز نہیں، یہ تو جاہلیت کے کاموں میں سے ہے، لہٰذا اس نے بات چیت شروع کر دی اور پوچھنے لگی: ”آپ کون ہیں؟“

حضرت ابوبکر نے فرمایا: «أَنَا امْرُؤٌ مِّنَ الْمُهَاجِرِينَ» ”میں مہاجرین میں سے ہوں۔“

اس نے پھر پوچھا: ”کون سے مہاجرین میں سے؟“

آپ نے کہا: «مِنْ قُرَيْشٍ» ”قریش کے مہاجرین میں سے۔“

اس نے پوچھا: ”قریش کے کس خاندان سے؟“

آپ نے فرمایا: «إِنَّكِ لَسَئُولٌ، أَنَا أَبُوبَكْرٍ» ”تو سوال بہت کرتی ہے۔ میں ابوبکر ہوں۔“

اس پر وہ کہنے لگی: ”اے خلیفۂ رسول! جاہلیت کے بعد اللہ تعالیٰ نے ہمیں اسلام کی وجہ سے جو نعمت عطا کی ہے، ہم اس پر کب تک قائم رہیں گے؟“

آپ نے فرمایا: «بَقَاءُ كُمْ عَلَيْهِ مَا اسْتَقَامَتْ بِهِ أَئِمَّتُكُمْ» ”تم لوگ اس پر اس وقت تک قائم رہو گے جب تک تمھارے حکمران اسلام پر قائم رہیں گے۔“

وہ کہنے لگی: ”حکمرانوں سے کون لوگ مراد ہیں؟“

آپ نے فرمایا: «أَمَا كَانَ لِقَوْمِكِ رُؤُوسٌ وَّ أَشْرَافٌ يَّأْمُرُونَهُمْ فَيُطِيعُونَهُمْ؟» ”کیا تمھاری قوم کے شرفاء اور سردار نہیں ہیں جو قبیلے والوں کو حکم دیتے ہیں اور وہ ان کی اطاعت کرتے ہیں؟“

اس نے عرض کیا: ”بالکل ہیں۔“

آپ نے فرمایا: «فَهُمْ أُولٰئِكَ عَلَى النَّاسِ» ”حکمران یہی لوگ تو ہیں۔“[1]

امام خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”جاہلیت کی عبادات میں سے ایک عبادت خاموشی بھی تھی، چنانچہ ایک شخص ایک دن رات کا خاموش اعتکاف کرتا تھا۔ اسلام میں اس امر کی

[1] صحيح البخاري، حديث:3834.

ممانعت کر دی گئی اور انھیں حکم دیا گیا کہ وہ اچھی بات ضرور کیا کریں۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اس فرمان سے بعض علماء نے دلیل لی ہے کہ جس شخص نے کلام نہ کرنے کی نذر مانی ہو اور وہ کلام کر لے تو اس پر کوئی کفارہ نہیں ہوگا کیونکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس عورت کو کفارہ ادا کرنے کا حکم نہیں دیا۔ ان علماء کا قیاس یہ ہے کہ جس نے خاموش رہنے کی نذر مانی تو اس کی نذر واقع ہی نہیں ہوگی کیونکہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ یہ نذر حلال نہیں۔ یہ تو جاہلیت کے اعمال میں سے ہے۔ اسلام نے ایسے اعمال کو ختم کر دیا ہے۔ یہ باتیں یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کردہ علم ہی کی روشنی میں کہی جاسکتی ہیں، لہٰذا یہ حکم مرفوع کے حکم میں ہوگا۔ [1]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''خاموشی کی فضیلت میں وارد احادیث اس حدیث کے منافی نہیں کیونکہ دونوں احادیث کا مقصد جدا جدا ہے۔ جو خاموشی مطلوب ہے اس سے مراد باطل اور لغویات سے اجتناب ہے۔ اسی طرح ایسا مباح کلام جو باطل تک پہنچ جائے اس سے بھی خاموشی اختیار کرنا مطلوب ہے۔ جبکہ ممنوع خاموشی وہ ہے جو حق کے اظہار کے وقت اختیار کی جائے، حالانکہ وہ شخص حق بات کہنے کی طاقت بھی رکھتا ہو، اسی طرح وہ مباح جس کا فائدہ اور نقصان برابر ہو اس میں بھی خاموشی اختیار نہیں کرنی چاہیے بلکہ خیر کے پہلو کو سامنے رکھ کر بات کر لینی چاہیے۔ واللہ اعلم۔'' [2]

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا بھرپور اہتمام

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے اور لوگوں کے پیچیدہ مسائل کی وضاحت کر کے انھیں حل فرماتے تھے۔ قیس بن ابی حازم بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یہ آیت مقدسہ پڑھتے ہوئے سنا:

[1] فتح الباري: 150/7. [2] فتح الباري: 151/7.

﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُم مَّن ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ ۚ ﴾

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم پر اپنی جانوں کی فکر لازم ہے جو شخص گمراہ ہو وہ تمھیں نقصان نہیں پہنچا سکتا، جبکہ تم خود ہدایت پر ہو۔''[1]

بعد ازاں آپ نے فرمایا:

«إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ: إِنَّ الْقَوْمَ إِذَا رَأَوُا الْمُنْكَرَ فَلَمْ يُغَيِّرُوهُ عَمَّهُمُ اللّٰهُ بِعِقَابٍ»

''بلاشبہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: جب کوئی قوم برائی کو دیکھ کر مٹانے کی کوشش نہ کرے تو اللہ تعالیٰ ان سب کو عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے۔''[2]

ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں:

«يَا أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّكُمْ تَقْرَؤُونَ هٰذِهِ الْآيَةَ وَ تَضَعُونَهَا عَلٰى غَيْرِ مَوَاضِعِهَا وَ إِنَّا سَمِعْنَا النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ: إِنَّ النَّاسَ إِذَا رَأَوُا الظَّالِمَ فَلَمْ يَأْخُذُوا عَلٰى يَدَيْهِ أَوْشَكَ أَنْ يَعُمَّهُمُ اللّٰهُ بِعِقَابٍ»

''اے لوگو! تم یہ آیت پڑھتے ہو مگر اس کے صحیح معنی نہیں سمجھتے، تم اس کی غلط تفسیر کرتے ہو، بلاشبہ ہم نے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: ''جب لوگ ظالم کو ظلم کرتے ہوئے دیکھنے کے باوجود اسے نہیں روکیں گے تو قریب ہے اللہ تعالیٰ ان پر عمومی عذاب نازل کر دے۔''[3]

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: ﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنفُسَكُمْ ۚ ﴾ نیکی کے حکم اور برائی سے منع کرنے کے وجوب کے خلاف نہیں ہے۔ کیونکہ

[1] المآئدة 5:105. [2] السنن الكبرٰى للنسائي:6/339. [3] سنن أبي داود، حديث:4338.

محققین کے نزدیک اس آیت کے صحیح معنی یہ ہیں کہ جب تم اپنی ذمہ داری ادا کر چکو تو دوسروں کی کوتاہی تمھیں کچھ نقصان نہیں دے گی، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرٰى ﴾

''کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔''

جب حکم یہی ہے تو پھر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرنے کے بعد مخاطبین اگر اس کی اطاعت نہیں کرتے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہوگا کیونکہ وہ تو اپنا فرض پورا کر چکا۔[1]

❁ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ لوگوں کی اصلاح کیا کرتے تھے اور انھیں صحیح اعمال اپنانے کا حکم دیتے تھے۔ میمون بن مہران رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سلام کیا تو انھیں مخصوص کرتے ہوئے کہا: اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا خَلِيفَةَ رَسُولِ اللّٰهِ! اس پر آپ نے دریافت فرمایا: «مِنْ بَيْنِ هٰؤُلَاءِ أَجْمَعِينَ» ''تم نے تمام حاضرین میں سے صرف مجھی کو سلام کیوں کیا؟''[2]

❁ اسی طرح آپ بعض دفعہ سنت پر عمل چھوڑ دیتے تھے اس خدشے کی بنا پر مبادا کم علم لوگ اسے فرض سمجھ لیں۔

حضرت حذیفہ بن اسید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ وہ نماز چاشت اس ڈر سے نہیں پڑھتے تھے کہ کہیں لوگ ان کی پیروی میں اسے اپنے لیے ضروری نہ قرار دے لیں۔[3]

❁ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے عبد الرحمٰن کو ہمسایوں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیتے

[1] عون المعبود شرح سنن أبي داود:329/11. [2] الجامع لأخلاق الراوي وآداب السامع للخطيب البغدادي:172/1، حديث:255. [3] المعجم الكبير للطبراني، حديث:3057، اس کی سند صحیح ہے۔

تھے۔ ایک دن حضرت عبدالرحمٰن اپنے ہمسائے سے تکرار کر رہے تھے تو ان سے فرمایا:

«لَا تُمَاظِّ جَارَكَ، فَإِنَّ هٰذَا يَبْقٰى وَيَذْهَبُ النَّاسُ»

''اپنے ہمسائے سے مت جھگڑو کیونکہ یہ ہمسایہ تو یہیں رہے گا اور لوگ (تمھاری تکرار کی خبریں لے کر) چلے جائیں گے۔''[1]

❁ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے والد گرامی کے بڑے فرمانبردار تھے۔ جب آپ 12ھ ماہِ رجب میں عمرہ کرنے کے لیے مکہ مکرمہ پہنچے تو چاشت کے وقت مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے، پھر اپنے گھر آئے۔ آپ کے والد بزرگوار ابوقحافہ رضی اللہ عنہ دروازے کے پاس بیٹھے تھے۔ ان کے اردگرد چند جوان بھی تھے۔ ان سے کہا گیا: آپ کا بیٹا آیا ہے۔ وہ فوراً ملنے کے لیے کھڑے ہو گئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ منظر دیکھا تو فوراً اپنی اونٹنی سے اترے، اسے بٹھانے کی کوشش بھی نہیں کی تاکہ والد محترم کی عزت وتکریم اور اطاعت وفرمانبرداری کا ارمان جلد از جلد پورا کر سکیں، پھر لوگ آ آ کر انھیں سلام کرنے لگے۔ حضرت ابوقحافہ کہنے لگے: ''عتیق بیٹا! یہ سردار لوگ ہیں، ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔'' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

«يَا أَبَتِ لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ، طُوِّقْتُ أَمْرًا عَظِيمًا لَّا قُدْرَةَ لِي بِهٖ وَ لَا يَدَانِ إِلَّا بِاللّٰهِ»

''ابا جان! اللہ تعالیٰ کی مدد وتوفیق کے بغیر نیکی کرنے اور برائی سے بچاؤ کی کوئی صورت نہیں، مجھے ایک بھاری ذمہ داری سونپ دی گئی ہے، اسے نبھانے کی مجھ میں طاقت نہیں مگر یہ کہ اللہ ہی میرا حامی وناصر ہو جائے۔''[2]

❁ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نماز نہایت خشوع وخضوع سے ادا کرنے کا اہتمام کرتے تھے۔ عبادت

[1] الزهد لابن المبارك: 551/1. [2] صفة الصفوة لابن الجوزي: 258/1.

نہایت احسن انداز میں ادا کرنے کے شائق تھے۔ نماز کے دوران ادھر ادھر بالکل متوجہ نہیں ہوتے تھے۔[1]

اہل مکہ کہا کرتے تھے: ابن جریج نے نماز امام عطاء سے سیکھی ہے اور امام عطاء نے حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے سیکھی ہے۔ اور حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے نماز حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے سیکھی تھی اور حضرت ابوبکر نے براہ راست نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھی تھی۔

امام عبد الرزاق کہا کرتے تھے: ''میں نے ابن جریج سے بڑھ کر خوبصورت نماز پڑھنے والا کسی کو نہیں دیکھا۔''[2]

❁ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں: ''حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو نماز فجر پڑھائی تو دو رکعات میں پوری سورۂ بقرہ پڑھ ڈالی۔ نماز سے فارغ ہوئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے عرض کیا: ''اے خلیفۂ رسول! آپ نے اتنی لمبی نماز پڑھائی ہے کہ ہمیں یقین ہوگیا تھا کہ آج سورج طلوع ہو چکا ہوگا۔'' اس پر فرمایا:

«لَوْ طَلَعَتْ لَمْ تَجِدْنَا غَافِلِينَ» ''اگر سورج طلوع ہو جاتا تو وہ ہمیں غافل نہ پاتا۔''[3]

❁ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ لوگوں کو مصائب میں صبر کرنے کی تلقین فرماتے تھے۔ کسی کا کوئی عزیز فوت ہو جاتا تو اسے ان الفاظ میں تسلی دیتے:

«لَيْسَ مَعَ الْعَزَاءِ مُصِيبَةٌ وَّلَا مَعَ الْجَزَعِ فَائِدَةٌ. اَلْمَوْتُ أَهْوَنُ مِمَّا قَبْلَهُ وَ أَشَدُّ مِمَّا بَعْدَهُ، اُذْكُرُوا فَقْدَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ تَصْغُرْ مُصِيبَتُكُمْ وَ عَظَّمَ اللّٰهُ أَجْرَكُمْ»

''تعزیت سے مصیبت کا بوجھ ختم ہو جاتا ہے۔ جزع فزع کرنے کا کوئی فائدہ نہیں، (مومن کے لیے) موت ماقبل کی تکالیف سے کہیں آسان ہے اور مابعد

[1] فضائل الصحابة للإمام أحمد:254/1. [2] فضائل الصحابة للإمام أحمد:255/1.
[3] الرياض النضرة في مناقب العشرة للمحب الطبري، ص:224.

کے مقابلے میں کہیں زیادہ سخت ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی جدائی کو یاد کرلیا کرو، تمھارا غم ہلکا ہوجائے گا۔ اللہ تمھارا اجر وثواب زیادہ کرے۔''[1]

❁ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک کم سن بچہ فوت ہوگیا تو آپ نے انھیں دلاسا دیتے ہوئے فرمایا:«عَوَّضَكَ اللّٰهُ مِنْهُ مَا عَوَّضَهُ مِنْكَ» ''اللہ تعالیٰ اس کے بدلے آپ کو بہتر جزا دے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کے لیے سراپائے شفقت بنایا تھا۔''[2]

❁ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ لوگوں کو ظلم کرنے، عہد توڑنے اور دھوکا دینے سے روکتے تھے۔ فرماتے تھے:

«ثَلَاثٌ مَّنْ كُنَّ فِيهِ كُنَّ عَلَيْهِ: الْبَغْيُ وَالنَّكْثُ وَالْمَكْرُ»

''جس میں تین خصلتیں ہوں گی وہ اس کے خلاف دلیل بن جائیں گی: ''ظلم، عہد شکنی اور دھوکا دہی۔''[3]

❁ آپ لوگوں کو التزام سے وعظ ونصیحت کرتے تھے، آپ کے مواعظ میں سے چند درج ذیل ہیں:

«اَلظُّلُمَاتُ خَمْسٌ وَّالسُّرُجُ خَمْسٌ:

حُبُّ الدُّنْيَا ظُلْمَةٌ وَّالسِّرَاجُ لَهُ التَّقْوٰى.

وَالذَّنْبُ ظُلْمَةٌ وَّالسِّرَاجُ لَهُ التَّوْبَةُ.

وَالْقَبْرُ ظُلْمَةٌ وَّالسِّرَاجُ لَهٗ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ.

وَالْآخِرَةُ ظُلْمَةٌ وَّالسِّرَاجُ لَهُ الْعَمَلُ الصَّالِحُ.

وَالصِّرَاطُ ظُلْمَةٌ وَّالسِّرَاجُ لَهُ الْيَقِينُ»

[1] عيون الأخبار لأبي محمد عبد الله بن مسلم: 3/69,70. [2] عيون الأخبار لأبي محمد عبدالله بن مسلم: 3/32. [3] مجمع الأمثال للميداني: 2/450.

''اندھیرے پانچ قسم کے ہیں اور چراغ بھی پانچ قسم کے ہیں:

1 دنیا کی محبت اندھیرا ہے اور تقوی اس کا چراغ ہے۔

2 گناہ اندھیرا ہے اور توبہ اس کا چراغ ہے۔

3 قبر اندھیرا ہے اور لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اس کا روشن چراغ ہے۔

4 آخرت میں اندھیرا ہوگا اور نیک عمل اُجالا کرے گا۔

5 پل صراط پر اندھیرا ہوگا اور اللہ پر ایمان اس کا چراغ ہوگا۔''[1]

❁ آپ خطبۂ جمعہ میں لوگوں کو سچائی اور حیا کی تلقین فرماتے تھے۔ اللہ کے سامنے حاضری کی تیاری کرنے کی تاکید کرتے تھے اور دنیوی دھوکے میں پڑنے سے روکتے تھے۔

اوسط بن اسماعیل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''میں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے ایک سال بعد خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا، آپ فرما رہے تھے:

«قَامَ فِينَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مَقَامِي هٰذَا عَامَ أَوَّلَ»

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے پہلے سال اسی جگہ خطبہ ارشاد فرمانے کے لیے کھڑے ہوئے۔''

پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ اتنا روئے کہ ان کے لیے بات کرنا دشوار ہوگیا، پھر کچھ دیر کے بعد فرمایا:

«أَيُّهَا النَّاسُ! اِسْأَلُوا اللّٰهَ الْعَافِيَةَ، فَإِنَّهُ لَمْ يُعْطَ أَحَدٌ خَيْرًا مِّنَ الْعَافِيَةِ بَعْدَ الْيَقِينِ وَ عَلَيْكُمْ بِالصِّدْقِ، فَإِنَّهُ مَعَ الْبِرِّ وَ هُمَا فِي الْجَنَّةِ وَ إِيَّاكُمْ وَالْكَذِبَ فَإِنَّهُ مَعَ الْفُجُورِ وَ هُمَا فِي النَّارِ وَ لَا تَقَاطَعُوا وَ لَا تَدَابَرُوا وَ لَا تَبَاغَضُوا وَ لَا تَحَاسَدُوا وَ كُونُوا عِبَادَ اللّٰهِ إِخْوَانًا»

[1] فرائد الکلام للخلفاء الکرام لقاسم عاشور، ص:29.

"اے لوگو! اللہ سے عافیت کا سوال کرو کیونکہ ایمان کے بعد عافیت سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں جو کسی شخص کو عطا کی گئی ہو۔ سچ بولا کرو کیونکہ سچ اور نیکی کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ یہ دونوں چیزیں جنت میں لے جائیں گی۔ جھوٹ سے بچو کیونکہ جھوٹ اور برائیاں لازم وملزوم ہیں اور یہ دونوں جہنم کا سبب ہیں۔ تعلقات مت توڑو، اپنے مسلمان بھائیوں کی مدد سے منہ نہ موڑو، آپس میں بغض وعناد مت رکھو، حسد نہ کرو۔ اے اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن جاؤ۔"[1]

❁ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

«يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِينَ! اِسْتَحْيُوا مِنَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهٖ! إِنِّي لَأَظَلُّ حِينَ أَذْهَبُ الْغَائِطَ فِي الْفَضَاءِ مُتَقَنِّعًا بِثَوْبِي اسْتِحْيَاءً مِّنْ رَّبِّي عَزَّوَجَلَّ»

"اے مسلمانو! اللہ تعالیٰ سے حیا کرو، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں قضائے حاجت کے لیے کھلی جگہ جاتا ہوں تو اپنے رب سے حیا کے مارے اپنے آپ کو اپنے کپڑے میں چھپا لیتا ہوں۔"[2]

❁ عبد اللہ بن حکیم بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ہمیں خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

«فَإِنِّي أُوصِيكُمْ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَ أَنْ تُثْنُوا عَلَيْهِ بِمَا هُوَ لَهُ أَهْلٌ وَّ أَنْ تَخْلِطُوا الرَّغْبَةَ بِالرَّهْبَةِ وَ تَجْمَعُوا الْإِلْحَاحَ بِالْمَسْأَلَةِ، فَإِنَّ اللّٰهَ أَثْنٰى عَلٰى زَكَرِيَّا وَ أَهْلِ بَيْتِهٖ فَقَالَ:

[1] صحيح التوثيق في سيرة وحياة الصديق لمجدي فتحي السيد، ص:179. [2] صحيح التوثيق في سيرة وحياة الصديق لمجدي فتحي السيد، ص:182.

﴿إِنَّهُمْ كَانُوا يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَيَدْعُونَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ۖ وَكَانُوا لَنَا خَاشِعِينَ ○﴾

ثُمَّ اعْلَمُوا عِبَادَ اللّٰهِ! أَنَّ اللّٰهَ قَدِ ارْتَهَنَ بِحَقِّهِ أَنْفُسَكُمْ وَ أَخَذَ عَلٰى ذٰلِكَ مَوَاثِيقَكُمْ، فَاشْتَرَى الْقَلِيلَ الْفَانِيَ بِالْكَثِيرِ الْبَاقِي وَ هٰذَا كِتَابُ اللّٰهِ فِيكُمْ لَا تَفْنٰى عَجَائِبُهُ وَ لَا يَطْفَأُ نُورُهُ، فَصَدِّقُوا قَوْلَهُ وَانْتَصِحُوا كِتَابَهُ وَاسْتَوْضِئُوا مِنْهُ لِيَوْمِ الظُّلْمَةِ، فَإِنَّمَا خَلَقَكُمْ لِلْعِبَادَةِ وَوَكَّلَ بِكُمُ الْكِرَامَ الْكَاتِبِينَ يَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ، ثُمَّ اعْلَمُوا عِبَادَ اللّٰهِ! أَنَّكُمْ تَغْدُونَ وَ تَرُوحُونَ فِي أَجَلٍ قَدْ غُيِّبَ عَنْكُمْ عِلْمُهُ، فَإِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ تَنْقَضِيَ الْآجَالُ وَ أَنْتُمْ فِي عَمَلٍ لِلّٰهِ فَافْعَلُوا وَ لَنْ تَسْتَطِيعُوا ذٰلِكَ إِلَّا بِاللّٰهِ، فَسَابِقُوا فِي مَهْلِ آجَالِكُمْ قَبْلَ أَنْ تَنْقَضِيَ آجَالُكُمْ فَيَرُدَّكُمْ إِلٰى أَسْوَاءِ أَعْمَالِكُمْ، فَإِنَّ أَقْوَامًا جَعَلُوا آجَالَهُمْ لِغَيْرِ هِمْ وَ نَسُوا أَنْفُسَهُمْ، فَأَنْهَاكُمْ أَنْ تَكُونُوا مِثْلَهُمْ، فَالْوَحَا، اَلْوَحَا، ثُمَّ النَّجَا، النَّجَا، فَإِنَّ وَرَاءَكُمْ طَالِبًا حَثِيثًا مَرُّهُ سَرِيعٌ.

(وَ فِي رِوَايَةٍ أُخْرٰى:) أَيْنَ مَنْ تَعْرِفُونَ مِنْ إِخْوَانِكُمْ؟! وَ مِنْ أَصْحَابِكُمْ؟! قَدْ وَرَدُوا عَلٰى مَا قَدَّمُوا، قَدَّمُوا مَا قَدَّمُوا فِي أَيَّامِ سَلَفِهِمْ وَ حَلُّوا فِيهِ بِالشِّقْوَةِ وَالسَّعَادَةِ. أَيْنَ الْجَبَّارُونَ الَّذِينَ بَنَوُا الْمَدَائِنَ وَ حَفَوْهَا بِالْحَوَائِطِ، قَدْ صَارُوا تَحْتَ الصَّخْرِ وَالْآبَارِ، أَيْنَ الْوُضَاءَةُ الْحَسَنَةُ وُجُوهُهُمْ، الْمُعْجَبُونَ بِشَبَابِهِمْ، أَيْنَ

الْمُلُوكُ وَ أَيْنَ الَّذِينَ كَانُوا يُعْطَوْنَ الْغَلَبَةَ فِي مَوَاطِنِ الْحَرْبِ؟ قَدْ تَضَعْضَعَ بِهِمُ الدَّهْرُ، فَأَصْبَحُوا فِي ظُلُمَاتِ الْقُبُورِ. لَا خَيْرَ فِي قَوْلٍ لَا يُرَادُ بِهِ وَجْهُ اللّٰهِ وَ لَا خَيْرَ فِي مَالٍ لَّا يُنْفَقُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَ لَا خَيْرَ فِيمَنْ يَّغْلِبُ جَهْلُهٗ حِلْمَهٗ وَ لَا خَيْرَ فِيمَنْ يَّخَافُ فِي اللّٰهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ.

إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لَيْسَ بَيْنَهٗ وَ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْ خَلْقِهٖ نَسَبٌ يُّعْطِيهِ بِهٖ خَيْرًا وَّ لَا يَصْرِفُهٗ عَنْ سُوءٍ، إِلَّا بِطَاعَتِهٖ وَاتِّبَاعِ أَمْرِهٖ وَ إِنَّهٗ لَا خَيْرَ بَخَيْرٍ بَعْدَهُ النَّارُ وَ لَا شَرَّ بِشَرٍّ بَعْدَهُ الْجَنَّةُ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ مَّا أَخْلَفْتُمْ لِلّٰهِ عَزَّوَجَلَّ فَرَبَّكُمْ أَطَعْتُمْ وَحَقَّكُمْ حَفِظْتُمْ وَ أُوصِيكُمْ بِاللّٰهِ لِفَقْرِكُمْ وَفَاقَتِكُمْ أَنْ تَتَّقُوهُ وَ أَنْ تُثْنُوا عَلَيْهِ بِمَا هُوَ أَهْلُهٗ وَ أَنْ تَسْتَغْفِرُوهُ إِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا، أَقُولُ قَوْلِي هٰذَا وَ أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ لِي وَ لَكُمْ»

''امابعد! میں تمھیں اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرنے کی نصیحت کرتا ہوں۔ تم اس کے شایانِ شان اس کی تعریف بیان کرو اور اس کی رحمت کی امید اور اس کے عذاب کا خوف رکھو۔ اس سے گریہ وزاری کے ساتھ التجائیں کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے زکریا علیہ السلام اور ان کے گھر والوں کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّ رَهَبًا ؕ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ۝ ﴾

''بے شک وہ نیکیوں میں جلدی کرتے اور ہمیں رغبت اور ڈر سے پکارتے تھے اور وہ ہمارے ہی نیاز مند تھے۔''[1]

[1] الأنبیاء 21:90.

اللہ کے بندو! خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حق کے لیے تمھاری جانوں کو گروی رکھا ہوا ہے اور اس پر پختہ عہد و میثاق لیے ہیں اور اللہ نے تمھاری قلیل اور فانی دنیا کو کبھی ختم نہ ہونے والی آخرت کے بدلے خرید لیا ہے۔ تمھارے پاس اللہ کی کتاب موجود ہے۔ اس کے عجائبات کبھی ختم نہ ہوں گے، نہ اس کا نور بجھے گا۔ تم اس کی تصدیق کرو، اس کی کتاب پر عمل پیرا ہو جاؤ اور اس کے ذریعے قیامت کے دن کے اندھیرے کے لیے روشنی کا سامان کرلو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تمھیں اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے اور تم پر معزز فرشتے مقرر کیے ہیں جو تمھاری ہر کارگزاری سے باخبر ہیں۔

اللہ کے بندو! خوب جان لو، تم ایک مقررہ مدت کے لیے زندگی گزار رہے ہو، اس مدت کا تمھیں علم نہیں اگر ایسا کرسکو کہ یہ عمر اللہ کی عبادت میں مشغول ہو کر گزارو تو ضرور کرلو۔ اللہ کی توفیق کے بغیر تم ایسا ہرگز نہیں کرسکو گے، لہٰذا اپنی اجل آنے سے قبل جلدی کرلو مبادا یہ عمر ختم ہو جائے اور تم اپنے برے اعمال کے سپرد کردیے جاؤ۔ کیونکہ کچھ لوگوں نے اپنی عمریں غیروں کے نفع کے لیے خرچ کردیں اور خود کو بھول گئے، میں تمھیں ان جیسا بننے سے منع کرتا ہوں، لہٰذا جلدی کرو جلدی کرو۔ اللہ کو راضی کرکے نجات حاصل کرلو کیونکہ تمھارے پیچھے تیز رفتار شکاری لگا ہوا ہے۔''

(ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:)

''تمھارے محبوب دوست آج کہاں ہیں؟ تمھارے شناسا لوگ کہاں گئے؟ وہ اپنے کیے ہوئے اعمال کو پہنچ گئے۔ انھوں نے اپنی زندگی میں جو کمایا وہ اس تک جا پہنچے اور اپنے اعمال کے مطابق خوش بخت یا بدبخت قرار پا گئے۔

وہ ظالم حکمران کہاں ہیں جنھوں نے شہر آباد کیے اور انھیں فصیلوں کے ذریعے

سے محفوظ کیا؟ آج وہ کسی چٹان کے نیچے یا کسی کنویں کی تہہ میں دبے ہوئے ہیں۔ وہ خوبصورت چہروں والے اپنی جوانیوں میں مگن مغرور لوگ کہاں ہیں؟ وہ بادشاہ اور جرنیل کہاں ہیں جو جنگوں میں فتح کے جھنڈے لہراتے تھے؟ زمانے نے انھیں زمین بوس کر دیا۔ وہ قبروں کے اندھیروں میں جا پڑے۔

اس کلام میں کوئی خیر نہیں جس کا مقصود اللہ کی رضا نہ ہو۔ اس مال میں کوئی خیر نہیں جو اللہ کی راہ میں خرچ نہ ہو۔ اس شخص میں کوئی بھلائی نہیں جس کا غصہ اس کے حلم پر غالب آجائے۔ اس شخص میں بھی کوئی خیر نہیں جو ملامت کرنے والوں کی ملامت کے خوف سے اللہ کی رضا کے کاموں میں شریک نہیں ہوتا۔

کسی شخص کا اللہ تعالیٰ سے کوئی نسبی رشتہ نہیں کہ جس کی بدولت وہ اسے نعمتوں سے نوازے یا اسے برائیوں سے بچائے۔ ایسا صرف اللہ کی اطاعت اور اس کے احکام کی بجا آوری ہی سے ممکن ہے۔ وہ بھلائی کوئی بھلائی نہیں جس کا انجام جہنم کی آگ ہو۔ اور وہ بظاہر شرّ کوئی شر نہیں جس کے بعد جنت نصیب ہو۔

خوب جان لو! اللہ کی رضا کے لیے تم جو اعمال پیچھے چھوڑ جاؤ گے وہ صرف اللہ کی اطاعت اور باہمی حقوق کی پاسداری ہی کے قبیل سے ہوں گے۔ میں وصیت کرتا ہوں کہ تم اپنے فقر وفاقہ میں اللہ تعالیٰ کی ناشکری سے بچو۔ اس کی شانِ اقدس کے لائق اس کی تعریفیں بیان کرو اور اس سے بخشش طلب کرو۔ بلاشبہ وہ بہت زیادہ بخشنے والا ہے۔

میں انھی کلمات پر اپنی بات ختم کرتا ہوں۔ اور اپنے اور تمھارے لیے پروردگار عالم سے بخشش ومغفرت کا سوال کرتا ہوں۔''[1]

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اسی اسلوب سے معاشرے کی اصلاح کا اہتمام کرتے، نصیحت

[1] المصنف لابن أبي شيبة: 144/7، و صحيح التوثيق في سيرة وحياة الصديق لمجدي فتحي السيد، ص: 181.

فرماتے، خیر کے کاموں کی ترغیب دیتے، نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے منع کرتے تھے۔

نظامِ عدلیہ اور بعض اہم فیصلے

عہد صدیقی میں عدلیہ کا نظام

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا دور خلافتِ راشدہ کا ابتدائی دور ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سے قربت اور تعلق کی وجہ سے خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ خلافت راشدہ اور خاص طور پر اس کا نظام عدل عہد نبوی کے نظام عدل ہی کا تسلسل ہے۔ اس دور کے نظامِ عدل کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں عہد نبوی میں ہونے والے فیصلوں کی مکمل اتباع اور ان سنہرے فیصلوں کی مکمل تطبیق اور تنفیذ کی گئی۔

خلفائے راشدین کے نظام عدل کی خصوصیات میں دو امور بنیادی اہمیت کے حامل ہیں:

- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں مقدمات کے فیصلوں پر مشتمل نصوص کی مکمل پابندی، ان فیصلوں کو اپنے لیے مشعل راہ بنانا اور ہمیشہ انھی کے مطابق عدالتی نظام چلانا۔
- وسیع و عریض اسلامی مملکت کے استحکام اور طرح طرح کے جدید تقاضے پورے کرنے کے لیے عدلیہ کی تنظیم نو کرنا۔[1]

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بوقت ضرورت مقدمات کا فیصلہ خود کرتے تھے۔ آپ کے دور حکومت میں ابھی عدلیہ انتظامیہ سے الگ نہیں ہوئی تھی بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک ہی کی طرح نظام عدالت چل رہا تھا۔ کیونکہ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قریبی دور میں جو تعلیم حاصل کی تھی وہ اسی کی روشنی میں زندگی گزار رہے تھے اور ان کی زندگی پر شریعت کا رنگ بہت گہرا تھا، اس لیے ان کے باہمی اختلافات نہ ہونے کے برابر تھے۔ عہد صدیقی

[1] تاریخ القضاء في الإسلام للزحیلي، ص: 83، 84۔

میں مدینہ منورہ کا نظام عدالت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا گیا تھا تاکہ وہ حضرت ابوبکر کے معاون ومددگار ہوں لیکن اس منصب کو کوئی مستقل حیثیت حاصل نہیں تھی۔ [1] حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعین کردہ اکثر قاضی اور گورنر اپنے مناصب پر برقرار رکھے اور وہ حسب سابق اپنی خدمات انجام دیتے رہے۔ [2]

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں عدالتی نظام کے مصادر درج ذیل تھے:

1. قرآن مجید۔
2. سنت نبوی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور مسعود میں کیے گئے فیصلے۔
3. اہل علم اور مفتی صحابۂ کرام کے مشورے کے بعد ہونے والا اجماع۔
4. اجتہاد، جبکہ کتاب اللہ، سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اجماع صحابہ سے کوئی راہنمائی دستیاب نہ ہو۔ [3]

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا طریقۂ کار یہ تھا کہ جب ان کے سامنے کوئی مقدمہ آتا تو وہ کتاب اللہ کی روشنی میں اس کا حل تلاش کرتے، اگر رہنمائی مل جاتی تو اس کے مطابق فیصلہ کر دیتے تھے۔ کتاب اللہ میں اس کا حل نہ ملتا تو سنت نبوی کی طرف رجوع کرتے۔ اس میں مقدمے کا حل مل جاتا تو اس کے مطابق فیصلہ سنا دیتے تھے۔ اگر اس میں بھی حل نہ ملتا تو صحابۂ کرام سے مشورہ کرتے۔ ان سے پوچھتے کہ کیا آپ میں سے کسی کو معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جیسے مقدمے کے بارے میں کیا فیصلہ کیا تھا؟ بعض اوقات صحابۂ کرام انھیں اطلاع دیتے کہ اس جیسے مقدمے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح فیصلہ کیا تھا، چنانچہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کے مطابق فیصلہ سنا دیتے۔ اس موقع پر آپ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے فرماتے:

«اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي جَعَلَ فِينَا مَنْ يَّحْفَظُ عَنْ نَّبِيِّنَا»

---

[1] وقائع ندوة النظم الإسلامية لأبي ظبي: 366/1. [2] تاريخ القضاء في الإسلام للزحيلي، ص: 134. [3] وقائع ندوة النظم الإسلامية لأبي ظبي: 390/1.

''اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے ہم میں ایسے افراد پیدا کیے ہیں جو اپنے نبی کے فرامین یاد رکھتے ہیں۔''

اگر اس طرح بھی مسئلہ حل نہ ہوتا تو آپ مسلمانوں کے سرکردہ اصحاب رائے اور علمائے کرام سے مشورہ کرتے اور ان کے متفقہ مشورے کے مطابق فیصلہ کر دیتے۔ (1)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے نزدیک شوریٰ کے متفقہ مشورے یا رائے کو اختیار کرنا ضروری تھا کیونکہ شوریٰ کی صورت میں امام کا اس کی مخالفت کرنا درست نہیں۔ اور آپ کے بارے میں یہی بات منقول ہے کہ آپ فیصلہ کرتے ہوئے شوریٰ کی رائے نظر انداز نہیں کرتے تھے۔

جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے گورنر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے لشکر کے لیے حضرت خالد بن ولید کو کمک کے طور پر بھیجا تو عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو نصیحت کی کہ ان سے مشورہ لیتے رہنا اور ان کی مخالفت مت کرنا۔ (2)

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ لوگوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین و احکام معلوم کرتے وقت پوری تحقیق کرتے تھے۔ قبیصہ بن ذؤیب بیان کرتے ہیں کہ ایک دادی اپنے پوتے کی وراثت سے حصہ لینے کے لیے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو آپ نے فرمایا:

«مَا أَجِدُ لَكِ فِي كِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰى شَيْئًا وَّ مَا عَلِمْتُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ذَكَرَ لَكِ شَيْئًا»

''مجھے معلوم نہیں کہ قرآن مجید میں تمھارے لیے کوئی حصہ بیان ہوا ہو اور نہ میں یہ جانتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دادی کو پوتے کی وراثت سے کچھ دیا ہو۔''

پھر آپ نے صحابۂ کرام سے یہ مسئلہ دریافت کیا تو حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہو

(1) موسوعة فقه أبي بكر الصديق للدكتور قلعجي، ص:155. (2) موسوعة فقه أبي بكر الصديق للدكتور قلعجي، ص:156.

گئے۔ انھوں نے عرض کیا: ''میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا۔ آپ ﷺ نے ایک دادی کو اس کے پوتے کی وراثت سے چھٹا حصہ دیا تھا۔'' اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: «هَلْ مَعَكَ أَحَدٌ؟» ''کیا آپ کے پاس اس کا کوئی اور گواہ ہے؟'' تو محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے گواہی دی کہ واقعی رسول اللہ ﷺ نے یہی فیصلہ کیا تھا، چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دادی کو چھٹا حصہ دلا دیا۔ [1]

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا موقف یہ تھا کہ حاکم کو اپنے ذاتی علم کی بنا پر فیصلہ نہیں کرنا چاہیے الاّیہ کہ اس کے ساتھ ایک اور گواہ ہو جس سے بات یقینی ہو جائے۔ آپ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا:

«لَوْ رَأَيْتُ رَجُلًا عَلٰى حَدٍّ لَمْ أُعَاقِبْهُ حَتّٰى تَقُومَ الْبَيِّنَةُ عَلَيْهِ أَوْ يَكُونَ مَعِي شَاهِدٌ آخَرُ»

''اگر میں کسی شخص کو لائق تعزیر کام کا ارتکاب کرتے ہوئے دیکھوں تو میں دلیل قائم ہونے تک اسے سزا نہیں دوں گا یا اس صورت میں سزا دوں گا کہ میرے ساتھ ایک اور گواہ مل جائے۔'' [2]

عہد صدیقی کے بعض اہم فیصلے

قصاص کا مقدمہ: علی بن ماجدہ سہمی بیان کرتے ہیں کہ میری ایک شخص سے لڑائی ہو گئی تو میں نے اس کا کان چبا ڈالا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حج کے لیے تشریف لائے تو ہمارا مقدمہ ان کے سامنے پیش ہوا۔ آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا:

«أُنْظُرْ هَلْ بَلَغَ أَنْ يُّقْتَصَّ مِنْهُ»

''کیا اس مقدمے میں قصاص لازم آتا ہے؟''

[1] تذكرة الحفاظ للذهبي: 2/1. [2] تراث الخلفاء الراشدين للدكتور صبحي محمصاني، ص:186.

انھوں نے کہا: ”جی ہاں! حجام کو بلائیے۔“

جب حجام کا تذکرہ ہوا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

«سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ: إِنِّي وَهَبْتُ لِخَالَتِي غُلَامًا أَرْجُو أَنْ يُبَارَكَ لَهَا فِيهِ وَ إِنِّي نَهَيْتُهَا أَنْ تَجْعَلَهُ حَجَّامًا أَوْ قَصَّابًا أَوْ صَائِغًا»

”میں نے رسول اللہ ﷺ کا ایک ارشاد مبارک سنا ہے۔ آپ نے فرمایا: ”میں نے اپنی خالہ کو ایک غلام ہبہ کیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ یہ غلام ان کے لیے بڑا بابرکت ثابت ہوگا۔ اور میں نے اپنی خالہ کو تاکید کی ہے کہ وہ اس غلام کو حجام، قصاب یا کاری گر نہ بنائیں۔“[1]

بیٹا باپ کے خرچ کا ذمہ دار ہے: قیس بن ابی حازم بیان کرتے ہیں: ”میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک آدمی نے (اپنے باپ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) کہا: ”اے خلیفۂ رسول! یہ میرا سارا مال ہتھیانا چاہتا ہے۔“ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کے والد سے فرمایا:

«إِنَّمَا لَكَ مِنْ مَّالِهِ مَا يَكْفِيكَ»

”اپنی ضرورت کے مطابق لے لیا کرو۔“

اس شخص کے والد نے عرض کیا: ”اے خلیفۂ رسول! کیا رسول اللہ ﷺ نے (ایک بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے) یہ نہیں فرمایا تھا: «أَنْتَ وَ مَالُكَ لِأَبِيكَ» ”تم اور تمھارا مال تمھارے باپ کی ملکیت ہے۔“

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: «اِرْضَ بِمَا رَضِيَ اللّٰهُ بِهٖ» ”اتنے پر اکتفا کرلو جتنے پر اللہ راضی ہے۔“

[1] مسند أحمد: 17/1، وسلسلة الأحاديث الضعيفة، حديث: 4754، و أخبار القضاة لوكيع: 102/2 بحوالة تاريخ القضاء في الإسلام للزحيلي، ص: 136.

منذر بن زیاد کی روایت کے یہ الفاظ ہیں: ”حضرت ابوبکر کی مراد یہ تھی کہ جتنا خرچ تمھیں مل رہا ہے اسی پر قناعت کرو۔“ ①

جائز دفاع کی صورت میں عدم قصاص کا فیصلہ: عبداللہ بن عبیداللہ المعروف ابن ابی ملیکہ اپنے دادا ابوملیکہ سے بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے لڑائی میں دوسرے آدمی کی انگلیاں چبا ڈالیں، اس نے ہاتھ کھینچا تو اس آدمی کے سامنے والے دانت اکھڑ گئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس مقدمے میں عدم قصاص کا فیصلہ سنایا۔ ②

بدکاری پر کوڑے مارنے کا حکم: صفیہ بنت ابی عبید بیان کرتی ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص لایا گیا۔ اس نے ایک لونڈی سے زنا کیا تھا۔ وہ حاملہ ہوگئی، اس شخص نے زنا کا اعتراف کرلیا۔ وہ شادی شدہ نہیں تھا، چنانچہ آپ کے حکم پر اسے 100 کوڑے مارے گئے، پھر مدینہ منورہ سے فدک کی طرف شہر بدر کردیا گیا۔ ③

ایک روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ آپ نے لونڈی کو کوڑوں کی سزا دی نہ اسے جلاوطن کیا کیونکہ اس کے ساتھ جبری زیادتی کی گئی تھی، پھر حضرت ابوبکر نے اسی شخص کے ساتھ اس لونڈی کی شادی کردی۔ ④

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ایک ایسے شخص کے بارے میں پوچھا گیا جس نے ایک عورت سے زنا کیا، اور اب وہ اسی سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ آپ نے فرمایا:

«مَا مِنْ تَوْبَةٍ أَفْضَلَ مِنْ أَنْ يَّتَزَوَّجَهَا، خَرَجَا مِنْ سِفَاحٍ إِلٰى نِكَاحٍ»

”اس کے حق میں اس سے اچھی توبہ اور کونسی ہوسکتی ہے کہ وہ اس عورت سے

① السنن الکبریٰ للبیهقي: 481/7، وتاریخ القضاء في الإسلام للزحیلي، ص: 136، شیخ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ قصہ سند کے لحاظ سے بے حد ضعیف ہے بلکہ ممکن ہے کہ موضوع ہو، دیکھیے: (إرواء الغلیل: 329/3) ② تاریخ القضاء في الإسلام للزحیلي، ص: 137. ③ الموطأ للإمام مالك: 336/2، حدیث: 1589. ④ المصنف لعبد الرزاق، حدیث: 12796.

شادی کرلے، اس طرح وہ دونوں (آئندہ کے لیے) حرام کاری سے بچ جائیں گے۔''[1]

مطلقہ عورت کے چھوٹے بچے اسی کے پاس رہیں گے: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے عاصم کی والدہ کو، جو انصاری خاتون تھیں، طلاق دے دی۔ کچھ عرصہ بعد وادیِ محسر[2] میں آپ کی اس سے ملاقات ہوئی۔ وہ اپنے بیٹے کو اٹھائے ہوئے تھی، بچہ دودھ پینا چھوڑ چکا تھا اور اب چلنے پھرنے کے قابل ہو گیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیٹے کا ہاتھ پکڑ کر ماں سے چھیننا چاہا اور تھوڑی سختی بھی کی۔ بچہ رونے لگا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: ''میں اپنے بیٹے کا تمھاری نسبت زیادہ حق دار ہوں۔'' یہ جھگڑا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تک پہنچا۔ حضرت ابوبکر نے ماں کے حق میں فیصلہ دے دیا اور فرمایا:

«رِيحُهَا وَ حِجْرُهَا وَ فَرْشُهَا خَيْرٌ لَّهٗ مِنْكَ حَتّٰى يَشُبَّ وَ يَخْتَارَ لِنَفْسِهٖ»

''اس بچے کے لیے ماں کی محبت وشفقت، اس کی گود اور بستر تمھاری نسبت بہتر ہے حتی کہ بچہ جوان ہو جائے اور اپنا فیصلہ خود کرلے کہ وہ کس کے پاس رہنا چاہتا ہے۔''[3]

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

«هِيَ أَعْطَفُ وَ أَلْطَفُ وَ أَرْحَمُ وَ أَحْنٰى وَ أَرْأَفُ وَ هِيَ أَحَقُّ بِوَلَدِهَا مَا لَمْ تَتَزَوَّجْ»

''ماں زیادہ مشفق ومہربان، زیادہ رحم دل، زیادہ محبت کرنے والی اور زیادہ نرم مزاج

---

[1] المصنف لعبد الرزاق، حدیث: 12796، اس روایت کی سند میں ایک راوی مجہول ہے۔
[2] وادیِ محسر: یہ مکہ مکرمہ اور عرفات کے درمیان واقع ہے۔ دیکھیے: (معجم البلدان: 62/5)
[3] المصنف لعبد الرزاق: 154/7، حدیث: 12601

ہے اور جب تک وہ دوسری شادی نہ کرے تب تک وہ بچے کی زیادہ حق دار ہے۔"[1]

یہ عہد صدیقی میں ہونے والے مقدمات واحکام کے چند نمونے تھے۔

عہد صدیقی کی عدلیہ کی چند نمایاں خصوصیات

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کی عدلیہ چند نمایاں خصوصیات کی بنا پر ممتاز ہے:

- عہد صدیقی کی عدلیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد زریں ہی کی عدلیہ کا تسلسل ہے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور کی عدلیہ عہد نبوی کی عدلیہ کے قانون کی پاسداری، اسی منہج پر استواری، دینی تربیت کے اہتمام، ایمان ویقین میں پختگی اور مختصر وقت میں مقدمات کے فوری فیصلوں کی آئینہ دار تھی۔ آپ کے عہد میں محدود مقدمات ہی دائر ہوئے۔
- عہد صدیق رضی اللہ عنہ کے عدالتی فیصلے محققین اور فقہاء کے لیے نئے راستے کھولنے کا سبب بنے۔ اس دور کے احکام شرعی احکام کا مصدر بن گئے۔ انھی کی بنیاد پر مختلف ادوار میں فقہی اجتہاد کیے گئے۔
- حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور آپ کے گورنروں نے انتظامی امور کے ساتھ ساتھ عدلیہ کے فرائض بھی انجام دیے۔
- اس دور میں جدید عدالتی مصادر ظہور میں آئے جو آگے چل کر عہد خلافت راشدہ کے لیے عدالتی معاملات کی بنیاد بن گئے۔ اس دور میں عدالتی فیصلوں کے مصادر درج ذیل تھے:

1. قرآن مجید
2. سنتِ مبارکہ
3. اجماع
4. قیاس
5. سابقہ عدالتی فیصلے

[1] المصنف لعبد الرزاق: 154/7، حدیث: 12600۔

6 شوریٰ کے ارکان سے مشورہ اور اجتہادی آراء۔ [1]

❁ عدالت کے ضابطوں میں یہ امر خاص طور پر ملحوظ رکھا جاتا تھا کہ ضعیف کی حمایت، مظلوم کی مدد اور فریقین سے مساوات کا سلوک روا رکھا جائے، علاوہ ازیں تمام لوگوں پر بلاامتیاز قانون کا یکساں اطلاق کیا جائے، چاہے فیصلہ کسی گورنر، خلیفہ یا امیر کے خلاف ہی صادر ہو۔ اگر ماتحت انتظامیہ کوئی عدالتی فیصلہ بخوشی نافذ نہ کرتی تو قاضی بذاتِ خود عدالتی فیصلے نافذ کراتا تھا۔ اور عدالتی احکام فیصلے کے فوراً بعد رُوبہ عمل لائے جاتے تھے۔ [2]

گورنروں کا تقرر اور ان کی ذمہ داریاں

گورنروں کا تقرر

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مختلف شہروں میں ناظمین مقرر کرتے اور انھیں انتظامیہ، عدلیہ اور امامت کے فرائض سونپے جاتے تھے۔ صدقات و زکاۃ کی وصولی اور دیگر سرکاری امور کی ذمہ داری بھی انھی کے سپرد کی جاتی تھی۔ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن انتخاب کی پیروی کرتے تھے۔ امراء اور عمال مقرر کرتے وقت یہی معیار پیش نظر رکھتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت ابوبکر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعین کردہ تمام عمال و امراء کو ان کے مناصب پر برقرار رکھا۔ ان میں سے کسی کو معزول نہیں کیا، البتہ کسی اہم جگہ تقرر کا معاملہ پیش آیا تو آپ نے بعض امراء کے تبادلے ضرور کیے جیسا کہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے معاملے میں آپ کو ایسی ہی کارروائی کی ضرورت پیش آئی۔ [3]

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور کے ناظمین کی ذمہ داریاں عہد رسالت کی ذمہ داریوں ہی کا تسلسل تھا۔ خصوصاً وہ ناظمین جنھیں خود رسول اللہ نے متعین فرمایا تھا اُنھیں

[1] تاريخ القضاء في الإسلام للزحيلي، ص:158,157. [2] تاريخ القضاء في الإسلام للزحيلي، ص:160. [3] الولاية على البلدان للدكتور عبد العزيز العمري: 55/1.

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انھی کے عہدوں پر مامور رکھا۔ حضرت ابوبکر کے دور میں ناظمین کی اہم ذمہ داریوں کا خلاصہ درج ذیل ہے:

عمال کی اہم ذمہ داریاں

❁ نماز کی اقامت اور لوگوں کی امامت سب سے اہم دینی فریضہ تھا کیونکہ اس کے بے شمار دینی، دنیوی، سیاسی اور معاشرتی فوائد تھے، اس لیے نمازوں کی امامت امراء ہی کراتے تھے، خصوصاً خطبۂ جمعہ اور نماز جمعہ امراء خود پڑھاتے تھے۔ امیر چاہے کسی شہر کا ہو یا کسی فوجی لشکر کا، نماز پڑھانے کی ذمہ داری اسی کی ہوتی تھی۔

❁ مفتوحہ علاقوں میں جہاد اور مابعد جہاد کی کارروائیاں اسی علاقے کے امیر کی ذمہ داری تھی، چنانچہ ناظمین یہ تمام امور بذات خود انجام دیتے تھے یا ان کاموں کے لیے اپنے نائب مقرر کرتے تھے، مثلاً: قیدیوں کی حفاظت، مال غنیمت کی تقسیم یا اس قسم کے دیگر امور، اسی طرح دشمنوں کے ساتھ صلح نامہ یا معاہدوں کی ذمہ داری بھی انھی کے فرائض کا حصہ تھی۔

جہادی مہمات پر جانے والے لشکروں کے امیر شام اور عراق میں ہر جگہ یکساں اختیارات کے حامل تھے، اسی طرح وہ امراء بھی مساوی اختیارات کے حامل تھے جو مرتدین کی سرکوبی کے لیے یمن، نجد، بحرین اور عمان روانہ کیے گئے تھے کیونکہ ان جہادی مہمات کے مقاصد یکساں تھے، ہر چند اسباب مختلف تھے۔

❁ مفتوحہ علاقوں میں انتظامیہ کے افسروں اور قاضیوں کا تقرر بھی امراء کی ذمہ داری تھی جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی منظوری کے بعد ادا کی جاتی تھی یا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حکم پر ان امراء کے ذریعے سے ان کی تعیناتی عمل میں آتی تھی۔ [1]

[1] الولایۃ علی البلدان للدکتور عبدالعزیز العمری: 59/1

❁ خلیفہ کے لیے لوگوں سے بیعت لینا بھی امراء کی ذمہ داری تھی۔ یمن، مکہ، طائف اور دیگر علاقوں کے امراء نے لوگوں سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لیے بیعت لی تھی۔

❁ ان امراء اور ان کے نائبوں کی مالی ذمہ داریاں بھی تھیں۔ وہ اپنے اپنے علاقے کے دولت مندوں سے زکاۃ وصول کر کے غرباء میں تقسیم کرتے تھے اور غیر مسلموں سے جزیہ لے کر بیت المال میں جمع کراتے۔ ان کی یہ ذمہ داری عہدِ نبوی ہی سے چلی آ رہی تھی۔

❁ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں ہونے والے معاہدوں کی تجدید کی گئی۔ نجران کے والی نے رسول اللہ ﷺ اور اہل نجران کے درمیان کیے گئے معاہدے کی تجدید کی تھی کیونکہ اہل نجران کے عیسائیوں نے اس کا مطالبہ کیا تھا۔[1]

❁ امراء کی سب سے اہم ذمہ داری اپنے علاقوں میں حدود اللہ کا نفاذ اور امن وامان برقرار رکھنا تھا۔ وہ اس سلسلے میں نصوص کی عدم موجودگی میں اپنے اجتہاد سے کام لیتے تھے، جیسا کہ حضرت مہاجر بن ابی امیہ نے ان دو عورتوں کے مقدمے میں کیا جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کی وفات پر خوشی کا اظہار کیا تھا اور رسول اللہ ﷺ کی مذمت میں اشعار کہے تھے۔ اس کی مکمل تفصیل مرتدین کے خلاف جہاد کے بیان میں آئے گی۔ ان شاء اللہ۔

❁ امراء اپنے اپنے علاقوں میں لوگوں کو دینی تعلیم دینے اور اسلام کی تبلیغ و دعوت اور نشر و اشاعت میں بھرپور کردار ادا کرتے تھے۔ ان میں سے اکثر مساجد میں حلقہ لگا کر لوگوں کو قرآن اور اسلامی احکام و آداب سکھاتے تھے۔ وہ ایسا رسول اللہ ﷺ کی سنت کی پیروی میں کرتے تھے۔ یہ ذمہ داری رسول اللہ ﷺ اور ان کے خلیفہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نظر میں سب سے اہم شمار ہوتی تھی۔ اس لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے امراء اور گورنروں نے اس ذمہ داری کو خوب اچھی طرح نبھایا، حتی کہ ایک مؤرخ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حضرموت میں مقرر کردہ امیر زیاد کے بارے میں لکھتا ہے: ''جب صبح ہوتی تو زیاد لوگوں

---

[1] تاریخ الطبري:165/3.

کو قرآن پڑھانے کے لیے تشریف لے آتے جیسا کہ وہ امیر بننے سے پہلے قرآن پڑھانے آیا کرتے تھے۔''[1]

اسی طرح تعلیم وتربیت کے ذریعے سے ان امراء نے اپنے علاقوں میں اسلام کی نشرواشاعت میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔ مفتوحہ علاقوں اور مرتد ہوجانے والے علاقوں میں اسی تعلیم کی بدولت اسلام مضبوط ہوا۔ ایسے علاقے جہاں کے باسی نئے نئے مسلمان ہوئے تھے اور دینی احکام سے بے خبر تھے، ان علاقوں میں اس تعلیم کا خاطر خواہ نتیجہ برآمد ہوا۔ جبکہ اسلام کے مضبوط مراکز ، مثلاً: مکہ مکرمہ، طائف اور مدینہ منورہ میں بھی ایسے معلمین مقرر تھے جو لوگوں کی تعلیم وتربیت کا اہتمام کرتے تھے۔ یہ سب کچھ خلیفہ یا اس کے امیر کے حکم پر ہوتا تھا یا جنھیں خلیفہ خاص طور پر مختلف علاقوں میں تعلیم کے لیے متعین کرتا تھا وہ یہ فریضہ سرانجام دیتے تھے۔[2]

علاقے کا امیر یا گورنر اپنے صوبے کے انتظامی امور کا براہ راست ذمہ دار ہوتا تھا۔ اگر اسے کسی سفر پر جانا ہوتا تو وہ اپنا نائب مقرر کرتا تھا جو اس کی واپسی تک انتظامی امور کی نگرانی کرتا تھا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ مہاجر بن ابی امیہ کو رسول اللہ ﷺ نے کندہ کا گورنر بنایا تھا، آپ ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی انھیں اسی عہدے پر برقرار رکھا۔ مہاجر اپنی بیماری کی وجہ سے یمن نہیں جاسکے۔ وہ مدینہ ہی میں رک گئے اور اپنی جگہ زیاد بن لبید کو روانہ کیا کہ ان کی شفایابی اور یمن تشریف آوری تک ان کے فرائض انجام دیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی اس امر کی اجازت دے دی۔[3]

اسی طرح عراق کی گورنری کے دوران حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ حیرہ میں اپنی واپسی تک اپنا نائب مقرر کردیتے تھے۔

① الولاية على البلدان للدكتور عبد العزيز العمري:60/1. ② الولاية على البلدان للدكتور عبدالعزيز العمري:61/1. ③ الولاية على البلدان للدكتور عبد العزيز العمري:55/1.

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ لشکروں کے کمانڈر اور صوبوں کے امراء مقرر کرتے وقت صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے بھرپور مشاورت کرتے تھے۔ آپ کے مشیروں میں حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما پیش پیش تھے، اسی طرح وہ جس شخص کو امیر بنانا چاہتے خود اس سے بھی خصوصی طور پر مشورہ کرتے، خصوصاً اس وقت جب اس کا ایک جگہ سے دوسری جگہ تبادلہ کرنا ہوتا، جیسا کہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے معاملے میں ہوا۔ انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر کیا تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کا تبادلہ فلسطین کے لشکر کے امیر کے طور پر کرنا چاہا تو ان سے مشورہ کیا اور ان کی رضامندی لینے کے بعد ان کا نیا تقرر کیا، اسی طرح حضرت مہاجر بن ابی امیہ کو حضر موت اور یمن کی گورنری میں اختیار دیا تو انھوں نے یمن کو پسند کیا، چنانچہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انھیں یمن کا گورنر مقرر کر دیا۔ [1]

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرتے ہوئے بعض علاقوں کے گورنر انھی علاقوں میں سے مقرر کیے۔ وہ اس منصب کے لیے اہل اور صالح افراد منتخب فرماتے تھے جیسا کہ طائف اور بعض قبائل کے قابل گورنر انھی میں سے مقرر کیے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جب کسی شخص کو کسی علاقے کا والی مقرر کرتے تو اسے اس علاقے کی ولایت کا عہد نامہ لکھ کر دیتے۔ آپ اکثر اوقات اپنے والی کے لیے اس کی حدود کا تعین کر دیتے کہ فلاں فلاں علاقے تمھارے زیر انتظام ہوں گے، جبکہ وہ علاقے ابھی فتح بھی نہیں ہوئے ہوتے تھے اور ابھی اسلامی حکومت کے ساتھ ان کا الحاق بھی نہیں ہو پاتا تھا۔ اس کی مثال ارتداد کے خلاف جنگوں یا شام و عراق کی فتوحات کے دوران مقرر کیے جانے والے امراء ہیں۔ بعض اوقات آپ مختلف اضلاع کو اکٹھا کر دیتے تھے خصوصاً مرتدین کی جنگ کے خاتمے پر آپ نے کچھ اضلاع کو ضم کر دیا۔ آپ نے حضر موت کے گورنر زیاد بن لبید کو کندہ کی ولایت بھی سونپ دی، چنانچہ وہ بیک وقت حضر موت اور کندہ

[1] الولاية على البلدان للدكتور عبد العزيز العمري:1/55.

دونوں اضلاع کے گورنر تھے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے امراء سے مکمل احترام کے ساتھ پیش آتے تھے۔ آپ کے اور امراء کے درمیان مسلسل رابطہ رہتا تھا۔ اس رابطے کا مقصد لوگوں کی فلاح و بہبود اور انتظامی امور کی بہتری تھا۔ آپ کے امراء اکثر آپ کو خط لکھتے تھے اور انتظامی معاملات میں آپ سے مشاورت کرتے تھے۔ آپ انھیں ان کے مسائل کا حل اور اپنا مشورہ لکھ کر ارسال فرماتے تھے۔ آپ کے قاصد آپ کو جہادی خبریں اور مرتدین کے خلاف برسرِ پیکار لشکروں کی خبریں پہنچاتے تھے، اسی طرح ہر علاقے کا امیر اپنے علاقوں کی ضروری خبریں خلیفہ کو بھیجتا تھا، جبکہ مختلف صوبوں کے گورنر آپس میں بھی رابطہ رکھتے تھے۔ پیغام بر بھیجنے یا براہِ راست خود ملاقات کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ یہ خصوصی روابط یمن اور حضرموت کے امراء کے درمیان خصوصی طور پر قائم تھے، اسی طرح شامی گورنر بھی ایسے رابطوں کا خصوصی اہتمام کرتے تھے، وہ عسکری معاملات میں باہم مشاورت کے لیے جمع ہوتے رہتے تھے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اکثر اپنے امراء کو خط لکھتے تھے۔ انھیں دنیا سے بے رغبتی اختیار کرنے کی نصیحت فرماتے اور آخرت کی تیاری کے لیے کوششیں کرنے کی ترغیب دیتے تھے۔ یہ خطوط باقاعدہ طور پر خلیفہ کی طرف سے جاری کیے جاتے تھے جو مختلف امراء اور فوجی کمانڈروں کے نام ارسال کیے جاتے تھے۔ [1]

عہد صدیقی کا انتظامی ڈھانچہ

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں اسلامی مملکت متعدد اضلاع یا صوبوں میں تقسیم کی گئی تھی۔ صوبوں اور ان کے امراء، گورنروں اور جملہ حکام کے نام درج ذیل ہیں:

- مدینہ منورہ: یہ اسلامی حکومت کا دار الخلافہ تھا اور خلیفۂ رسول خود مدینہ منورہ ہی میں متمکن تھے۔

[1] الولاية على البلدان للدكتور عبد العزيز العمري: 57,56/1.

❁ مکہ مکرمہ: اس کے امیر عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ تھے جنھیں رسول اللہ ﷺ نے مقرر کیا تھا وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بھی اسی منصب پر برقرار رہے۔

❁ طائف: اس کے گورنر عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ تھے۔ انھیں رسول اللہ ﷺ نے مقرر کیا تھا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی انھیں اسی عہدے پر برقرار رکھا۔

❁ صنعاء: اس کے امیر مہاجر بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ تھے، انھی نے اس شہر کو فتح کیا اور مرتدین کی شورش ختم کرنے کے بعد وہی اس علاقے کے امیر مقرر ہوئے۔

❁ حضر موت: اس کے گورنر زیاد بن لبید تھے۔

❁ زبید و رمع: حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ اس کے امیر تھے۔

❁ خولان: اس کے امیر حضرت یعلی بن امیہ رضی اللہ عنہ تھے۔

❁ الجند: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اس کے امیر تھے۔

❁ نجران: حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ اس کے امیر تھے۔

❁ جرش: عبداللہ بن نور اس کے منتظم اعلیٰ تھے۔

❁ بحرین: حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ اس کے گورنر تھے۔

❁ عراق و شام: فوجی کمانڈر ہی ان علاقوں کے امیر تھے۔

❁ عمان: حذیفہ بن محصن اس کے امیر تھے۔

❁ یمامہ: اس کے گورنر سلیط بن قیس رضی اللہ عنہ تھے۔ [1]

خلافتِ صدیق کے بارے میں حضرت علی اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کا موقف

بہت سی روایات میں آیا ہے کہ حضرت علی اور زبیر رضی اللہ عنہما نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی

[1] الدولۃ العربیۃ الاسلامیۃ لمنصور الحرابی، ص: 96، 97.

بیعت میں تاخیر کی تھی، لیکن ان میں سے اکثر روایات ضعیف ہیں، سوائے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے جس میں مذکور ہے: ”حضرت علی، زبیر رضی اللہ عنہما اور ان کے ساتھی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تھے۔ بیعت سے پیچھے رہ گئے تھے، جبکہ مہاجرین کی ایک جماعت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی قیادت میں رسول اللہ ﷺ کی تجہیز و تکفین اور غسل وغیرہ میں مشغول تھی۔ یہ بات صحابی رسول حضرت سالم بن عبید رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی عیاں ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ کے اہل بیت کو، جن کے رئیس حضرت علی تھے، حکم دیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ تمھارے پاس ہیں، لہٰذا تم انھیں غسل دو۔“[1]

حضرت علی اور زبیر رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ ﷺ کی وفات کے دوسرے روز منگل کے دن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی تھی۔

حضرت علی اور زبیر رضی اللہ عنہما کی بیعتِ صدیقی

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ منبر پر تشریف فرما ہوئے تو لوگوں پر ایک نگاہ ڈالی، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نظر نہ آئے، انھیں بلایا گیا۔ وہ فوراً آ گئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

«اِبْنَ عَمَّةِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَحَوَارِيَّهٗ! أَتُرِيدُ أَنْ تَشُقَّ عَصَا الْمُسْلِمِينَ؟»

”اے رسول اللہ ﷺ کے پھوپھی زاد اور محترم حواری! کیا آپ مسلمانوں میں افتراق پیدا کرنا چاہتے ہیں؟“

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ”اے خلیفۂ رسول! مجھے آپ کی بیعت میں کوئی عذر نہیں۔“ اس کے بعد وہ کھڑے ہوئے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی، پھر حضرت

[1] دلائل النبوة للبيهقي: 260/7، وصحيح التوثيق في سيرة وحياة الصديق لمجدي فتحي السيد، ص: 98.

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دوبارہ لوگوں کا جائزہ لیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو غیر موجود پایا۔ آپ نے پیغام بھیجا۔ انھیں بلوایا۔ وہ حاضر ہوئے تو فرمایا:

«يَابْنَ عَمِّ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَ خَتَنَهُ عَلَى ابْنَتِهِ! أَتُرِيدُ أَنْ تَشُقَّ عَصَا الْمُسْلِمِينَ؟»

''اے رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد اور محترم داماد! کیا آپ مسلمانوں کی جماعت میں انتشار پیدا کرنا چاہتے ہیں؟''

اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اے خلیفۂ رسول! مجھے آپ کی بیعت کرنے میں کوئی عذر نہیں۔'' چنانچہ وہ کھڑے ہوئے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کرلی۔''[1]

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کی اہمیت درج ذیل واقعے سے بخوبی معلوم ہوسکتی ہے۔

صحیح بخاری کے بعد صحیح ترین کتاب صحیح مسلم کے مؤلف امام مسلم بن حجاج رحمہ اللہ اپنے استاذ محترم حافظ محمد بن اسحاق بن خزیمہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے اسی حدیث کے بارے میں سوال کیا۔ استاذ محترم نے اپنے شاگرد کو یہ حدیث لکھ دی اور پڑھ کر بھی سنائی۔ امام مسلم نے استاذ محترم سے عرض کیا: ''یہ حدیث ایک فربہ اونٹ یا گائے کی قربانی کے برابر ہے۔'' اس پر استاذ محترم نے فرمایا: ''یہ حدیث محض ایک فربہ قربانی جتنی نہیں بلکہ دس ہزار دینار سے بھی زیادہ قیمتی ہے۔''

اس حدیث پر ابن کثیر رحمہ اللہ نے ان الفاظ میں تعلیق لکھی ہے: ''اس حدیث کی سند محفوظ ہے۔ اس میں ایک جلیل القدر فائدہ پنہاں ہے، وہ یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت رسول اللہ ﷺ کی وفات کے پہلے یا دوسرے دن کرلی تھی۔ یہی حق بات ہے۔ بلاشبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر صدیق سے کبھی لمحہ بھر کے لیے بھی جدا نہیں

[1] البداية والنهاية: 249/5

ہوئے اور اُنھی کی امامت میں نماز ادا کرتے رہے۔"[1]

حبیب بن ابی ثابت کی روایت میں ہے: "حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے گھر میں تھے کہ ایک آدمی آیا۔ اُس نے انھیں اطلاع دی کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بیعت کے لیے تشریف فرما ہو چکے ہیں۔ یہ سنتے ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ جلدی سے گھر سے نکلے مبادا بیعت کرنے میں پیچھے رہ جائیں۔ اس وقت انھوں نے صرف ایک قمیص پہنی ہوئی تھی۔ انھوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کی، پھر بیٹھ گئے۔ بعد ازاں گھر سے چادر منگوائی اور اپنی قمیص پر ڈال لی۔"[2]

عمرو بن حریث رحمہ اللہ نے حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے پوچھا: "کیا آپ رسول اللہ کی وفات کے وقت موجود تھے؟" انھوں نے فرمایا: "ہاں۔"

عمرو نے پوچھا: "حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کب کی گئی؟"

حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: "جس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئے اسی روز مسلمانوں نے حضرت ابوبکر کی بیعت کر لی۔ مسلمانوں نے امیر کے بغیر چند گھڑیاں گزارنا بھی گوارا نہ کیا۔" انھوں نے پھر سوال کیا: "کیا کسی نے حضرت ابوبکر کی مخالفت بھی کی تھی؟" حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "نہیں، ان کی مخالفت صرف مرتد یا مرتد ہونے کے قریب شخص ہی نے کی تھی، جبکہ اللہ تعالیٰ نے انصار کو اس فتنے سے محفوظ رکھا تھا۔ وہ سب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت پر متفق ہو گئے اور معاً ان کی بیعت کر لی۔"

عمرو نے پھر دریافت کیا: "کیا کوئی مہاجر صحابی ان کی بیعت سے پیچھے رہ گیا تھا؟"

حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "نہیں، مہاجرین نے تو جوق در جوق اور پے در پے ان کی بیعت کی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کبھی الگ نہیں ہوئے، کسی مرحلے میں ان سے پیچھے نہیں رہے۔ وہ آپ کے مشیر تھے۔ مسلمانوں کے معاملات و

[1] البداية والنهاية: 249/5. [2] الخلفاء الراشدون للخالدي، ص: 56.

مسائل کی دیکھ بھال میں وہ ہمیشہ آپ کے معاون رہے۔“ [1]

حافظ ابن کثیر اور دیگر بہت سے علمائے کرام کا موقف یہ ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد، یعنی پہلی بیعت کے چھ ماہ بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دوبارہ تجدید بیعت کی تھی۔ اس سلسلے میں صحیح روایات آئی ہیں۔ [2]

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے خصوصی مشیر اور راز دان تھے۔ وہ اسلام اور مسلمانوں کے مفاد کے مقابلے میں ہر چیز کو ہیچ اور نا قابلِ توجہ سمجھتے تھے۔ حضرت علی کے دل میں حضرت ابوبکر کے لیے اخلاص، اسلام اور مسلمانوں کے لیے خیر خواہی، خلافت کی بقا اور مسلمانوں کے اتحاد و اتفاق کے جو جذبات موجزن تھے، ان کی ایک روشن دلیل یہ بھی ہے کہ جب حضرت ابوبکر نے مرتدین کے خلاف جہاد کے لیے بذات خود مسلمانوں کی فوجی قیادت کرنا چاہی اور ذی القصہ [3] کی طرف پیش قدمی کا ارادہ کیا اور خود کو خطرات میں ڈال کر اسلام کے وجود پر منڈلانے والے خطرات کے خاتمے کے لیے بڑی دلیری سے خود ہی میدان جہاد کی طرف چل پڑے تو اس موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نہایت بصیرت افروز مشورے دیے۔ انھیں اسلامی لشکر کی قیادت سے روکا اور مدینہ منورہ ہی میں رہ کر امور خلافت چلانے کی ضرورت کا احساس دلایا۔ [4]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس واقعے کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ذی القصہ کی طرف پیش قدمی کرنے کا ارادہ کیا اور اپنی سواری پر سوار ہو گئے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر آپ کی سواری کی لگام پکڑ لی اور کہا:

[1] الخلفاء الراشدون للخالدي، ص: 56. [2] البداية والنهاية: 49/5.
[3] ذی القصہ: مدینہ منورہ سے 24 کلومیٹر کے فاصلے پر مشرق میں واقع ہے۔ دیکھیے: (معجم البلدان: 366/4) [4] المرتضى لأبي الحسن الندوي، ص: 97.

''اے خلیفۂ رسول! آپ کدھر جا رہے ہیں؟ میں آپ سے وہی بات کہتا ہوں جو رسول اللہ ﷺ نے جنگ احد والے دن کہی تھی: ''اپنی تلوار میان میں ڈال لیں۔ اپنی جان کو (خطرے میں ڈال کر) ہمیں تکلیف میں مبتلا نہ کریں اور مدینہ لوٹ جائیں۔ اللہ کی قسم! اگر ہمیں آپ کی ذات سے محرومی کا صدمہ پہنچا اور آپ شہید ہوگئے تو اسلامی حکومت کبھی قائم نہیں رہ سکے گی۔''

چنانچہ آپ واپس تشریف لے آئے۔ [1]

اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دل حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف سے صاف نہ ہوتا اور انھوں نے اوپری دل سے ان کی بیعت کی ہوتی تو پھر تو یہ بڑا سنہرا موقع تھا جس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ فائدہ اٹھا سکتے تھے۔ وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مرتدین کے خلاف جہاد کے لیے جانے دیتے، ممکن ہے وہ شہید ہو جاتے۔ یوں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان سے چھٹکارا مل جاتا اور ان کی راہ صاف ہو جاتی۔ (معاذ اللہ) اگر ان کی دشمنی اس سے بھی بڑھ کر ہوتی اور وہ حضرت ابوبکر کو ناپسند کرنے کی وجہ سے ان سے خلاصی چاہتے تو وہ کسی بھی شخص کو اشارہ کرتے اور وہ دھوکے سے انھیں قتل کر دیتا جیسا کہ اکثر سیاستدانوں کا معمول ہے کہ وہ اس قسم کے حالات میں اپنے حریفوں کو ٹھکانے لگانے کے لیے اسی قسم کے مذموم حربے اختیار کرنے سے نہیں چوکتے۔ [2]

فدک کی زمین اور سیدہ فاطمۃ الزہرا اور سیدنا عباس رضی اللہ عنہما کا مطالبہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: ''حضرت فاطمہ اور عباس رضی اللہ عنہما حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور رسول اللہ ﷺ کی وراثت طلب کی۔ وہ خیبر کے باغات اور فدک کی زمین میں سے اپنا حصہ مانگ رہے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان دونوں سے کہا:

[1] البداية والنهاية:6/315,314. [2] المرتضى لأبي الحسن الندوي، ص:97.

''بے شک میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

«لَا نُورَثُ، مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ، إِنَّمَا يَأْكُلُ آلُ مُحَمَّدٍ مِّنْ هٰذَا الْمَالِ»

''ہمارا (انبیائے کرام ؑ کا) کوئی وارث نہیں ہوتا۔ ہم جو چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے، بلاشبہ آل محمد اسی مال میں سے اپنا خرچہ پورا کرے گی۔'' (1)

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر ؓ نے فرمایا:

«لَسْتُ تَارِكًا شَيْئًا كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَعْمَلُ بِهٖ إِلَّا عَمِلْتُ بِهٖ، فَإِنِّي أَخْشٰى إِنْ تَرَكْتُ شَيْئًا مِّنْ أَمْرِهٖ أَنْ أَزِيغَ»

''میں ایسے کسی عمل کو نہیں چھوڑ سکتا جسے رسول اللہ ﷺ اپنی زندگی میں کرتے رہے ہوں۔ میں ایسا ہر عمل ضرور کروں گا جو رسول اللہ ﷺ کرتے تھے، مجھے ڈر ہے کہ اگر میں نے نبی ﷺ کا کوئی بھی عمل چھوڑ دیا تو میں حق سے منحرف ہو جاؤں گا۔'' (2)

ام المؤمنین سیدہ عائشہ ؓ بیان کرتی ہیں: ''جب رسول اللہ ﷺ وفات پا گئے تو ازواج مطہرات نے حضرت عثمان ؓ کو حضرت ابوبکر ؓ کی خدمت میں اپنی وراثت طلب کرنے کے لیے بھیجنا چاہا۔ حضرت عائشہ نے ان سے کہا: کیا رسول اللہ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا: ''ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا، جو مال ہم چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے۔''

حضرت ابوہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«لَا يَقْتَسِمُ وَرَثَتِي دِينَارًا، مَّا تَرَكْتُ بَعْدَ نَفَقَةِ نِسَائِي وَ مَؤُونَةِ عَامِلِي فَهُوَ صَدَقَةٌ»

''میرے ورثاء ایک دینار بھی تقسیم نہیں کریں گے، میری بیویوں کے نفقے اور عمال کے وظیفے کے بعد جو مال بچ جائے وہ صدقہ ہے۔'' (3)

(1) صحيح البخاري، حديث: 6726. (2) صحيح البخاري، حديث: 3093. (3) صحيح البخاري، حديث: 6729

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو وراثت نہیں دی تو اس کی وجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی مذکورہ بالا فرمان کی پیروی تھی، اس لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا:

«لَسْتُ تَارِكًا شَيْئًا كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَعْمَلُ بِهِ إِلَّا عَمِلْتُ بِهِ»

''میں کوئی ایسا کام کبھی ترک نہیں کروں گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے بلکہ میں اس پر ضرور عمل کروں گا۔''①

اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ بھی فرمایا تھا:

«وَاللّٰهِ! لَا أَدَعُ أَمْرًا رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَصْنَعُهُ فِيهِ إِلَّا صَنَعْتُهُ»

''اللہ کی قسم! میں کوئی ایسی بات باقی نہیں رہنے دوں گا جسے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کرتے دیکھا ہے، وہی کام میں بھی کروں گا۔''②

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اس فرمان نبوی کو سننے کے بعد حضرت ابوبکر سے اپنی ناراضگی ختم کردی تھی۔ اس میں یہ دلیل ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان سن کر سر تسلیم خم کردیا تھا اور حق بات کو قبول کرلیا تھا۔

امام ابن قتیبہ③ فرماتے ہیں: ''حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا وراثت کے متعلق حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے نزاع کوئی منکر بات نہیں کیونکہ وہ اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے آگاہ نہیں تھیں، وہ سمجھتی تھیں کہ وہ اپنے والد بزرگوار کی اسی طرح وارث ہیں جس طرح تمام اولادیں اپنے آباء کی وارث بنتی ہیں۔ لیکن جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انھیں فرمانِ نبوی سے آگاہ کیا تو وہ اپنے مطالبے سے دست بردار ہوگئیں۔''④

علامہ قاضی عیاض فرماتے ہیں: ''جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا

① صحيح البخاري، حديث: 3093. ② صحيح البخاري، حديث: 6726. ③ امام ابن قتیبہ کا نام عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ ہے۔ 276ھ میں فوت ہوئے۔ (شذرات الذهب: 169/2) ④ تأويل مختلف الحديث، ص: 189.

کے موقف کا حدیث سے جواب دیا تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اپنا دعویٰ واپس لے لیا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ انھوں نے اس مسئلے میں جمہور کے اجماع کو تسلیم کر لیا تھا۔ اور حدیث نبوی کا علم ہونے کے بعد اپنی رائے سے رجوع کر لیا تھا، پھر اس کے بعد ان کی اولاد میں سے کسی نے بھی میراث کا مطالبہ نہیں کیا، حتی کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ خود خلیفہ بنے تو انھوں نے بھی اس سلسلے میں حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے موقف کے خلاف کوئی طرز عمل اختیار نہیں کیا۔''[1]

حماد بن اسحاق رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: ''حضرت عباس، فاطمہ، علی رضی اللہ عنہم اور امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کے مطالبے کے بارے میں صحیح روایات میں مذکور ہے کہ انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت سے اپنا اپنا حق طلب کیا تھا۔ چنانچہ حضرت ابوبکر اور اکابر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے انھیں بتایا کہ اس ضمن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی یہ ہے:

«لَا نُورَثُ، مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ»

''ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا، ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے۔''

یہ ارشاد عالی سن کر ان تمام حضرات نے یہ دلیل قبول کر لی۔ وہ جان گئے کہ یہی حق ہے۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان مبارک نہ ہوتا تو حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کو بھی حضرت عائشہ اور حفصہ رضی اللہ عنہما کی وراثت کی صورت میں وافر حصہ ملتا۔ لیکن انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کے حکم کو ترجیح دی اور حضرت عائشہ، حفصہ اور دیگر ورثاء کو اس دلیل کی بنا پر ان کے مطالبے سے روک دیا، اسی طرح اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت تقسیم ہوتی تو حضرت ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے لیے اس میں نہایت عظیم الشان اعزاز ہوتا کہ ان کی بیٹیاں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وارث ہوتیں۔''[2]

جن راویوں نے یہ بات نقل کی ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اسی مسئلے کی بنا پر حضرت

[1] شرح صحیح مسلم للنووی: 318/12۔ [2] البدایۃ و النہایۃ: 252/5، 253۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ناراض ہوگئی تھیں اور فوت ہونے تک حضرت ابوبکر سے قطع کلامی جاری رکھی تو یہ بات متعدد دلائل کی بنا پر صحیح نہیں ہے۔

ان دلائل میں سے چند درج ذیل ہیں:

❀ امام بیہقی نے امام شعبی سے بیان کیا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی تیمارداری کے لیے گئے تو حضرت علی نے حضرت فاطمہ سے کہا: ''ابوبکر تیمارداری کی اجازت چاہتے ہیں۔'' حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''کیا آپ انھیں اجازت دینا پسند کرتے ہیں؟'' حضرت علی نے جواب دیا: ''کیوں نہیں!'' تو حضرت فاطمہ نے انھیں اندر آنے کی اجازت دے دی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اندر تشریف لائے اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ناراضگی دور کرنے کی کوشش کرتے رہے حتیٰ کہ وہ راضی ہوگئیں۔ [1]

اس روایت سے یہ اشکال دور ہوجاتا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے وفات تک حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے قطع کلامی کی تھی۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہے، جبکہ خود حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی نے فرمایا تھا:

«وَاللّٰهِ! لَقَرَابَةُ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ أَحَبُّ إِلَيَّ أَنْ أَصِلَ مِنْ قَرَابَتِي»

''اللہ کی قسم! مجھے اپنی قرابت داری کی نسبت رسول اللہ ﷺ کے قرابت داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرنا زیادہ محبوب ہے۔'' [2]

حضرت ابوبکر نے یہ اقدام رسول اللہ ﷺ کے حکم کی اتباع ہی میں کیا تھا۔ [3]

❀ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی وفات کے صدمے سے نڈھال ہوگئی تھیں اور انھیں کسی معاملے سے کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی۔ بلاشبہ اس جانکاہ صدمے کے آگے ہر مصیبت

[1] السنن الکبریٰ للبیهقي: 301/6، روایت مرسل ہے۔ وأباطيل يجب أن تمحٰى من التاريخ للدكتور إبراهيم علي، ص: 109. [2] صحيح البخاري، حديث: 4036. [3] العقيدة في أهل البيت للدكتور سليمان بن سالم، ص: 291.

ہیچ تھی۔ وہ اپنی بیماری کی وجہ سے صاحبِ فراش تھیں۔ کسی معاملے میں ان کی مشارکت ممکن نہ تھی۔ بنا بریں وہ خلیفۃ المسلمین سے دوبارہ مل ہی نہ پائیں، جبکہ خلیفۃ المسلمین بھی امت کے مسائل اور مرتدین کے خلاف قتال کی وجہ سے دن رات مصروف تھے۔

اس کے علاوہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو یہ بھی علم تھا کہ وہ عنقریب اپنے والد محترم سے جاملیں گی۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے انھیں بتادیا تھا کہ وہ آپ کے گھرانے میں سے سب سے پہلے آپ سے آملیں گی۔ جسے اپنی موت کے قریب ہونے کا علم ہو وہ ایسی دنیاوی چیزوں میں دل نہیں لگاتا۔

امام مہلب کا یہ قول کتنا شاندار ہے جسے امام عینی نے نقل کیا ہے: ''کسی بھی راوی نے یہ نقل نہیں کیا کہ ان دونوں حضرات نے ملاقات کی ہو اور ایک دوسرے کو سلام کرنے سے گریز کیا ہو بلکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنی بیماری کی وجہ سے گھر ہی میں مقید ہوکر رہ گئی تھیں بس اس صورتِ حال کو کسی راوی نے قطع کلامی سمجھ لیا۔''[1]

اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی تاریخی طور پر ثابت ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی خلافت کے دوران اہل بیت کو مدینہ منورہ میں موجود مالِ فَے، فِدک کے مال اور خیبر کے خُمس میں سے مال عطا کرتے تھے، البتہ انھوں نے ان اموال میں وراثت کے احکام جاری نہیں کیے۔ اس کی وجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہی ارشاد گرامی تھا جس کا تذکرہ گزشتہ صفحات میں ہوچکا ہے۔ حضرت محمد بن علی بن حسین المعروف محمد باقر اور زید بن علی سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا: ''بلاشبہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف سے ہمارے آباء واجداد پر کسی قسم کا کوئی ظلم یا زیادتی نہیں ہوئی نہ کوئی ایسا اقدام ہوا جس کی وہ شکایت کرتے۔''[2]

مشہور روایت کے مطابق حضرت فاطمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے چھ ماہ بعد فوت

[1] أباطيل يجب أن تمحى من التاريخ للدكتور إبراهيم علي، ص: 108. [2] المرتضى لأبي الحسن الندوي، ص: 99.

ہو گئیں۔ انھیں نبی کریم ﷺ ہی نے یہ خبر دی تھی کہ وہ سب سے پہلے میرے پاس آ پہنچیں گی۔ اور یہ بھی فرمایا تھا:

«أَمَا تَرْضَيْنَ أَنْ تَكُونِي سَيِّدَةَ نِسَاءِ أَهْلِ الْجَنَّةِ؟»

''کیا تم جنتی خواتین کی سردار ہونے پر خوش نہیں ہو؟''[1]

سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی وفات منگل کی رات 3 رمضان المبارک 11ھ کو ہوئی۔

امام مالک اپنی سند سے بیان کرتے ہیں: ''حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا مغرب اور عشاء کے درمیان فوت ہوئیں، حضرت ابوبکر، عمر، عثمان، زبیر اور عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم تشریف لائے۔ جب ان کی میت نمازِ جنازہ کے لیے رکھی گئی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اے ابوبکر! آپ نماز جنازہ پڑھایئے۔''

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: «وَ أَنْتَ شَاهِدٌ يَّا أَبَا الْحَسَنِ؟» ''ابوالحسن! میں آپ کی موجودگی میں کیسے پڑھاؤں؟''

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اصرار کیا: ''جی ہاں! آپ ہی نماز جنازہ پڑھائیں۔ اللہ کی قسم! آپ کے سوا اور کوئی نہیں پڑھائے گا۔''

چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ پھر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو رات ہی کو دفن کیا گیا۔[2]

صحیح مسلم کی راجح روایت کے مطابق ان کی نماز جنازہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پڑھائی تھی۔[3]

ایک روایت میں یہ وضاحت بھی ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی لختِ جگر فاطمہ رضی اللہ عنہا کا جنازہ پڑھایا تو چار تکبیرات کے ساتھ نماز ادا کی۔[4]

[1] المرتضٰى لأبي الحسن الندوي، ص:94. [2] الرياض النضرة في مناقب العشرة لمحب الطبري: 82/1. [3] صحيح مسلم، حديث:1759. [4] الطبقات لابن سعد: 29/8.

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اہل بیت کے ساتھ نہایت محبت و احترام کا رشتہ استوار رکھا جو طرفین کے شایانِ شان تھا۔ الفت ومحبت کا اظہار دونوں طرف سے ہوتا رہتا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک بیٹے کا نام ابوبکر رکھا اور حضرت ابوبکر کی وفات کے بعد ان کے بیٹے محمد کی پرورش اپنے ذمے لے لی۔ پھر اپنی خلافت میں انھیں امیر بھی بنایا تھا حتی کہ ان کی وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو لوگوں کی تنقید کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ [1]

یہ وہ چند داخلی امور تھے جن کی اصلاح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد میں کی۔ انھوں نے پوری باریک بینی، التزام اور اشتیاق کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو اپنے لیے مشعلِ راہ بنائے رکھا...... اللہ تعالیٰ سیدنا ابوبکر اور تمام صحابۂ کرام سے راضی ہو۔
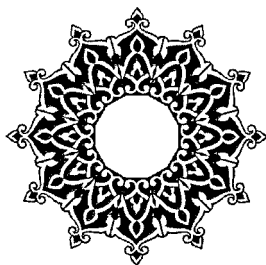
[1] المرتضى لأبي الحسن الندوي، ص:98.
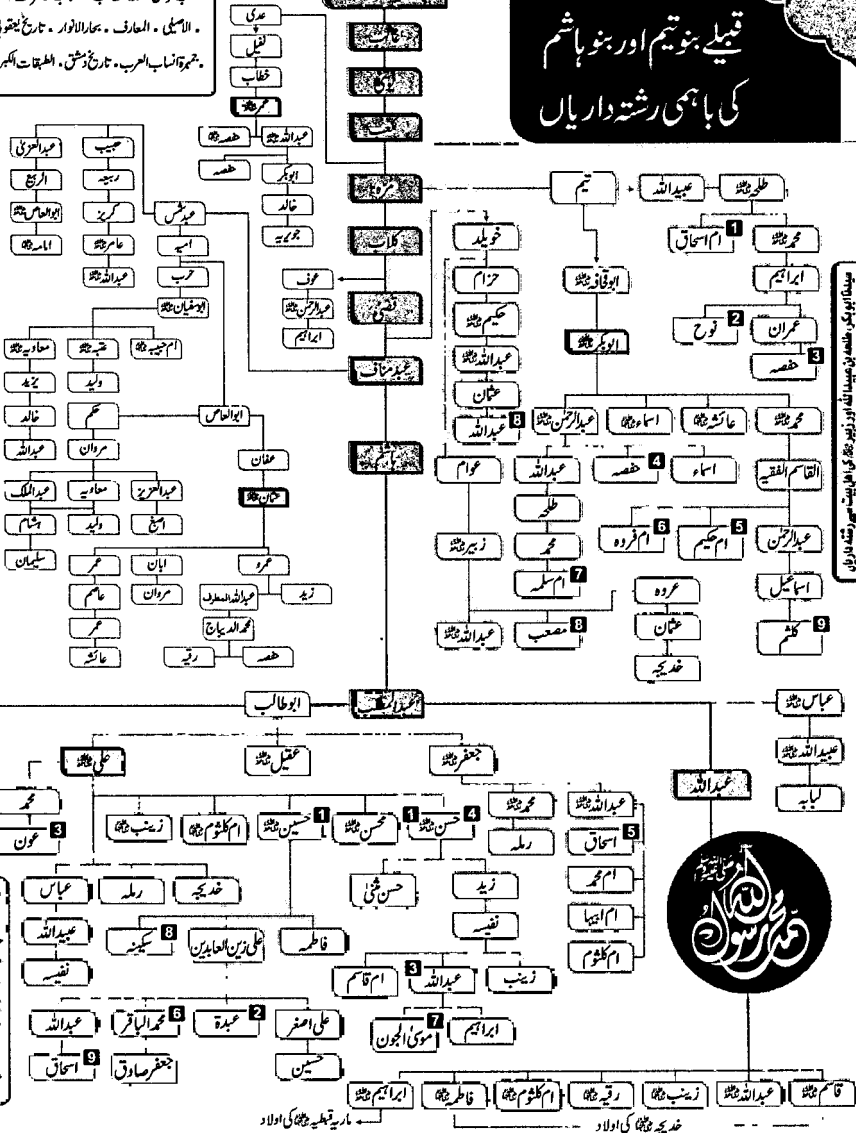
وضاحت: اہلِ بیت رضی اللہ عنہم میں سے جن احباب کی رشتہ داریاں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قبیلے بنو تیم اور ان کے خانوادے سے قائم ہوئیں ان دونوں ناموں کے ساتھ ایک ہی نمبر درج کیا گیا ہے۔ تعدادِ ازواج بھی اسی نمبر رنگ کے تحت ظاہر ہے۔

6
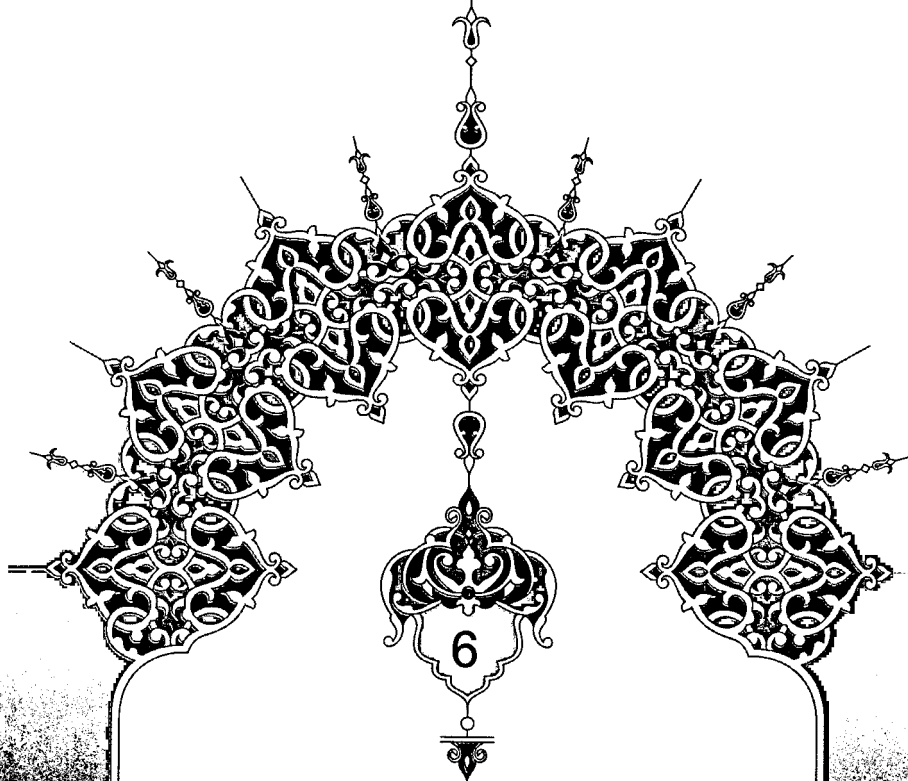
لشکر اسامہ

- لشکر اسامہ کی روانگی
- لشکر اسامہ کی روانگی سے مستفاد دروس، عبرتیں اور فوائد

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ۝﴾

’’اور کسی مومن مرد اور مومن عورت کو یہ حق حاصل نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے میں فیصلہ کردیں تو ان کے لیے اپنے معاملے میں ان کا کوئی اختیار (باقی) رہے۔ اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے تو وہ یقیناً کھلی گمراہی میں جا پڑا۔‘‘

(الأحزاب 36:33)

سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

«وَالَّذِي نَفْسُ أَبِي بَكْرٍ بِيَدِهِ! لَوْ ظَنَنْتُ أَنَّ السِّبَاعَ تَخْطِفُنِي لَأَنْفَذْتُ بَعْثَ أُسَامَةَ كَمَا أَمَرَ بِهِ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَ لَوْ لَمْ يَبْقَ فِي الْقُرٰى غَيْرِي لَأَنْفَذْتُهُ»

’’اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں ابو بکر کی جان ہے! اگر مجھے یہ یقین ہو جائے کہ درندے مجھے اچک لیں گے تو میں پھر بھی لشکر اسامہ ضرور روانہ کروں گا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا تھا۔ اگر میں مدینہ منورہ میں تن تنہا بھی رہ گیا تب بھی میں لشکر بھیج کر رہوں گا۔‘‘

(تاريخ الطبري: 45/4)

لشکر اسامہ کی روانگی

ابو بکر رضی اللہ عنہ کی طرف سے لشکر اسامہ کو روانہ ہونے کا حکم

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں جزیرۂ عرب سے ملحقہ ریاستوں میں ایک رومی ریاست بھی تھی جو جزیرۂ عرب کے بہت سے شمالی علاقہ جات پر قابض تھی۔ ان علاقوں کے امراء رومی حکومت نامزد کرتی تھی جو رومی حکومت کے احکام پوری قوت سے نافذ کرتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان علاقوں میں داعی اور لشکر روانہ کیے اور حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کو رومی بادشاہ ہرقل کے نام خط دے کر بھیجا۔ آپ نے اس خط میں اسے اسلام کی دعوت دی۔ لیکن اس نے خط پڑھ کر دشمنی کا اظہار کیا اور نہایت رعونت کے ساتھ جارحانہ عزائم پر اُتر آیا۔

رومی سلطنت کی ہیبت وسطوت کو پاش پاش کرنے اور عربوں پر اس کی دہشت ختم کرنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پالیسی بڑی واضح تھی۔ اسی مقصد کے پیش نظر اسلامی لشکر ان علاقوں کو فتح کرنے روانہ ہوئے۔ 7ھ میں آپ نے ایک لشکر جرار بھیجا جس کا مقابلہ عرب عیسائیوں اور رومی فوجوں سے ہوا۔ اس معرکے کو مؤتہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس جنگ میں مسلمانوں کے قائدین حضرت زید بن حارثہ، حضرت جعفر بن ابی طالب

اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم یکے بعد دیگرے شہید ہو گئے۔ ان حضرات کے بعد اسلامی لشکر کی کمان اللہ کی تلوار حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے سنبھال لی اور اسلامی لشکر کو کامیابی سے مدینہ منورہ لے آئے۔[1]

9 ھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک عظیم لشکر لے کر شام کی طرف روانہ ہوئے اور تبوک پہنچ کر پڑاؤ کیا۔ لیکن اس مرتبہ عرب عیسائیوں یا رومی فوجوں سے اسلامی لشکر کا کوئی ٹکراؤ نہیں ہوا بلکہ علاقے کے امراء نے جزیہ دینے کے معاہدے پر صلح کر لی۔ اس طرح اسلامی لشکر تبوک میں بیس راتیں گزارنے کے بعد واپس مدینہ منورہ آ گیا۔[2]

11 ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلقاء اور فلسطین کے علاقوں میں رومیوں کے ساتھ جنگ کا اعلان کیا۔ اس لشکر میں کبار مہاجرین اور انصاری صحابہ شامل تھے، آپ نے اس لشکر کا امیر حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا۔[3]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کی تیاری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے دو دن پہلے ہفتے کے روز ہوئی تھی، جبکہ اس لشکر کی تشکیل آپ کے بیمار ہونے سے پہلے ہی شروع ہو چکی تھی، چنانچہ صحابۂ کرام رومیوں کے خلاف معرکہ آرائی کے لیے ماہِ صفر کے آخر میں جمع ہونے لگے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا:

«سِرْ إِلٰى مَوْضِعِ مَقْتَلِ أَبِيكَ فَأَوْطِئْهُمُ الْخَيْلَ فَقَدْ وَلَّيْتُكَ هٰذَا الْجَيْشَ»

''اپنے والد کی جائے شہادت کی طرف جاؤ اور ان کافروں کو اپنے گھوڑوں کے سموں تلے روند ڈالو۔ میں نے تمھیں اس لشکر کا قائد مقرر کر دیا ہے۔''[4]

[1] السيرة النبوية الصحيحة للدكتور العمري: 2/467-470. [2] السيرة النبوية الصحيحة للدكتور العمري: 2/535. [3] قصة بعث جيش أسامة للدكتور فضل إلٰهي، ص: 8. [4] فتح الباري: 8/152.

کچھ لوگوں نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی امارت پر تنقید کی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے اعتراضات مسترد کرتے ہوئے فرمایا:

«إِنْ تَطْعَنُوا فِي إِمَارَتِهِ فَقَدْ كُنْتُمْ تَطْعَنُونَ فِي إِمَارَةِ أَبِيهِ مِنْ قَبْلُ وَأَيْمُ اللّٰهِ! إِنْ كَانَ لَخَلِيقًا لِّلْإِمَارَةِ وَ إِنْ كَانَ لَمِنْ أَحَبِّ النَّاسِ إِلَيَّ وَ إِنَّ هٰذَا لَمِنْ أَحَبِّ النَّاسِ إِلَيَّ بَعْدَهُ»

''اگر تم اس کی قیادت پر معترض ہو تو تم اس سے پہلے اس کے والد کی قیادت پر بھی اعتراض کر چکے ہو، اللہ کی قسم! وہ قیادت کا اہل تھا اور وہ میرے محبوب لوگوں میں سے تھا۔ اور اس کے بعد اسامہ بھی میرے محبوب لوگوں میں سے ہے۔''[1]

اس لشکر کی تیاری کی ابتدا کے دو دن بعد آپ ﷺ شدید بیمار ہو گئے، اس لیے یہ لشکر روانہ نہ ہو سکا بلکہ جرف[2] کے مقام پر رک گیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد مدینہ منورہ لوٹ آیا۔[3] رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد حالات دگرگوں ہو گئے۔

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ان نامساعد حالات کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔ آپ فرماتی ہیں: ''رسول اللہ ﷺ وفات پا گئے تو تمام عرب مرتد ہو گئے، نفاق پھوٹ پڑا، اللہ کی قسم! مجھ پر (ایک روایت میں ہے: میرے والد پر) ایسی مصیبتیں[4] ٹوٹ پڑیں کہ اگر وہ مضبوط پہاڑوں پر گرتیں تو وہ بھی ریزہ ریزہ ہو جاتے۔ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ یوں مغموم و پریشان ہو گئے جس طرح بکریاں بارش والی رات، درندوں کی سرزمین پر ڈری سہمی کھڑی ہوتی ہیں۔[5] جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی وفات کے تیسرے روز یہ اعلان کرایا:

[1] صحيح البخاري، حديث:4469. [2] جرف: مدینہ منورہ سے تین میل کے فاصلے پر شام کی جانب ایک مقام ہے۔ [3] السيرة النبوية الصحيحة للدكتور العمري:552/2. [4] تاريخ خليفة بن خياط، ص:102. [5] البداية والنهاية:309/6.

«أَلَا لَا يَبِيتَنَّ فِي الْمَدِينَةِ أَحَدٌ مِّنْ جَيْشِ أُسَامَةَ إِلَّا خَرَجَ إِلٰى عَسْكَرِهٖ بِالْجُرُفِ»

”خبردار! لشکرِ اسامہ کا کوئی سپاہی آج رات مدینہ منورہ میں نہ گزارے بلکہ وہ جرف پہنچ کر اپنے معسکر میں حاضر ہو جائے۔“ [1]

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا خطبہ اور اہم نکات

پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا:

«أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّمَا أَنَا مِثْلُكُمْ وَ إِنِّي لَا أَدْرِي لَعَلَّكُمْ تُكَلِّفُونَنِي مَا كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يُطِيقُ، إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى مُحَمَّدًا عَلَى الْعَالَمِينَ وَ عَصَمَهٗ مِنَ الْآفَاتِ وَ إِنَّمَا أَنَا مُتَّبِعٌ وَّ لَسْتُ بِمُبْتَدِعٍ، فَإِنِ اسْتَقَمْتُ فَبَايِعُونِي وَ إِنْ زُغْتُ فَقَوِّمُونِي وَ إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قُبِضَ وَ لَيْسَ أَحَدٌ مِّنْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ يَطْلُبُهٗ بِمَظْلِمَةٍ۔ ضَرْبَةِ سَوْطٍ فَمَا دُونَهَا۔ وَ إِنَّ لِي شَيْطَانًا يَّعْتَرِينِي، فَإِذَا أَتَانِي فَاجْتَنِبُونِي لَا أُؤَثِّرُ فِي أَشْعَارِكُمْ وَ أَبْشَارِكُمْ وَ إِنَّكُمْ تَغْدُونَ وَ تَرُوحُونَ فِي أَجَلٍ قَدْ غُيِّبَ عَنْكُمْ عِلْمُهٗ، فَإِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ لَّا يَمْضِيَ إِلَّا وَ أَنْتُمْ فِي عَمَلٍ لِلّٰهِ فَافْعَلُوا وَ لَنْ تَسْتَطِيعُوا ذٰلِكَ إِلَّا بِاللّٰهِ وَ سَابِقُوا فِي مَهْلِ آجَالِكُمْ مِّنْ قَبْلِ أَنْ تُسْلِمَكُمْ آجَالُكُمْ إِلَى انْقِطَاعِ الْأَعْمَالِ، فَإِنَّ قَوْمًا نَّسُوا آجَالَهُمْ وَ جَعَلُوا أَعْمَالَهُمْ بَعْدَهُمْ،

[1] البداية والنهاية: 307/6

فَإِيَّاكُمْ أَنْ تَكُونُوا مِثْلَهُمْ، اَلْجِدَّ الْجِدَّ وَالْوَحَا الْوَحَا وَالنَّجَا النَّجَا، فَإِنَّ وَرَاءَكُمْ طَالِبًا حَثِيثًا وَّ أَجَلًا أَمْرُهُ سَرِيعٌ، اِحْذَرُوا الْمَوْتَ، وَاعْتَبِرُوا بِالْآبَاءِ وَالْأَبْنَاءِ وَالْإِخْوَانِ»

''اے لوگو! میں تمھاری طرح کا ایک انسان ہی تو ہوں۔ تم مجھ پر شاید ایسی ذمہ داری ڈال رہے ہو جس کی طاقت صرف رسول اللہ ﷺ ہی رکھتے تھے۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو تمام جہانوں کے لیے چنا تھا اور انھیں آفات سے محفوظ کیا تھا۔ میں ان کا پیروکار ہوں۔ مبتدع نہیں ہوں۔ لہٰذا اگر میں صحیح کام کروں تو میری بیعت کرو۔ اگر میں غلط کام کروں تو میری اصلاح کرو۔ رسول اللہ ﷺ اس حالت میں فوت ہوئے کہ کوئی بھی امتی ان سے ایک کوڑے یا اس سے بھی کم کے ظلم کا دعوے دار نہ تھا، جبکہ میرے ساتھ ایک شیطان لگا ہوا ہے۔ وہ میرے پاس آتا ہے۔ جب وہ آئے تو تم مجھ سے گریز کرنا تا کہ میں تمھیں کسی قسم کا کوئی نقصان نہ پہنچا بیٹھوں۔ بے شک تم ایک نامعلوم مدت تک مقررہ زندگی گزار رہے ہو، لہٰذا اگر اس مدت کے ختم ہونے سے پہلے اللہ کو راضی کرنے والے کام کر سکو تو ضرور کر ڈالو۔ تم اللہ کی توفیق کے بغیر ایسا نہیں کر سکو گے۔ اپنی عمر ختم ہونے سے پہلے پہلے اچھے اعمال کرلو۔ اس سے پہلے کہ تمھاری اجل آجائے اور تمھارے اعمال منقطع ہو جائیں۔ یقیناً کچھ لوگ اپنی موت کو بھول گئے اور اپنے برے اعمال پیچھے چھوڑ گئے، خبردار! تم ان کی طرح مت بننا۔ کوشش کرو کوشش! جلدی کرو جلدی! نجات پالو نجات! بے شک تمھارے پیچھے ایک مستعد طالب لگا ہوا ہے، ایک اجل لگی ہوئی ہے۔ وہ بڑی تیز رفتار ہے۔ موت سے ڈرو۔ اپنے آباء واجداد، بیٹوں اور بھائیوں کے انجام سے عبرت پکڑو۔''

راوی کہتا ہے کہ آپ نے ایک اور خطبہ دیا۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ لَا يَقْبَلُ مِنَ الْأَعْمَالِ إِلَّا مَا أُرِيدَ بِهٖ وَجْهُهٗ، فَأَرِيدُوا اللّٰهَ بِأَعْمَالِكُمْ، فَإِنَّمَا أَخْلَصْتُمْ لِحِينِ فَقْرِكُمْ وَ حَاجَتِكُمْ، اِعْتَبِرُوا عِبَادَ اللّٰهِ! بِمَنْ مَّاتَ مِنْكُمْ وَ تَفَكَّرُوا فِيمَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ، أَيْنَ كَانُوا أَمْسِ وَ أَيْنَ هُمُ الْيَوْمَ، أَيْنَ الْجَبَّارُونَ الَّذِينَ كَانَ لَهُمْ ذِكْرُ الْقِتَالِ وَالْغَلَبَةِ فِي مَوَاطِنِ الْحُرُوبِ، قَدْ تَضَعْضَعَ بِهِمُ الدَّهْرُ وَ صَارُوا رَمِيمًا، قَدْ تَّوَالَتْ عَلَيْهِمُ الْعَالَاتُ، اَلْخَبِيثَاتُ لِلْخَبِيثِينَ، وَالْخَبِيثُونَ لِلْخَبِيثَاتِ وَ أَيْنَ الْمُلُوكُ الَّذِينَ أَثَارُوا الْأَرْضَ وَ عَمَرُوهَا؟ قَدْ بَعُدُوا وَنُسِيَ ذِكْرُهُمْ وَ صَارُوا كَلَا شَيْءَ، إِلَّا أَنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ قَدْ أَبْقٰى عَلَيْهِمُ التَّبِعَاتِ وَ قَطَعَ عَنْهُمُ الشَّهَوَاتِ وَ مَضَوْا وَالْأَعْمَالُ أَعْمَالُهُمْ وَالدُّنْيَا دُنْيَا غَيْرِهِمْ وَ بُعِثْنَا خَلَفًا بَعْدَهُمْ، فَإِنْ نَّحْنُ اعْتَبَرْنَا بِهِمْ نَجَوْنَا وَ إِنِ انْحَدَرْنَا كُنَّا مِثْلَهُمْ، أَيْنَ الْوَضَائَةُ الْحَسَنَةُ وُجُوهُهُمْ، اَلْمُعْجَبُونَ بِشَبَابِهِمْ؟ صَارُوا تُرَابًا وَّ صَارَ مَا فَرَطُوا فِيهِ حَسْرَةً عَلَيْهِمْ، أَيْنَ الْمُلُوكُ الَّذِينَ بَنَوُا الْمَدَائِنَ وَ حَصَنُوهَا بِالْحَوَائِطِ وَ جَعَلُوا فِيهَا الْأَعَاجِيبَ؟ قَدْ تَرَكُوهَا لِمَنْ خَلْفَهُمْ، فَتِلْكَ مَسَاكِنُهُمْ خَاوِيَةٌ وَّهُمْ فِي ظُلُمَاتِ الْقُبُورِ، ﴿وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ ط هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْتَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ○﴾ أَيْنَ مَنْ تَعْرِفُونَ مِنْ آبَائِكُمْ وَ إِخْوَانِكُمْ، قَدِ انْتَهَتْ بِهِمْ آجَالُهُمْ فَوَرَدُوا عَلٰى مَا قَدَّمُوا فَحَلُوا عَلَيْهِ وَ أَقَامُوا لِلشَّقْوَةِ أَوِ

السَّعَادَةِ بَعْدَ الْمَوْتِ، أَلَا إِنَّ اللّٰهَ لَا شَرِيكَ لَهُ لَيْسَ بَيْنَهُ وَ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْ خَلْقِهِ سَبَبٌ يُّعْطِيهِ بِهِ خَيْرًا وَّ لَا يَصْرِفُ بِهِ عَنْهُ سُوءً إِلَّا بِطَاعَتِهِ وَاتِّبَاعِ أَمْرِهِ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ عَبِيدٌ مَّدِينُونَ وَ أَنَّ مَا عِنْدَهُ لَا يُدْرَكُ إِلَّا بِطَاعَتِهِ، أَمَا آنَ لِأَحَدِكُمْ أَنْ تُحْسَرَ عَنْهُ النَّارُ وَ لَا تُبْعَدَ عَنْهُ الْجَنَّةُ؟»

”بے شک اللہ تعالیٰ وہی اعمال قبول کرتا ہے جو خالص اس کے لیے کیے گئے ہوں۔ اپنے اعمال کے ذریعے اللہ کی رضا طلب کرو۔ بلاشبہ تم اپنے فقر و حاجت کے وقت ہی مخلص ہو گے۔ اللہ کے بندو! مرنے والوں سے عبرت حاصل کرو۔ اپنے سے پہلے لوگوں کے انجام پر غور کرو۔ وہ کل کہاں کہاں رونق افروز تھے اور آج کہاں گم ہوگئے ہیں۔ وہ جابر حکمران کہاں گئے جن کا تذکرہ میدان کارزار میں ہوتا تھا؟ انھیں زمانے نے مٹادیا، وہ بوسیدہ ہوگئے۔ ان کی فقیری طویل ہوگئی۔ خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لیے ہیں اور خبیث مرد خبیث عورتوں کے لیے ہیں۔ وہ بادشاہ کہاں گئے جنھوں نے زمین کو خوب کاشت اور آباد کیا تھا؟ وہ دور چلے گئے۔ ان کی یادیں بھی مٹ گئیں۔ وہ ایسے ہوگئے جیسے ان کا کوئی وجود ہی نہ تھا۔ ہاں اللہ تعالیٰ نے ان کے برے اعمال کی سزا باقی رکھی، ان کی خواہشات و شہوات ختم ہوگئیں۔ وہ چلے گئے۔ ان کے اعمال باقی رہ گئے، جبکہ دنیا غیر کی ہوگئی۔ ان کے بعد ہمیں بھیجا گیا۔ اگر ہم ان سے عبرت پکڑیں گے تو نجات پا جائیں گے۔ اگر ہم بھی پستی کی طرف لڑھک گئے تو ہم انھی کی طرح ہوں گے۔ وہ حسین و جمیل چہروں والے، اپنی جوانیوں میں سرشار مغرور لوگ کہاں گئے؟ وہ بھی مٹی ہوگئے۔ انھوں نے دنیا میں جو کوتاہیاں کیں وہ ان کے لیے باعث حسرت بن گئیں۔

وہ شہروں کو آباد کرنے والے بادشاہ کہاں گئے جنھوں نے شہروں کو مضبوط فصیلوں کے ذریعے محفوظ بنایا تھا۔ اور ان میں طرح طرح کے عجوبے تراشے تھے؟ وہ یہ شہر اپنے بعد والوں کے لیے چھوڑ گئے۔ یہ ان کے محلات خالی پڑے ہیں اور وہ خود قبروں کے اندھیروں میں ڈوب گئے ہیں۔

﴿وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ ؕ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ۝﴾

''اور ان سے پہلے ہم نے کتنی ہی قومیں ہلاک کر دیں، کیا آپ ان میں سے کسی ایک کو محسوس کرتے ہیں یا ان کی کوئی آہٹ بھی سنتے ہیں۔''[1]

تمھارے وہ آباء و اجداد اور بھائی کہاں گئے جنھیں تم جانتے تھے؟ انھیں ان کی موت لے گئی۔ جو اعمال انھوں نے آگے بھیجے تھے وہ ان تک پہنچ گئے۔ اور وہ موت کے بعد خوش بختی یا بدبختی کے لیے کھڑے ہو گئے۔

خبردار! اللہ کا کوئی شریک نہیں۔ اس کے اور مخلوق کے درمیان کوئی ایسا رشتہ نہیں جس کی بنا پر وہ خیر و برکات عطا فرمائے یا مخلوق پر چھائی ہوئی برائی کو دور کرے سوائے اس کی اطاعت اور اس کے احکام کی اتباع کے۔ خوب جان لو! تم مقروض غلام ہو۔ جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ صرف اس کی اطاعت ہی سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ تم اپنے آپ کو جہنم سے دور کر لو اور جنت کے قریب ہو جاؤ؟''[2]

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا یہ خطاب بڑا سبق آموز اور عبرتوں والا ہے۔ اس کا ماحصل یہ ہے:

❁ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ کے مزاج اور طبیعت کا رُخ معلوم ہوتا ہے کہ وہ خلیفۃ اللہ نہیں تھے بلکہ وہ رسول اللہ کے خلیفہ تھے۔ وہ ایک انسان تھے۔ وہ غلطیوں سے

[1] مریم 19:98۔ [2] البداية والنهاية: 6/307، 308۔

مبرا نہ تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے نبوت ورسالت والے مقام ومرتبہ جیسی ذمہ داریوں کو نبھانا ان کے لیے ممکن نہ تھا، اسی لیے وہ سیاست میں آپ کے متبع تھے۔ مبتدع نہیں تھے، یعنی وہ عدل واحسان کے ساتھ حکومت کرتے تھے اور اس سلسلے میں پوری طرح رسول اللہ ﷺ کے منہج پر گامزن تھے۔[1]

❁ امت کی یہ لازمی ذمہ داری ہے کہ وہ حکمرانوں کی نگرانی کرے تاکہ وہ حکمران کے احسان، اصلاح امت اور رفاہی وخیرخواہی کے کاموں میں اس سے تعاون کر سکے اور حاکم وقت منہج نبوی کا متبع رہے۔ مبتدع بننے کی کوشش نہ کرے۔

❁ نبی کریم ﷺ کے نہایت درجہ عدل کی شان کہ آپ نے کسی بھی امتی پر ذرہ برابر ظلم نہیں کیا۔ اسی عدل کی بدولت کسی امتی کو آپ ﷺ پر کسی چھوٹے یا بڑے حق کا دعویٰ نہ تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ عنقریب ابوبکر صدیق بھی اس عادلانہ منہج پر چلیں گے اور ظلم وستم کا خاتمہ کریں گے، لہٰذا امت کے لیے بھی ضروری تھا کہ وہ ان کی مدد وحمایت کرے۔ اور جب کوئی شخص انھیں غصے کی حالت میں دیکھے تو ان سے دور رہے تاکہ وہ کسی کو کوئی تکلیف نہ دے بیٹھیں۔ اور نبی کریم ﷺ کی پیروی میں ان سے کوئی بھول چوک نہ ہو جائے۔

اور جو شیطان حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آتا تھا وہ ہر انسان کے پاس آتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کے ساتھ ایک فرشتہ اور ایک شیطان مقرر کیا ہوا ہے۔[2] اور شیطان انسان میں خون کی طرح دوڑتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«مَا مِنْكُمْ مِّنْ أَحَدٍ إِلَّا وَ قَدْ وَكَّلَ اللّٰهُ بِهٖ قَرِينَهٗ مِنَ الْجِنِّ وَ قَرِينَهٗ مِنَ الْمَلَائِكَةِ، قَالُوا: وَ إِيَّاكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ: وَ إِيَّايَ إِلَّا أَنَّ اللّٰهَ أَعَانَنِي عَلَيْهِ فَأَسْلَمَ فَلَا يَأْمُرُنِي إِلَّا بِخَيْرٍ»

[1] تاريخ الدعوة إلى الإسلام للدكتور يسري محمد هاني، ص: 423. [2] أبوبكر الصديق لمحمد مال اللّٰه، ص: 136.

"اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کے ساتھ اس کا ایک شیطان اور ایک فرشتہ ساتھی مقرر کیا ہے۔" آپ سے عرض کیا گیا: "کیا آپ کے ساتھ بھی، اے اللہ کے رسول؟" آپ نے فرمایا: "ہاں میرے ساتھ بھی مقرر کیا گیا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے خلاف میری مدد کی ہے اور وہ فرمانبردار ہوگیا ہے، لہٰذا اب وہ مجھے خیر ہی پر مائل کرتا ہے۔" [1]

اسی طرح کا واقعہ ایک اور حدیث میں بھی آیا ہے۔ ایک دفعہ دو انصاری صحابی آپ ﷺ کے پاس سے گزرے۔ یہ رات کا وقت تھا اور آپ اپنی زوجہ محترمہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو گھر تک چھوڑنے کے لیے جارہے تھے۔ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا:

«تَعَالَيَا، إِنَّهَا صَفِيَّةُ بِنْتُ حُيَيٍّ»

"ادھر آؤ، یہ صفیہ بنت حُیَیّ ہیں۔"

پھر آپ ﷺ نے (ان کے اظہار تعجب پر) فرمایا:

«إِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِي مِنَ الْإِنْسَانِ مَجْرَى الدَّمِ وَ إِنِّي خَشِيتُ أَنْ يُلْقِيَ فِي أَنْفُسِكُمَا شَيْئًا»

"بے شک شیطان انسان میں خون کی طرح دوڑتا ہے، مجھے خدشہ ہوا مبادا شیطان تمھارے دلوں میں کوئی وسوسہ ڈال دے۔" [2]

حضرت ابوبکر کا یہ فرمانا دراصل اس لیے تھا کہ وہ بتانا چاہتے تھے کہ میں رسول اللہ کی طرح معصوم عن الخطا نہیں ہوں۔ اور یہ بات حق ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سوا کوئی معصوم عن الخطا نہیں ہے۔ [3]

❁ اس خطبہ سے حضرت ابوبکر کی یہ تڑپ ظاہر ہوتی ہے کہ وہ کس طرح مسلمانوں کو وعظ و

[1] صحيح مسلم، حديث: 2814. [2] صحيح البخاري، حديث: 2038. [3] أبوبكر الصديق لمحمد [illegible] ص: 197.

نصیحت کرتے تھے۔ انھیں موت اور گزشتہ حکمرانوں کے انجام سے عبرت دلاتے تھے۔ آپ نے مسلمانوں کو نیک عمل کرنے کی ترغیب دی تا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے لیے تیاری کریں اور اپنی زندگی کو منہج ربانی کے مطابق استوار کرلیں۔[1]

اس موقع پر ہم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زور بیان اور خطابت کی سحر انگیزی کا اندازہ بھی کرسکتے ہیں۔ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نامور فصیح و بلیغ خطیب تھے۔

استاذ محترم عباس محمود العقاد فرماتے ہیں: ''حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا مذکورہ بالا کلام اخلاقیات اور حکمت و دانائی کا اعلیٰ ترین نمونہ ہے۔ مختلف مواقع پر ان کے شاندار کلام کے نادر نمونے ملتے ہیں۔ یہ نمونے صاحب کلام کی مہارت و لیاقت کی روشن دلیل ہیں، چنانچہ ان کا جامع قلیل کلام تقریروں کی بھرمار سے مستغنی کردیتا ہے۔ جس طرح ایک بالی سے پورے کھلیان کی پہچان ہوجاتی ہے، اسی طرح جب آپ ان کا درج ذیل مقولہ سنیں تو ان کے فکر و عمل کی پہچان کے لیے وہی کافی ہوگا، مثلاً:

آپ نے فرمایا: «اِحْرِصْ عَلَی الْمَوْتِ تُوهَبْ لَكَ الْحَيَاةُ»

''موت کی حرص کرو تو تمھیں زندگی مل جائے گی۔''

یا ان کا یہ فرمان: «أَصْدَقُ الصِّدْقِ الْأَمَانَةُ وَ أَكْذَبُ الْكَذِبِ الْخِيَانَةُ، اَلصَّبْرُ نِصْفُ الْإِيمَانِ وَالْيَقِينُ الْإِيمَانُ كُلُّهُ»

''سب سے سچی بات امانت ہے اور سب سے بڑا جھوٹ خیانت ہے۔ صبر نصف ایمان ہے اور یقین مکمل ایمان ہے۔''

یہ کلمات صحیح رویے اور میانہ روی کی علامت ہیں، اسی طرح یہ فصاحت و بلاغت اور حسن تعبیر کی نشانی بھی ہیں۔ یہ کلمات اس چشمے کی عظمت کی نشاندہی کرتے ہیں جس سے یہ پھوٹے ہیں۔ یہ انسان کو بلاغت کی ان علامات و اطوار سے بے نیاز کردیتے ہیں جنھیں

[1] تاریخ الدعوۃ إلی الإسلام للدکتور یسري محمد هاني، ص: 423.

لوگ سیکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ آپ کو فصاحت و بلاغت کی شان کے ساتھ خطاب کرنے کی مہارت بدرجۂ اتم حاصل تھی۔ ①

لشکر اسامہ کی روانگی کے بارے میں صدیق اکبر اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا موقف

بعض صحابۂ کرام نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ لشکر اسامہ کو مدینہ منورہ میں رہنے دیں۔ انھوں نے آپ سے عرض کیا: ''اس وقت یہ لشکر جمہور مسلمانوں پر مشتمل ہے، جبکہ آپ دیکھ ہی رہے ہیں کہ عرب قبائل مرتد ہو کر آپ کی حمایت سے دست کش ہو رہے ہیں، لہٰذا آپ کا موجودہ حالات میں مسلمانوں کی جماعت کو خود سے دور کرنا مناسب نہ ہوگا۔'' ② اسی دوران حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے جرف سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے لشکر کو واپس مدینہ منورہ لانے کی اجازت طلب کریں۔ انھوں نے معاً یہ بھی عرض کیا: ''میرے لشکر میں مسلمانوں کے سردار اور اہم ترین شخصیات شامل ہیں۔ مجھے خدشہ ہے مبادا ان کی غیر موجودگی میں مشرکین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ، آپ کے حرم اور مسلمانوں کو نقصان پہنچائیں۔'' ③

لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کی یہ رائے قبول نہ کی۔ عسکری حملے کو جاری رکھنے پر اصرار کیا اور لشکر کو شام کی طرف روانہ کرنے کا عزم کیا، چاہے حالات کتنے ہی سنگین ہو جائیں اور نتائج کتنے ہی خوفناک نکلیں۔ دوسری طرف حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ اور ان کے لشکری حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اصرار پر فوری راضی نہ ہوئے بلکہ اپنی رائے منوانے کے لیے انھوں نے متعدد کوششیں کیں۔ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر دباؤ بڑھ گیا تو انھوں نے مہاجرین اور انصاری صحابہ کو اس مسئلے پر غور و فکر کی دعوت دی، اس مجلس میں طویل گفت و شنید ہوئی اور معاملے کا مختلف پہلوؤں سے جائزہ لیا گیا۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ

① عبقرية الصديق للعقاد، ص: 139. ② البداية والنهاية: 308/6. ③ الكامل في التاريخ لابن الأثير: 226/2.

لشکرِ اسامہ کی روانگی کی شدید مخالفت کرنے والوں میں سے تھے۔ انھوں نے حرم نبوی اور خلیفۃ المسلمین کے خلاف مشرکین کے حملے اور مدینہ منورہ اور اس کے باشندوں کے خلاف دشمنوں کے عزائم کے بارے میں شدید خدشات کا اظہار کیا مبادا مرتد مشرکین مدینہ منورہ پر قابض ہو جائیں۔ جب سرکردہ صحابۂ کرام نے یہی مشورہ دیا اور اپنے اُن اندیشوں کا اظہار کیا جو لشکر اسامہ کی روانگی کی صورت میں رونما ہو سکتے تھے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس پہلی مجلس کا اجلاس برخواست کر دیا۔[1]

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں کو پوری آزادی سے اپنی آراء پیش کرنے کا موقع فراہم کر دیا اور انھوں نے خوب وضاحت سے اپنا اپنا موقف پیش کر دیا تو آپ نے اجتماع کے خاتمے کا اعلان کیا،[2] پھر دوبارہ عوامی اجتماع کے لیے انھیں مسجد نبوی میں جمع ہونے کا حکم دیا۔ اس اجتماع میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے صحابۂ کرام سے خطاب کیا۔ آپ نے حاضرین سے فرمایا کہ آپ لوگ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ترتیب دیے ہوئے پروگرام کو کینسل کرنے کا خیال دل سے نکال دیں۔ آپ نے دوٹوک اعلان کیا کہ میں عنقریب اس پروگرام کو مکمل کر کے ہی رہوں گا، چاہے اس کے نتیجے میں مدینہ منورہ پر مرتدین کا قبضہ ہو جائے۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خطاب فرماتے ہوئے کہا:

«وَالَّذِي نَفْسُ أَبِي بَكْرٍ بِيَدِهِ! لَوْ ظَنَنْتُ أَنَّ السِّبَاعَ تَخْطِفُنِي لَأَنْفَذْتُ بَعْثَ أُسَامَةَ كَمَا أَمَرَ بِهِ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَ لَوْ لَمْ يَبْقَ فِي الْقُرٰى غَيْرِي لَأَنْفَذْتُهُ»

''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں ابوبکر کی جان ہے! اگر مجھے یقین ہو جائے کہ مجھے درندے اٹھا لے جائیں گے تو میں پھر بھی اسامہ کا لشکر ضرور روانہ کروں

[1] الشورٰى بين الأصالة والمعاصرة لعز الدين التميمي، ص:83,82. [2] ملامح الشورٰى في الدعوة الإسلامية لعدنان النحوي، ص:257.

گا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی روانگی کا حکم دیا تھا۔ اور اگر میں مدینہ منورہ میں اکیلا رہ جاؤں تو بھی میں اس لشکر کو روانہ کر کے رہوں گا۔''[1]

جی ہاں، حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کا لشکر بھیجنے کے سلسلے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی کی رائے ٹھیک تھی، ہر چند تمام مسلمانوں کی رائے اس کے خلاف تھی کیونکہ اس بارے میں رسول اللہ ﷺ کا حکم موجود تھا (اور اس کی تعمیل بہر حال ضروری تھی۔) آنے والے ایام اور واقعات نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے کے صائب ہونے کی تصدیق کر دی۔[2]

انصاری صحابہ نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی جگہ بڑی عمر کے کسی تجربہ کار صحابی کو لشکر کی کمان سونپنے کا مطالبہ بھی کیا اور اس سلسلے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو گفتگو کرنے کے لیے بھیجا۔ حضرت عمر نے حاضر ہو کر عرض کیا: ''انصاری صحابہ کسی عمر رسیدہ شخص کو لشکر کا قائد بنانے کی فرمائش کر رہے ہیں۔'' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ یہ کلمات سن کر فوراً اٹھ کھڑے ہوئے۔ انھوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ڈاڑھی پکڑ لی اور کہا:

«ثَكِلَتْكَ أُمُّكَ وَعَدِمَتْكَ يَابْنَ الْخَطَّابِ! اِسْتَعْمَلَهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَتَأْمُرُنِي أَنْ أَنْزِعَهُ»

''اے عمر! تمھاری ماں تمھیں گم پائے، اسامہ کو رسول اللہ ﷺ نے امیر لشکر مقرر کیا تھا اور تم مجھ سے یہ مطالبہ کر رہے ہو کہ میں انھیں ان کے منصب سے ہٹا دوں۔''

یہ جواب لے کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ واپس پہنچے تو صحابۂ کرام نے سوال کیا: ''عمر! کیا بنا؟'' انھوں نے فرمایا: ''تمھاری مائیں تمھیں گم پائیں۔ تم چلے جاؤ، مجھے تمھاری وجہ سے خلیفۂ رسول سے ڈانٹ سننی پڑی۔''[3]

---

[1] تاريخ الطبري: 45/4. [2] الشورى بين الأصالة والمعاصرة لعز الدين التميمي، ص: 83.
[3] تاريخ الطبري: 46/4.

پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ لشکر کے پاس تشریف لائے اور اسے خود روانہ کیا، حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو سوار کرا کے الوداع کہا اور خود ان کے ساتھ ساتھ پیدل چلے، جبکہ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ ان کی اونٹنی کی نکیل تھامے ہوئے تھے۔ اس پر حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''اے خلیفۂ رسول، اللہ کی قسم! آپ سوار ہو جائیں ورنہ میں نیچے اتر آؤں گا۔'' حضرت ابوبکر نے فرمایا:

«وَاللّٰهِ! لَا تَنْزِلُ، وَوَاللّٰهِ! لَا أَرْكَبُ وَ مَا عَلَيَّ أَنْ أُغْبِرَ قَدَمَيَّ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ»

''اللہ کی قسم! تم نیچے اترو گے نہ میں سوار ہوں گا، مجھے اللہ کی راہ میں اپنے قدم غبار آلود کرنے دو۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔''

پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے کہا: ''اگر تم میری مدد کے لیے عمر کو چھوڑنا پسند کرو تو انھیں چھوڑ جاؤ۔'' چنانچہ اسامہ رضی اللہ عنہ نے انھیں اجازت دے دی، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لشکریوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

«يَأَيُّهَا النَّاسُ! قِفُوا أُوصِيكُمْ بِعَشْرٍ، فَاحْفَظُوهَا عَنِّي:

لَا تَخُونُوا وَ لَا تَغُلُّوا وَ لَا تَغْدِرُوا وَلَا تَمْثُلُوا وَلَا تَقْطَعُوا شَجَرَةً مُّثْمِرَةً وَّ لَا تَذْبَحُوا شَاةً وَّ لَا بَقَرَةً وَّ لَا بَعِيرًا إِلَّا لِمَأْكُلَةٍ وَّ سَوْفَ تَمُرُّونَ بِأَقْوَامٍ قَدْ فَرَّغُوا أَنْفُسَهُمْ فِي الصَّوَامِعِ فَدَعُوهُمْ وَ مَا فَرَّغُوا أَنْفُسَهُمْ لَهُ وَ سَوْفَ تَقْدِمُونَ عَلٰى قَوْمٍ يَّأْتُونَكُمْ بِآنِيَةٍ فِيهَا أَلْوَانُ الطَّعَامِ، فَإِذَا أَكَلْتُمْ مِّنْهُ شَيْئًا بَعْدَ شَيْءٍ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا. وَ تَلْقَوْنَ أَقْوَامًا قَدْ فَحَصُوا أَوْسَاطَ رُءُوسِهِمْ وَ تَرَكُوا حَوْلَهَا مِثْلَ الْعَصَائِبِ، فَأَخْفِقُوهُمْ بِالسَّيْفِ خَفْقًا، إِنْدَفِعُوا بِسْمِ اللّٰهِ»

''اے لوگو! ٹھہرو میں تمھیں دس نصیحتیں کرتا ہوں۔ انھیں اچھی طرح یاد کرلو! نہ خیانت کرنا اور نہ مال غنیمت چرانا۔ نہ بدعہدی کرنا اور نہ لاشوں کی بے حرمتی کرنا، نہ پھل دار درخت کاٹنا اور نہ بلاضرورت بکری، گائے اور اونٹ ذبح کرنا۔ عنقریب تم ایسے لوگوں کے پاس سے گزرو گے جو گرجا گھروں میں عبادت میں مصروف ہوں گے، ان سے تعرض نہ کرنا۔ تم ایسے لوگوں کے پاس جارہے ہو جو تمھارے لیے رنگ برنگے کھانے لائیں گے۔ تم ہر کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا۔ تمھارا ایسے لوگوں سے مقابلہ ہوگا جنھوں نے اپنے سر درمیان سے مونڈ رکھے ہوں گے اور بقیہ بالوں کی لٹوں کو پٹیوں کے مانند چھوڑ دیا ہوگا، ایسے لوگوں کو تہ تیغ کردینا۔ اب اللہ کا نام لے کر روانہ ہوجاؤ۔''[1]

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

«اِصْنَعْ مَا أَمَرَكَ بِهِ نَبِيُّ اللّٰهِ ﷺ، اِبْدَأْ بِبِلَادِ قُضَاعَةَ، ثُمَّ ائْتِ آبِلَ، وَ لَا تُقَصِّرَنَّ فِي شَيْءٍ مِّنْ أَمْرِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ وَ لَا تَعْجَلَنَّ لِمَا خَلَّفْتَ عَنْ عَهْدِهِ»

''رسول اللہ ﷺ کے حکم کی تعمیل کرنا، جنگ کی ابتدا بلادِ قضاعہ سے کرنا، پھر آبل[2] پر حملہ آور ہونا لیکن رسول اللہ ﷺ کے کسی حکم میں ذرہ بھر کوتاہی نہ کرنا اور رسول اللہ ﷺ کے عہد سے پیچھے مت ہٹنا۔''

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کا لشکر چلا گیا۔ اہل لشکر رسول اللہ ﷺ کے حکم کے مطابق قضاعہ کے قبائل پر حملہ آور ہوئے، آبل فتح کیا اور غنیمت و فتح کے ساتھ سرخرو ہوکر لوٹے۔[3]

ان کا یہ حملہ چالیس روزہ تھا، یعنی روانگی، کارروائی اور واپسی چالیس دنوں میں

[1] تاریخ الطبري:4/46. [2] آبل: موجودہ اردن کے جنوب میں واقع ہے۔ [3] تاریخ الطبري:4/47.

لشکرِ اسامہ کا الجرف میں قیام اور بلادِ قضاعہ (آبِل) کی فتح

بحیرۂ روم
القدس
بلقاء
فلسطین
مؤتہ
ازرح
بتراء (پٹرا)
معان
قلزم
ایلہ
عقبہ
بلادِ قضاعہ (آبِل)
سیناء
مدین
تبوک
مویلح
ضبا
تیماء
مصر
بحیرۂ احمر
مدائن صالح
الوجہ
خیبر
الجُرف
مدینہ منورہ
ینبع
حجاز
بحیرۂ احمر
0
100
200
300
کلومیٹر

جبل عينين
الوطاء
جبل احد
الجُرف
وادى القناة
بنوحارثه
العرصه
وادى بطحان
جبل المذاد
النبيت
بنوعبدالاشهل
وزعوراء
أطما الشيخين
راتج
ثنية الوداع
البدائع
المدينة المنورة
بنوالنجار
مسجد الفتح
سباع
مسجد رسول الله ﷺ

مکمل ہوئی۔ ①

ہرقل کو رسول اللہ ﷺ کی وفات کی خبر اور اس کے ملک پر حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کی یلغار کی اطلاع بیک وقت موصول ہوئی تو رومی کہنے لگے: ’’مسلمانوں کو کیا ہوگیا ہے؟ ابھی ابھی ان کا نبی فوت ہوا ہے اور یہ ہمارے ملک پر حملہ آور ہو رہے ہیں۔‘‘② اُدھر عرب قبائل کہنے لگے: ’’اگر مسلمانوں کے پاس اتنی قوت نہ ہوتی تو وہ اس لشکر کو (مدینہ منورہ سے دور) روانہ نہ کرتے۔‘‘③ چنانچہ وہ اپنے بہت سے منفی منصوبوں پر عمل درآمد سے باز آ گئے۔ ④

لشکر اسامہ کی روانگی سے مستفاد دروس، عبرتیں اور فوائد

حالات کی سنگینی کے باوجود دینی فرائض کی بجا آوری

حالات کتنے سنگین اور خطرناک تھے؟ واقعات کتنی تیزی سے پلٹا کھا رہے تھے! پاک ہے وہ ذات باری تعالیٰ جو حالات کو جس طرح چاہتی ہے تبدیل کر دیتی ہے:

ارشاد ہے: ﴿فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ۝﴾ ’’جو چاہے کر گزرتا ہے۔‘‘⑤

ارشاد ہے: ﴿لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ ۝﴾

’’وہ جو کچھ کرتا ہے اس کی بابت اس سے سوال نہیں کیا جا سکتا، جبکہ ان (لوگوں) سے باز پرس ہوگی۔‘‘⑥

ایک وقت ایسا تھا کہ عرب قبائل کے وفد جوق در جوق نہایت فرمانبرداری اور اطاعت شعاری کے ساتھ مدینہ منورہ آنے شروع ہو گئے تھے، حتی کہ 9 ھ کو ’’وفود کا سال‘‘ کہا جانے لگا، پھر حالات نے پلٹا کھایا تو یہ ڈر پیدا ہو گیا کہ کہیں عرب مرتدین مسلمانوں کے

① تاريخ الطبري: 47/4، وتاريخ خليفة بن خياط، ص: 101. ② تاريخ الإسلام، عهد الخلفاء الراشدين للذهبي: 20/3. ③ قصة بعث جيش أسامة للدكتور فضل إلٰهي، ص: 14. ④ الكامل في التاريخ لابن الأثير: 227/2. ⑤ البروج 16:85. ⑥ الأنبيآء 23:21.

دارالخلافہ مدینہ منورہ پر قابض نہ ہو جائیں، جبکہ انھوں نے اپنے گمان کے مطابق اسلام اور مسلمانوں کو مٹانے کے لیے یلغار بھی کی۔ ① اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں۔ سابقہ امتوں میں اللہ تعالیٰ کا یہی طریقہ رائج رہا ہے۔ حالات یکساں موافق نہیں رہتے بلکہ تبدیل ہوتے رہتے ہیں اور حالات کو تبدیل کرنے والے رب العالمین نے خود خبر دی ہے کہ وہ حالات بدلتا رہتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ﴾

''اور ہم ان دنوں کو لوگوں میں ادل بدل کرتے رہتے ہیں۔'' ②

امام رازی اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''اس کے معنی یہ ہیں کہ لوگوں کے مابین حالات گردش کرتے رہتے ہیں۔ ان کی خوشیاں اور غم ہمیشہ برقرار نہیں رہتے، اگر ایک دن انھیں خوشی حاصل ہوتی ہے اور ان کا دشمن رنج و غم میں مبتلا ہوتا ہے تو دوسرے دن حالات پلٹ جاتے ہیں، نہ پہلے جیسی حالت باقی رہتی ہے نہ ان دنوں کی یادیں برقرار رہتی ہیں۔'' ③

ارشاد باری تعالیٰ میں مضارع کا صیغہ ﴿نُدَاوِلُهَا﴾ ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ مستقبل میں بھی قوموں اور افراد کے حالات مسلسل تبدیل ہوتے رہیں گے۔

اسی بارے میں قاضی ابو سعود فرماتے ہیں: ''فعل مضارع کا صیغہ اس بات کی دلیل ہے کہ حالات کی تجدید اور استمرار جاری رہتا ہے، یہ صیغہ یہ بتانے کے لیے آیا ہے کہ گزشتہ تمام امتوں میں یہی طریقہ رہا ہے کہ ان کے حالات مسلسل تبدیل ہوتے رہے۔'' ④

یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایام گردش میں رہتے ہیں اور جنگ کنویں کے ڈول کی طرح بدلتی رہتی ہے، یعنی ایک کے بعد دوسری قوم فتح یاب ہوتی ہے۔ ⑤

① قصة بعث جيش أسامة للدكتور فضل إلٰهي، ص:18. ② آل عمرٰن 3:140. ③ تفسير الرازي: 9/15، و تفسير القرطبي: 4/218. ④ تفسير أبي السعود: 2/89، و تفسير الآلوسي: 4/68.
⑤ تفسير الآلوسي: 4/68.

شاعر کہتا ہے:

فَيَوْمٌ عَلَيْنَا وَ يَوْمٌ لَّنَا وَ يَوْمٌ نُّسَاءُ وَ يَوْمٌ نُّسَرُّ

”ایک دن ہمارے خلاف ہوتا ہے اور ایک دن ہماری فتح لے کر آتا ہے۔ ایک دن ہم تکلیف سے دوچار ہو جاتے ہیں تو دوسرے دن ہمیں خوشی نصیب ہوتی ہے۔“ [1]

چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ درس دیا کہ امت ناساعد اور تکلیف دہ حالات میں صبر کرے کیونکہ اللہ کی مدد صبر ہی سے نصیب ہوتی ہے۔ اللہ کی رحمت سے کبھی مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ رَحْمَتَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ﴾

”بے شک اللہ کی رحمت احسان کرنے والوں کے قریب ہے۔“ [2]

ہر مسلمان کو یاد رکھنا چاہیے کہ حالات کتنے ہی سنگین ہو جائیں، مصیبتیں کیسی ہی مہلک ہو جائیں، اللہ تعالیٰ کا مقرر طریقہ یہی ہے:

﴿فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا﴾

”پھر بے شک ہر تنگی کے ساتھ آسانی ہے، بے شک ہر تنگی کے ساتھ آسانی ہے۔“ [3]

مسلمان کا معاملہ بڑا ہی تعجب خیز ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«عَجَبًا لِّأَمْرِ الْمُؤْمِنِ إِنَّ أَمْرَهُ كُلَّهُ لَهُ خَيْرٌ وَّ لَيْسَ ذٰلِكَ لِأَحَدٍ إِلَّا لِلْمُؤْمِنِ، إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ، فَكَانَ خَيْرًا لَّهُ وَإِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ صَبَرَ، فَكَانَ خَيْرًا لَّهُ»

”مومن کا معاملہ بڑا تعجب خیز ہے۔ اس کا ہر معاملہ سراسر خیر ہے اور یہ معاملہ صرف مومن ہی کا ہے۔ اگر اسے خوشی نصیب ہوتی ہے تو وہ شکر ادا کرتا ہے جو

[1] تفسیر القرطبي: 4/218. [2] الأعراف 7:56. [3] الانشراح 94:5، 6.

اس کے لیے خیر و برکت کا باعث ہے۔ اگر اسے مصیبت پہنچتی ہے تو وہ صبر کرتا ہے جو اس کے لیے بہت بہتر ہے۔‘‘[1]

حضرت اسامہ کے لشکر کی روانگی سے ایک سبق یہ بھی ملتا ہے کہ مشکلات کی بہتات اور مصائب کی سنگینی مسلمانوں کو دینی فرائض کی ادائیگی سے نہیں روک سکتی۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات کا انتہائی الم انگیز سانحہ بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لیے دینی فرائض کی ادائیگی میں رکاوٹ نہیں بن سکا۔ اور انھوں نے انتہائی دگرگوں حالات میں بھی حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کو روانہ ہونے کا حکم دیا کیونکہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے یہی سبق سیکھا تھا کہ دینی فرائض کی ادائیگی ہر چیز پر مقدم ہے۔ اور ان کی ساری زندگی میں یہی اہتمام جاری و ساری رہا۔[2]

دعوت و تبلیغ کے لیے اتباعِ رسول ﷺ ضروری ہے

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کی روانگی سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ثابت کر دیا کہ دعوتِ دین کا فریضہ رکا تھا نہ کبھی رکے گا۔ حتی کہ سید الخلق، امام الانبیاء اور مسلمانوں کے رہبرِ اعظم حضرت محمد ﷺ کی وفات سے بھی یہ سلسلہ نہیں تھما۔ اس لشکر کو روانہ کر کے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دعوتی کام کا تسلسل برقرار رکھا اور رسول اللہ ﷺ کی وفات کے تیسرے روز ہی حکم دے دیا کہ حضرت اسامہ کے لشکری اپنے معسکر جرف میں پہنچ جائیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس سے پہلے اپنی بیعت کے فوراً بعد مسلمانوں سے اپنے اولین خطاب میں دعوتِ دین کے لیے اپنی کوششوں کو بروئے کار لانے کا عزم ظاہر کر چکے تھے۔[3] ایک روایت میں ان کا یہ قول نقل ہوا ہے:

«فَاتَّقُوا اللّٰهَ أَيُّهَا النَّاسُ! وَاعْتَصِمُوا بِدِينِكُمْ وَ تَوَكَّلُوا عَلٰى رَبِّكُمْ،

[1] صحيح مسلم، حديث: 2999. [2] قصة بعث جيش أسامة للدكتور فضل إلٰهي، ص:24.
[3] قصة بعث جيش أسامة للدكتور فضل إلٰهي، ص:24.

فَإِنَّ دِينَ اللّٰهِ قَائِمٌ وَّ إِنَّ كَلِمَةَ اللّٰهِ تَامَّةٌ وَّ إِنَّ اللّٰهَ نَاصِرٌ مَّنْ نَّصَرَهٗ وَمُعِزٌّ دِينِهٖ، وَاللّٰهِ! لَا نُبَالِي مَنْ أَجْلَبَ عَلَيْنَا مِنْ خَلْقِ اللّٰهِ، إِنَّ سُيُوفَ اللّٰهِ لَمَسْلُولَةٌ مَّا وَضَعْنَاهَا بَعْدُ وَ لَنُجَاهِدَنَّ مَنْ خَالَفَنَا كَمَا جَاهَدْنَا مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، فَلَا يَبْغِيَنَّ أَحَدٌ إِلَّا عَلٰى نَفْسِهٖ»

''اے لوگو! اللہ سے ڈرو، دین کو مضبوطی سے تھام لو اور اپنے رب پر توکل کرو، بلاشبہ اللہ کا دین قائم ودائم رہنے والا ہے۔ اللہ کا کلمہ مکمل ہونے والا ہے۔ اور اللہ ان کی مدد کرتا ہے جو اس کی مدد کرتے ہیں۔ وہ اپنے دین کو غالب کرنے والا ہے۔ اللہ کی قسم! اللہ کی مخلوق میں سے کسی حملہ آور کی ہمیں کوئی پروا نہیں۔ بے شک اللہ کی تلواریں چمک رہی ہیں۔ ہم اپنے مخالفین سے بھرپور جہاد کریں گے جیسا کہ ہم نے رسول اللہ کی معیت میں جہاد کیا تھا، لہٰذا جو ظلم و بغاوت کرے گا وہ اپنا ہی نقصان کرے گا۔''[1]

لشکرِ اسامہ کی روانگی سے ایک اہم ترین سبق یہ ملتا ہے کہ مسلمان دین حنیف کی دعوت و تبلیغ کے لیے سازگار فضا یا کسی خاص موسم کے پابند نہیں۔ بہار ہو یا خزاں، خوشی ہو یا غم، انھیں ہر حال میں اللہ اور اس کے رسول حضرت محمد ﷺ کی اطاعت کرنی چاہیے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے عمل سے ثابت کر دیا کہ وہ رسول اللہ کے احکام پر سختی سے کاربند ہیں اور وہ آپ کے احکامات کی پوری تعمیل کرتے رہیں گے، چاہے حالات کیسے ہی ناسازگار اور پرخطر ہوں۔ آپ کا یہ موقف اس قصے میں متعدد مقامات پر پوری آب و تاب سے موجود ہے، مثلاً:

❁ جب مسلمانوں نے حالات اور خطرات کے پیشِ نظر لشکر اسامہ کو روکنے کا مشورہ دیا تو انھوں نے اپنا موقف ان شاندار الفاظ میں ظاہر کیا جو تا قیامت یاد رکھے جائیں گے:

[1] البداية والنهاية:5/214,213.

«وَالَّذِي نَفْسُ أَبِي بَكْرٍ بِيَدِهِ! لَوْ ظَنَنْتُ أَنَّ السِّبَاعَ تَخْطِفُنِي لَأَنْفَذْتُ بَعْثَ أُسَامَةَ كَمَا أَمَرَ بِهِ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَ لَوْ لَمْ يَبْقَ فِي الْقُرٰى غَيْرِي لَأَنْفَذْتُهُ»

''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں ابوبکر کی جان ہے! اگر مجھے یہ یقین ہوجائے کہ درندے مجھے اچک لیں گے تو میں پھر بھی لشکر اسامہ ضرور روانہ کروں گا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا تھا۔ اگر میں مدینہ منورہ میں تن تنہا بھی رہ گیا تب بھی میں لشکر بھیج کر رہوں گا۔'' [1]

❁ جب حضرت اسامہ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حفاظت اور اہل مدینہ کی دیکھ بھال کے لیے اپنے لشکر کو جرف سے واپس مدینہ منورہ لانے کی اجازت طلب کی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انھیں اجازت نہیں دی بلکہ رسول اللہ ﷺ کے حکم کے مطابق لشکر کو جہاد کے لیے روانہ کرنے پر تلے رہے۔ آپ نے اپنے پختہ عزم کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا:

«لَوْ خَطَفَتْنِي الْكِلَابُ وَالذِّئَابُ لَمْ أَرُدَّ قَضَاءً قَضٰى بِهِ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ»

''اگر مجھے کتے اور بھیڑیے بھی اچک لے جائیں تب بھی میں رسول اللہ ﷺ کا حکم نہیں ٹالوں گا۔'' [2]

اس طرح انھوں نے اپنے دلیرانہ موقف سے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی عملی تفسیر پیش کی:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ۭ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ۝﴾

''اور کسی مومن مرد اور مومن عورت کو یہ حق حاصل نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے میں فیصلہ کردیں تو ان کے لیے اپنے معاملے میں ان کا کوئی

[1] تاريخ الطبري: 4/45. [2] تاريخ الطبري: 4/46.

اختیار (باقی) رہے۔ اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے تو وہ یقیناً کھلی گمراہی میں جا پڑا۔"[1]

❁ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے حضرت اسامہ کی جگہ کسی بڑی عمر کے کمانڈر کے تقرر کا مطالبہ کیا تو انھوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو سخت ڈانٹ پلائی اور شدید برہمی سے پوچھا کہ تم نے یہ تجویز کیوں پیش کی ہے؟[2] پھر فرمایا:

«ثَكِلَتْكَ أُمُّكَ وَعَدِمَتْكَ يَابْنَ الْخَطَّابِ! اِسْتَعْمَلَهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَتَأْمُرُنِي أَنْ أَنْزِعَهُ؟»

"اے ابن خطاب! تمھاری ماں تمھاری گمشدگی پر روئے، اسامہ کو رسول اللہ ﷺ نے کمانڈر مقرر کیا تھا۔ آہ! تم مجھ سے ان کی معزولی کا مطالبہ کر رہے ہو!"[3]

❁ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اتباع نبوی کا اہتمام حضرت اسامہ کو روانہ کرتے وقت بھی کیا۔ آپ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ پیدل چلتے رہے، جبکہ وہ سوار تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے اس عمل سے رسول اکرم سید الاولین والآخرین کی پیروی کا نمونہ دکھلا دیا کیونکہ رسول اللہ بھی حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجتے وقت پیدل چلے تھے۔

امام احمد رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "جب رسول اللہ ﷺ نے مجھے یمن روانہ کیا تو رسول اللہ ﷺ مجھے وصیت کرتے ہوئے میرے ساتھ ساتھ پیدل چلتے رہے، جبکہ میں سوار تھا۔"[4]

شیخ احمد البنا اس حدیث پر حاشیہ لکھتے ہوئے فرماتے ہیں: "یہی طرز عمل حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسامہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ اختیار کیا، حالانکہ وہ کم عمر نوجوان تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی وفات سے پہلے انھیں لشکر کی قیادت سونپی تھی لیکن وہ رسول اللہ ﷺ کی وفات

[1] الأحزاب36:33. [2] قصة بعث جيش أسامة للدكتور فضل إلٰهي، ص:30. [3] تاريخ الطبري: 46/4. [4] مسند أحمد:235/5.

کے بعد ہی روانہ ہو سکے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پیدل چلتے ہوئے انھیں رخصت کیا، جبکہ اسامہ رضی اللہ عنہ سواری پر بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ طرز عمل رسول اللہ ﷺ کی اتباع میں کیا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایسا ہی طرز عمل اختیار فرمایا تھا۔''[1]

❁ لشکر کو روانہ کرتے وقت خصوصی نصیحت کرنا بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف سے اتباع نبوی کی تڑپ کا آئینہ دار ہے۔ رسول اللہ ﷺ لشکر کو الوداع کرتے ہوئے اسے خصوصی نصیحت فرماتے تھے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جن الفاظ میں جیش اسامہ کو نصیحت کی تھی، ان میں بیشتر الفاظ وہی تھے جو حضرت محمد ﷺ لشکر کو الوداع کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کرتے تھے، چنانچہ انھوں نے امیر لشکر حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے حکم کے نفاذ کو یقینی بنائیں۔ اس میں ذرہ بھر کوتاہی نہ کریں۔[2] آپ نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے کہا:

«اِصْنَعْ مَا أَمَرَكَ بِهِ نَبِيُّ اللّٰهِ ﷺ، اِبْدَأْ بِبِلَادِ قُضَاعَةَ ثُمَّ ائْتِ آبِلَ وَلَا تُقَصِّرَنَّ شَيْئًا مِّنْ أَمْرِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ»

''تم ٹھیک اسی طرح کرنا جس طرح رسول اللہ ﷺ نے تمھیں حکم دیا تھا۔ جہاد کا آغاز قضاعہ قبائل سے کرنا، پھر آبل پر یلغار کرنا اور رسول اللہ کے احکام کی تعمیل میں ہرگز کوتاہی نہ کرنا۔''[3]

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا:

«اِمْضِ يَا أُسَامَةُ لِلْوَجْهِ الَّذِي أُمِرْتَ بِهِ ثُمَّ اغْزُ حَيْثُ أَمَرَكَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مِنْ نَّاحِيَةِ فَلَسْطِينَ وَ عَلٰى أَهْلِ مُؤْتَةَ فَإِنَّ اللّٰهَ

[1] بلوغ الأماني من أسرار الفتح الرباني لأحمد البنا الساعاتي: 215/21. [2] قصة بعث جيش أسامة للدكتور فضل إلٰهي، ص: 32. [3] تاريخ الطبري: 47/4.

سَيَكْفِي مَا تَرَكْتَ»

''اسامہ! اس علاقے کی طرف چلے جاؤ جہاں رسول اللہ ﷺ نے تمھیں جانے کا حکم دیا تھا، پھر رسول اللہ ﷺ کے حکم کے مطابق اہل موتہ اور فلسطین کی طرف یلغار کرنا۔ جو کچھ تم چھوڑ جاؤ گے، اللہ اُس کے لیے کافی ہے۔''[1]

حافظ ابن الاثیر نے ایک روایت یہ بھی نقل کی ہے: ''آپ نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو وصیت کی کہ رسول اللہ ﷺ کے حکم پر عمل کرنا۔''[2]

تمام صحابۂ کرام نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے کی اقتدا کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کے سینے حضرت ابوبکر کا موقف تسلیم کرنے کے لیے کھول دیے۔ اور انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے حکم پر عمل کرتے ہوئے اس کی تعمیل کی بھرپور کوشش کی حتی کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں فتح یاب کیا، انھیں غنیمتیں عطا فرمائیں اور لوگوں کے دلوں میں ان کی ہیبت ڈال دی۔ دشمنوں کے مکروفریب کے حربے بے کار کر دیے اور ان کے شر سے مسلمانوں کو محفوظ کر دیا۔[3]

تھامس آرنلڈ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کی روانگی کے بارے میں لکھتا ہے: ''نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے وہ لشکر روانہ کیا جسے نبی کریم ﷺ نے شام کے اطراف واکناف میں جہاد کے لیے روانہ کرنے کا عزم کیا تھا۔ انھوں نے بعض صحابۂ کرام کی مخالفت کے باوجود یہ لشکر روانہ کیا۔ صحابہ کی مخالفت کی وجہ اس وقت کے پیش آمدہ حالات تھے۔ لیکن ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انھیں یہ کہہ کر خاموش کر دیا:

«أَرَى قَضَاءً قَضَى بِهِ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَلَوْ ظَنَنْتُ أَنَّ السِّبَاعَ تَخْطِفُنِي لَأَنْفَذْتُ جَيْشَ أُسَامَةَ كَمَا أَمَرَ النَّبِيُّ ﷺ»

''میں رسول اللہ ﷺ کے حکم کو بہرحال عملی جامہ پہناؤں گا چاہے مجھے یہ یقین

[1] تاريخ الإسلام، عهد الخلفاء الراشدين للذهبي: 21/3. [2] الكامل في التاريخ لابن الأثير: 237/2 [3] قصة بعث جيش أسامة للدكتور فضل إلهي، ص: 36.

ہو کہ درندے مجھے اچک لیں گے۔ اس کے باوجود میں حکم نبوی کے مطابق لشکر اسامہ کو بھیج کر ہی دم لوں گا۔"

تھامس آرنلڈ مزید لکھتا ہے: "یہ ان شاندار فتوحات کے سلسلے کی ایک کڑی تھی جن میں صحابۂ کرام کے لشکروں نے شام، ایران اور شمالی افریقہ کو مسخر کرلیا، قدیم ایرانی حکومت کا خاتمہ کردیا اور سلطنت روم کے خوبصورت ترین اور زرخیز علاقوں سے رومیوں کو بے دخل کردیا۔" [1]

ہم نہایت واضح طور پر دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے امت اسلامیہ کی مدد وحمایت کا دامن رسول اللہ ﷺ کی اتباع کے ساتھ باندھ رکھا ہے۔ جس نے آپ کی اطاعت کی اسے مدد وفتح نصیب ہوتی ہے اور جس نے آپ کی نافرمانی کی اسے ذلت ورسوائی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ پس ہر مسلمان کو یہ حقیقت اچھی طرح ذہن نشین کرلینی چاہیے کہ امت اسلامیہ کی بقا کا راز اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور سنت نبوی کی اتباع میں پنہاں ہے۔ [2]

اختلاف کی صورت میں کتاب وسنت کی طرف رجوع

اس واقعے سے ایک اہم سبق یہ بھی ملتا ہے کہ بعض اوقات سچے مومنوں میں بھی اختلاف ہو جاتا ہے جیسا کہ مدینہ منورہ کے پرخطر حالات میں حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کی روانگی کے بارے میں صحابۂ کرام کی آراء مختلف ہوگئی تھیں اور لشکر کی کمانڈ کے بارے میں بھی مختلف اقوال سامنے آگئے تھے لیکن یہ اختلاف محض اختلاف ہی تھا جو مبنی بر اخلاص تھا۔ اس میں کسی طرح کے بغض، دشمنی، مخالفت برائے مخالفت، لڑائی اور قطع تعلقی کو دخل نہ تھا، نیز اپنی رائے غلط ثابت ہونے کے باوجود اُس پر اصرار وتکرار کا دور دور تک کوئی شائبہ تک نہیں تھا۔ [3] حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس اختلاف کو رسول اللہ ﷺ کے

[1] الدعوة إلى الإسلام لتوماس آرنولد، ص: 63. [2] قصة بعث جيش أسامة للدكتور فضل إلٰهي، ص: 39. [3] قصة بعث جيش أسامة للدكتور فضل إلٰهي، ص: 47، 48.

حکم کی روشنی میں حل کر دیا اور اپنا عزم بھی ظاہر کر دیا کہ وہ سنگین ترین حالات کے باوجود رسول اللہ ﷺ کے حکم میں کسی صورت کوئی تبدیلی گوارا نہیں کریں گے۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی حکم نبوی کے آگے سر تسلیم خم کر دیا۔

اس واقعے سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اکثریت کی رائے اگر نص کے خلاف ہو تو وہ قابل حجت نہیں ہوتی جیسا کہ اکثر صحابہ کی رائے یہ تھی کہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کو روک لیا جائے لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کی رائے اس لیے مسترد کر دی کہ نبی کریم ﷺ کا حکم ہی اصل اور قابل صد تکریم ہے۔ اور یہ تمام لوگوں کی آراء پر مقدم اور بہر صورت واجب التعمیل ہے۔ [1]

اس حقیقت کا اظہار رسول اللہ ﷺ کی وفات کے وقت بھی ہوا، جبکہ عام صحابۂ کرام، جن میں عمر رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے، کی رائے یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ فوت نہیں ہوئے لیکن حضرت ابوبکر اور چند صحابہ کی رائے یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ وفات پا گئے ہیں۔ اس وقت بھی حضرت ابوبکر نے نص قرآنی پیش کر کے عدم وفات کے قائلین صحابۂ کرام کی غلطی واضح کی تھی۔ [2]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ وفات النبی کے بارے میں اکثر صحابہ کرام کی رائے پر حاشیہ لکھتے ہوئے فرماتے ہیں: ”اس واقعے سے یہ سبق ملتا ہے کہ کبھی تھوڑے لوگ اجتہاد میں برحق ہوتے ہیں، جبکہ اکثریت غلطی کھا جاتی ہے، لہٰذا اکثریت کی رائے قابل ترجیح قرار نہیں دی جا سکتی۔“ [3]

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ لشکر اسامہ کے روانہ ہو جانے سے ہمیں سبق ملتا ہے کہ اکثریت کا کسی رائے کی تائید کرنا اس کے صحیح ہونے کی دلیل نہیں۔ [4]

[1] قصة بعث جيش أسامة للدكتور فضل إلٰهي، ص: 44. [2] قصة بعث جيش أسامة للدكتور فضل إلٰهي، ص: 45. [3] فتح الباري: 146/8. [4] قصة بعث جيش أسامة للدكتور فضل إلٰهي، ص: 46.

اس واقعے سے یہ درس بھی ملتا ہے کہ سچے مسلمانوں کا شعار یہ ہے کہ وہ صحیح صورتِ حال واضح ہونے کے بعد سرِ تسلیم خم کر دیتے ہیں۔ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے صحابۂ کرام کو بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے لشکر اسامہ کی روانگی کا حکم دیا تھا اور آپ ہی نے حضرت اسامہ کو امیر لشکر مقرر کیا تھا تو تمام صحابۂ کرام نے اس حکم نبوی کے آگے بلا تامل سرِ تسلیم خم کر دیا۔ [1]

دعوت و تبلیغ کے سلسلے میں نوجوانوں کا کردار اور قول و فعل میں عدم تضاد

جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو امیر لشکر برقرار رکھنے پر اصرار کیا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ ان کو امیر مقرر کر چکے تھے تو انھوں نے اس پر صرف اصرار ہی نہیں کیا بلکہ انھیں عملی طور پر بھی امیر تسلیم کر لیا۔ یہ بات درج ذیل دو امور سے واضح ہوتی ہے:

❁ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی سواری کے ساتھ ساتھ پیدل چلتے رہے، جبکہ اسامہ رضی اللہ عنہ ابھی صرف اٹھارہ یا بیس سال کے نوجوان تھے۔ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ ساٹھ سالہ بزرگ تھے۔ لیکن وہ اپنی عظمت و بزرگی کے باوجود حضرت اسامہ کی سواری کے ساتھ ساتھ پیدل ہی چلتے رہے اور اسامہ کو بھی سواری سے نیچے نہ اترنے دیا، حالانکہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے آپ سے بصد ادب و احترام عرض کیا تھا کہ آپ بھی سوار ہو جائیں یا مجھے نیچے اترنے کی اجازت دیں۔ مگر انھوں نے دونوں میں سے کوئی بات نہیں مانی۔ اس طرح انھوں نے لشکریوں کے روبرو یہ عملی دعوت پیش کی کہ وہ بھی اسامہ کو تہ دل سے امیر لشکر تسلیم کریں۔ آپ نے اپنے اس طرز عمل سے ان کے دلوں سے حضرت اسامہ کی کم سنی کا اثر زائل کر دیا، گویا آپ نے پیدل چل کر لشکریوں پر یہ حقیقت روشن کر دی کہ

[1] قصة بعث جيش أسامة للدكتور فضل الهي، ص:52.

اے لوگو! لو، تم خود اپنی آنکھوں سے یہ نظارہ دیکھ لو کہ میں ابوبکر صدیق ہوں، خلیفۂ رسول ہوں، امیر المؤمنین ہوں لیکن میں اپنے اس تمام تر خدا داد اعزاز و امتیاز کے باوجود حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی سواری کے ساتھ ساتھ صرف اس لیے پیدل چل رہا ہوں کہ اس عزیز گرامی کو میرے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تمھارا کمانڈر بنایا تھا۔ افسوس! تمھیں یہ جرأت کیونکر ہوئی کہ تم ان کی کمان کو ہدف تنقید بناؤ؟[1]

❁ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنی مدد اور اہم ضروریات کے پیش نظر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ ہی میں رکھنا چاہتے تھے، جبکہ وہ لشکر میں شامل تھے۔ لیکن انھوں نے ازخود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو رکنے کا حکم نہیں دیا، حالانکہ آپ خلیفۃ المسلمین تھے۔ اس کے باوجود آپ نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ ہی سے اجازت مانگی کہ اگر وہ مناسب سمجھیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جہادی ذمہ داری سے مستثنیٰ کر کے ان کی مدد کے لیے چھوڑ جائیں۔

اس طرح انھوں نے اپنے عمل سے بحیثیت امیر لشکر حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کا مقام و اکرام اُجاگر کر دیا۔

بلاشبہ آپ کے اس شاندار طرز عمل سے لشکریوں کو بھی حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو امیر لشکر تسلیم کرنے اور ان کی فرماں برداری کرنے کا سبق ملا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دین حنیف کی تبلیغ و دعوت کو عمل کے ساتھ مربوط کرنے کا اہتمام کیا۔ یہ درحقیقت شریعت اسلامی کا نہایت اہم حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کو سخت ڈانٹ پلائی ہے جو نیکی کا حکم تو دیتے ہیں لیکن خود عمل نہیں کرتے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ ﴾

''کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو، حالانکہ تم

[1] قصة بعث جيش أسامة للدكتور فضل إلهي، ص:66.

کتاب پڑھتے ہو، پھر کیا تم عقل نہیں رکھتے۔"①

اس واقعے سے اسلام کی دعوت و تبلیغ کے لیے نوجوانوں کے کردار کی اہمیت بھی ظاہر ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسامہ رضی اللہ عنہ کو اُس لشکر کا امیر مقرر کیا جو اس دور کی سپر پاور روم سے ٹکرانے کے لیے تشکیل دیا گیا تھا، حالانکہ اس وقت ان کی عمر اٹھارہ یا بیس سال تھی۔ اور لوگوں کی تنقید کے باوجود حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انھیں امیر لشکر برقرار رکھا۔ پھر یہی بہادر نوجوان امیر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اپنے مشن میں کامیاب ہوکر بہت سا مال غنیمت لے کر لوٹا۔

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے فتح مندانہ کردار میں مسلمان نوجوانوں کے لیے دین حنیف کی دعوت و تبلیغ کا بہت بڑا سبق چمک رہا ہے۔ اگر ہم تاریخ اسلام کے مکی اور مدنی دور میں دعوت دین کے لیے نوجوانوں کے پرعزم کردار کی مثالیں تلاش کریں تو ہمیں قرآن و سنت کی خدمت، ملکی انتظام و انصرام، جہاد فی سبیل اللہ اور دعوت الی اللہ کے لیے نوجوانوں کی عظیم الشان خدمات کی شاندار مثالیں بکثرت ملیں گی۔②

آداب جہاد کی دلکشی فروغ دین کا ذریعہ بن گئی

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کے لشکر کی روانگی کا واقعہ ہمارے لیے جہاد اسلامی کی بڑی روشن اور شاندار مثال پیش کرتا ہے۔ یہ روشن صورت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اس وصیت میں جلوہ گر ہے جو انھوں نے لشکر کو روانہ کرتے وقت کی تھی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لشکریوں کو نصیحت کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کو سامنے رکھا کیونکہ رسول اللہ ﷺ بھی امراء اور لشکریوں کو الوداع کرتے وقت نصیحت فرمایا کرتے تھے۔③ اسی نصیحت میں جہاد اسلامی کی اصل غرض و غایت موجود ہے۔ وہ یہ کہ دعوت اسلام کو عام کیا جائے۔ جب

① البقرة 2:44. ② قصة بعث جيش أسامة للدكتور فضل إلٰهي، ص:70. ③ قصة بعث جيش أسامة للدكتور فضل إلٰهي، ص:80.

کوئی قوم لشکر اسلامی کو ان شاندار ہدایات کا عملاً پابند دیکھتی تھی تو پھر وہ برضا و رغبت اسلام قبول کیے بغیر نہیں رہتی تھی۔ وہ سنہری ہدایات یہ ہیں:

❁ لشکر اسلامی خیانت نہیں کرے گا بلکہ امانت کی حفاظت کرے گا، عہد پورے کرے گا، لوگوں کے مال چرائے گا نہ انھیں ناحق قبضے میں لے گا۔

❁ لشکر اسلامی لاشوں کی بے حرمتی کا مرتکب نہیں ہوگا بلکہ قتل کرنے کے سلسلے میں بھی احسان سے کام لے گا۔ معاف کرنے میں احسن انداز اختیار کرے گا۔ بچوں پر رحم کرے گا، بوڑھے لوگوں سے احترام سے پیش آئے گا۔ خواتین کی حفاظت کرے گا۔

❁ مفتوحہ علاقوں کے ذرائع آمدنی تباہ نہیں کرے گا بلکہ کھجوروں اور پھل دار درختوں کی حفاظت کرے گا۔ فصلوں اور باغات کو تباہ نہیں کرے گا۔

❁ ہاں ہاں! جب لشکر اسلامی انسانیت کا احترام کرے گا۔ خیانت کا مرتکب نہیں ہوگا، مال غنیمت نہیں چرائے گا، مقتولوں کی لاشیں خراب نہیں کرے گا، بچوں، عورتوں اور بوڑھوں پر رحم کرے گا۔ ذرائع آمدن، زراعت اور پھل دار درختوں کو ضائع نہیں کرے گا۔ حیوانات کا خاتمہ بھی نہیں کرے گا بلکہ صرف کھانے کے لیے ذبح کرے گا تو بتائیے یہ کتنا شاندار اور کس قدر ایمان افروز منظر ہوگا ...... ذرا دل پر ہاتھ رکھ کر بتائیے کیا آج کے روشن خیال، مہذب اور ترقی یافتہ ملکوں کی مسلح فوجیں اسلام کی بتائی ہوئی مہذب و مقدس ہدایات جیسی کسی ایک بات کی بھی کوئی ادنیٰ سی مثال پیش کرتی ہیں ...... نہیں نہیں۔ ہرگز نہیں، دور جدید کی آتش و آہن سے مسلح فوجیں تو ہنستے بستے شہر اُجاڑ دیتی ہیں۔ بستیوں کی بستیاں پھونک ڈالتی ہیں۔ عورتوں، بچوں اور بوڑھوں سمیت لاتعداد بے گناہ افراد کو آنِ واحد میں موت کے گھاٹ اُتار دیتی ہیں۔ کیا دور حاضر کے لشکران شاندار ہدایات میں سے کسی پر عمل پیرا ہوتے ہیں؟ نہیں، وہ تو جنگ زدہ علاقوں کو تباہ و برباد کر کے چھوڑتے ہیں۔

مسلمانو! خبردار ہو جاؤ اور غور کرو کہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت اور ملحدین کی گمراہی میں کتنا

بڑا فرق ہے!

❁ لشکر اسلامی گزشتہ ادیان اور عقائد کا احترام کرے گا۔ معبد خانوں میں عبادت میں مشغول راہبوں کو کوئی تکلیف نہیں دے گا۔ یہ عملی دعوت اسلام کے نظام عدل اور رحمدلی کی بڑی بھاری دلیل ہے، البتہ جو لوگ فسادی ہوں گے اور مسلمانوں کے ساتھ جنگ میں شریک ہوں گے انھیں دوسروں کے لیے بطور عبرت قتل کر دیا جائے گا۔ [1]

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی یہ ہدایات محض رسمی، اسمی اور لفظی نہیں تھیں بلکہ مسلمانوں نے ان ہدایات کو ان کے عہد میں بھی اور بعد میں بھی عملاً اپنا کر دکھایا۔ ہم عنقریب فتوحات صدیقی میں ان ہدایات کی عملی تصویریں پیش کریں گے۔ ان شاء اللہ۔ [2]

لشکر اسامہ کے اثرات

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کا لشکر کامیابی کے پرچم لہراتا ہوا، غنیمتیں سمیٹتا ہوا اور رومیوں کو ہیبت زدہ کرتا ہوا واپس آ گیا۔ اس موقع پر ہرقل نے اپنے فوجی کمانڈروں کو جمع کر کے کہا: ''میں تمھیں اسی بات سے ڈراتا تھا مگر تم نے میری ایک نہ مانی، اب نتیجہ تمھارے سامنے ہے۔ عرب ایک ماہ کا طویل سفر کر کے آتے ہیں اور تم پر یلغار کر کے اپنا کوئی نقصان کیے بغیر، فتح مندانہ واپس چلے جاتے ہیں۔''

ہرقل کے بھائی یناف نے کہا کہ تم سرحدوں کی حفاظت کے لیے ایک خصوصی فوج بلقاء بھیج دو، چنانچہ اس نے ایک کمانڈر کے ماتحت اپنی فوج سرحد پر بھیج دی اور وہ ادھر ہی مقیم رہی حتی کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی کے دور میں اور بعد ازاں عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں اسلامی لشکر شام کی طرف پیش قدمی کرتے رہے۔ [3] رومی تعجب سے کہنے لگے: ''ان مسلمانوں کو کیا ہو گیا ہے؟ ان کا نبی ابھی ابھی فوت ہوا ہے اور یہ لوگ ہمارے علاقوں پر حملہ کرنے

① تاریخ الدعوة إلى الإسلام للدكتور يسري محمد هاني، ص:269. ② قصة بعث جيش أسامة للدكتور فضل إلٰهي، ص:81. ③ المغازي للواقدي:1124/3، الطبقات لابن سعد:192/2.

کے لیے آ گئے ہیں؟"①

شام کے عرب قبائل اسلامی سلطنت کے دبدبے سے بے حد مرعوب ہو گئے۔ وہ مسلسل خوفزدہ رہنے لگے۔② اور جب حضرت اسامہ کا لشکر کامیاب ہو کر مدینہ منورہ لوٹا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بزرگ مہاجرین اور انصار کے ساتھ ان کے استقبال کے لیے گئے۔ اہل مدینہ نے انھیں نہایت مسرت کے ساتھ خوش آمدید کہا۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سیدھے مسجد نبوی گئے اور اللہ تعالیٰ کے خصوصی احسان پر شکرانے کے نفل ادا کیے۔

اس غزوے کا مسلمانوں اور ان عربوں کی زندگی پر گہرا اثر پڑا جو مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کے پروگرام بنا رہے تھے۔ اسی طرح ان رومیوں کی زندگی پر بھی اس کے گہرے اثرات مرتب ہوئے جو بلاد عرب کی حدود تک پھیلے ہوئے تھے۔③

اس لشکر نے اپنی اچھی شہرت سے وہ کارنامہ کر دکھایا جو وہ اپنی قوت اور تعداد سے انجام نہیں دے سکا تھا۔ اس لشکر نے مرتدین کے بڑھتے ہوئے قدم روک دیے۔ دشمنوں کے جمع ہونے والے لشکروں کو منتشر کر دیا اور جو لوگ مسلمانوں پر یلغار کے منصوبے بنا رہے تھے وہ صلح کے معاہدے کرتے نظر آئے۔ یوں تلواروں کے بے نیام ہونے سے پہلے ہی مسلمانوں کی ہیبت نے اپنا کام کر دکھایا۔④

یقیناً اس لشکر کی روانگی مسلمانوں کے لیے بہت بڑی نعمت تھی کیونکہ اس سے شمالی علاقوں میں مرتدین کا محاذ انتہائی کمزور ہو گیا۔ یہ تمام واقعات وحالات ثابت کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ "مرد بحران" تھے۔ وہ ان سنگین بحرانوں میں سب سے زیادہ گہری بصیرت اور فہم وفراست کے حامل ہونے کے باعث سرخرو رہے۔⑤

① تاريخ دمشق لابن عساكر: 439/1. ② تاريخ الدعوة إلى الإسلام للدكتور يسري محمد هاني، ص: 270. ③ الصديق أبو بكر لمحمد حسين هيكل، ص: 107. ④ عبقرية الصديق للعقاد، ص: 109. ⑤ حركة الردة للدكتور علي العتوم، ص: 168.
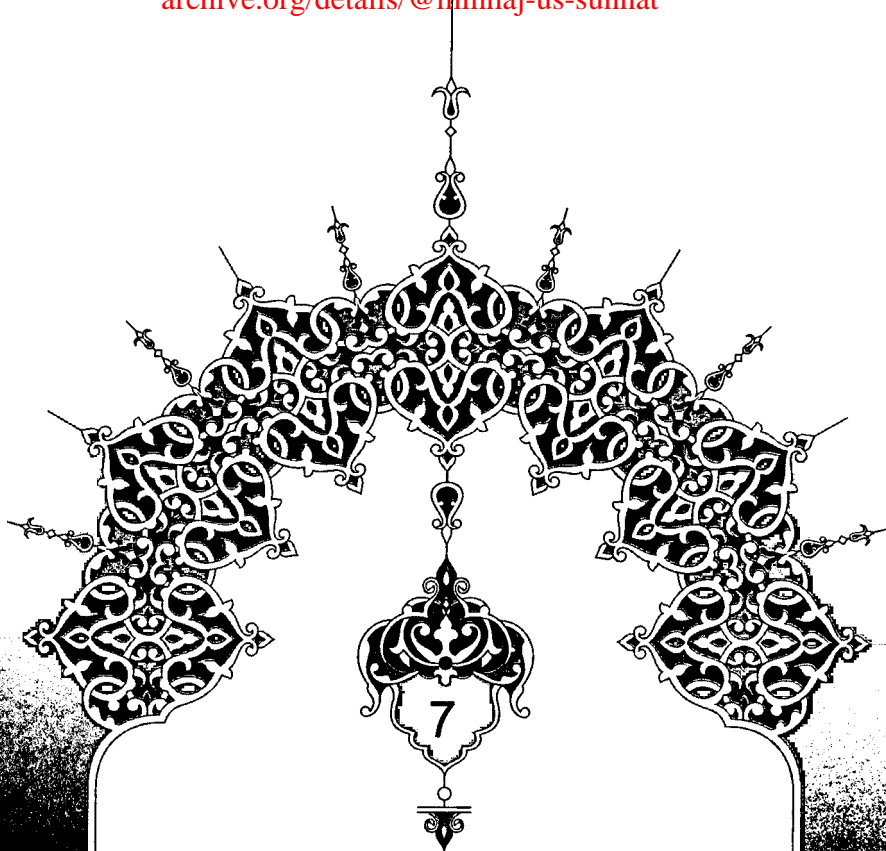
مرتدین کے خلاف ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا جہاد

- ارتداد کی تعریف، اسباب، اقسام
- اسود عنسی، طلیحہ اسدی کے فتنے کا خاتمہ اور مالک کی ہلاکت
- مسیلمہ کذاب اور اس کی ہلاکت

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ؕ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ○﴾

''اور محمد ایک رسول ہی تو ہیں، ان سے پہلے بہت سارے رسول گزر چکے ہیں اگر ان کا انتقال ہوجائے یا شہید ہوجائیں تو کیا تم اسلام سے اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے؟ اور جو کوئی اپنی ایڑیوں کے بل پھر جائے تو وہ اللہ کا کچھ بھی بگاڑ نہ سکے گا اور اللہ شکر کرنے والوں کو اچھی جزا دے گا۔''

(آل عمرٰن 3:144)

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

«وَاللّٰهِ! لَوْ مَنَعُونِي عِقَالًا كَانُوا يُؤَدُّونَهُ إِلٰى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ لَقَاتَلْتُهُمْ عَلٰى مَنْعِهِ»

''اللہ کی قسم! اگر انھوں نے اونٹ کو باندھنے والی وہ رسی ادا کرنے سے بھی انکار کیا جو وہ رسول اللہ ﷺ کو ادا کرتے تھے تو میں اس کی وصولی کے لیے بھی ان سے جنگ کروں گا۔''

(صحیح مسلم، حدیث: 20)

ارتداد کی اصطلاحی تعریف، اسباب اور اقسام

ارتداد کی اصطلاحی تعریف

امام نووی رحمہ اللہ نے ارتداد کی تعریف ان الفاظ سے کی ہے: ''نیت یا کفریہ قول یا کفریہ فعل سے اسلام کا انکار کرنا ارتداد ہے، چاہے کسی نے یہ بات مذاق میں، دشمنی کی خاطر یا اعتقادی لحاظ سے کی ہو، لہٰذا جو شخص اللہ خالقِ کائنات یا رسولوں کی نفی کرتا ہے یا کسی رسول کو جھٹلاتا ہے یا اجماعی حرام چیز کو حلال یا کسی حلال چیز کو حرام قرار دیتا ہے یا کسی واجب چیز کی نفی کرتا ہے یا کسی چیز کو اپنی طرف سے واجب قرار دیتا ہے یا کفر کا عزم کرتا ہے یا کفر میں تردد کرتا ہے تو وہ یقیناً کافر ٹھہرے گا۔''[1]

علیش مالکی رحمہ اللہ نے اس کی تعریف یوں کی ہے: ''مسلمان کا صریح الفاظ میں کفر کرنا یا ایسے الفاظ استعمال کرنا جو کفریہ ہوں یا ایسا فعل انجام دینا جو کفریہ ہو، ارتداد کہلاتا ہے۔''[2]

امام ابن حزم ظاہری رحمہ اللہ نے مرتد کی تعریف یہ کی ہے: ''ہر وہ شخص جو مسلمان تھا اور سوائے اسلام کے ہر دین سے بے زار تھا، پھر ثابت ہوگیا کہ وہ اسلام سے پھر کر کسی

① المنهاج للنووي: 427/1. ② أحكام المرتد للسامرائي، ص: 44.

کتابی یا غیر کتابی دین میں داخل ہوگیا ہے تو وہ مرتد ہوگا۔"[1]

عثمان حنبلی رحمہ اللہ ارتداد کی تعریف ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں: لغت میں مرتد کے معنی ہیں لوٹنے والا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ﴾ "اور تم اپنی پشت کے بل منہ نہ موڑو۔"[2]

اور اصطلاح میں مرتد وہ ہے جو اسلام لانے کے بعد کفریہ کام کرے۔[3]

درج بالا تعریفات سے معلوم ہوا کہ مرتد ہر وہ شخص ہوگا جو دین اسلام کی بنیادی چیزوں میں سے کسی کا انکار کرتا ہے، مثلاً: نماز، زکاۃ، نبوت اور مومنوں کے ساتھ موالات وغیرہ یا کوئی ایسی بات یا فعل سرانجام دیتا ہے جس کی تاویل سوائے کفر کے کچھ نہ ہو۔[4]

مرتدین کے بارے میں چند آیات

اللہ تعالیٰ نے مرتدین کے بارے میں ایسی عبارات استعمال کی ہیں جو اس وبا کی طرف اشارہ کرتی ہیں جس کا شکار مرتدین ہوئے، مثلاً: "ایڑیوں کے بل یا پیٹھ کے بل لوٹنا" "خسارے کے ساتھ لوٹنا" "چہروں کا مٹایا جانا" "اپنے ہاتھ منہ میں ڈالنا" "شک اور تردد" اور "چہروں کا سیاہ ہونا" وغیرہ۔[5]

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ○﴾

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اگر تم کافروں کی باتیں مانو گے تو وہ تمھیں پلٹا کر مرتد بنا دیں گے، پھر تم خسارہ پانے والے ہو گے۔"[6]

[1] المحلّى لابن حزم: 188/11. [2] المآئدة 21:5. [3] أحكام المرتد للسامرائي، ص: 44.
[4] حركة الردة للدكتور علي العتوم، ص: 18. [5] حركة الردة للدكتور علي العتوم، ص: 18.
[6] آل عمرٰن 149:3

نیز فرمایا:

﴿ يَآيُّهَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ أَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰٓى اَدْبَارِهَآ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّآ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ۭ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ۝ ﴾

''اے لوگو جنھیں کتاب دی گئی! اس قرآن پر ایمان لاؤ جو ہم نے نازل کیا اس حال میں کہ وہ اس کی تصدیق کرنے والا ہے جو تمھارے پاس ہے (تم ایمان لاؤ) اس سے پہلے کہ ہم چہرے بگاڑ دیں اور انھیں پیچھے کی طرف پھیر دیں یا ان پر اسی طرح لعنت بھیجیں جس طرح ہم نے سبت (ہفتے والے دن بدعہدی کرنے) والوں پر بھیجی تھی اور (یاد رکھو!) اللہ کا حکم اٹل ہے۔''[1]

تفسیر ابن کثیر میں ہے: ''چہروں کے بگاڑ سے مراد انھیں اندھا کرنا ہے۔ اور اس ارشاد ''ہم انھیں پیچھے کی طرف پھیر دیں'' سے مراد یہ ہے کہ ان میں سے کسی شخص کی آنکھیں اس کی گدی میں لگا دی جائیں۔ اور یہ بگاڑ کسی بھی سزا اور عذاب سے بڑھ کر ہوگا۔ یہ ایک مثال ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں بیان کی ہے جو حق سے پھر جاتے ہیں، باطل کی طرف لوٹ جاتے ہیں اور سیدھی روشن راہ سے ہٹ کر بھاگم بھاگ ضلالت و گمراہی میں جا پڑتے ہیں اور اپنی پیٹھ کے بل واپس پھر جاتے ہیں۔''[2] اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ ۣ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝ ﴾

''جس دن کئی چہرے سفید ہوں گے اور کئی چہرے سیاہ ہوں گے، پھر جن لوگوں کے چہرے سیاہ ہوں گے (ان سے کہا جائے گا:) کیا تم نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا؟ پس اب عذاب چکھو اس کفر کے بدلے جو تم کرتے رہے ہو۔''[3]

[1] النسآء 47:4. [2] تفسیر ابن کثیر: 508,507/1. [3] آل عمرٰن 106:3.

اس آیت کی تفسیر میں امام قرطبی رحمہ اللہ نے متعدد اماموں کی آراء بیان کی ہیں۔ ان میں سے امام قتادہ رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ یہ آیت مرتدین کے بارے میں ہے، جیسا کہ انھوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی نقل کی ہے اور کہا ہے کہ اس سے دلیل لی جا سکتی ہے کہ یہ آیت مرتدین کے بارے میں ہے۔ وہ حدیث یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

«يَرِدُ عَلَيَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ رَهْطٌ مِّنْ أَصْحَابِي فَيُحَلَّئُونَ عَنِ الْحَوْضِ فَأَقُولُ: يَا رَبِّ! أَصْحَابِي، فَيَقُولُ: إِنَّكَ لَا عِلْمَ لَكَ بِمَا أَحْدَثُوا بَعْدَكَ، إِنَّهُمُ ارْتَدُّوا عَلٰى أَدْبَارِهِمُ الْقَهْقَرٰى»

''قیامت کے دن حوض کوثر پر میرے پاس ایک جماعت آئے گی تو انھیں حوض سے بھگا دیا جائے گا، میں کہوں گا: ''اے میرے رب! یہ میری امت کے لوگ ہیں۔'' ارشاد ہوگا: ''آپ نہیں جانتے کہ انھوں نے آپ کے بعد دین میں کیا کیا بدعات ایجاد کی تھیں، یہ اپنی پیٹھ کے بل الٹے پھر گئے تھے۔''[1]

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی اسی حدیث کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«يُجَاءُ بِرِجَالٍ مِّنْ أُمَّتِي فَيُؤْخَذُ بِهِمْ ذَاتَ الشِّمَالِ فَأَقُولُ: يَا رَبِّ! أُصَيْحَابِي، فَيُقَالُ: إِنَّكَ لَا تَدْرِي مَا أَحْدَثُوا بَعْدَكَ، فَأَقُولُ كَمَا قَالَ الْعَبْدُ الصَّالِحُ: ﴿وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ﴾ فَيُقَالُ: إِنَّ هٰؤُلَاءِ لَمْ يَزَالُوا مُرْتَدِّينَ عَلٰى أَعْقَابِهِمْ مُّنْذُ فَارَقْتَهُمْ»

''میری امت کے کچھ افراد لائے جائیں گے تو انھیں بائیں جانب پھیر دیا

[1] تفسير القرطبي: 4/ 156.

جائے گا، میں کہوں گا: ''اے میرے رب! یہ میرے امتی ہیں۔'' تو کہا جائے گا: ''آپ کو معلوم نہیں انھوں نے آپ کے بعد کیا کیا بدعات ایجاد کی تھیں، پس میں اسی طرح کہوں گا جس طرح ایک نیک بندے (عیسیٰ علیہ السلام) نے کہا تھا:

﴿وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ﴾

''اور جب تک میں ان میں تھا تو میں ان پر گواہ تھا، پھر جب تو نے مجھے اپنے پاس بلا لیا تو تو ہی ان پر نگہبان تھا۔''[1]

پھر بتایا جائے گا کہ آپ کے وفات پا جانے کے بعد یہ مرتد ہو گئے تھے۔''[2]

ارتداد کے اسباب اور اس کی مختلف اقسام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد عرب قبائل کے مرتد ہونے کے کئی اسباب ہیں، مثلاً: رسول اللہ کی وفات کا صدمہ۔ کمزور دینی حالت اور شریعت کی کم فہمی۔ جاہلیت کا شوق اور اس کی تباہ کن برائیوں کا ارتکاب، نظام دین سے خروج اور اسلامی نظام سے بغاوت، قبائلی عصبیت، بادشاہی کا لالچ، دین کے بدلے دنیوی فوائد کا حصول اور مالی بخیلی، باہمی حسد، غیر اسلامی تحریکوں، مثلاً: یہودی، عیسائی اور مجوسی تحریک کے اثرات۔[3]

ہم ان اسباب پر تفصیل سے بحث کرتے ہیں۔

ارتداد کی اقسام متعدد تھیں۔ کچھ وہ تھے جنھوں نے مکمل طور پر اسلام ترک کر دیا اور بت پرستی کی طرف لوٹ گئے۔ کچھ نے نبوت کا دعویٰ کر دیا تھا۔ کچھ نے نماز ترک کرنے کی دعوت دی۔ کچھ ایسے بھی تھے جو اسلام پر قائم رہے، نماز ادا کرتے تھے لیکن زکاۃ دینے سے انکاری ہو گئے۔ کچھ بدبخت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر خوشی سے پھولے نہ

[1] الأنعام: 117/6. [2] صحیح البخاري، حدیث: 4625، وصحیح مسلم، حدیث: 2860.
[3] حركة الردة للدكتور علي العتوم، ص: 110-137.

سمائے۔ انھوں نے دوبارہ جاہلیت کے طور طریقے شروع کر دیے۔ کچھ حیران و پریشان تھے۔ کچھ اس انتظار میں بیٹھے تھے کہ فتح کس گروہ کو ہوتی ہے تا کہ وہ غالب جماعت سے جا ملیں۔ علمائے فقہ اور سیرت نے ان سب کی وضاحت کی ہے۔[1]

امام خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''مرتدین کی دو اقسام تھیں۔ ایک قسم وہ تھی جس نے دین اسلام سے مکمل لاتعلقی اختیار کر کے دوبارہ کفر کو اپنا لیا۔ یہ قسم پھر دو گروہوں میں بٹ گئی۔ ایک گروہ بنو حنیفہ قبیلے کا تھا جس نے مسیلمہ کذاب کے دعوائے نبوت کی تصدیق کی اور اس کا پیروکار ہو گیا۔ اسی گروہ میں سے اہل یمن ہیں جو اسود عنسی کے پیروکار تھے۔ یہ گروہ نبی مکرم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے منکر اور جھوٹے نبیوں کی نبوت کے اقراری تھے۔ دوسرا گروہ ان لوگوں کا تھا جنھوں نے شریعت اسلامی کا انکار کر دیا، نماز اور زکاۃ کا انکار کر دیا اور تمام شرعی امور کی ادائیگی سے منکر ہو کر جاہلیت کی طرف لوٹ گئے۔

دوسری قسم وہ تھی جنھوں نے نماز اور زکاۃ میں فرق کیا۔ یہ نماز کے اقراری اور زکاۃ کے انکاری تھے۔[2] ان میں ایسے لوگ بھی شامل تھے جو زکاۃ ادا کرنا چاہتے تھے لیکن ان کے سرداروں نے انھیں زکاۃ دینے سے زبردستی روک دیا۔''[3]

امام خطابی رحمہ اللہ کی اس تقسیم کے قریب قریب ہی امام قاضی عیاض رحمہ اللہ کی تقسیم ہے لیکن انھوں نے مرتدین کو تین گروہوں میں تقسیم کیا ہے:

1. ایک گروہ بتوں کی عبادت کی طرف لوٹ گیا۔
2. دوسرا گروہ مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی کا پیروکار بن گیا۔ ان دونوں نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔
3. تیسرے گروہ نے زکاۃ دینے سے انکار کر دیا۔ انھوں نے یہ تاویل کی تھی کہ زکاۃ کی

[1] حركة الردة للدكتور علي العتوم، ص: 20. [2] شرح صحيح مسلم للنووي: 202/1.
[3] شرح صحيح مسلم للنووي: 203/1.

ادائیگی نبی مکرم ﷺ کے عہد کے ساتھ ہی خاص تھی۔ آپ ﷺ کی وفات کے بعد یہ حکم باقی نہیں رہا۔ [1]

دکتور عبدالرحمٰن بن صالح المحمود نے مرتدین کی چار اقسام بتائی ہیں:

1. کچھ لوگ بتوں کی پوجا کی طرف پلٹ گئے۔
2. کچھ لوگ جھوٹے نبیوں مسیلمہ کذاب، اسود عنسی اور سجاح وغیرہ کے پیروکار بن گئے۔
3. ایک گروہ وہ تھا جس نے زکاۃ کا انکار کر دیا۔
4. چوتھے گروہ نے زکاۃ کی فرضیت کا انکار تو نہیں کیا لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو زکاۃ دینے سے انکار کر دیا۔ [2]

عہد نبوی کے اواخر میں فتنۂ ارتداد

9 ھ عام الوفود ہی میں فتنۂ ارتداد کی ابتدا ہو چکی تھی۔ اسی سال جزیرۂ عرب نے اپنی قیادت رسول اللہ ﷺ کو سونپ دی تھی اور مختلف اطراف و اکناف سے قبائل اپنے رؤساء کی قیادت میں مدینہ منورہ آنے لگے تھے۔ اس دوران فتنۂ ارتداد وسیع پیمانے پر منظر عام پر نہیں آیا۔ حتیٰ کہ جب 10 ھ کا اخیر ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے اسی سال حج بھی ادا کیا۔ اس بنا پر 10 ھ حجۃ الوداع کا سال کہلاتا ہے۔ اس کے بعد مدینہ منورہ آ کر آپ ﷺ بیمار ہو گئے۔ آپ کی بیماری کی خبر لوگوں میں مشہور ہوئی تو اس دوران انگارۂ ارتداد شعلہ بننے لگا۔ فتنے کے سانپ بلوں سے سر نکالنے لگے اور جن کے دل بغض و حسد سے جل رہے تھے وہ بغاوت کی تیاریاں کرنے لگے، چنانچہ یمن میں اسود عنسی نے، یمامہ میں مسیلمہ کذاب نے اور طلیحہ اسدی نے اپنے علاقے میں علمِ بغاوت بلند کر دیا۔ [3]

اسود عنسی اور مسیلمہ کذاب کا خطرہ اسلام کے لیے زیادہ خطرناک تھا کیونکہ یہ دونوں

[1] فتح الباري:12/276. [2] الحكم بغير ما أنزل الله للدكتور عبدالرحمٰن المحمود، ص: 239. [3] حركة الردة للدكتور علي العتوم، ص: 65.

فتنۂ ارتداد میں بڑے سرگرم اور پرعزم تھے اور ان کے ذہن میں اسلام کی طرف واپسی کا کوئی پروگرام نہیں تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ انھیں بے پناہ افرادی اور مالی قوت بھی حاصل تھی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو ان دونوں کا انجام خواب میں دکھایا جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوگئیں اور آپ کے بعد آپ کی امت کو بھی دلی سکون ملا۔

ایک روز آپ ﷺ نے منبر پر تشریف فرما ہو کر خطاب فرمایا:

«رَأَيْتُ أَنَّ فِي ذِرَاعِي سِوَارَيْنِ مِنْ ذَهَبٍ، فَكَرِهْتُهُمَا فَنَفَخْتُهُمَا فَطَارَا، فَأَوَّلْتُهُمَا هٰذَيْنِ الْكَذَّابَيْنِ: صَاحِبَ الْيَمَنِ وَصَاحِبَ الْيَمَامَةِ»

''میں نے (خواب میں) اپنے ہاتھوں میں سونے کے دو کنگن دیکھے تو مجھے سخت ناگوار گزرا، میں نے انھیں پھونک ماری تو وہ غائب ہوگئے۔ میں نے اس کی تعبیر دو جھوٹے مدعیانِ نبوت کے ساتھ کی ہے۔ ایک یمن والا (اسود عنسی) اور دوسرا یمامہ والا (مسیلمہ کذاب)۔''[1]

اہل تعبیر علماء نے اس خواب کی یہ تعبیر کی ہے: ''رسول اللہ ﷺ کا انھیں پھونک مارنا اور ان کا اڑ جانا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ کذاب آپ کی پھونک سے مر جائیں گے کیونکہ آپ بنفس نفیس ان کے ساتھ لڑائی میں شریک نہیں ہوں گے۔ کنگن سونے کے تھے۔ اس کے معنی ہیں کہ یہ جھوٹے ہوں گے کیونکہ کنگنوں کی طرح یہ بھی ظاہری چمک دمک والے ہوں گے۔ کنگن سے مراد یہ ہے کہ یہ بادشاہ ہوں گے اور ہاتھوں میں دونوں کنگنوں کا ہونا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان کا معاملہ مسلمانوں کے لیے بڑا شدید ہوگا کیونکہ کنگن کلائی کو مضبوطی سے گھیر لیتا ہے۔''

ڈاکٹر علی عتوم نے اس کی تعبیر ان الفاظ میں کی ہے: ''ان کنگنوں کے اڑ جانے کا مطلب یہ ہے کہ ان کا مکروفریب بالآخر جھاگ کی طرح بیٹھ جائے گا۔ ان کا شوروغل

[1] مسند أحمد: 87/3، وصحيح البخاري، حديث: 3621، وصحيح مسلم، حديث: 2273.
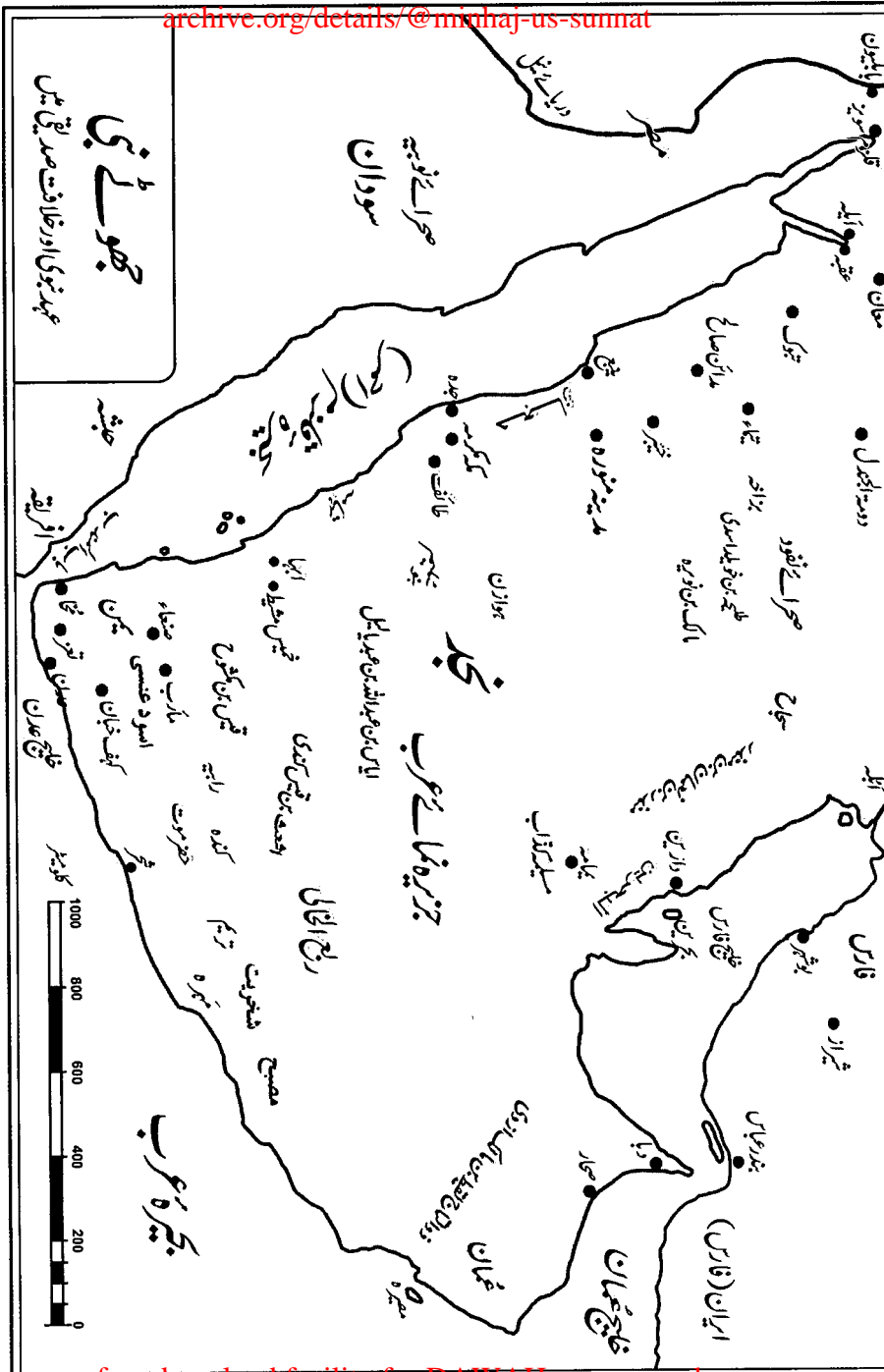
جھوٹے نبی
عہد نبوی اور خلافت صدیقی میں
جزیرہ نمائے عرب
نجد
ربع الخالی
بحیرۂ عرب
بحیرۂ قلزم (احمر)
سودان
صحرائے نوبیہ
مصر
دریائے نیل
بابلیون
قلزم سویز
ایلہ
عقبہ
معان
دومۃ الجندل
تبوک
تیماء
مدائن صالح
خیبر
ینبع
مدینہ منورہ
مکہ مکرمہ
جدہ
طائف
صحرائے نفود
بزاخہ
طلیحہ بن خویلد اسدی
مالک بن نویرہ
سجاح
ہوازن
یمامہ
مسیلمہ کذاب
دارین
بحرین
خلیج فارس
فارس
شیراز
بوشہر
بندر عباس
ایران (فارس)
خلیج عمان
دبا
صحار
عُمان
مصیرہ
ایاس بن عبد یالیل
ابہا
خمیس مشیط
اشعث بن قیس کندی
قیس بن مکشوح
رابیہ
کندہ
تریم
شخریت
مصبح
مہرہ
حضرموت
صنعاء
مأرب
اسود عنسی
یمن
کہف خبان
مخا
تعز
عدن
خلیج عدن
شحر
حبشہ
افریقہ
کلومیٹر
1000
800
600
400
200
0
نقشہ: 14

بہت ہوگا لیکن یہ ماند پڑ جائے گا کیونکہ ان کا مکرودجل شیطانی ہوگا۔ جو یقیناً کمزور ہے اور جہاد فی سبیل اللہ کا ایک تھپیڑا ہی اس کو جڑ سے اکھاڑنے کے لیے کافی ہے۔ کنگنوں کا سونے کا ہونا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ اپنے اس عمل سے دنیوی امارت وریاست کے خواہاں ہوں گے کیونکہ سونا اس فانی دنیا کے ساز و سامان کی طرف ایک اشارہ ہے جس کے پیچھے غافل بھاگم بھاگ چلے جارہے ہیں۔ کنگن سے یہ مراد ہے کہ دونوں مسلمانوں کو گھیرے میں لے لیں گے جس طرح کنگن کلائی کو گھیر لیتا ہے۔"[1]

مرتدین کے بارے میں صدیق اکبر کا موقف اور مدینہ کی حفاظت

مرتدین کے بارے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا موقف

جب فتنۂ ارتداد برپا ہوگیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ لوگوں کو خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی۔ پھر فرمایا:

«اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي هَدٰى فَكَفٰى وَ أَعْطٰى فَأَغْنٰى، إِنَّ اللّٰهَ بَعَثَ مُحَمَّدًا ﷺ وَالْعِلْمُ شَرِيدٌ وَّالْإِسْلَامُ غَرِيبٌ طَرِيدٌ، قَدْ رَثَّ حَبْلُهٗ وَخَلَقَ ثَوْبُهٗ وَ ضَلَّ أَهْلُهٗ مِنْهُ وَ مَقَتَ اللّٰهُ أَهْلَ الْكِتَابِ فَلَا يُعْطِيهِمْ خَيْرًا لِّخَيْرٍ عِنْدَهُمْ وَ لَا يَصْرِفُ عَنْهُمْ شَرًّا لِّشَرٍّ عِنْدَهُمْ وَ قَدْ غَيَّرُوا كِتَابَهُمْ وَ أَلْحَقُوا فِيهِ مَا لَيْسَ مِنْهُ وَالْعَرَبُ الْآمِنُونَ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ فِي مَنَعَةٍ مِّنَ اللّٰهِ، لَا يَعْبُدُونَهٗ وَلَا يَدْعُونَهٗ، فَأَجْهَدَهُمْ عَيْشًا وَّ أَضَلَّهُمْ دُنْيَا فِي ظَلَفِ الْأَرْضِ مَعْ مَا فِيهِ مِنْ

[1] حركة الردة للدكتور علي العتوم، ص:66.

سَحَابٍ، فَخَتَمَهُمْ بِمُحَمَّدٍ وَّ جَعَلَهُمُ الْأُمَّةَ الْوُسْطٰى وَ نَصَرَهُمْ بِمَنِ اتَّبَعَهُمْ وَ نَصَرَهُمْ عَلٰى غَيْرِهِمْ، حَتّٰى قَبَضَ نَبِيَّهٗ فَرَكِبَ مِنْهُمُ الشَّيْطَانُ مَرْكَبَهُ الَّذِي أَنْزَلَهٗ عَلَيْهِمْ وَ أَخَذَ بِأَيْدِيهِمْ وَ بَغٰى هَلَكَتَهُمْ ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ؕ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ وَ سَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ○﴾

إِنَّ مِنْ حَوْلِكُمْ مِّنَ الْأَعْرَابِ قَدْ مَنَعُوا شَاتَهُمْ وَ بَعِيرَهُمْ وَ لَمْ يَكُونُوا فِي دِينِهِمْ۔ وَ إِنْ رَّجَعُوا إِلَيْهِ۔ أَزْهَدَ مِنْهُمْ يَوْمَهُمْ هٰذَا وَ لَمْ تَكُونُوا فِي دِينِكُمْ أَقْوٰى مِنْكُمْ يَوْمَكُمْ هٰذَا، عَلٰى مُتَقَدِّمٍ مِّنْ بَرَكَةِ نَبِيِّكُمْ وَ قَدْ وَكَلَكُمْ إِلَى الْمَوْلَى الْكَافِي الَّذِي وَجَدَهٗ ضَالًّا فَهَدَاهُ وَ عَائِلًا فَأَغْنَاهُ: ﴿وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ○﴾ وَاللّٰهِ! لَا أَدَعُ أَنْ أُقَاتِلَ عَلٰى أَمْرِ اللّٰهِ حَتّٰى يُنْجِزَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَ يُوفِيَ لَنَا عَهْدَهٗ وَ يُقْتَلَ مَنْ قُتِلَ شَهِيدًا مِّنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَ يَبْقٰى مِنْهَا خَلِيفَتُهٗ وَ ذُرِّيَّتُهٗ فِي أَرْضِهٖ، قَضَاءُ اللّٰهِ الْحَقُّ وَ قَوْلُهُ الَّذِي لَا خِلْفَ لَهٗ: ﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۪ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِى ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ يَعْبُدُوْنَنِىْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِىْ شَيْـًٔا ؕ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ○﴾

''سب تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے ہدایت سے نوازا اور کافی ہو گیا۔

اس نے عطا کیا تو غنی کر دیا۔ بے شک علم غیر مانوس اور اسلام دھتکارے ہوئے مسافر کی طرح ہو چکا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ قبل از بعثت حالت یہ تھی کہ اسلام کی رسی بوسیدہ ہو چکی تھی۔ اس کے ماننے والے اس سے دور جا چکے تھے۔ اس کا عہد پرانا ہو چکا تھا۔ اللہ تعالیٰ اہل کتاب سے ناراض تھا، لہٰذا وہ ان کی کسی نیکی کی وجہ سے انھیں بھلائی نہیں پہنچاتا تھا اور ان میں موجود کسی برائی کی وجہ سے ان کی مصیبت دور نہیں کرتا تھا۔ انھوں نے اپنی کتابوں میں تحریف کر دی تھی۔ ان میں اپنی طرف سے اضافے کر دیے تھے۔ عرب بے خوف تھے۔ ان کا خیال تھا کہ انھیں حفاظت الٰہی حاصل ہے، حالانکہ وہ اس کی عبادت کرتے تھے نہ اس سے التجائیں کرتے تھے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ان کی گزران تنگ کر دی، انھیں خشک سالی میں مبتلا کر دیا اور ان کی زمینیں بنجر بنا دیں۔

پھر اللہ نے محمد ﷺ کے ذریعے سے ان کے سرکشوں کو ختم کر دیا اور انھیں بہترین امت بنایا۔ ان کی مدد کی اور انھیں ان کے مخالفین پر فتح دی۔ حتی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو اُٹھا لیا تو شیطان اپنی سواری پر سوار ہو کر ان پر اترا اور ان کے ہاتھ پکڑ کر انھیں ہلاک کرنا چاہا۔

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَاۡىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ؕ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ۝﴾

''اور محمد ایک رسول ہی تو ہیں، ان سے پہلے بہت سارے رسول گزر چکے ہیں اگر ان کا انتقال ہو جائے یا شہید ہو جائیں تو کیا تم اسلام سے اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے؟ اور جو کوئی اپنی ایڑیوں کے بل پھر جائے تو وہ اللہ کا کچھ بھی بگاڑ نہ سکے گا اور اللہ شکر کرنے والوں کو اچھی جزا دے گا۔''[1]

[1] آل عمرٰن 3:144۔

تمھارے گردوپیش کے اعرابیوں نے اپنی بکریاں اوراونٹ زکاۃ میں دینے سے انکار کردیا ہے۔ وہ اپنے دین میں آج سے زیادہ بے پروا کبھی نہ تھے۔ اور تم اپنے دین میں آج سے زیادہ طاقتور کبھی نہ تھے۔ یہ تمھارے نبی کی برکت ہے۔ اس نے تمھیں ایسے آقا کی کفالت میں دیا ہے جو کافی ہے اور جس نے اپنے نبی کو اس وقت راہ راست عطا فرمائی جب وہ اس راہ سے ناواقف تھے۔ اللہ نے انھیں محتاجی سے غنی کر دیا تھا۔

﴿ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ○ ﴾

''اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے، پھر اس نے تمھیں اس میں گرنے سے بچالیا۔ اللہ اسی طرح تمھارے لیے اپنی آیتیں بیان کرتا ہے شاید کہ تم ہدایت پاؤ۔''[1]

اللہ کی قسم! میں اللہ کے حکم کے مطابق اس وقت تک جہاد کرتا رہوں گا جب تک اللہ ہم سے اپنا وعدہ پورا نہ کردے اور جو جنت کا حقدار ہے وہ شہید نہ ہو جائے۔ اور یہ نہ ہو کہ خلیفہ اور اس کی اولاد جنت سے پیچھے رہ جائیں۔ اللہ کا فیصلہ برحق ہے۔ اس کے فرمان کے خلاف کبھی نہ ہوگا۔

﴿ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِى ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ يَعْبُدُوْنَنِىْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِىْ شَيْئًا ؕ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ○ ﴾

''جو تم میں سے ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے اللہ نے ان لوگوں سے وعدہ کیا ہے کہ وہ انھیں زمین میں ضرور خلافت دے گا۔ جیسے اس نے ان سے پہلے لوگوں کو خلافت دی تھی اور ان کے لیے ضرور ان کا وہ دین جمادے گا جو اس

[1] آل عمرٰن 3:103

نے ان کے لیے چنا اور یقیناً ان کی حالتِ خوف کو بدل کر وہ ضرور انھیں امن دے گا، وہ میری عبادت کریں گے، میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے اور جو کوئی اس کے بعد کفر کرے تو وہی لوگ فاسق ہیں۔‘‘ (1)

کچھ صحابۂ کرام نے جن میں حضرت عمر بھی تھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ وہ فی الحال مانعینِ زکاۃ کے خلاف جہاد نہ کریں بلکہ ان کی تالیف قلبی کریں حتی کہ ایمان ان کے دلوں میں راسخ ہو جائے اور وہ خود بخود زکاۃ ادا کرنے لگیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس رائے کو سختی سے مسترد کر دیا۔ (2)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ وفات پا گئے اور حضرت ابوبکر خلیفہ بنے تو عرب قبائل مرتد ہو گئے۔ اس موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا: آپ ان لوگوں سے کیسے جنگ کریں گے، جبکہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا:

«أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَقُولُوا: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، فَمَنْ قَالَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ فَقَدْ عَصَمَ مِنِّي مَالَهٗ وَنَفْسَهٗ إِلَّا بِحَقِّهٖ وَحِسَابُهٗ عَلَى اللّٰهِ»

’’مجھے لوگوں سے لڑائی کرنے کا حکم دیا گیا ہے جب تک کہ وہ لا الہ الا اللہ نہ کہہ لیں۔ پس جس شخص نے لا الہ الا اللہ کہہ لیا تو اس نے مجھ سے اپنا مال و جان محفوظ کر لیا، سوائے اسلام کے حق کے اور اس شخص کا حساب اللہ کے ذمے ہے۔‘‘

اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

«وَاللّٰهِ! لَأُقَاتِلَنَّ مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ الصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ، فَإِنَّ الزَّكَاةَ حَقُّ الْمَالِ، وَاللّٰهِ! لَوْ مَنَعُونِي عَنَاقًا كَانُوا يُؤَدُّونَهٗ إِلٰى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ لَقَاتَلْتُهُمْ عَلٰى مَنْعِهَا»

(1) النور 55:24. (2) البداية والنهاية: 315/6، البداية والنهاية: 315/6.

''اللہ کی قسم! میں اس شخص سے ضرور جنگ کروں گا جو نماز اور زکاۃ میں فرق کرے گا کیونکہ زکاۃ مالی حق ہے۔ اللہ کی قسم! اگر انھوں نے مجھے بکری کا وہ میمنا دینے سے بھی انکار کیا جو وہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں ادا کرتے تھے تو میں اس پر بھی ان سے جنگ کروں گا۔''

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

«وَاللّٰهِ! لَوْ مَنَعُونِي عِقَالًا كَانُوا يُؤَدُّونَهُ إِلٰى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ لَقَاتَلْتُهُمْ عَلٰى مَنْعِهِ»

''اللہ کی قسم! اگر انھوں نے اونٹ کو باندھنے والی وہ رسی ادا کرنے سے بھی انکار کیا جو وہ رسول اللہ ﷺ کو ادا کرتے تھے تو میں اس کی وصولی کے لیے بھی ان سے جنگ کروں گا۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ نے مانعین زکاۃ سے جنگ کے بارے میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کا سینہ کھول دیا تھا، پھر مجھے بھی یقین ہو گیا کہ حق بات یہی ہے۔''[1]

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: ''اللہ کی قسم! مرتدین سے جہاد کے معاملے میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ایمان ساری امت کے ایمان سے زیادہ مضبوط اور راجح تھا۔''[2]

اس طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس باہمی گفتگو کے ذریعے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایک اہم فقہی نکتہ سمجھا دیا جو ان کی نظر سے اوجھل تھا۔ وہ یہ کہ جس حدیث کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مانعین زکاۃ سے عدم جہاد کی دلیل کے طور پر پیش کیا وہی حدیث ان سے جہاد کے وجوب کی دلیل ہے اگرچہ وہ شہادتین کے اقراری ہوں۔ اور وہ دلیل آپ کا یہ ارشاد ہے:

«فَإِذَا فَعَلُوا ذٰلِكَ عَصَمُوا مِنِّي دِمَاءَ هُمْ وَ أَمْوَالَهُمْ إِلَّا بِحَقِّهَا»

---

[1] صحيح البخاري، حديث:6924، وصحيح مسلم، حديث : 20، و البداية والنهاية:6/315.

[2] حروب الردة لمحمد أحمد باشميل، ص:24.

”جب وہ یہ کلمہ کہہ لیں تو وہ مجھ سے اپنا مال اور جانیں محفوظ کرلیں گے، سوائے (اسلام کے) کلمے کے حق کے۔“ ①

درحقیقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا موقف الہامی تھا اور یہی موقف اسلام اور مسلمانوں کی مصلحت میں تھا، جبکہ اس کے برخلاف کوئی بھی موقف اختیار کرنے سے مسلمانوں کو ناکامی، خسارے اور ہزیمت کا سامنا کرنا پڑتا اور لوگ جاہلیت کی طرف لوٹ پڑتے۔ اگر اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ مضبوط موقف نہ ہوتا تو تاریخ کا پہیہ گھوم جاتا اور جاہلیت کا اس قدر دور دورہ ہو جاتا کہ زمین فساد سے بھر جاتی۔ ②

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی گہری اسلام فہمی، شدید غیرتِ دینی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہج سے مضبوط وابستگی ان کے ایک جملے سے عیاں ہے جو ان کے دل کی گہرائیوں سے نکلا اور ان کی زبان سے ادا ہوا۔ ان کا یہ ایک جملہ بڑے سے بڑے طویل و بلیغ خطاب اور ایک مفصل کتاب پر بھاری ہے۔ اس جملے سے مراد ان کا وہ ارشاد ہے جو انھوں نے اس وقت کہا جب مختلف قبائل نے زکاۃ کی ادائیگی بند کر دی تھی یا اس کی فرضیت ہی کے منکر ہوگئے تھے۔ آپ نے فرمایا:

«قَدِ انْقَطَعَ الْوَحْيُ وَتَمَّ الدِّينُ، أَيُنْقَصُ وَ أَنَا حَيٌّ؟»

”وحی کا سلسلہ منقطع ہو چکا۔ دینِ حنیف مکمل ہوگیا۔ کیا اب میری زندگی میں اس دین میں کمی کی جائے گی؟ (یہ ناممکن ہے)۔“ ③

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ”اے رسول اللہ کے خلیفہ! لوگوں کی تالیفِ قلبی کا سامان کریں اور ان سے نرمی سے پیش آئیں۔“ تو انھوں نے کہا:

«أَجَبَّارٌ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خَوَّارٌ فِي الْإِسْلَامِ؟ قَدِ انْقَطَعَ الْوَحْيُ وَ تَمَّ

① صحيح مسلم، حديث:21. ② الشورىٰ بين الأصالة والمعاصرة لعز الدين التميمي، ص:86.
③ المرتضى لأبي الحسن الندوي، ص:70.

الدِّينُ، أَيُنْقَصُ وَ أَنَا حَيٌّ؟»

”تم جاہلیت میں بڑے زور آور تھے، اب اسلام لانے کے بعد بزدل ہو گئے ہو؟ یقیناً وحی منقطع ہوگئی ہے۔ دین مکمل ہو چکا ہے۔ کیا اس میں میری زندگی ہی میں کمی کی جائے گی؟ (ہر گز ممکن نہیں)۔“ ①

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مرتدین سے جنگ کے لیے تمام صحابۂ کرام کا موقف غور سے سنا۔ پھر اپنا نقطۂ نظر وضاحت سے پیش کیا اور پھر ان سے جنگ کرنے پر تل گئے۔ انھوں نے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر ایک مضبوط فیصلہ کر لیا، پھر اس پر کاربند ہو گئے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ایک عظیم خلیفہ تھے۔ ان کی پوری زندگی اس بات کی دلیل ہے کہ انھوں نے کسی موقع پر تردد میں کبھی وقت ضائع نہیں کیا۔ ② مسلمانوں نے بھی ان کی اس صائب رائے کو صدق دل سے قبول کر کے اس پر عمل کیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تمام صحابۂ کرام سے بڑھ کر دقیق نظری، اعلیٰ فہم وفراست اور مضبوط دل کے حامل خلیفہ کی حیثیت سے اس شدید مصیبت اور جانکاہ حادثے کا دلیری سے سامنا کیا۔ ③

اسی لیے جناب سعید بن مسیّب رحمہ اللہ فرماتے تھے: ”حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سب صحابہ سے بڑھ کر فقیہ اور صاحبِ رائے تھے۔“ ④

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے احباب میں سب سے بڑھ کر صاحبِ بصیرت تھے۔ وہ اپنے محکم ایمان کی بدولت یہ نکتہ سمجھ گئے کہ زکاۃ کا حکم شہادتین کے حکم سے جدا نہیں ہوسکتا، لہٰذا ہر وہ شخص جو اللہ کی وحدانیت کا اقرار کرے، اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ مالی حق زکاۃ بھی ادا کرے کیونکہ مال دراصل اللہ تعالیٰ کا ہے اور زکاۃ ادا

① دلائل النبوة للبيهقي:477/2، و إحياء علوم الدين للغزالي:375/3. ② الشورىٰ بين الأصالة والمعاصرة لعز الدين التميمي، ص:87. ③ حركة الردة للدكتور علي العتوم، ص:165. ④ البدء والتاريخ للمقدسي:153/5.

کیے بغیر لا الہ الا اللہ کا کوئی وزن اور وقعت نہیں۔ زکاۃ کی وصولی کے لیے تلوار اٹھانا اسی طرح مشروع ہے جس طرح لا الہ الا اللہ کے دفاع کے لیے تلوار اٹھانا مشروع ہے۔ یہ دونوں فرائض برابر ہیں۔ یہی عین اسلام ہے۔ اس کے برعکس رائے اسلام کے خلاف ہے۔ [1]

کتاب اللہ کے ایک حکم پر عمل کرنے اور دوسرے کو ترک کر دینے والوں کو اللہ تعالیٰ نے شدید وعید سنائی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ○ ﴾

''کیا تم کتاب کے ایک حصے پر ایمان لاتے ہو اور دوسرے حصے کا انکار کرتے ہو؟ پھر تم میں سے جو شخص یہ کام کرے گا اس کی سزا اس کے سوا کوئی نہیں کہ رسوائی ہو دنیوی زندگی میں اور قیامت کے دن وہ سخت ترین عذاب کی طرف دھکیلے جائیں گے۔ اور تم جو عمل کرتے ہو اللہ اس سے غافل نہیں ہے۔'' [2]

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ موقف جس میں مفاہمت، سودے بازی یا پسپائی کا کوئی امکان نہ تھا، ایک الہامی موقف تھا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کے بعد اس درست موقف ہی کی بدولت دین اسلام کی بقا اور اسے اصلی اور حقیقی حالت میں رکھنے کا اہتمام ہوا۔ سب لوگ اس بات پر متفق ہیں اور تاریخ بھی شاہد ہے کہ باغی مرتدین کے عزائم اور اسلام کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کی سازشوں کے خاتمے کے لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا موقف انبیائے کرام اور رسل عظام علیہم السلام کی اقتدا پر مبنی تھا۔ آپ نے خلافت کا حق ادا کر دیا۔ یوں آپ مسلمانوں کی تعریف وتوصیف اور ان دعاؤں کے مستحق بنے جو تا قیامت جاری رہیں گی۔ [3]

[1] حياة أبي بكر لمحمود شلبي، ص: 123. [2] البقرة 2:85. [3] المرتضى لأبي الحسن الندوي، ص: 72.

مدینہ منورہ کی حفاظت کے لیے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی منصوبہ بندی

زکاۃ ادا نہ کرنے والے بعض قبائل کے وفود حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انھوں نے کوشش کی کہ آپ ان سے زکاۃ کی وصولی سے دست بردار ہوجائیں لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے موقف پر ڈٹ گئے۔ ان کے اٹل موقف کو دیکھنے کے بعد وہ لوگ واپس چلے گئے اور ان دو نتائج پر پہنچے:

* زکاۃ کی عدم ادائیگی پر کسی قسم کے مذاکرات کی کوئی گنجائش نہیں۔ اسلام کا حکم بالکل واضح ہے، اس لیے خلیفۃ المسلمین کی رائے میں بھی کسی لچک کی امید نہیں، خصوصاً اس حالت میں کہ مسلمانوں نے بھی مدلل وضاحت کے بعد ان کا بھرپور ساتھ دیا ہے۔
* مدینہ منورہ میں مسلمانوں کی قلیل تعداد ہے۔ اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اہلِ مدینہ پر ایک تباہ کن حملہ کرنا ضروری ہے تاکہ اسلامی حکومت اور اسلام کا خاتمہ کیا جاسکے۔[1]

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس قوم کی غداری کو بھانپ گئے۔ انھوں نے ان کی رذالت وکمینگی کو دیکھتے ہوئے اپنے ساتھیوں سے کہا:

«إِنَّ الْأَرْضَ كَافِرَةٌ وَّ قَدْ رَأٰى وَ فْدُهُمْ مِّنْكُمْ قِلَّةً وَّ إِنَّكُمْ لَا تَدْرُونَ أَلَيْلًا تُؤْتَوْنَ أَمْ نَهَارًا وَّ أَدْنَاهُمْ مِّنْكُمْ عَلٰى بَرِيدٍ وَّ قَدْ كَانَ الْقَوْمُ يَأْمُلُونَ أَنْ نَّقْبَلَ مِنْهُمْ وَ نُوَادِعَهُمْ وَ قَدْ أَبَيْنَا عَلَيْهِمْ وَ نَبَذْنَا إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ فَاسْتَعِدُّوا وَ أَعِدُّوا»

''بے شک ان کا علاقہ کافر ہوچکا ہے۔ ان کے وفد نے تمھاری کم تعداد نوٹ کرلی ہے۔ اب معلوم نہیں کہ یہ رات کو حملہ آور ہوتے ہیں یا دن کو؟ ان کافروں کا قریب ترین لشکر تم سے صرف ایک برید (28 کلومیٹر) کی مسافت پر ہے۔ ان

[1] تاريخ الدعوة إلى الإسلام للدكتور يسري محمد هاني، ص:280.

لوگوں کو امید تھی کہ ہم ان کا موقف تسلیم کر لیں گے اور ان سے صلح کر لیں گے مگر ہم نے ان کا موقف نہیں مانا اور ان کا معاہدہ توڑ ڈالا، لہٰذا تم جنگ کی تیاری کرو۔“ ①

بعد ازاں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے درج ذیل منصوبہ تشکیل دیا:

- اہل مدینہ کو حکم دیا کہ وہ رات مسجد نبوی میں بسر کریں تاکہ دفاع کے لیے مکمل طور پر تیار رہ سکیں۔
- مدینہ منورہ کے راستوں پر سیکورٹی گارڈ مقرر کیے جو رات وہاں گزاریں اور کسی بھی حملہ آور کو روک سکیں۔
- سکیورٹی فورسز پر حضرت علی، زبیر، طلحہ، سعد بن ابی وقاص، عبدالرحمٰن بن عوف اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کو علیحدہ علیحدہ امیر مقرر کیا۔
- مدینہ منورہ کے ارد گرد کے وہ قبائل جو اسلام پر ثابت قدم رہے تھے، انھیں پیغام بھیجا کہ وہ مدینہ منورہ کے دفاع اور مرتدین کے ساتھ جہاد کے لیے مدد بھیجیں، چنانچہ ان کے اس پیغام پر اسلم، غفار، مزینہ، اشجع، جہینہ اور کعب قبیلے نے لبیک کہا حتی کہ ان قبائل کے مجاہدین سے مدینہ منورہ بھر گیا۔ یہ مجاہدین اپنے ساتھ بہت سے اونٹ اور گھوڑے بھی لائے تھے جو انھوں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو سونپ دیے۔ ان قبائل کی کثیر تعداد اور بھاری رسد کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ اکیلے جہینہ قبیلے نے 400 مجاہدین گھوڑوں اور اونٹوں کی رسد سمیت مہیا کیے۔ حضرت عمرو بن مرہ رضی اللہ عنہ مسلمانوں کی مدد کے لیے 100 اونٹ لے کر حاضر ہوئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ اونٹ مسلمانوں میں تقسیم کر دیے۔ ②
- جو مرتدین مدینہ منورہ سے دور تھے اور ان کا فوری خطرہ نہ تھا، ان کے بارے میں یہ

① تاريخ الطبري:64/4. ② الثابتون على الإسلام أيام فتنة الردة للدكتور مهدي رزق الله، ص:21.

مدینہ منورہ کے داخلی راستے
الغابہ
مجمع الاسیال
زغابہ
بساتین
(باغات)
جبل احد
عین الشہداء
وادی قناۃ
السافلہ
بستی بنوحارثہ
خندق
ثنیۃ الوداع
بئر رومہ
مسجد قبلتین
مسجد فتح
اُحد کا راستہ
مسجد
بئر ابی ایوب
السُنح
بستی بنومعاویہ
مسجد اجابہ
مسجد بنوظفر
وادی العقیق
ینبع کا راستہ
بئر السقیا
باب عوالی
باب قباء
بستی بنوقینقاع
بستی بنوظفر
وادی مہزور
بستی بنوقریظہ
مسجد جمعہ
بئر غرس
قباء کا راستہ
بئر اریس
بئر عروہ
مکہ کا راستہ
قباء
مسجد قباء
باغات
دار سعد بن خیثمہ
دار کلثوم بن ہدم
وادی مذینب
بستی بنونضیر
قلعہ کعب بن اشرف
حرہ
ذوالحلیفہ
جبل عَیر

طریق عمل اختیار کیا کہ ان علاقوں کے مسلمان امراء کو خطوط لکھے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول مبارک تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے انھیں مرتدین سے جنگ کرنے کی ترغیب دی اور لوگوں کو امراء کا ساتھ دینے کا حکم دیا۔ اس کی مثال اہل یمن کو لکھا گیا خط ہے جہاں اسود عنسی نے ارتداد اختیار کیا تھا۔ آپ نے انھیں لکھا:

«أَمَّا بَعْدُ، فَأَعِينُوا الْأَبْنَاءَ عَلٰى مَنْ نَّاوَاهُمْ وَ حَوِّطُوهُمْ وَاسْمَعُوا مِنْ فَيْرُوزَ وَ جِدُّوا مَعَهٗ، فَإِنِّي قَدْ وَلَّيْتُهٗ»

''اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد! دشمنان اسلام کے خلاف ابناء[1] کی مدد کرو، دشمنوں کو گھیرے رکھو۔ فیروز کی اطاعت کرو اور اس کے ساتھ مل کر جدوجہد کرو، میں نے اسے امیر مقرر کیا ہے۔''[2]

اس خط کے بڑے مثبت اثرات نکلے۔ ایرانی عوام فیروز کی قیادت میں اٹھ کھڑے ہوئے۔ وہ اپنے عرب بھائیوں کی مدد کرنے لگے۔ انھوں نے مرتدین کو چاروں طرف سے گھیر لیا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے مکروفریب کو انھی پر لوٹا دیا اور یمن آہستہ آہستہ شاہراہ اسلام پر دوبارہ گامزن ہو گیا۔[3]

❀ وہ قبائل جو مدینہ منورہ کے قریب تھے اور ان کا خطرہ بھی فوری اور شدید تھا جیسے بنی عبس اور ذبیان تو ان کے ساتھ جنگ کیے بغیر کوئی چارہ نہ تھا، اگرچہ مدینۃ الرسول کے حالات سخت ناسازگار تھے۔ آپ نے مرتدین کے اچانک حملے سے بچاؤ کے لیے عورتوں اور بچوں کو قلعوں اور پہاڑوں کی گھاٹیوں میں پناہ گزین کر دیا اور خود اپنے لشکر سمیت مرتدین کے ساتھ جنگ کے لیے تیار ہو گئے۔[4]

[1] فارس کے امراء و شرفاء جو یمن میں متوطن ہو گئے تھے انھیں ابناء کہتے ہیں۔ [2] البدء والتاريخ للمقدسي: 157/5. [3] حركة الردة للدكتور علي العتوم، ص: 174. [4] حركة الردة للدكتور علي العتوم، ص: 174.

مدینہ منورہ میں مرتدین کی پسپائی

مرتدین کے وفود کے واپس جانے کے تین دن بعد اسد، غطفان، عبس، ذبیان اور بکر قبائل نے مدینہ منورہ پر چڑھائی کر دی۔ وہ کچھ لشکر ذی حسی مقام پر مدد کے لیے چھوڑ آئے تھے۔ مدینہ منورہ کے راستوں پر متعین سکیورٹی فورسز نے ان کی پیش قدمی کی خبر پا کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اطلاع دی۔ حضرت ابوبکر نے انھیں حکم دیا کہ تم وہیں رکو۔ وہ وہیں رک گئے۔ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مسجد میں موجود صحابہ کے ساتھ اونٹوں پر سوار ہو کر دشمنوں کی طرف بڑھے تو وہ فرار ہو گئے۔ مسلمانوں نے ان کا پیچھا کیا۔ جب وہ ذی حسی مقام پر پہنچے تو وہاں موجود مرتدین کی امدادی فوج مشکیزوں میں ہوا بھر کر باہر آئی۔ انھوں نے مشکیزوں کو رسیاں باندھی ہوئی تھیں۔ انھوں نے وہ مشکیزے مسلمانوں کے اونٹوں کے سامنے لڑھکا دیے جس سے مسلمانوں کے اونٹ بدک گئے (کیونکہ اونٹ مشکیزوں سے سخت خوفزدہ ہوتے ہیں) چنانچہ اونٹ اپنے سواروں سمیت بھاگ نکلے اور مدینہ منورہ پہنچ گئے، تاہم کسی مسلمان کو کوئی حادثہ پیش آیا نہ کوئی نیچے گرا۔

عبداللہ لیثی بیان کرتے ہیں: ''بنو عبد مناۃ کے مرتد بنو ذبیان نے ذی القصہ اور ذی حسی کے واقعے کے بارے میں درج ذیل اشعار کہے:

أَطَعْنَا رَسُولَ اللّٰهِ مَا كَانَ وَسْطَنَا ... فَيَالِعِبَادِ اللّٰهِ مَا لِأَبِي بَكْرِ

أَيُورِثُهَا بَكْرًا إِذَا مَاتَ بَعْدَهٗ ... وَ تِلْكَ لَعَمْرُ اللّٰهِ قَاصِمَةُ الظَّهْرِ

فَهَلَّا رَدَدْتُّمْ وَفْدَنَا بِزَمَامِهٖ ... وَ هَلَّا خَشِيتُمْ حَسَّ رَاغِيَةِ الْبَكْرِ

وَ إِنَّ الَّتِي سَأَلُوكُمْ فَمَنَعْتُمُ ... لَكَالتَّمْرِ أَوْ أَحْلٰى إِلَيَّ مِنَ التَّمْرِ

''جب تک رسول اللہ ہمارے درمیان موجود تھے ہم نے ان کی اطاعت کی، اے لوگو! ابوبکر کو کیا ہو گیا ہے؟ کیا وہ وفات پانے کے بعد اونٹوں کو وارث بنا جائے گا؟

اللہ کی قسم! یہ تو بہت بڑی مصیبت ہے۔ تم نے ہمارے وفد کو اونٹ کی مہار دے کر کیوں نہیں لوٹایا؟ کیا تمھیں نوجوان اونٹ کی بلبلاہٹ کی آواز کا ڈر نہیں تھا؟ بلاشبہ جو چیز انھوں نے تم سے طلب کی اور تم نے انکار کر دیا وہ میرے نزدیک کھجور جیسی بلکہ کھجور سے بڑھ کر میٹھی ہے۔''[1]

مرتدین نے خیال کیا کہ مسلمان اس وقت کمزور ہیں، لہٰذا انھوں نے ذی القصہ والوں کو بھی اطلاع بھیج دی۔ وہ ان کی اطلاع پر اعتماد کرتے ہوئے آ گئے۔ جبکہ وہ اللہ کے اس حکم کے بارے میں شعور ہی نہ رکھتے تھے جس کا اس نے ارادہ کیا تھا اور وہ چاہتا تھا کہ اسے ان میں پہنچا کر نافذ کر دے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رات بھر جنگ کی تیاری کرتے رہے، لوگوں کو جنگ کے لیے تیار کیا، پھر مکمل تیار ہو کر رات کے آخری حصے میں دشمن کی طرف چل پڑے۔ لشکر کے میمنہ (دائیں حصے) پر نعمان بن مقرن کو مقرر کیا۔ عبداللہ بن مقرن کو میسرہ (بائیں حصے) پر امیر مقرر کیا۔ ساقہ (پچھلے حصے) کا امیر سوید بن مقرن کو بنایا۔ انھی کے پاس خورونوش کے سامان سے لدے ہوئے اونٹ بھی تھے۔ طلوع فجر سے پہلے ہی یہ لشکر میدان کارزار میں پہنچ گیا۔ لیکن حملہ ہونے تک دشمنوں کو کوئی آہٹ سنائی دی نہ قدموں کی چاپ، لہٰذا رات کے آخری پہر ان سے لڑائی ہوئی اور سورج کی کرنیں طلوع ہونے سے پہلے ہی وہ شکست کھا کر بھاگ نکلے۔ مسلمانوں نے ان کے اکثر اونٹ قبضے میں کر لیے۔ طلیحہ اسدی کا بھائی حبال قتل ہو گیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ذی القصہ تک ان کا پیچھا کیا۔ اس طرح مرتدین کے خلاف مسلمانوں کو یہ پہلی فتح حاصل ہوئی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نعمان بن مقرن کی قیادت میں کچھ مجاہدین اس علاقے میں متعین کیے اور خود مدینہ منورہ آ گئے، اس طرح مشرکین کو بڑی ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑا۔

[1] تاریخ الطبری: 65/4

اس دوران بنوذبیان اور عبس قبائل نے اپنے علاقوں میں موجود مسلمانوں پر حملہ کر کے انھیں شہید کر دیا۔ ان کے اس فعل سے شہ پا کر دیگر قبائل نے بھی یہی کارروائی کی، چنانچہ وہاں کے مسلمانوں کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اس کارروائی کے نتیجے میں تکلیفیں اٹھانی پڑیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قسم کھائی کہ وہ مشرکین کو بری طرح قتل کریں گے اور جس جس قبیلے نے مسلمانوں کو شہید کیا ہے وہ ان کے بدلے میں زیادہ سے زیادہ مشرکین کو قتل کر کے دم لیں گے۔ [1]

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مسلمان شہداء کا بدلہ لینے کا مصمم ارادہ کیا اور دشمنان اسلام کو سبق سکھانے کا پروگرام بنایا۔ انھوں نے اپنے ارادے کو اس طرح عملی جامہ پہنایا کہ بقیہ قبائل میں موجود مسلمانوں کو اپنے دین پر ثابت قدم رہنے کا حوصلہ ملا اور مشرکین کو ذلت و رسوائی اور پسپائی کا سامنا کرنا پڑا۔ پھر مختلف قبائل کی زکاۃ مدینہ منورہ پہنچنی شروع ہوگئی۔ تین افراد رات کے وقت زکاۃ لے کر مدینہ منورہ پہنچے۔ پہلے شروع رات میں صفوان آئے، پھر آدھی رات کے وقت زبرقان آئے اور عدی آخر رات کو اپنی قوم کے صدقات لے کر حاضر ہوئے۔ [2] اس طرح ایک ہی رات میں چھ قبائل کی زکاۃ مدینہ منورہ پہنچی۔ جب بھی کوئی زکاۃ کا تحصیل دار مدینہ منورہ آتا تو لوگ کہنے لگتے: ''یہ کسی حملے سے ڈرانے والا ہے۔'' لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ فرماتے: «بَلْ بَشِيرٌ»

''نہیں۔ یہ خوش خبری دینے والا ہے۔''

واقعتاً لوگ دیکھتے کہ آنے والا اپنی قوم کے صدقات و زکاۃ لے کر حاضر ہوتا، پھر لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے عرض کرتے: ''آپ ہمیں بکثرت خوشخبریاں سناتے ہیں۔'' [3]

انھی خوشخبریوں اور بعض تعزیت ناموں اور زکاۃ کی وصولی کے دوران ہی حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کا لشکر کامیاب و کامران ہو کر مدینہ لوٹ آیا۔ اس سرفروش لشکر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

[1] تاريخ الطبري: 4/66. [2] تاريخ الطبري: 4/67. [3] تاريخ الطبري: 4/67.

کے تمام احکام و ہدایات کی تعمیل کی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وصیت کو پورا کر دکھایا۔ [1]

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسامہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں اپنا جانشین بنایا اور فرمایا:

«أَرِيحُوا وَأَرِيحُوا ظَهْرَكُمْ» ''تم بھی آرام کر لو اور تمھارے سپاہی بھی آرام کر لیں۔ اور اپنی سواریوں کو بھی آرام کا موقع دیں۔'' [2]

پھر آپ ذی القصہ جانے والے لشکر کے ساتھ روانہ ہوگئے اور شہر کی سکیورٹی فورس انھی سواریوں پر سوار ہوکر چلی گئی۔ اس موقع پر مسلمانوں نے عرض کیا: اے خلیفۂ رسول! ہم آپ کو اللہ کی قسم دیتے ہیں کہ آپ خود لشکر کے ساتھ نہ جائیں بلکہ اپنی جگہ ایک امیر بنا کر بھیج دیں۔ اگر وہ شہید ہوگیا تو آپ دوسرے آدمی کو امیر مقرر فرما دیں۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

«لَا وَاللّٰهِ! لَا أَفْعَلُ وَلَأُوَاسِيَنَّكُمْ بِنَفْسِي»

''اللہ کی قسم! میں ایسا ہرگز نہیں کروں گا۔ میں اپنی ذات کو تمھارے شانہ بشانہ رکھوں گا۔'' [3]

مرتدین سے لڑائی میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شخصیت کے اصلی جوہر خوب کھلے۔ آپ امت مسلمہ کے ایک ایسے نڈر لیڈر کی حیثیت سے سامنے آئے جو اپنی قوم کے لیے جان فدا کر دیتا ہے، چنانچہ مسلمانوں کے نزدیک خلیفہ اور قائد وہی ہوسکتا ہے جو اپنے اعمال میں ان کے لیے مثالی نمونہ ہو۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اس اسلوبِ سیاست کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمان دشمنوں سے جنگ کے لیے دلیر ہوگئے اور اپنے قائد کے احکام و ہدایات کی پوری مستعدی سے تعمیل کرنے لگے۔ [4]

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ذی القصہ اور ذی حسی کی طرف اپنے لشکر کے ساتھ نکلے تو حضرت

[1] الصديق أول الخلفاء للشرقاوي، ص: 75. [2] تاريخ الطبري: 37/4. [3] تاريخ الطبري: 67/4. [4] حركة الردة للدكتور علي العتوم، ص: 319.

نعمان، عبداللہ اور سوید رضی اللہ عنہم بدستور اپنے اپنے لشکروں کے امیر تھے۔ آپ ربذہ کے علاقے ابرق میں فروکش ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے حارث اور عوف قبیلے کو شکست سے دوچار کیا، حطیہ قید ہو گیا۔ بنو بکر اور بنو عبس فرار ہو گئے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ابرق کے علاقے میں کچھ دن تک ٹھہرے، جبکہ بنو ذبیان کے علاقے فتح ہو چکے تھے۔ آپ نے فرمایا:

«حَرَامٌ عَلٰی ذِبْیَانَ أَنْ یَّتَمَلَّکُوا هٰذِهِ الْبِلَادَ إِذْ غَنَمْنَاهَا اللّٰهُ وَ أَجْلَاهَا»

''اب جبکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ علاقہ غنیمت میں دے دیا ہے اور بنو ذبیان کو جلاوطن کر دیا ہے تو اب یہ علاقہ بنو ذبیان پر حرام ہے۔''

پھر جب مرتدین دوبارہ اسلام قبول کرنے لگے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے درگزر کرنا شروع کیا تو بنو ثعلبہ آ گئے۔ وہ اسی علاقے کے باشندے تھے۔ لیکن انھیں رہائش پذیر ہونے سے روک دیا گیا۔ کچھ عرصہ بعد وہ مدینہ منورہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھوں نے دریافت کیا: ''ہمیں کس بنا پر اپنے علاقوں میں رہائش پذیر ہونے سے روکا جا رہا ہے؟'' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

«کَذَبْتُمْ لَیْسَتْ لَکُمْ بِبِلَادٍ وَّ لٰکِنَّهَا مَوْهِبِي وَ نَقَذِي»

''تم جھوٹ بول رہے ہو۔ اب یہ علاقہ تمھارا نہیں رہا۔ اسے میں نے دشمنوں سے خالی کرایا ہے۔''

چنانچہ آپ نے ان کی بات نہ مانی اور ابرق کے علاقے کو مسلمانوں کے گھوڑوں کے لیے چراگاہ قرار دے دیا۔ بنو ثعلبہ کے ساتھ ساتھ ربذہ کے تمام علاقے عوام الناس کے مویشیوں کے لیے چراگاہ بنا دیے گئے، پھر ان تمام علاقوں کو مسلمانوں نے زکاۃ کے

جانوروں کے لیے بطور چراگاہ مختص کر دیا کیونکہ یہاں کے باشندوں اور زکاۃ لینے والے عمال میں کشمکش شروع ہوگئی تھی۔

زیاد بن حنظلہ ابرق کے دن کے بارے میں کہتا ہے:

وَ يَوْمٌ بِالْأَبَارِقِ قَدْ شَهِدْنَا عَلٰى ذِبْيَانَ يَلْتَهِبُ الْتِهَابَا

أَتَيْنَاهُمْ بِدَاهِيَةٍ نَّسُوفٍ مَّعَ الصِّدِّيقِ إِذْ تَرَكَ الْعِتَابَا

''اور ابرق کے دن ہم اس جنگ میں شریک ہوئے تھے۔ ذبیان پر جنگ شعلہ زن تھی۔ ہم نے ان پر سخت مصیبت طاری کر دی، جبکہ ہم صدیق رضی اللہ عنہ کے ہمراہ تھے اور صدیق نے بنو ثعلبہ کی غلطی معاف نہیں کی۔''[1]

اس طرح مسلمانوں نے صدیق اکبر کی سیرت سے یہ سبق سیکھا کہ ان کا جلیل القدر امیر دنیا کے کسی معاملے میں اپنی جان کو ان کی جانوں پر ترجیح نہیں دیتا بلکہ سب کے ساتھ یکساں طور پر برابر رہنا ہی پسند کرتا ہے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور دیگر خلفائے راشدین کے بعد مسلمانوں کے حالات اس وقت دگرگوں ہوئے جب انھوں نے امارت کو ذاتی جاہ وجلال، دنیوی منفعتوں کے حصول اور مضرتوں سے بچاؤ کا ذریعہ بنا لیا۔ انھوں نے اپنی جانوں کے بچاؤ کو ترجیح دی اور اپنے اپنے عہد کے ذرائع ابلاغ سے احکام جاری کرنے لگے۔ بعدازاں کنٹرول روم سے پیغامات نشر کرنے کا سلسلہ شروع ہوا اور حکام نے امت مسلمہ کے مختلف مسائل میں بذات خود شرکت کا سلسلہ قطعی ختم کر دیا۔[2]

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا بنفس نفیس تین بار مسلسل جہاد کے لیے نکلنا ایک عظیم قربانی اور جاں نثاری کی شاندار مثال ہے۔ مسلمانوں نے انھیں قسم دے کر مدینہ منورہ میں روکنا

[1] تاريخ الطبري 67/4. [2] حركة الردة للدكتور علي العتوم، ص:321.

چاہا اور عرض کیا کہ وہ کسی اور شخص کو لشکر کا قائد بنا کر بھیج دیں لیکن انھوں نے ان کی رائے قبول نہ کی اور فرمایا:

«لَا وَاللّٰهِ! لَا أَفْعَلُ وَ لَأُوَاسِيَنَّكُمْ بِنَفْسِي»

''اللہ کی قسم! میں تمھاری یہ بات نہیں مانوں گا بلکہ میں اپنی ذات کو تمھارے شانہ بشانہ ہی رکھوں گا۔''

یہ کلمات آپ کی تواضع اور مسلمانوں کے مفاد و مصلحت کے عظیم اہتمام کی دلیل ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ اپنے آپ کو دوسروں پر ترجیح نہیں دیتے تھے۔

اسی کی بدولت آپ دوسروں کے لیے صالح نمونہ بنے۔ مسلسل تین بار جہاد کے لیے آپ کا نکلنا وہ بھی اس وقت جب آپ ساٹھ سالہ بزرگ تھے قیادت وسیادت کی ایسی شاندار مثال تھی کہ اسے دیکھ کر دوسرے صحابۂ کرام میں زبردست حوصلہ اور ولولہ پیدا ہو گیا۔ (1)

ایک روایت میں ہے کہ ضرار بن ازور نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو طلیحہ اسدی کے لشکر کے جمع ہونے کی خبر دینے کے بعد کہا: ''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کسی کو چومکھی جنگ کا ماہر نہیں دیکھا۔ ہم آپ کو دشمن کی خبر دیتے تو آپ بڑے حوصلے کا مظاہرہ کرتے۔ یوں لگتا تھا جیسے ہم انھیں دشمن کی خبر نہیں بلکہ ان کے خیر خواہوں کی خبر دے رہے ہیں۔'' (2)

یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پختہ یقین اور اللہ تعالیٰ کے وعدے پر کامل ایمان کی شاندار دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء کو زمین میں غلبہ اور دشمنوں پر فتح عطا فرمانے کا جو وعدہ کیا ہے اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کامل یقین تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر بہت زیادہ اعمال کی بدولت فوقیت حاصل نہ تھی بلکہ وہ یقین و ایمان کے

(1) التاريخ الإسلامي للحميدي: 48/9. (2) التاريخ الإسلامي للحميدي: 48/9.

سب سے اونچے درجے پر فائز ہونے کی بدولت سب پر فوقیت لے گئے تھے۔ ①

یہ بھی مروی ہے کہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا گیا: ''آپ پر ایسے ایسے مصائب آپڑے ہیں کہ اگر وہ مضبوط پہاڑوں پر آپڑتے تو وہ ریزہ ریزہ ہوجاتے۔ اگر سمندروں پر آپڑتے تو ان کا پانی خشک ہوجاتا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ آپ کی شخصیت میں کوئی ضعف نہیں آیا؟'' تو انھوں نے فرمایا:

«مَا دَخَلَ قَلْبِي رُعْبٌ بَعْدَ لَيْلَةِ الْغَارِ، فَإِنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمَّا رَأٰى حُزْنِي قَالَ: لَا عَلَيْكَ يَا أَبَابَكْرٍ! فَإِنَّ اللّٰهَ قَدْ تَكَفَّلَ لِهٰذَا الْأَمْرِ بِالتَّمَامِ»

''غارِ ثور والی رات کے بعد کسی قسم کا کوئی رعب و دبدبہ میرے دل پر کبھی طاری نہیں ہوا کیونکہ جب رسول اللہ ﷺ نے میرا ملال دیکھا تو فرمایا: ''ابوبکر! پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، بے شک اللہ تعالیٰ نے ہمارے معاملے کی تکمیل کا ذمہ لیا ہے۔'' ②

اس طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو طبعی شجاعت کے ساتھ ساتھ دینی شجاعت بھی کما حقہ حاصل تھی۔ آپ کو اللہ تعالیٰ پر ناقابل تسخیر بھروسا تھا کہ یقیناً اللہ تعالیٰ انھیں اور مومنوں کو ضرور فتح یاب کرے گا۔

یہ شجاعت و بسالت صرف مضبوط دل والوں ہی کو نصیب ہوتی ہے۔ یہ ایمان کے اضافے کے ساتھ ساتھ بڑھتی ہے اور ایمان میں کمی کے ساتھ ساتھ کم ہوجاتی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تمام صحابۂ کرام میں سب سے بڑھ کر مضبوط دل والے تھے۔ ان کی اس خوبی میں دوسرا کوئی ان کا ہم پلہ نہ تھا۔ ③

① التاريخ الإسلامي للحميدي:9/48. ② أبوبكر الصديق أفضل الصحابة لمحمد بن عبد الرحمٰن، ص:69. ③ أبوبكر الصديق أفضل الصحابة لمحمد بن عبد الرحمٰن، ص:70.

مرتدین پر ہمہ گیر حملہ

مرتدین کے مقابلے اور جہاد کے لیے متعدد طریقے اور وسائل اختیار کیے گئے۔ اسلام پر ثابت قدم رہنے والوں نے اپنی اپنی قوموں کے مرتدوں کے مقابلے میں اہم کردار ادا کیا۔ بعض ثابت قدم مسلمانوں نے اپنی قوم کو وعظ ونصیحت کی اور انھیں ان کے خطرناک اقدام کی ہولناکی سے آگاہ کیا۔ پہلا قدم باہمی گفت وشنید کی سطح پر اٹھایا گیا۔ گفت وشنید کا قدم کبھی کمزور ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اس کے پس پشت اس کی تصدیق کے لیے قوی اقدامات آرہے ہوتے ہیں۔ بعض اوقات باہمی گفت وشنید میں سچ کی گواہی کے طور پر قربانی بھی دینی پڑتی ہے تاکہ سچی بات کی اہمیت مزید بڑھ جائے۔ لہٰذا ہر اس قبیلے میں جس میں ارتداد کی وبا پھوٹی تھی اس کے ثابت قدم مسلمانوں نے اپنے ایمان ویقین کا بھرپور مظاہرہ کیا۔ اسی گروہ نے اپنی قوم کے فعل کو باطل قرار دیا اور اپنی قوم کو برے نتائج سے بچانے کے لیے بھرپور کوششیں کیں۔ لیکن ان کی قوم نے ان کوششوں کے مقابلے میں ان کا مذاق اڑایا، پھر انھی مصلحین کو انھوں نے اپنے علاقوں سے جلاوطن کیا اور بعض حضرات کو قتل بھی کردیا، البتہ چند ایک مصلحین اپنی کوششوں میں کامیاب بھی ہوگئے، جیسا کہ حضرت عدی بن حاتم اور جارود کی اہل بحرین کے بارے میں کامیابی سے ظاہر ہوتا ہے۔[1]

جب کچھ مسلمان مذاکرات کے ذریعے سے کامیاب نہ ہوسکے تو وہ ثابت قدم مسلمانوں کے گروہوں میں شامل ہوگئے اور اکٹھے ہوکر مرتدین کے خلاف ڈٹ گئے۔

اس طرح بہت سے اقدامات مذاکرات ہی سے شروع ہوئے، پھر عملی اقدامات کیے گئے جیسا کہ بنی سلیم کے ثابت قدم لوگوں نے کیا۔ انھیں ان کی قوم نے ڈرایا تو وہ دو

[1] دراسات في عهد النبوة والخلافة الراشدة للشجاع، ص: 313، 314.

گروہوں میں بٹ گئے۔ ثابت قدم مسلمان اور مرتدین۔ پھر ثابت قدم مسلمانوں نے جمع ہوکر مرتدین کے خلاف جد و جہد کی۔ اہل یمن نے اسود عنسی کو خفیہ طریقے سے قتل کرنے کی کوشش کی۔ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔ یہ اس وقت ہوا جب وہ اسود عنسی کو گرفتار کرنے میں ناکام ہوگئے، اسی طرح مسعود یا مسروق قیسی ابن عابس کندی نے بھی اشعث بن قیس کو ارتداد سے باز آنے کی نصیحت کی۔ ان دونوں کے درمیان طویل بات چیت اور باہمی دھمکیوں کا سلسلہ چلتا رہا۔

بعض مسلمانوں کی کوششیں ان کی قوم کو ارتداد سے بچانے کے لیے کار آمد ثابت ہوئیں یا کم از کم فتنۂ ارتداد کو ختم کرنے کے لیے آنے والے اسلامی لشکروں کی مشکلات کو آسان کرنے کے کام آئیں۔ [1]

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مرتدین کے خلاف اپنی حکمت عملی میں اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسا کیا، پھر پورے جزیرۂ عرب میں پھیلے ہوئے مختلف قبائل سے ثابت قدم رہنے والے قائدین، افراد اور قبائل کی قوت سے فائدہ اٹھایا۔ فتنۂ ارتداد کو جڑ سے اکھاڑنے میں ان لوگوں نے نہایت اہم رول ادا کیا۔

بعض مؤلفین نے فتنۂ ارتداد پر کتب لکھتے وقت فحش غلطیاں کی ہیں کیونکہ انھوں نے اس فتنے کا دقیق نظری اور مکمل تحقیق و تفتیش سے احاطہ نہیں کیا بلکہ اسے ایک فرضی یا جزوی مسئلے کے طور پر بیان کیا ہے۔ [2]

یہ فتنہ جغرافیائی لحاظ سے کسی ایک مخصوص مکمل علاقے میں برپا نہیں ہوا بلکہ جن علاقوں میں فتنہ برپا ہوا ان میں بھی کئی قبائل، عمائدین اور افراد دین اسلام پر مضبوطی سے قائم رہے۔ [3]

ڈاکٹر مہدی رزق اللہ احمد نے اس فتنے کا عمیق مطالعہ کیا ہے اور پوری ریسرچ کے

---

[1] دراسات في عهد النبوة والخلافة الراشدة للشجاع، ص:314. [2] الثابتون على الإسلام للدكتور مهدي رزق الله، ص:4. [3] الثابتون على الإسلام للدكتور مهدي رزق الله، ص:4.

بعد اس سوال کا جواب دیا ہے کہ کیا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں تمام عرب قبائل، ان کے عمائدین اور افراد مرتد ہو گئے تھے یا یہ فتنہ چند قبائل، چند قائدین اور افراد تک محدود تھا؟ انھوں نے اپنی تحقیق کے بعد یہ جواب دیا ہے: ''وہ مصادر جن کا میں تذکرہ کر چکا ہوں ان سب سے یہی حقیقت سامنے آتی ہے کہ مجھے ان مصادر میں ایسی کوئی دلیل نہیں ملی کہ عہد صدیقی میں تمام عرب قبائل، ان کے سردار اور افراد مکمل طور پر مرتد ہو گئے تھے، جیسا کہ بعض مؤلفین نے لکھا ہے۔''[1]

تحقیق کرنے سے پتا چلا ہے کہ اسلامی حکومت نے پورے جزیرۂ عرب میں اسلام پر قائم رہنے والے قبائل، عمائدین اور ان کی قوم پر زبردست اعتماد کیا۔ اور یہی لوگ مرتدین کے فتنے کو ختم کرنے میں اسلامی حکومت کے سب سے بڑے مددگار بنے۔[2]

اسلامی حکومت کا باقاعدہ مقابلہ

مرتدوں کو ناکام کرنے کی حکمت عملی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرتدین کو ناکام کرنے کے لیے یہ حکمت عملی اختیار کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدعیانِ نبوت کے قبائل میں موجود ثابت قدم رہنے والوں کو خطوط اور پیغامبر روانہ کیے تاکہ ان کی ایک جماعت تشکیل دی جائے جو مرتدین کے ساتھ جنگ کرے گی۔

[1] التاريخ السياسي للدولة العربية للدكتور عبدالمنعم ماجد، ص: 146، والتاريخ الإسلامي العام الجاهلية، الدولة العربية، الدولة العباسية لعلي إبراهيم حسن، ص: 219، وتاريخ الدولة العربية للسيد عبدالعزيز السالم، ص: 432، وجولة تاريخية في عصر الخلفاء الراشدين للدكتور محمد السيد الوكيل، ص: 21، و الخلفاء الراشدون لمحمد أسعد طلس، ص: 20، و أبوبكر الصديق لعلي الطنطاوي، ص: 16، وإتمام الوفاء في سيرة الخلفاء لمحمد الخضري، ص: 21، وعصر الصديق لشبير أحمد محمد علي الباكستاني، ص: 159، وظاهرة الردة في المجتمع الإسلامي الأول لمحمد بريغش، ص: 101,100، والصديق أبوبكر لمحمد حسين هيكل، ص: 173.

[2] الثابتون على الإسلام للدكتور مهدي رزق الله، ص: 19.

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی اسی منہج پر چلے۔ انھوں نے اپنی مکمل کوشش کی کہ وہ مرتدین کے فتنے کو ختم کر دیں، چنانچہ آپ نے ان کے خلاف لوگوں کو تیار کیا۔ مرتدین کو ناکام بنانے کے لیے پلان بنائے اور دیگر لوگوں کو اس سے ڈرایا۔ ثابت قدم رہنے والے مسلمانوں سے رابطہ کر کے مرتدین کے خلاف جنگ کے لیے لشکر تیار کیا۔ آپ نے امت سے وعدہ کیا کہ لشکر اسامہ کی واپسی کے بعد مرتدین کا ڈٹ کر مقابلہ کیا جائے گا، چنانچہ آپ نے مرتدین کے عمائدین اور ثابت قدم رہنے والے مسلمانوں کے ساتھ روابط رکھے تاکہ لشکر اسامہ کی آمد تک وقت گزارا جا سکے۔ آپ نے اہل یمن اور ان دیگر لوگوں کو بھی خطوط لکھے۔ جنھیں رسول اللہ اپنی حیاتِ مبارکہ میں خطوط لکھ چکے تھے تاکہ ثابت قدم مسلمان دعوت و تبلیغ میں اپنی کوششیں جاری رکھیں۔ آپ نے انھیں ایک خاص علاقے میں تا حکم ثانی جمع ہونے کا حکم دیا۔ یہ پلان آئندہ کے عسکری منصوبے کی پیش بندی کے لیے تھا۔[1]

اللہ تعالیٰ کی توفیق سے بعض ثابت قدم رہنے والے مسلمان اپنی زکاۃ لے کر مدینہ منورہ پہنچے جیسا کہ حضرت عدی بن حاتم طائی اور زبرقان بن بدر تمیمی نے کیا،[2] اسی طرح کچھ ثابت قدم مسلمانوں نے قیس بن مکشوح مرادی کی تحریک کو ناکام بنا دیا، اسی طرح تہامہ، نجران اور سراۃ وغیرہ کے بعض مرتد گروہوں کو ختم کر دیا گیا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اس حکمت عملی سے جو نتائج برآمد ہوئے ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

- حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا پلان مسلمانوں کو منظم کرنے، ان تک اسلامی دعوت پہنچانے اور انھیں مضبوط بنانے میں کامیاب رہا اور مرتدین کی رسوائی ہوئی۔ اس سے آئندہ کے

[1] دراسات في عهد النبوة والخلافة الراشدة للشجاع، ص: 319. [2] دراسات في عهد النبوة والخلافة الراشدة للشجاع، ص: 319.

لیے منظّم اور مسلح جد و جہد کی راہ ہموار ہوگئی۔

- اس طریقے سے ثابت قدم رہنے والے مسلمانوں کی تعلیم و تربیت کا مقصد بھی پورا ہوگیا۔ یہی لوگ بعد میں ہونے والی اسلامی فتوحات میں قیادت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ جیسا کہ حضرت عدی بن حاتم طائی رضی اللہ عنہ ہیں جو کہ عراق کو فتح کرنے والے قائدین میں شمار ہوتے ہیں۔
- حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کچھ فورسز کو بعض حدود پر تعینات کردیا تاکہ وہ دشمن کے خلاف پیش قدمی کرنے والے لشکروں کا حصہ بن سکیں۔

منظّم لشکروں کی یلغار

جب دو ماہ یا چالیس دنوں کے بعد حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کا لشکر واپس مدینہ منورہ پہنچا اور انھوں نے تھکن دور کرنے کے لیے آرام کرلیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ صحابہ کرام کو ساتھ لے کر ذی القصہ کی طرف روانہ ہوئے جو مدینہ منورہ سے ایک دن کی مسافت پر تھا۔ آپ سرکش اور باغی مرتدین سے جنگ کے ارادے سے نکلے تھے۔ صحابۂ کرام نے انھیں مشورہ دیا کہ وہ مدینہ منورہ لوٹ جائیں اور اپنی جگہ کسی اور کمانڈر کو روانہ کریں تاکہ آپ امت اسلامیہ کے امور چلاسکیں۔ اس بارے میں ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میرے والد بزرگوار تلوار سونت کر اپنی اونٹنی پر سوار ہوئے اور وادی ذی القصہ کی طرف چل پڑے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے۔ انھوں نے ان کی سواری کی لگام تھام لی اور عرض کیا: ''اے رسول اللہ کے خلیفۂ محترم! آپ کدھر چلے؟ میں آپ سے وہی کلمات کہتا ہوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ احد والے دن آپ سے کہے تھے۔[1] تلوار نیام

[1] اس سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ الفاظ تھے جو آپ نے اس وقت کہے تھے جب ابوبکر رضی اللہ عنہ غزوۂ احد میں اپنے بیٹے عبدالرحمٰن سے مقابلے کے لیے میدان میں آنا چاہتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: ''اپنی تلوار کو نیام میں ڈال لیں اور اپنی جگہ واپس چلے جائیں۔'' دیکھیے: المغازي للواقدي: 1/257)

فتنۂ ارتداد کی جنگیں
خلافتِ ابوبکر رضی اللہ عنہ
(11ھ)
نقشہ: 16
جزیرہ نمائے عرب
بحیرۂ عرب
بحیرۂ قلزم
خلیج عُمان
خلیج فارس
ایران (فارس)
فارس
صحرائے نفود
صحرائے نوبیہ
سودان
مصر
ربع الخالی
نجد
عُمان
مدینہ منورہ
ینبع
خیبر
مدائن صالح
تیماء
تبوک
دومۃ الجندل
قضاعہ
ودیعہ
معان
عقبہ
ایلہ
سویز
بابلیون
بزاخہ
طلیحہ بن خویلد اسدی
مالک بن نویرہ
بطاح
نطاۃ
سجاح
دارین
بحرین
یمامہ
مسیلمہ کذاب
ہوازن
مکہ
جدہ
طائف
خمیس مشیط
ابہا
نجران
بنو خولان
مأرب
صنعاء
یمن
تعز
عدن
مخا
کہف خبان
شحر
حضرموت
کندہ
رابیہ
تریم
مہرہ
مصیرہ
صحار
دبا
بندر عباس
بوشہر
شیراز
اُبلّہ
افریقہ
کلومیٹر

فتنۂ ارتداد کی جنگیں

گیارہ لشکروں کی تفصیل (نقشہ میں دیے گئے نمبر شمار کی مدد سے)

نمبر شمار	امیر لشکر	لشکر کی سمت
1	حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ	انھیں بزاخہ کی طرف بھیجا گیا جہاں طُلیحہ بن خویلد اسدی موجود تھا۔ پھر وہ بطاح گئے جہاں مالک بن نویرہ کی سرکوبی مقصود تھی۔ پھر یمامہ گئے جہاں مسیلمہ کذاب کا مرکز تھا۔
2	حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ بن ابی جہل	پہلے یمامہ کی طرف مسیلمہ کذاب کے مقابلہ کے لیے گئے۔ ان کو احتیاطاً بھیجا گیا تھا تا کہ یمامہ میں بڑی جنگ کے لیے تیاری کی جا سکے۔ اصل معرکہ حضرت خالد بن ولید کے ذمے تھا۔ حضرت عکرمہ کے ساتھ دو ہزار جنگجو تھے۔ پھر وہ عُمان کی طرف گئے جہاں ذوالتاج لقیط بن مالک ازدی کی سرکوبی مقصود تھی۔
3	حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ	یہ تبوک اور دومۃ الجندل گئے جہاں قضاعہ، ودیعہ اور حارث کے قبائل تھے۔
4	شُرَحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ	یہ حضرت عکرمہ کے بعد احتیاطاً یمامہ بھیجے گئے تا کہ مسیلمہ کذاب سے فیصلہ کن لڑائی لڑی جا سکے۔ پھر وہ حضرموت گئے۔
5	خالد بن سعید بن عاص رضی اللہ عنہما	انھیں شامی سرحد پر حمقتین کی طرف بھیجا گیا۔
6	طریفہ بن حاجز رضی اللہ عنہ	انھیں مکہ اور مدینہ کے مشرق میں ہوازن اور بنوسلیم کی سرکوبی کے لیے بھیجا گیا۔
7	علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ	انھیں بحرین کی طرف بھیجا گیا جہاں مغرور منذر بن نعمان بن منذر کی سرکوبی مقصود تھی۔
8	حذیفہ بن محصن غلفانی رضی اللہ عنہ	ان کو عمان میں ذوالتاج لقیط بن مالک ازدی کی طرف بھیجا گیا، پھر وہ مہرہ، حضرموت اور یمن گئے۔
9	عرفجہ بن ہرثمہ بارقی رضی اللہ عنہ	ان کو پہلے عمان، پھر مہرہ، حضرموت اور یمن بھیجا گیا۔
10	مہاجر بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ	ان کو یمن بھیجا گیا جہاں اسود عنسی کے کچھ حامی باقی تھے۔ پھر انھیں کندہ اور حضرموت کی طرف بھیجا گیا۔
11	سُوید بن مقرن مزنی رضی اللہ عنہ	انھیں تہامہ (یمن) اور بحر احمر کے ساحل کی طرف بھیجا گیا۔

نقشہ: 17

میں ڈال لیں اور اپنی جان قربان کر کے ہمیں اذیت میں نہ ڈالیں۔ اللہ کی قسم! اگر آپ شہید ہو گئے تو آپ کے بعد اسلامی نظام حکومت قائم نہیں رہ سکے گا" چنانچہ آپ واپس آ گئے۔ [1]

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے لشکر اسلامی کو گیارہ حصوں میں تقسیم کیا، ہر گروپ کا ایک مخصوص جھنڈا تھا اور جداگانہ امیر مقرر تھا۔ [2] آپ نے ہر امیر کو حکم دیا کہ تم جن بستیوں سے گزرو وہاں سے مسلمانوں کو اپنے ساتھ جنگی لشکر میں شامل کرتے جاؤ۔ وہ لشکر درج ذیل ہیں:

- حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا لشکر جنھیں پہلے بنی اسد، پھر تمیم اور پھر یمامہ کی طرف روانہ کیا گیا۔
- حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کا لشکر بنی حنیفہ کے مسیلمہ کذاب کی طرف بھیجا گیا، پھر بالترتیب عمان، مہرہ، حضر موت اور یمن کی طرف بھیجا گیا۔
- حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے حضرت شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کا لشکر یمامہ اور حضر موت بھیجا گیا۔
- ہوازن قبیلے کی شاخ بنو سلیم کی سرکوبی کے لیے طریفہ بن حاجز رضی اللہ عنہ کو لشکر دے کر روانہ کیا گیا۔
- قضاعہ قبیلے کی جانب عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی قیادت میں لشکر بھیجا گیا۔
- شام کی سرحدوں پر خالد بن سعید بن عاص رضی اللہ عنہما کی قیادت میں لشکر بھیجا گیا۔
- حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کا لشکر بحرین روانہ ہوا۔
- حضرت حذیفہ بن محصن غلفانی رضی اللہ عنہ کو عمان بھیجا گیا۔
- حضرت عرفجہ بن ہرثمہ کو مہرہ روانہ کیا گیا۔
- حضرت مہاجر بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ کو یمن، یعنی صنعاء اور حضر موت بھیجا گیا۔
- سوید بن مقرن رضی اللہ عنہ کو تہامۃ الیمن بھیجا گیا۔ [3]

[1] البداية والنهاية: 319/6. [2] التاريخ الإسلامي للحميدي: 49/9. [3] تاريخ الطبري: 68/4، ودراسات في عهد النبوة والخلافة الراشدة للشجاع، ص 321

اس طرح وادی ذی القصہ کو ہیڈ کوارٹر بنایا گیا جہاں سے اسلامی لشکر مرتدین کی سرکوبی کے لیے مختلف علاقوں میں روانہ کیے گئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا پلان ان کی حیرت انگیز جنگی ذہانت اور جغرافیہ دانی کی مہارت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ [1]

لشکروں کی تقسیم اور علاقوں کی تحدید سے یہ بات خوب واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جزیرۂ عرب کے زمینی خدوخال، قبائلی گروہوں کی جزئیات اور نقشے سے پوری طرح باخبر تھے۔ آپ کو کماحقہ مواصلاتی آگہی حاصل تھی۔ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے جنگی کنٹرول روم میں آپ کے سامنے جزیرۂ عرب کا نقشہ تھا اور آپ جدید ترین آلات و وسائل سے اپنی فوج کی رہنمائی کر رہے تھے۔ جو شخص اسلامی لشکروں کی پیش قدمی، ان کے اجتماع اور روانگی یا آمد کے بعد ان کے اجتماع پر غور کرے گا، وہ فوراً سمجھ جائے گا کہ جزیرۂ عرب کے کناروں کو کتنے شاندار، مثالی، قابل عمل اور صحیح ترین طریقے سے کیموفلاج کیا گیا تھا۔ صرف یہی نہیں بلکہ اسلامی لشکروں کے ساتھ بھرپور رابطہ ہر وقت موجود تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ہر لمحے خبر ہوتی تھی کہ ان کا لشکر اس وقت کہاں ہے، اس کی پیش قدمی اور ضروریات کی ہر خبر انھیں ملتی رہتی تھی۔ نہایت سبک رفتار سسٹم کے ذریعے محاذ کی خبریں ہیڈ آفس مدینہ منورہ پہنچتی رہتی تھیں۔ اس طرح آپ اسلامی لشکروں کے ساتھ مسلسل رابطے میں رہتے تھے۔

محاذ جنگ سے ہیڈ کوارٹر میں رپورٹیں دینے اور محاذ پر امیر لشکر تک احکام پہنچانے کا کام کرنے والوں میں حضرت ابوخیثمہ نجاری انصاری، سلمہ بن سلامہ، ابوبرزہ اسلمی اور سلمہ بن وقش رضی اللہ عنہم کے نام قابل ذکر ہیں۔ [2]

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے روانہ کردہ لشکر باہم متحد و متفق تھے۔ یہ اسلامی حکومت کی ایک

[1] دراسات في عهد النبوة و الخلافة الراشدة للشجاع، ص:321. [2] في التاريخ الإسلامي للدكتور شوقي أبو خليل، ص:227،226.

اہم کامیابی تھی۔ ان لشکروں نے عمدہ نظم ونسق اور اعلیٰ قائدانہ صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ جنگی مہارت کا بھی شاندار مظاہرہ کیا۔ ان لشکروں کو رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں جزیرۂ عرب میں روانہ ہونے والے لشکریوں کی جنگی مہارت نے چار چاند لگا دیے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا جنگی سسٹم جزیرۂ عرب کے ہر سسٹم پر غالب تھا۔[1] ان تمام لشکروں کے چیف کمانڈر سیف اللہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ تھے جنھوں نے مرتدین سے جنگوں اور فتوحات اسلامیہ میں شاندار ذہانت اور مہارت کے جوہر دکھائے۔ لشکروں کی تقسیم جنگی نقطۂ نظر کے مطابق کی گئی تھی جس کا مقصد مرتدین کی سرکوبی تھا، چونکہ مرتدین تمام علاقوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ ان کی جماعت تھی نہ ان کا کوئی اتحاد تھا۔ ہوتا بھی کیسے؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انھیں اس قسم کی شورش برپا کرنے کا موقع ہی نہیں دیا۔ مرتدین کو مسلمانوں کی قوت کا اندازہ ہی نہیں تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ ہم چند مہینوں میں مسلمانوں کا خاتمہ کر دیں گے، اسی لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فیصلہ کر لیا کہ ان کے باطل پر اکٹھے ہونے سے پہلے پہلے ہی انھیں اچانک حملے کر کے ختم کر دیا جائے[2] اور ان کی قوت کا شیرازہ بکھیر دیا جائے، چنانچہ اس فتنے کے سر اٹھانے سے پہلے ہی انھیں گھیر لیا گیا۔ یوں انھیں کھل کھیلنے کا وہ موقع ہی نہیں دیا گیا جس سے فائدہ اُٹھا کر وہ اسلامی نظام کو کوئی گزند پہنچا سکتے۔

کسی دانا کا شعر ہے:

لَا تَقْطَعَنَّ ذَنَبَ الْأَفْعٰی وَ تُرْسِلَهَا   إِنْ كُنْتَ شَهْمًا فَأَتْبِعْ رَأْسَهَا الذَّنَبَا

''اژدھے کی دم کاٹ کر اسے جانے نہ دو، اگر تم صاحب بصیرت ہو تو پہلے اس کا سر کچلو اور بعد میں دم۔''[3]

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس فتنے کے حجم، گہرائی اور خطرے کو پوری طرح بھانپ لیا تھا۔

[1] من دولة عمر إلى دولة عبدالملك لإبراهيم بيضون، ص:28. [2] التاريخ الإسلامي للحميدي: 51/9 [3] حركة الردة للدكتور علي العتوم، ص:312.

آپ کو پورا یقین تھا کہ اس فتنے کا فوری سد باب نہ کیا گیا تو ممکن ہے چنگاری راکھ سے نکل کر شعلہ بن جائے اور ہر چیز کو بھسم کر دے، جیسا کہ شاعر نے کہا تھا:

أَرٰى تَحْتَ الرَّمَادِ وَمِيضَ نَارٍ وَّ يُوشِكُ أَنْ يَّكُونَ لَهٗ ضِرَامٌ

''مجھے راکھ کے نیچے چنگاری نظر آ رہی ہے، ممکن ہے وہ شعلہ بن جائے۔''[1]

یقیناً حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ایک ماہر سیاستدان اور قابل ترین عسکری جرنیل تھے۔ آپ معاملات کی تہہ تک پہنچ کر منصوبہ بندی کرتے تھے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے تیار کردہ لہرانے والے جھنڈے توحید کا پرچار کرتے ہوئے روانہ ہو گئے۔ ان کے ساتھ دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی دعائیں تھیں، ایسے دل جو اللہ عزوجل کی تعظیم کرنے والے اور ایمان ویقین سے لبریز تھے اور ایسی ہستیاں تھیں جن کی زبانوں سے ذکر اللہ کے سوا کچھ نہ نکلتا تھا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ مخلصانہ دعائیں قبول فرمائیں اور مسلمانوں کو اپنی نصرت سے سرفراز فرمایا۔ انھی کے ذریعے سے اپنے کلمے کو بلندی عطا کی اور اپنے دین کی حفاظت فرمائی حتیٰ کہ چند مہینوں بعد ہی پورا جزیرۂ عرب دوبارہ اسلام کا پیروکار ہو گیا۔[2]

اس کے ساتھ ساتھ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تمام مرتد اور سرکش عرب قبائل کو ایک خط لکھا۔ انھیں مکمل اسلام کی اُسی شکل پر گامزن ہونے کی دعوت دی جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے اسے نازل فرمایا تھا، پھر انھیں ان کے غلط موقف سے ڈرایا کہ اگر وہ اسی پر اڑے رہے تو انھیں دنیا وآخرت میں کس قدر ذلت ورسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ آپ نے انھیں زوردار طریقے سے ڈرایا دھمکایا۔ ان کے انحراف اور باطل موقف کے ساتھ ان کی وابستگی کے بارے میں ایسا جاندار موقف اختیار کرنا اور انھیں ڈرانا بہت ضروری تھا۔ اس کا مقصد انھیں یہ باور کرانا تھا کہ ان مذاکرات کے بعد اب طاقتور عملی اقدامات ہوں گے۔ اس طرح ان کی وہ ساری سرکشی اور اندھی قبائلی عصبیت کچل دی جائے گی جس نے

[1] حركة الردة للدكتور علي العتوم، ص:313. [2] التاريخ الإسلامي للحميدي:51/9.

ان کے افکار پر غلبہ پالیا تھا۔[1]

مرتدوں کے نام حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا کھلا خط اور اسباق و نصیحتیں

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھرپور تنظیم سازی کرنے اور لشکروں کی بہترین جنگی تیاری کے بعد اپنی زوردار تحریروں کے ذریعے سے بھی اس فتنے کی سرکوبی کی کوشش کی۔ آپ نے ایک عمومی خط تحریر کرایا۔ اس خط کا مضمون بڑا جامع و مانع تھا۔ آپ نے اس خط کی اشاعت کا بھرپور انتظام کیا۔ یہ خط اسلام پر کاربند رہنے اور مرتد ہونے والوں تک لشکر اسلامی کے پہنچنے سے پہلے پہلے بھیج دیا گیا۔ آپ نے قبائل کی طرف خصوصی ایلچی روانہ کیے اور انھیں حکم دیا کہ وہ یہ خط مجمع عام میں پڑھ کر سنائیں اور اس خط کو سننے والوں کو قسم دی کہ وہ یہ پیغام غیر موجود لوگوں تک پہنچائیں۔ آپ نے اس خط میں ہر خاص و عام کو مخاطب کیا خواہ وہ اسلام پر قائم تھا یا مرتد ہوگیا تھا۔[2]

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خط کا متن درج ذیل ہے:

«بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ: مِنْ أَبِي بَكْرٍ خَلِيفَةِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ إِلٰى مَنْ بَلَغَهُ كِتَابِي هٰذَا مِنْ عَامَّةٍ وَّ خَاصَّةٍ أَقَامَ عَلٰى إِسْلَامِهِ أَوْ رَجَعَ عَنْهُ. سَلَامٌ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى وَ لَمْ يَرْجِعْ بَعْدَ الْهُدٰى إِلَى الضَّلَالَةِ وَالْعَمْيِ، فَإِنِّي أَحْمَدُ إِلَيْكُمُ اللّٰهَ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ وَ أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَ رَسُولُهُ، نُقِرُّ بِمَا جَاءَ بِهِ وَنُكَفِّرُ مَنْ أَبٰى وَ نُجَاهِدُهُ.

أَمَّا بَعْدُ، فَإِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى أَرْسَلَ مُحَمَّدًا بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِهِ إِلٰى خَلْقِهِ

[1] التاريخ الإسلامي للحميدي: 55/9. [2] الدور السياسي للصفوة في صدر الإسلام للسيد عمر، ص: 262.

بَشِيرًا وَّ نَذِيرًا وَّ دَاعِيًا إِلَى اللّٰهِ بِإِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيرًا لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكَافِرِينَ، فَهَدَى اللّٰهُ بِالْحَقِّ مَنْ أَجَابَ إِلَيْهِ وَ ضَرَبَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بِإِذْنِهٖ مَنْ أَدْبَرَ عَنْهُ حَتّٰى صَارَ إِلَى الْإِسْلَامِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا ثُمَّ تَوَفَّى اللّٰهُ رَسُولَهٗ ﷺ وَ قَدْ نَفَذَ لِأَمْرِ اللّٰهِ وَ نَصَحَ لِأُمَّتِهٖ وَ قَضَى الَّذِي عَلَيْهِ وَ كَانَ اللّٰهُ قَدْ بَيَّنَ لَهٗ ذٰلِكَ وَ لِأَهْلِ الْإِسْلَامِ فِي الْكِتَابِ الَّذِي أَنْزَلَ، قَالَ: ﴿اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ○﴾ وَ قَالَ: ﴿وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ؕ اَفَاۡئِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ ○﴾ وَ قَالَ لِلْمُؤْمِنِينَ: ﴿ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ؕ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ○﴾

فَمَنْ كَانَ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَإِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ وَ مَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللّٰهَ وَحْدَهٗ لَا شَرِيكَ لَهٗ فَإِنَّ اللّٰهَ لَهٗ بِالْمِرْصَادِ، حَيٌّ قَيُّومٌ لَّا يَمُوتُ وَ لَا تَأْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّ لَا نَوْمٌ، حَافِظٌ لِّأَمْرِهٖ، مُنْتَقِمٌ مِّنْ عَدُوِّهٖ يُجْزِيهِ وَ إِنِّي أُوصِيكُمْ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَ حَظِّكُمْ وَ نَصِيبِكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ مَا جَاءَ كُمْ بِهٖ نَبِيُّكُمْ ﷺ وَ أَنْ تَهْتَدُوا بِهُدَاهُ وَ أَنْ تَعْتَصِمُوا بِدِينِ اللّٰهِ، فَإِنَّ كُلَّ مَنْ لَّمْ يَهْدِهِ اللّٰهُ ضَالٌّ وَّ كُلَّ مَنْ لَّمْ يُعَافِهٖ مُبْتَلًى وَّ كُلَّ مَنْ لَّمْ يُعِنْهُ اللّٰهُ مَخْذُولٌ، فَمَنْ هَدَاهُ اللّٰهُ كَانَ مُهْتَدِيًا وَّ مَنْ أَضَلَّهٗ كَانَ ضَالًّا، قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ○﴾ وَلَمْ يَقْبَلْ مِنْهُ فِي الدُّنْيَا عَمَلًا حَتّٰى يُقِرَّ بِهٖ وَ لَمْ

يَقْبَلْ مِنْهُ فِي الْآخِرَةِ صَرْفًا وَّ لَا عَدْلًا وَّ قَدْ بَلَغَنِي رُجُوعُ مَنْ رَّجَعَ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهٖ بَعْدَ أَنْ أَقَرَّ بِالْإِسْلَامِ وَ عَمِلَ بِهٖ اغْتِرَارًا بِاللّٰهِ وَ جَهَالَةً بِأَمْرِهٖ وَ إِجَابَةً لِّلشَّيْطَانِ، قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى:

﴿وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ؕ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَ هُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ؕ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ۝﴾

وَ قَالَ تَعَالٰى: ﴿اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ؕ اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝﴾ وَ إِنِّي بَعَثْتُ إِلَيْكُمْ فُلَانًا فِي جَيْشٍ مِّنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالتَّابِعِينَ لَهُمْ بِإِحْسَانٍ وَّ أَمَرْتُهٗ أَلَّا يُقَاتِلَ أَحَدًا وَّ لَا يَقْتُلَهٗ حَتّٰى يَدْعُوَهٗ إِلٰى دَاعِيَةِ اللّٰهِ، فَمَنِ اسْتَجَابَ لَهٗ وَ أَقَرَّ وَ كَفَّ وَ عَمِلَ صَالِحًا قُبِلَ مِنْهُ وَ أَعَانَهٗ عَلَيْهِ وَ مَنْ أَبٰى أَمَرْتُ أَنْ يُّقَاتِلَهٗ عَلٰى ذٰلِكَ، ثُمَّ لَا يُبْقِي عَلٰى أَحَدٍ مِّنْهُمْ قَدَرَ عَلَيْهِ وَ أَنْ يُّحَرِّقَهُمْ بِالنَّارِ وَ يَقْتُلَهُمْ كُلَّ قَتْلَةٍ وَّ أَنْ يَّسْبِيَ النِّسَاءَ وَالذَّرَارِيَّ وَ لَا يُقْبَلُ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا الْإِسْلَامُ، فَمَنْ تَبِعَهٗ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ وَ مَنْ تَرَكَهٗ فَلَنْ يُّعْجِزَ اللّٰهُ وَ قَدْ أَمَرْتُ رَسُولِي أَنْ يَّقْرَأَ كِتَابِي فِي كُلِّ مَجْمَعٍ لَّكُمْ وَالدَّاعِيَةَ الْأَذَانِ : فَإِذَا أَذَّنَ الْمُسْلِمُونَ فَأَذَّنُوا كَفُّوا عَنْهُمْ وَ إِنْ لَّمْ يُؤَذِّنُوا عَاجَلُوهُمْ وَ إِنْ أَذَّنُوا اسْأَلُوهُمْ مَّا عَلَيْهِمْ، فَإِنْ أَبَوْا عَاجَلُوهُمْ وَ إِنْ أَقَرُّوا قُبِلَ مِنْهُمْ وَ حَمَلَهُمْ عَلٰى مَا يَنْبَغِي لَهُمْ»

’’بسم اللہ الرحمٰن الرحیم! رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ ابوبکر کی طرف سے ہر عام و خاص کے نام، خواہ وہ اسلام پر قائم ہو یا مرتد ہوگیا ہو۔ سلام ہو اس شخص پر جس

نے ہدایت کی اتباع کی اور ہدایت قبول کرنے کے بعد ضلالت کی طرف نہیں پلٹا۔
بے شک میں تمھارے ساتھ اس اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لاتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ ایک اللہ کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ ہم آپ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کا اقرار کرتے ہیں۔ اس کا انکار کرنے والا ہمارے نزدیک کافر ہے اور ہم اس سے جہاد کریں گے۔

اما بعد! بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو حق دے کر اپنی مخلوق کی طرف بھیجا۔ آپ کو خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر، اللہ کے حکم سے اللہ کی طرف دعوت دینے والا اور سراج منیر بنا کر مبعوث فرمایا تاکہ آپ زندوں کو ڈرائیں اور کافروں پر حق بات ثابت ہو جائے، چنانچہ جس نے ان کی دعوت قبول کی اللہ نے اسے حق بات کی ہدایت دے دی اور جو اس حق سے پھر گیا تو رسول اللہ ﷺ نے اللہ کے حکم سے اس سے جہاد کیا حتیٰ کہ وہ برضا و رغبت یا بادلِ نخواستہ اسلام پر کاربند ہو گیا، پھر اللہ نے اپنے رسول کو اس وقت اُٹھا لیا جب وہ امت کی خیرخواہی کا فریضہ ادا کر چکے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں اور اہل اسلام کو اس سانحے کی اطلاع پہلے ہی دے دی تھی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا:

﴿ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ○ ﴾

”بے شک آپ فوت ہونے والے ہیں اور بلاشبہ وہ بھی مرنے والے ہیں۔“[1]

اور فرمایا:

﴿ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ط اَفَاۡىِٕنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ ○ ﴾

[1] الزمر 30:39

”اور ہم نے آپ سے قبل کسی انسان کے لیے ہمیشہ کی زندگی نہیں رکھی، کیا اگر آپ فوت ہوجائیں گے تو کیا وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔“ ①

اور مومنوں کو ارشاد فرمایا:

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ ؕ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا ؕ وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ○﴾

”اور محمد (ﷺ) صرف ایک رسول ہیں اور آپ سے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں۔ کیا اگر آپ فوت ہوجائیں یا آپ قتل کر دیے جائیں تو تم اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے اور جو شخص اپنی ایڑیوں کے بل پھرے گا وہ ہرگز اللہ کا کچھ نقصان نہیں کرے گا اور عنقریب اللہ شکر گزاروں کو بدلہ دے گا۔“ ②

لہٰذا جو شخص محمد ﷺ کی پوجا کرتا تھا تو محمد ﷺ وفات پا گئے ہیں اور جو شخص ایک اللہ کی عبادت کرتا تھا تو اللہ اسی کی گھات میں ہے، وہ زندہ ہے، قائم ہے۔ وہ کبھی فوت نہ ہوگا، اسے اونگھ آتی ہے نہ نیند، وہ اپنے دین کا نگہبان ہے۔ اپنے دشمن کو سزا دینے والا ہے۔ بے شک میں تمھیں اللہ کے تقوے اور نبی مکرم کی لائی ہوئی شریعت کے بارے میں وصیت کرتا ہوں کہ تم اس کی ہدایت سے ہدایت پاؤ اور اللہ تعالیٰ کے دین کو مضبوطی سے تھام لو کیونکہ جسے اللہ تعالیٰ راہ راست نہ دکھائے وہ گمراہ ہوجاتا ہے۔ جسے اللہ سلامتی نہ دے وہ مصیبتوں کا شکار ہوجاتا ہے۔ اللہ جس کی مدد نہ کرے وہ ناکام ہوجاتا ہے۔ جسے اللہ ہدایت دے دے وہ ہدایت یافتہ ہوجاتا ہے اور جسے اللہ گمراہ کردے وہ گمراہ ہوجاتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

① الأنبیآء 21:34۔ ② آل عمران 3:144۔

﴿مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ۝﴾

''جسے اللہ ہدایت دے دے وہی ہدایت یافتہ ہے اور جسے اللہ گمراہ کردے تو تُو اس کے لیے کوئی راہنمائی کرنے والا دوست نہ پائے گا۔''[1]

اللہ تعالیٰ ایسے شخص کا دنیا میں کیا ہوا کوئی عمل قبول نہیں کرے گا اور آخرت میں بھی اس کا کوئی فرض یا نفل اسے کوئی فائدہ نہیں دے گا۔

مجھے تم میں سے مرتد ہونے والوں کی اطلاع مل گئی ہے کہ وہ اسلام کا اقرار کرنے کے بعد اللہ کے بارے میں فریب کا شکار ہو گئے ہیں۔ اس کے حکم سے جاہل ہونے کی بنا پر اور شیطان کے جال میں پھنسنے کی وجہ سے اسلام سے پھر گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ؕ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ؕ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ۝﴾

''اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا: تم آدم کو سجدہ کرو، تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا، وہ جنوں میں سے تھا، چنانچہ اس نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی، کیا پھر (بھی) تم مجھے چھوڑ کر اسے اور اس کی اولاد کو دوست بناتے ہو، جبکہ وہ تمھارے دشمن ہیں؟ وہ (شیطان) ظالموں کے لیے بطور بدل برا ہے۔''[2]

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ؕ اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝ؕ﴾

''بے شک شیطان تمھارا دشمن ہے، لہٰذا تم اسے دشمن ہی جانو، بس وہ تو اپنے

[1] الکھف 18:17۔ [2] الکھف 18:50

گروہ کو اس لیے بلاتا ہے کہ وہ جہنم والوں میں سے ہو جائیں۔''[1]

میں نے تمھاری طرف مہاجرین و انصار اور نیکی میں ان کی اتباع کرنے والوں کی ایک فوج فلاں کی قیادت میں بھیجی ہے۔ میں نے اسے حکم دیا ہے کہ وہ اللہ کی طرف دعوت دینے سے پہلے کسی کو قتل کرے نہ اس سے لڑائی کرے، لہٰذا جو شخص اس کی دعوت قبول کرے، ایمان کا اقرار کرے، ارتداد سے باز آجائے اور نیک عمل شروع کر دے تو اسے معاف کر دیا جائے گا۔ اسے چاہیے کہ وہ اسلامی لشکر کے قائد کی مدد کرے۔ اور جو شخص اس دعوت کا انکار کر دے تو میں نے اپنے امیر کو حکم دیا ہے کہ وہ اس سے لڑائی کرے اور جس شخص پر غالب آجائے اسے زندہ نہ چھوڑے اور بری طرح قتل کر دے۔ ان کی عورتوں اور بچوں کو غلام اور لونڈیاں بنالے۔ کسی شخص سے سوائے اسلام کے کچھ قبول نہ کرے۔ پس جس نے اس کی پیروی کی تو یہ بات اسی کے حق میں بہتر ہے اور جس نے اسے چھوڑ دیا تو وہ اللہ کو عاجز نہیں کر سکتا۔

میں نے اپنے پیغام رساں کو حکم دیا ہے کہ وہ اس خط کو تمھارے ہر مجمع عام میں پڑھ کر سنائے اور مؤذنوں کو بھی حکم دیا ہے کہ وہ اس کا اعلان کریں، پھر جب مسلمان اذان دیں اور تائب ہونے والے بھی اذان دیں تو اس صورت میں مسلمان ان سے رک جائیں لڑائی نہ کریں اور اگر انھوں نے اذان نہ دی تو مسلمان فوری طور پر ان پر قابو پالیں۔ اور اگر وہ اذان دیں تو ان سے ان پر لاگو فرائض کی ادائیگی کا مطالبہ کیا جائے گا۔ اگر انھوں نے ادائیگی سے انکار کیا تو مسلمان ان پر تیزی سے قابو پالیں۔ اگر وہ اپنے فرائض کی ادائیگی کا اقرار کریں تو انھیں چھوڑ دیں اور ان کے مناصب کے مطابق ان پر ذمہ داریاں عائد کریں۔''[2]

[1] فاطر 6:35. [2] تاریخ الطبری: 71-69/4.

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خط میں دو بنیادی باتیں مذکور ہیں:

1. مرتدین سے دوبارہ اسلام قبول کرنے کے مطالبے کی اساس و بنیاد کا بیان۔
2. ارتداد پر مصر رہنے کی سزا کا بیان۔[1]

اس خط میں متعدد حقائق کی تاکید بھی کی گئی ہے، مثلاً:

- یہ خط ہر خاص و عام کے لیے تھا تاکہ تمام لوگ دعوت الٰہی سن لیں۔
- اس بات کا بیان کہ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حق دے کر بھیجا۔ جو شخص اس کا اقرار کرے گا وہ مومن ہوگا اور جس نے اس کا انکار کیا وہ کافر ہوگا اور اس سے جہاد و قتال کیا جائے گا۔
- اس بات کا بیان کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم انسان ہیں۔ آپ کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ بے شک آپ فوت ہونے والے ہیں۔ اور مؤمن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پوجا نہیں کرتا بلکہ وہ زندہ جاوید اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے، اسی لیے مرتد کا کوئی عذر قبول نہیں کیا جائے گا۔[2]
- اسلام سے پھرنا درحقیقت جہالت اور شیطان کی پیروی ہے۔ اس کا مطلب دشمن کو دوست بنانا ہے، جبکہ یہ بات نفس سلیم پر ظلم عظیم ہے کیونکہ ایسا شخص ہنسی خوشی جانے بوجھے اپنے آپ کو جہنم رسید کر رہا ہے۔
- امت مسلمہ کے عظیم ترین منتخب افراد صحابۂ کرام، انصار و مہاجرین اور ان کی اتباع کرنے والوں نے مرتدین کے خلاف اپنی دینی غیرت کے اظہار اور دین اسلام کی سربلندی کے لیے یہ جہاد کیا۔
- جو شخص دوبارہ اسلام قبول کر لے اور اپنی گمراہی کا اعتراف کرے، مسلمانوں سے

---

[1] الدور السياسي للصفوة في صدر الإسلام للسيد عمر، ص:262. [2] تاريخ الدعوة إلى الإسلام للدكتور يسري محمد هاني، ص:290.

لڑائی سے باز آجائے اور اللہ کے دین کے موافق اعمال کرنا شروع کردے تو وہ اسلامی معاشرے کا فرد ہے۔ اس کے تمام حقوق وفرائض دیگر مسلمانوں جیسے ہوں گے۔

❁ جو شخص اسلام کی طرف لوٹ آنے سے انکار کردے اور اپنے ارتداد پر قائم رہے وہ جنگجو ہے، اس کے خلاف بھر پور حملہ ضروری ہوگا جس سے وہ قتل ہوجائے۔ اس کی عورتوں اور بچوں کو غلام بنالیا جائے۔ ایسا شخص اللہ کو عاجز نہیں کرسکتا کیونکہ وہ جہاں بھی جائے گا وہ اللہ ہی کی زمین میں ہوگا۔

❁ مسلمانوں کے حملے سے بچنے کے لیے مرتدین کے پاس ایک ہی راہ ہے کہ وہ نمازوں کے اوقات میں اذانیں دیں ورنہ وہ مسلمانوں کے حملے کی زد سے نہیں بچ سکیں گے۔

خلیفۃ المسلمین نے تمام قائدین کے لیے ایک ہی مضمون کا خط تحریر کرایا جس میں سب کو خط کے مضمون پر عمل پیرا ہونے کا حکم دیا گیا تھا، خط کا متن یہ ہے:

«هٰذَا عَهْدٌ مِّنْ أَبِي بَكْرٍ خَلِيفَةِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ لِفُلَانٍ حِينَ بَعَثَهُ فِيمَنْ بَعَثَهُ لِقِتَالِ مَنْ رَّجَعَ عَنِ الْإِسْلَامِ وَ عَهِدَ إِلَيْهِ أَنْ يَّتَّقِيَ اللّٰهَ مَااسْتَطَاعَ فِي أَمْرِهِ كُلِّهِ سِرِّهِ وَ عَلَانِيَتِهِ وَ أَمَرَهُ بِالْجِدِّ فِي أَمْرِاللّٰهِ وَ مُجَاهَدَةِ مَنْ تَوَلّٰى عَنْهُ وَ رَجَعَ عَنِ الْإِسْلَامِ إِلٰى أَمَانِي الشَّيْطَانِ بَعْدَ أَنْ يَّعْذِرَ إِلَيْهِمْ فَيَدْعُوهُمْ بِدَاعِيَةِ الْإِسْلَامِ، فَإِنْ أَجَابُوهُ أَمْسَكَ عَنْهُمْ وَ إِنْ لَّمْ يُجِيبُوهُ شَنَّ غَارَتَهُ عَلَيْهِمْ حَتّٰى يُقِرُّوا لَهُ، ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِالَّذِي عَلَيْهِمْ وَالَّذِي لَهُمْ، فَيَأْخُذُ مَا عَلَيْهِمْ وَ يُعْطِيهِمُ الَّذِي لَهُمْ، لَا يُنْظِرُهُمْ وَلَا يَرُدُّ الْمُسْلِمِينَ عَنْ قِتَالِ عَدُوِّهِمْ، فَمَنْ أَجَابَ إِلٰى

① حركة الردة للدكتور علي العتوم، ص: 177.

أَمْرِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَ أَقَرَّ لَهٗ قُبِلَ ذٰلِكَ مِنْهُ وَ أَعَانَهٗ عَلَيْهِ بِالْمَعْرُوفِ وَ إِنَّمَا يُقَاتِلُ مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ عَلَى الْإِقْرَارِ بِمَا جَاءَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ، فَإِذَا أَجَابَ الدَّعْوَةَ لَمْ يَكُنْ عَلَيْهِ سَبِيلٌ وَّ كَانَ اللّٰهُ حَسِيبَهٗ فِيمَا اسْتَسَرَ بِهٖ وَ مَنْ لَّمْ يُجِبْ دَاعِيَةَ اللّٰهِ قُتِلَ وَ قُوتِلَ حَيْثُ كَانَ وَ حَيْثُ بَلَغَ مُرَاغَمُهٗ، لَا يُقْبَلُ مِنْ أَحَدٍ شَيْئًا أَعْطَاهُ إِلَّا الْإِسْلَامُ، فَمَنْ أَجَابَهٗ وَ أَقَرَّ قُبِلَ مِنْهُ وَ عَلَّمَهٗ وَ مَنْ أَبٰى قَاتَلَهٗ، فَإِنْ أَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ قَتَلَ مِنْهُمْ كُلَّ قَتْلَةٍ بِالسِّلَاحِ وَالنِّيرَانِ، ثُمَّ قَسَّمَ مَا أَفَاءَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ، إِلَّا الْخُمُسَ فَإِنَّهٗ يُبْلِغُنَاهُ وَ أَنْ يَّمْنَعَ أَصْحَابَهُ الْعَجَلَةَ وَالْفَسَادَ وَ أَلَّا يُدْخِلَ فِيهِمْ حَشْوًا حَتّٰى يَعْرِفَهُمْ وَ يَعْلَمَ مَاهُمْ؛ لَا يَكُونُوا عُيُونًا وَّ لِئَلَّا يُؤْتَى الْمُسْلِمُونَ مِنْ قِبَلِهِمْ وَ أَنْ يَّقْتَصِدَ بِالْمُسْلِمِينَ وَ يَرْفُقَ بِهِمْ فِي السَّيْرِ وَالْمَنْزِلِ وَ يَتَفَقَّدَهُمْ وَ لَا يُعَجِّلُ بَعْضَهُمْ عَنْ بَعْضٍ وَّ يَسْتَوْصِي بِالْمُسْلِمِينَ فِي حُسْنِ الصُّحْبَةِ وَ لِينِ الْقَوْلِ»

’’یہ رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ کی طرف سے فلاں قائد کے لیے عہد نامہ ہے جو انھوں نے مرتدین سے جہاد کے لیے روانہ کرتے وقت اسے لکھ کر دیا۔ آپ نے اسے نصیحت کی کہ وہ اپنے تمام معاملات میں خفیہ اور علانیہ ہر حالت میں اللہ سے ڈرے۔ آپ نے اسے حکم دیا کہ وہ امر الٰہی کی تکمیل کے لیے ساری قوتیں بروئے کار لائے۔ مرتدین کے خلاف بھر پور جدوجہد کرے اور جہاد سے پہلے انھیں اسلام کی دعوت ضرور دے۔ اگر وہ اسلام کی دعوت قبول کرلیں تو وہ رک جائے اور اگر وہ دعوت اسلام قبول نہ کریں تو ان پر پوری قوت سے حملہ کرے حتیٰ کہ وہ اسلام کے پیروکار بن جائیں پھر انھیں ان

کے حقوق وفرائض سے آگاہ کرے۔ ان سے واجبات وصول کرے اور ان کے حقوق ادا کردے لیکن انھیں مہلت نہ دے۔ اور نہ مسلمانوں کو ان کے دشمن سے قتال کرنے سے روکے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کا حکم قبول کر لے اور اس کا اقرار کر لے اسے چھوڑ دیا جائے اور اس کی بخوبی مدد کی جائے۔ بلاشبہ اللہ کا انکار کرنے والے سے اس وقت تک قتال کیا جائے گا جب تک وہ اقرار نہ کرے۔ وہ دعوت اسلام قبول کر لے گا تو اسے کچھ نہیں کہا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کا حساب لے گا اور اس کا باطن اللہ کے سپرد ہوگا۔ جو شخص اللہ کی دعوت قبول نہ کرے تو وہ جہاں بھی ہو اور کتنا ہی مالدار ہو اس سے جنگ کی جائے اور اسے قتل کر دیا جائے۔ اس سے سوائے اسلام کے کوئی اور بات قبول نہ کی جائے۔ جو شخص اس دعوت کو قبول کر لے تو امیر لشکر بھی اس کے اقرار کو قبول کر لے اور اسے اسلامی تعلیمات سکھائے اور جو انکار کر دے اس سے جنگ کی جائے۔ اگر اللہ امیر کو غلبہ عطا کرے تو وہ انھیں قتل کر ڈالے، پھر مال غنیمت تقسیم کر دے سوائے خمس کے جو وہ ہمیں مدینہ منورہ پہنچائے گا۔

امیر اپنے ساتھیوں کو جلد بازی اور فساد سے روکے۔ کسی اجنبی کو لشکر میں شامل نہ ہونے دے حتیٰ کہ اس کی پہچان ہو جائے کہ وہ کون ہے تاکہ دشمن کے جاسوس مسلمانوں میں شامل نہ ہو سکیں اور مسلمانوں کو نقصان نہ پہنچا سکیں۔ امیر لشکر مسلمانوں کے ساتھ میانہ روی اور نرمی سے پیش آئے۔ دوران سفر اور منزل پر پہنچ کر ان کی خبر گیری کرتا رہے۔ لشکر کے ایک حصے کو دوسروں سے جلدی کرنے کا حکم نہ دے۔ مسلمانوں کو ایک دوسرے کے ساتھ حسن سلوک اور نرم مزاجی اختیار کرنے کی نصیحت کرے۔“[1]

[1] تاريخ الطبري: 4/71، 72

اس معاہدے سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مرتدین کے خلاف جنگ میں اپنے امراء کو ایک مستند نصیحت نامہ کے ذریعے صحیح دینی تعلیمات دینا چاہتے تھے۔ یہ نصیحت نامہ اتنا واضح ہے کہ مرتدین کے خلاف دعوت اسلام دینے سے پہلے لڑائی سے رکنے میں کوئی اشکال نہیں رہتا، اسی طرح اسلامی دعوت قبول کرنے والوں کے خلاف اقدام نہ کرنے کے بارے میں بھی یہ نصیحت نامہ بالکل واضح ہے۔ اور آپ کی یہ تڑپ پوری طرح عیاں ہے کہ آپ ان کی اصلاح کے خواہاں تھے اور ان کے اقرارِ اسلام کے بعد ان سے لڑائی نہ کرنے کے خواہش مند تھے۔ اس کے بعد وہ انھیں اسلامی تعلیمات اور حقوق و فرائض سے روشناس کرانے کے متمنی بھی تھے۔

مرتدین کے دوبارہ اسلام لانے تک مسلمان لشکر کو لڑائی سے روکنا یا مرتدین سے صلح کرنا منع ہے۔ اسلامی لشکر نے جنگ سے پہلے مرتدین کو دعوت اسلام دینے کا اہتمام کیا۔ اور دعوت کو قبول کرنے والوں کے خلاف جنگ کو محض ان کے اقرار کر لینے پر موقوف کر دیا گیا کیونکہ پہلا اور آخری ہدف انھیں اسلام کی طرف واپس لانا اور مرتدین کے خلاف برسرِ پیکار لشکر کی صفوں میں اتحاد و اتفاق قائم رکھنا تھا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ عہد نامہ اسلامی لشکر کے امراء کو دے کر بھیجا۔ آپ نے اہل لشکر سے تاکیداً فرمایا کہ ان کا ذاتی رویہ اور اخلاق اس ذمہ داری کو نبھانے میں دعوت کا بہترین ذریعہ شمار ہوگا۔ اور ان کا ذاتی کردار ان کے ہدف کے مطابق ہونا چاہیے جو صرف دفاعِ اسلام تھا۔[1]

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی بدولت فنِ قیادت سیکھا تھا۔ کسی بھی قائد کی کامیابی اس کی فوجی مہارت پر منحصر ہے۔ اور حضرت ابوبکر اسلامی لشکر کے بہترین سالار تھے۔ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخلص ساتھی تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

[1] الدور السیاسی للصفوۃ فی صدر الاسلام للسید عمر، ص: 263۔

احکام کو من وعن نافذ کرنے والے اور اللہ کے راستے میں ہر قسم کی قربانی پیش کرنے والے تھے۔ آپ کسی معرکے میں رسول اللہ ﷺ سے پیچھے نہیں رہے۔

ہم آپ کی عظیم قائدانہ آراء اور ان کی گہرائی کا اندازہ امراء کو آپ کے نصائح اور ان عمومی جنگی منصوبوں سے بخوبی کر سکتے ہیں جو آپ نے مرتدین کے خلاف جہاد کے لیے مرتب کیے۔[1]

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اپنے امراء کو پہلی نصیحت کے اہم نکات درج ذیل ہیں:

- تقویٰ اختیار کریں، جلوت و خلوت میں اللہ کی نگرانی کا خوف دلوں میں رکھیں۔ امور سلطنت میں کامیابی کے لیے اس بات کا ہونا نہایت ضروری ہے کیونکہ جب قائدِ لشکر تقویٰ اختیار کرے گا تو اسے اللہ تعالیٰ کی خصوصی معیت و نصرت حاصل ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا وَّالَّذِينَ هُم مُّحْسِنُونَ ۝ ﴾
"بے شک اللہ تقویٰ اختیار کرنے والوں اور نیکی کرنے والوں کے ساتھ ہے۔"[2]
- اللہ تعالیٰ کے دین کے لیے جدوجہد، اجتہاد اور اخلاصِ نیت، بس یہی کامیاب و کامران ہونے والوں کا اخلاق و کردار ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ ۝ ﴾

"اور جو لوگ ہماری راہ میں جہاد کریں ہم انھیں اپنی راہیں ضرور دکھاتے ہیں اور یقیناً اللہ نیکی کرنے والوں کے ساتھ ہے۔"[3]

- مرتدین سے سوائے اسلام کے کوئی بات قبول نہ کریں کیونکہ عقیدے کے مسئلے پر کوئی سمجھوتہ نہیں ہوسکتا۔
- مال غنیمت لشکر میں تقسیم کردیں اور بیت المال کا حصہ، یعنی خمس مدینہ منورہ کی طرف

[1] حركة الردة للدكتور علي العتوم، ص: 179. [2] النحل 128:16. [3] العنكبوت 69:29. تاريخ الدعوة إلى الإسلام للدكتور يسري محمد هاني، ص: 291.

روانہ کردیں۔

❁ اپنی جنگی مہمات میں جلد بازی کا مظاہرہ نہ کریں تاکہ ان کی راہ میں کسی قسم کا کوئی رخنہ پیدا نہ ہو۔

❁ کسی اجنبی کو بلاتحقیق لشکر میں شامل نہ کریں۔ ممکن ہے وہ دشمن کا جاسوس ہو۔

❁ اپنے سپاہیوں کی دوران سفر اور منزل پر پہنچنے کے بعد خبر گیری کریں اور کسی گروہ کو الگ نہ کریں۔

❁ اہل لشکر کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئیں۔ [1]

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے امرائے لشکر کے تقرر کے بعد جو عمومی جنگی منصوبہ تشکیل دیا تھا، اس کا خلاصہ بعد از تحقیق درج ذیل نکات پر مبنی ہے:

❁ جنگی منصوبے میں سارے لشکریوں کے درمیان تعاون کے احکام موجود تھے تاکہ کوئی لشکر خود کو جدا اور علیحدہ مستقل قیادت کے ماتحت خیال نہ کرے بلکہ وہ جغرافیائی اعتبار سے دور ہونے کے باوجود اپنے آپ کو ایک ہی مرکزی نظام کے ماتحت سمجھے جو حسب ضرورت کبھی اکٹھے اور کبھی الگ ہو جاتے ہیں، جبکہ خلیفۃ المسلمین مدینہ منورہ میں رہتے ہوئے مرتدین کے خلاف جہادی تحریک کو کنٹرول کر رہے تھے۔

❁ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دارالخلافہ مدینہ منورہ کی حفاظت کے لیے خصوصی فورس مقرر کی اور باہمی مشاورت کے لیے کبار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو مدینہ منورہ میں روک لیا تاکہ وہ ملکی امور چلانے میں ان کی مدد کریں۔

❁ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ یہ معلوم کر چکے تھے کہ مرتدین اور باغیوں کے علاقوں میں بھی مسلمان لشکر موجود ہیں، لہٰذا انھیں مشرکین کی اذیتوں سے بچانے کی فکر بھی دامن گیر تھی، اسی لیے آپ نے اپنے امراء کو حکم دیا کہ وہ جس علاقے سے گزریں وہاں کے

[1] حركة الردة للدكتور علي العتوم، ص: 179

مسلمانوں کو اپنے لشکر میں شامل کرتے جائیں، البتہ کچھ مسلمانوں کو پیچھے رہنے کی اجازت دیں تاکہ وہ اپنے علاقے والوں کو اس فتنے سے بچانے کی کوشش کریں اور علاقے کی حفاظت کا بندوبست کرسکیں۔

❁ خلیفۃ المسلمین نے مرتدین کے خلاف جنگ میں جنگی اصول ''جنگ میں دھوکا جائز ہے'' اپنایا، چنانچہ آپ کے لشکر جس چیز کا اظہار کرتے وہ درحقیقت ان کے ہدف سے مختلف ہوتی تھی۔ ایسا کرنا جنگی منصوبہ بندی کو صیغۂ راز میں رکھنے کے لیے کیا گیا۔[1]

فی الجملہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اسلوبِ قیادت میں سیاسی بصیرت، عملی تجربہ کاری، علمی رسوخ اور لِلّٰہیت کی جلوہ گری نظر آتی ہے۔

[1] الأبعاد السياسية لمفهوم الأمن في الإسلام لمصطفى محمود منجود، ص: 169.
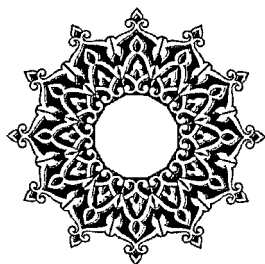
اسود عنسی، طلیحہ اسدی کے فتنے کا خاتمہ اور مالک بن نویرہ کی ہلاکت

اسود عنسی کی ہلاکت اور یمن والوں کا دوسرا ارتداد

اسود عنسی کی ہلاکت

اسود عنسی کا نام عبہلہ بن کعب بن غوث اور کنیت ذوالخمار (چادر والا) تھی کیونکہ وہ ہر وقت چادر سے عمامہ باندھے رکھتا تھا۔[1] اور اسے اس کے چہرے کی سیاہی کی وجہ سے اسود کہا جاتا تھا۔ وہ ایک طاقتور آدمی تھا۔ لمبے تڑنگے جسم کا مالک تھا۔ بہت بہادر، شعلہ نوا خطیب، جادوگر، ماہر کاہن اور شعبدہ باز سمجھا جاتا تھا۔ وہ عجیب وغریب تماشے دکھاتا اور لوگوں کو چرب زبانی کے سحر میں جکڑ لیتا تھا۔ وہ لوگوں کو اپنا تابع بنانے کے لیے زر کثیر بھی صرف کرتا تھا۔[2]

حجۃ الوداع سے واپسی پر رسول اللہ ﷺ کی بیماری کی خبر پھیلتے ہی اسود عنسی نے نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس نے خود کو ''رحمٰن الیمن'' (یمن کا رحمٰن)

[1] الكامل في التاريخ لابن الأثير: 17/2. [2] عصر الخلافة الراشدة للدكتور العمري، ص: 364.

کہلوانا شروع کر دیا تھا جیسا کہ مسیلمہ کذاب خود کو ''یمامہ کا رحمٰن'' کہلواتا تھا۔ [1]

اسود عنسی نے نبوت کا دعویٰ کیا لیکن محمد ﷺ کی نبوت کا انکار بھی نہیں کیا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ اس کے پاس سحیق اور شقیق یا شریق نامی دو فرشتے وحی لے کر آتے ہیں۔ [2] اپنے دعوے سے پہلے اس نے اپنا معاملہ مخفی رکھا۔ وہ خاص خاص لوگوں کو اپنے گرد جمع کرتا رہا۔ پھر اچانک اس نے دعوائے نبوت کر کے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ [3] اس کے سب سے پہلے پیروکار اس کے اپنے قبیلے والے عنسی لوگ تھے، [4] پھر اس نے مذحج قبیلے والوں کو خط لکھا تو ان کے عوام اور اقتدار کے بھوکے چند زعماء نے اس کی دعوت قبول کر لی، [5] چنانچہ اس نے قبائلی عصبیت کو ہوا دی کیونکہ وہ خود بھی عنسی تھا اور عنس مذحج قبیلے ہی کی شاخ تھی۔

اہل نجران سے بنو حارث بن کعب نے جو کہ مسلمان تھے، اسود کو پیغام بھیجا کہ ہمارے قبیلے میں آؤ تاکہ ہم تمھاری دعوت سن سکیں۔ اسود آیا تو یہ سب اس کے پیروکار ہو گئے کیونکہ یہ لوگ برضا ورغبت مسلمان نہیں ہوئے تھے، اسی طرح ان کے بعد قبیلۂ زبید، اود، مسلیہ اور حکم بنی سعد العشیرہ کے لوگ اس کے پیروکار بنتے گئے۔ وہ کچھ عرصہ نجران میں قیام پذیر رہا۔ عمرو بن معدیکرب زبیدی اور قیس بن مکشوح مرادی کے شامل ہونے سے اس کا جتھہ مضبوط ہو گیا، پھر یہ فروہ بن مسیک مرادی اور عمرو بن حزم کو شکست دے کر ان کے علاقوں پر قابض ہو گیا۔ اس کے بعد اس پر صنعاء پر قبضے کا بھوت سوار ہو گیا تو وہ چھ یا سات سو گھڑ سواروں کے ساتھ صنعاء پر حملہ آور ہو گیا جن کی اکثریت بنو حارث بن کعب اور عنس قبیلے والوں کی تھی۔ [6]

[1] اليمن في صدر الإسلام للدكتور عبدالرحمٰن الشجاع، ص: 256. [2] البدء والتاريخ للمقدسي: 154/5. [3] فتوح البلدان للبلاذري: 125/1. [4] اليمن في صدر الإسلام للدكتور عبدالرحمٰن الشجاع، ص: 257. [5] تاريخ الردة للكلاعي، ص: 152,151. [6] تاريخ الردة للكلاعي، ص: 152,151.

چنانچہ یہ لشکر اہل صنعاء کے ساتھ صف آراء ہوا۔ ان کا امیر شہر بن باذان فارسی تھا۔ وہ اپنے والد کے ساتھ مسلمان ہوا تھا۔ ان کا آمنا سامنا صنعاء سے باہر شعوب کے مقام پر ہوا۔ شدید خونریز جنگ ہوئی۔ شہر بن باذان شہید ہو گیا اور اہل صنعاء شکست کھا گئے۔[1]

اسود نے راسخ العقیدہ مسلمانوں کو اذیت ناک سزائیں دیں۔ اس نے ایک مسلمان کو، جس کا نام نعمان تھا، گرفتار کر لیا اور اس کا ایک ایک عضو کاٹ کر اسے شہید کر دیا۔[2] اس کی وحشت ناک سزاؤں سے بچنے کے لیے اس کے زیر تسلط علاقوں کے مسلمانوں نے تقیہ سے کام لیا۔[3]

اسود کے غلبے سے آزاد مسلمانوں نے نئے سرے سے صف بندی کی اور اپنی قوت کو مجتمع کیا جیسا کہ فروہ بن مسیک مرادی نے احسیہ[4] نامی جگہ میں پناہ لی۔ پھر دیگر مسلمان بھی اس کے پاس جمع ہو گئے۔ اس نے رسول اللہ ﷺ کو خط لکھ کر اسود عنسی کے بارے میں اطلاع دی۔ اس طرح فروہ وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کو اس فتنے سے آگاہ کیا۔ اسی دوران حضرت ابوموسیٰ اشعری اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما حضرموت میں ''سکاسک'' اور ''سکون'' قبائل کے علاقوں میں اکٹھے ہو گئے۔[5] رسول اللہ ﷺ نے ایمان پر قائم رہنے والوں کو خطوط لکھے کہ وہ اسود عنسی کے ارتداد کا ڈٹ کر مقابلہ کریں اور اسے خفیہ تدبیر یا براہ راست حملہ کر کے ختم کرنے کی کوشش کریں۔ آپ ﷺ نے حمیر اور ہمدان کے بعض سرکردہ افراد کو بھی خطوط ارسال کیے کہ وہ متحد ہو کر اسود عنسی کے خلاف ابناء، یعنی یمن کے مسلمان باشندوں کی مدد کریں،[6] چنانچہ آپ ﷺ نے وبر بن یحنس کو فیروز دیلمی، جشیش دیلمی اور داذویہ اصطخری کی طرف بھیجا۔ حضرت جریر بجلی رضی اللہ عنہ کو ذی الکلاع حمیری اور ذی ظلیم حمیری کی طرف روانہ کیا۔ اور اقرع بن عبداللہ

[1] البدء والتاریخ للمقدسي: 229/5. [2] الطبقات لابن سعد: 535/5. [3] الیمن في صدر الإسلام للدکتور عبدالرحمٰن الشجاع، ص: 258. [4] الاحسیہ: یمن میں ایک مقام کا نام ہے۔ (معجم البلدان: 112/1.) [5] تاریخ الطبري: 50,49/4. [6] الیمن في صدر الإسلام للدکتور عبدالرحمٰن الشجاع، ص: 271.

حمیری کو ذی زود اور ذی مران ہمدانی کی طرف بھیجا۔ آپ ﷺ نے اہل نجران کے بدوؤں اور دیگر اہلِ علاقہ کو بھی خطوط لکھے۔[1] حارث بن عبداللہ جہنی کو اپنی وفات سے قبل یمن بھیجا۔ انھیں رسول اللہ ﷺ کی وفات کی خبر یمن ہی میں موصول ہوئی تھی۔[2]

مصادر سے یہ بات واضح نہیں ہوسکی کہ رسول اللہ ﷺ نے حارث بن عبداللہ جہنی کو (یمن کی) کس جانب یا کس خاص مقام کی طرف بھیجا تھا۔ ممکن ہے انھیں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی طرف روانہ کیا گیا ہو کیونکہ انھیں رسول اللہ ﷺ کا ایک خط موصول ہوا تھا جس میں آپ نے انھیں حکم دیا تھا کہ اسود عنسی کو قتل کرنے کے لیے لشکر بھیجو[3] جیسا کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری اور طاہر بن ابی ہالہ کو بھی رسول اللہ ﷺ کا خط ملا تھا کہ اسود عنسی کو دھوکے سے یا فوجی حملے کے ذریعے سے قتل کرنے کی کوشش کرو۔[4]

بہر حال رسول اللہ ﷺ کے ان خطوط کا خاطر خواہ نتیجہ نکلا۔ جن کی طرف آپ نے یہ خطوط ارسال کیے تھے وہ آپ کی زندگی میں اور وفات کے بعد بھی اسلام پر پختہ رہے۔ ان میں سے کوئی مرتد یا متزلزل نہیں ہوا۔ حمیر اور ہمدان کے سرداروں نے اپنے تعاون اور مدد کے لیے ابناء کو خط لکھے۔ عین اسی وقت اسود عنسی کے فتنۂ ارتداد کا مقابلہ کرنے کے لیے اہل نجران بھی ایک جگہ اکٹھے ہوگئے۔ اس وقت اسود عنسی کو اپنی ہلاکت کا یقین ہوگیا۔[5]

اہل ہمدان، اہل حمیر، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور بعض یمنی زعماء کے درمیان مسلسل خط کتابت جاری رہی۔ ممکن ہے کہ ابناء اور فروہ بن مسیک کے مابین بھی خط کتابت ہوئی ہو کیونکہ اسود کو قتل کرنے میں اس کا کردار بھی شامل ہے،[6] تاہم اسود عنسی کے مقابلے میں سب سے پہلے عامر بن شہر ہمدانی آیا۔

---

[1] تاریخ الطبري:4/52. [2] الیمن في صدر الإسلام للدکتور عبدالرحمٰن الشجاع، ص:271.
[3] الیمن في صدر الإسلام للدکتور عبدالرحمٰن الشجاع، ص:272. [4] تاریخ الطبري:4/51.
[5] الیمن في صدر الإسلام للدکتور عبدالرحمٰن الشجاع، ص:272. [6] الیمن في صدر الإسلام للدکتور عبدالرحمٰن الشجاع، ص:272.

اس طرح اسود عنسی کو قتل کرنے کے لیے یمن میں تمام اسلامی قوتیں جمع ہوگئیں۔ یہاں یہ بات بھی بخوبی معلوم ہوتی ہے کہ وہ سب اسود کے قتل پر متفق تھے۔ انھیں معلوم تھا کہ اسود عنسی کو قتل کرتے ہی یہ فتنہ جڑ سے ختم ہوجائے گا اور اس کے پیروکاروں کو کوئی پناہ گاہ نہیں مل سکے گی۔ اس لیے انھوں نے ابناء کے اس پلان پر اتفاق کیا کہ داخلی امور کی مضبوطی سے پہلے وہ کوئی کارروائی نہ کریں۔ ابنائے فیروز اور داذویہ، اسود عنسی کے خلاف قیس بن مکشوح مرادی کے ساتھ معاہدہ کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ یہ شخص اسود عنسی کا کمانڈر تھا لیکن باہمی چپقلش کی وجہ سے اسود سے ناراض اور خوفزدہ ہوگیا تھا۔ [1] اسی طرح انھوں نے اسود عنسی کی بیوی آزاد الفارسیہ کو بھی ساتھ ملا لیا۔ یہ شہر بن باذان کی بیوی اور فیروز الفارسی کی چچازاد بہن تھی۔ اسود کذاب نے اس کے خاوند کو قتل کرکے اسے اپنے قبضے میں لے لیا تھا، چنانچہ یہ بھی اپنے دین کو ان جاہلی درندوں کے چنگل سے آزاد کرانے کے لیے پورے عزم کے ساتھ کوشاں ہوگئی۔ اس نے مسلمانوں کے ساتھ مل کر اس طاغوت کو دھوکے سے قتل کرنے کا پروگرام بنایا جو خود کو الٰہ بنائے پھرتا تھا۔ [2] اسی نے مسلمانوں کے لیے اسود کو اس کے بستر پر قتل کرنے کی راہ ہموار کی۔ [3] جب اسود قتل ہوگیا تو اس کا سر قلم کرکے اس کے پیروکاروں کے ہجوم میں پھینک دیا گیا جس سے ان پر ہیبت طاری ہوگئی اور وہ فرار ہوگئے۔ [4]

جس رات اسود قتل ہوا اسی رات رسول اللہ ﷺ کو وحی آگئی اور آپ ﷺ نے صحابۂ کرام کو خوشخبری سناتے ہوئے فرمایا:

«قُتِلَ الْعَنْسِيُّ الْبَارِحَةَ، قَتَلَهُ رَجُلٌ مُّبَارَكٌ مِّنْ أَهْلِ بَيْتٍ مُّبَارَكِينَ»

[1] اليمن في صدر الإسلام للدكتور عبدالرحمٰن الشجاع، ص:273,272. [2] حركة الردة للدكتور علي العتوم، ص:309. [3] اليمن في صدر الإسلام للدكتور عبدالرحمٰن الشجاع، ص:273. [4] اليمن في صدر الإسلام للدكتور عبدالرحمٰن الشجاع، ص:273.

''گزشتہ رات عنسی قتل ہوگیا ہے۔ اسے مبارک خاندان کے ایک مبارک شخص نے قتل کیا ہے۔''

آپ ﷺ سے پوچھا گیا: ''وہ کون ہے؟'' آپ نے جواب دیا:

«فَيْرُوزُ، فَازَ فَيْرُوزُ» ''فیروز، فیروز کامیاب ہوگیا۔''[1]

اسود عنسی کو قتل کرنے کے پلان کی وضاحت ڈاکٹر صلاح الخالدی نے اپنی کتاب ''صور من جهاد الصحابة'' میں بیان کی ہے۔ اس کتاب میں انھوں نے اُن جہادی کارروائیوں کی تفصیل بیان کی ہے جو صحابۂ کرام کے مخصوص گروہ نے پایۂ تکمیل کو پہنچائی تھیں۔[2]

صنعاء کے انتظامی امور فیروز، داذویہ اور قیس بن مکشوح مل کر چلاتے رہے حتی کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ صنعاء تشریف لے آئے تو یہ سب حضرات انھیں اپنا امیر بنانے پر راضی ہوگئے۔ لیکن ابھی ان کی امامت کے صرف تین دن ہی گزرے تھے کہ انھیں رسول اللہ ﷺ کی وفات کی خبر مل گئی۔[3]

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فیروز دیلمی کو صنعاء کا امیر مقرر کیا اور انھیں تقرر کا پروانہ بھیج دیا۔ آپ نے قیس بن مکشوح کو امیر مقرر نہیں کیا کیونکہ وہ اسود عنسی کا مخلص ساتھی رہ چکا تھا۔ اس نے اسود کا ساتھ قبائلی عصبیت یا سرداری کے حصول کے لیے دیا تھا، جبکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا اصول یہ تھا کہ جو مرتد ہو چکا ہو اس سے ملکی امور چلانے میں مدد نہیں لی جائے گی،[4] لہٰذا انھوں نے داذویہ، جشیمش اور قیس بن مکشوح کو فیروز کا معاون مقرر کیا۔ اس بات سے قیس کی نیت خراب ہوگئی اور اس نے ابناء کے تینوں زعماء کو قتل کرنے کا پروگرام بنالیا۔ داذویہ کو وہ براہ راست یا کسی کو حکم دے کر قتل کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ فیروز کو اس کی سازش کی

[1] تاريخ الطبري : 55/4. [2] صور من جهاد الصحابة للخالدي، ص:211-228. [3] تاريخ الطبري: 56/4. [4] اليمن في صدر الإسلام للدكتور عبدالرحمٰن الشجاع، ص:275.

اطلاع ہوئی تو وہ اپنے ننھیال کے پاس خولان میں پناہ گزیں ہوا۔[1] قیس نے قبائلی عصبیت کو ہوا دے کر بعض قبائلی سرداروں کو ابناء کے خلاف جمع کرنے کی کوشش کی۔ انھیں یہ باور کرایا کہ یہ لوگ زبردستی تم پر حکمرانی کر رہے ہیں اور وہ تمھارے زعماء کو قتل اور باقی لوگوں کو جلاوطن کرنا چاہتے ہیں لیکن مذکورہ سردار غیر جانبدار رہے اور قیس یا ابناء کے ساتھ شامل نہ ہوئے۔ انھوں نے قیس کو جواب دیا: ''تو ان کا ساتھی ہے اور وہ تیرے ساتھی ہیں۔''

جب قیس ان سرداروں سے مایوس ہوگیا تو اس نے اسود عنسی کے شکست خوردہ فوجیوں کے ساتھ ساز باز شروع کردی۔ وہ صنعاء، نجران اور لحج میں قیام پذیر تھے۔ قیس نے ان سب کو ملنے کا کہا تاکہ وہ سب مل کر ابناء کو جلاوطن کرنے کے منصوبے میں کامیاب ہوسکیں۔ اہل صنعاء کو ان کی جتھہ بندی کا کوئی علم نہ ہوسکا حتی کہ ان شکست خوردہ لشکریوں نے اہل صنعاء کو گھیر لیا، پھر قیس نے ابناء کو اکٹھا کرنے کی کوشش کی تاکہ ان کی جلاوطنی کا پروگرام شروع کیا جاسکے۔[2] فیروز دیلمی نے خولان پہنچ کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو قیس کے کرتوت لکھ بھیجے۔ خط ملتے ہی حضرت ابوبکر نے ان زعماء کو خطوط بھیج دیے جنھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطوط لکھے تھے۔ خط کا مضمون بڑا واضح تھا:

«أَعِينُوا الْأَبْنَاءَ عَلٰى مَنْ نَّاوَاهُمْ وَ حَوِّطُوهُمْ وَاسْمَعُوا مِنْ فَيْرُوزَ وَجِدُّوا مَعَهٗ فَإِنِّي قَدْ وَلَّيْتُهٗ»

''ابناء کے دشمنوں کے خلاف ابناء کی مدد کرو، ان کے مخالفین کا گھیراؤ کرو۔ فیروز کی فرماں برداری کرو، اس کے ساتھ مل کر جدوجہد کرو، بے شک میں نے اسے امیر مقرر کیا ہے۔''[3]

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اس پلان کے دو مرکزی ہدف تھے:

---

[1] تاريخ الطبري: 140/4. [2] اليمن في صدر الإسلام للدكتور عبدالرحمٰن الشجاع، ص: 264، وتاريخ الطبري: 140/4. [3] تاريخ الطبري: 141/4.

❁ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس منہج کو جنگی پلان بنایا کیونکہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کا لشکر شام روانہ ہو چکا تھا اور خلیفۂ رسول کو اس کی آمد کا انتظار تھا تا کہ یمامہ، بحرین، عمان اور تمیم میں فتنۂ ارتداد کے مقابلے کے لیے آسانی ہو کیونکہ فتنے کی یہ لہر یمن میں موجود فتنے سے کہیں زیادہ شدید تھی۔ یمن کے فتنوں کا علاج حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خطوط اور پیغامبروں کے ذریعے سے کر لیا تھا۔

❁ دوسرا ہدف اسلام پر ثابت رہنے والوں کو موقع فراہم کرنا تھا کہ وہ اپنے اسلام کی سچائی کے مزید براہین دیکھ لیں اور ثبات و یقین میں مزید پختہ ہو جائیں۔ ایسا کرنا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ذمہ داری تھی کیونکہ وہی مسلمانوں کے مسئول اور اپنے اردگرد کے لوگوں کے اقرار اسلام کے ذمہ دار تھے، خصوصاً جنھیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خطوط ارسال کیے تھے، انھیں اس سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی خطوط بھیج چکے تھے اور وہ لوگ اسلام پر قائم رہے تھے۔[1]

فیروز دیلمی نے بعض قبائل سے رابطہ کر کے ان سے مدد کی اپیل کی۔ ان میں سرفہرست بنو عقیل بن ربیعہ بن عامر بن صعصعہ تھے، پھر یہی اپیل قبیلہ عک سے بھی کی گئی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے طاہر بن ابی ہالہ کو اور مسروق عکی کو بھی خط لکھا تھا۔[2] قبیلہ عک اور اشعریوں کے درمیان ابناء کی مدد و تعاون کا معاہدہ بھی تھا، چنانچہ یہ سب لوگ اپنی اپنی جانب سے نکلے۔ انھوں نے فتنے کے خاتمے کے لیے بھرپور کوششیں کیں اور قیس کی طرف سے ابناء کو یمن سے جلا وطن کرنے کے منصوبے کو ناکام بنا دیا۔ انھوں نے ابناء کو بچانے کے بعد صنعاء پر چڑھائی کر دی۔ وہاں قیس کے ساتھ ٹکراؤ ہوا تو وہ صنعاء سے نکل بھاگا۔ اور اسود عنسی کے ساتھیوں کی طرح نجران، صنعاء اور لحج میں ٹھوکریں کھاتا رہا، البتہ وہ عمرو بن معدیکرب زبیدی کے ساتھ شامل ہونے میں کامیاب ہو گیا، چنانچہ صنعاء دوسری

① اليمن في صدر الإسلام للدكتور عبدالرحمن الشجاع، ص: 275. ② تاريخ الطبري: 4/144.

مرتبہ پیغامبروں اور خطوط کے ذریعے امن وامان حاصل کرنے میں کامیاب رہا۔ [1]

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس فتنے کو اندرونی قوتوں کے ذریعے سے ختم کرنے کی پالیسی پر گامزن رہے۔ مؤرخین اس پالیسی کو «رُكُوبُ مَنِ ارْتَدَّ بِمَنْ لَّمْ يَرْتَدَّ وَثَبَتَ عَلَى الْإِسْلَامِ» ''اسلام پر ثابت قدم رہنے والوں کو مرتدین کے خلاف برسرپیکار کرنے'' کی پالیسی کے عنوان سے یاد کرتے ہیں۔ [2]

تہامۂ یمن میں فتنۂ ارتداد کے خاتمے میں خلیفۃ المسلمین کی کوششوں کا کوئی ذکر نہیں ملتا بلکہ تہامہ کے مسلمانوں، مثلاً: مسروق عکی وغیرہ نے اپنی قوم کے ساتھ اس فتنے کی سرکوبی کی۔ تہامہ میں فتنۂ ارتداد کو ختم کرنے والوں کے سرخیل طاہر بن ابی ہالہ تھے جنھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تہامہ کے ایک حصے کا والی مقرر کیا تھا جو کہ عک اور اشعری قبیلوں کا علاقہ تھا۔ [3]

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عکاشہ بن ثور کو حکم دیا کہ وہ تہامہ میں رہ کر اہل تہامہ کی صف بندی کریں اور نئے احکام موصول ہونے کا انتظار کریں۔ [4] آپ نے بجیلہ قبیلے کی طرف حضرت جریر بجلی رضی اللہ عنہ کو بھیجا [5] اور انھیں حکم دیا کہ وہ اپنی قوم کے پختہ مسلمانوں کو اپنے ساتھ لے کر مرتدین کے ساتھ جہاد کریں اور خثعم قبیلے کے مرتدین کو بھی تہ تیغ کریں۔ حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے احکام نافذ کرنے کے لیے روانہ ہوگئے۔ ان کے مقابلے میں صرف چند لوگ ہی آسکے جنھیں انھوں نے قتل کردیا اور مفروروں کا پیچھا کیا۔ [6]

[1] تاريخ الطبري: 142/4. [2] اليمن في صدر الإسلام للدكتور عبدالرحمٰن الشجاع، ص: 277. [3] اليمن في صدر الإسلام للدكتور عبدالرحمٰن الشجاع، ص: 277. [4] اليمن في صدر الإسلام للدكتور عبدالرحمٰن الشجاع، ص: 277. [5] حضرت جریر بن عبد اللہ بجلی رضی اللہ عنہ کی کنیت ابوعمرو ہے اور یہ 10 ہجری میں مسلمان ہوئے۔ [6] الثابتون على الإسلام للدكتور مهدي رزق الله، ص: 42.

نجران میں بنوحارث بن کعب کے کچھ افراد اسود عنسی کے پیروکار ہوگئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد وہ متردد رہے۔ حضرت مسروق عکی ان سے جنگ کے لیے پہنچے تو پہلے انھیں اسلام کی دعوت دی جو انھوں نے بغیر جنگ کیے قبول کرلی، چنانچہ مسروق عکی نجران میں رک گئے اور امور حکومت کی دیکھ بھال کرتے رہے۔ حضرت مہاجر بن ابی امیہ کے آنے تک نجران کے تمام معاملات سدھر چکے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف سے فتنے کو اندرونی قوتوں کے ذریعے ختم کرنے کی پالیسی کامیاب ہوگئی اور آپ جیش اسامہ کی واپسی کے بعد لشکر روانہ کرنے میں مصروف ہوگئے۔ [1]

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کی کندہ کی طرف پیش قدمی

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ عمان کے مرتدین کی طرف سے فراغت پاکر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حکم کے مطابق مہرہ کی طرف چلے گئے۔ ان کے ساتھ سات سو گھڑسوار بھی تھے [2] جبکہ عمانی قبائل کے جنگجو اس کے علاوہ تھے۔ جب وہ مہرہ کے علاقے میں داخل ہوئے تو انھوں نے دیکھا کہ علاقہ دو متحارب گروپوں میں منقسم ہے۔ ایک گروپ شخریت کی قیادت میں سمندری ساحلی علاقوں پر قابض ہے تو دوسرا مصبح کی سربراہی میں بلند مقامات پر قابض ہے اور تعداد میں پہلے گروپ سے زیادہ ہے۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے انھیں اسلام کی دعوت دی۔ ساحلی علاقے والے شخریت نے یہ دعوت قبول کرلی، جبکہ دوسرے گروہ نے اپنی عددی قوت کے گھمنڈ میں یہ دعوت ٹھکرادی، لہٰذا حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے شخریت کی معیت میں ان سے جنگ کی اور انھیں شکست فاش دے دی۔ مصبح اپنے بے شمار ساتھیوں سمیت قتل ہوگیا۔ حضرت عکرمہ مہرہ میں قیام پذیر ہوکر مسلمانوں کو جمع کرتے رہے۔ جب ان کے معاملات درست ہوگئے تو ان کا امیر مقرر کردیا کیونکہ انھوں نے اسلام پر بیعت کرلی تھی، ایمان لے آئے تھے اور امن وسکون

[1] تاریخ الردۃ للکلاعی، ص: 156. [2] تاریخ الردۃ للکلاعی، ص: 177.

سے رہنے لگے تھے۔ ①

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا خط مل چکا تھا کہ وہ صنعاء سے آنے والے حضرت مہاجر بن ابی امیہ کے ساتھ مل کر کندہ چلے جائیں، لہٰذا وہ مہرہ سے نکل کر اَبین آگئے اور حضرت مہاجر رضی اللہ عنہ کا انتظار کرنے لگے۔ ابین رہتے ہوئے انھوں نے نخع اور حمیر قبائل کو اسلام پر جمع اور ثابت قدم رکھنے کی بھرپور کوشش کی۔ ②

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کے ابین آنے کا اثر اسود عنسی کے لشکریوں پر بھی پڑا، خصوصًا قیس بن مکشوح اور عمرو بن معدیکرب پر۔ قیس صنعاء سے فرار کے بعد ابین اور نجران کے علاقوں میں آتا جاتا رہتا تھا، جبکہ اسود عنسی کے لشکری لحج کی طرف گامزن تھے۔ جب حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو قیس بھی عمرو بن معدیکرب سے جاملا اور یہ دونوں جنگ کے لیے تیار ہوگئے۔ لیکن ان میں جلد ہی پھوٹ پڑ گئی اور یہ ایک دوسرے پر طعن و تشنیع کرتے ہوئے جدا ہوگئے۔ جب حضرت مہاجر بن ابی امیہ آئے تو عمرو نے اپنے آپ کو ان کے حوالے کردیا۔ اس کے پیچھے پیچھے قیس بھی خودسپردگی کے لیے حاضر ہوگیا۔ حضرت مہاجر رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کو گرفتار کر کے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بھیج دیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انھیں خوب ملامت کی جس پر ان دونوں نے اپنے فعل پر معذرت کی۔ حضرت ابوبکر نے انھیں آزاد کردیا اور یہ توبہ اور اپنی اصلاح کرنے کے بعد لوٹ گئے۔ ③

اس طرح لحج میں موجود مرتد دستوں کے خاتمے میں مشرق سے آنے والے حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کا کردار بڑا اہم ہے۔ یہ مرتد دستے اس لشکر سے ٹکراؤ کے بعد یا محض خوف کے مارے ختم ہوگئے، جبکہ شمالی جانب سے ایک اور اسلامی لشکر حضرت مہاجر رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ان کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار تھا۔ ④

① تاریخ الردة للکلاعي، ص:155. ② الیمن في صدر الإسلام للدکتور عبدالرحمٰن الشجاع، ص:281. ③ الطبقات لابن سعد: 5/534,535. ④ الیمن في صدر الإسلام للدکتور عبدالرحمٰن الشجاع، ص:282.

حضرموت اور کندہ کے مرتدوں کے خلاف مہاجر رضی اللہ عنہ کی پیش قدمی

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے تشکیل کردہ گیارہ لشکروں میں سے سب سے آخر میں حضرت مہاجر بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ کا لشکر مدینہ منورہ سے روانہ ہوا، جبکہ ان کے ساتھ مہاجرین و انصار صحابۂ کرام کا ایک دستہ بھی تھا۔ یہ لشکر مکہ مکرمہ سے گزرا تو عتاب بن اسید کے بھائی خالد بن اسید امیر مکہ بھی ساتھ ہو لیے۔ جب یہ لشکر طائف سے گزرا تو عبدالرحمٰن بن ابی العاص اپنے ساتھیوں سمیت اس لشکر میں شامل ہو گئے۔ نجران میں حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کو بھی ساتھ ملا لیا گیا، اسی طرح عکاشہ بن ثور کو بھی اپنے ساتھ لے لیا گیا جو اہل تہامہ کو جمع کر چکے تھے، پھر اس لشکر میں فروہ بن مسیک بھی شامل ہو گئے جو کہ مذحج کے نواح میں متعین تھے، پھر یہ لشکر نجران میں بنو حارث کے پاس سے گزرا تو ان کے امیر مسروق عکی بھی اس کے ساتھ مل گئے۔[1]

نجران میں مہاجر رضی اللہ عنہ نے اپنے لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصے کو نجران اور صنعاء میں منتشر اسود عنسی کے باقی ماندہ لشکر کو ختم کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی، اس کی کمان حضرت مہاجر رضی اللہ عنہ نے بنفس نفیس سنبھال لی اور دوسرے حصے کی کمان اپنے بھائی عبداللہ کو دی۔ اسے تہامۂ یمن کو بقیہ مرتدوں سے پاک کرنے کا فریضہ سونپا گیا۔[2]

جب حضرت مہاجر صنعاء میں قیام پذیر ہو گئے تو انھوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنی کارروائی اور علاقے کے پرامن ہونے کی اطلاع بھیجی اور جواب کا انتظار کرنے لگے۔ عین اسی وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے متعین امراء، مثلاً: حضرت معاذ بن جبل اور دیگر عمال نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے واپس مدینہ منورہ آنے کی اجازت طلب کی۔ صرف حضرت زیاد بن لبید نے یہ درخواست نہیں کی۔

[1] تاریخ الردة للكلاعي، ص: 154-158. [2] طبقات فقهاء اليمن لعمر بن علي الجعدي، ص: 36.

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا جوابی خط آ گیا۔ اس میں انھوں نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سمیت تمام عمال کو اختیار دیا تھا کہ وہ واپس آنا چاہیں تو اپنا نائب مقرر کر کے واپس آسکتے ہیں، چنانچہ وہ سب واپس چلے گئے۔[1] جبکہ حضرت مہاجر رضی اللہ عنہ کو یہ حکم ملا کہ وہ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے ملیں اور اکٹھے حضرموت روانہ ہو جائیں اور زیاد بن لبید کی مدد کریں۔ آپ نے انھیں ان کی پوسٹ پر برقرار رکھا اور انھیں حکم دیا کہ جو مجاہدین مکہ مکرمہ اور یمن میں جہادی کارروائیوں میں شرکت کر چکے ہیں اور اب واپس آنا چاہتے ہوں تو وہ انھیں اجازت دے دیں الا یہ کہ وہ خود جہادی کارروائیوں میں شرکت کو ترجیح دیں۔[2]

حضرت زیاد بن لبید رضی اللہ عنہ حضرموت میں کندہ کے گورنر تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں مقرر کیا تھا۔ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی انھیں برقرار رکھا۔ آپ بڑے محتاط اور سخت مزاج تھے۔ حضرت حارثہ بن سراقہ کی آپ کے خلاف بغاوت کا بہت بڑا سبب آپ کی شدت اور ضرورت سے زیادہ احتیاط تھی۔

اس واقعے کا خلاصہ جناب الکلاعی کے الفاظ میں یوں ہے: ''زیاد کو صدقے میں سے غلطی سے ایک کندی نوجوان کی تیز رو اونٹنی دے دی گئی۔ نوجوان نے اونٹنی تبدیل کرنا چاہی تو حضرت زیاد نے انکار کر دیا۔ نوجوان نے اپنے سردار حارثہ بن سراقہ سے مدد چاہی۔ حضرت حارثہ نے اونٹنی تبدیل کرنے کا مطالبہ کیا تو حضرت زیاد اپنے موقف پر ڈٹ گئے کہ اونٹنی تبدیل نہیں ہوسکتی۔ اس پر جناب حارثہ غصے میں آ گئے اور انھوں نے اونٹنی کو زبردستی کھول لیا۔ اس سے زیاد اور حارثہ کے طرفداروں میں لڑائی ہوگئی۔ لڑائی میں حضرت حارثہ کو شکست ہوگئی۔ کندہ کے چار سربراہ قتل ہوگئے اور زیاد نے حضرت حارثہ کے بہت سارے ساتھی قید کر لیے۔ یہ قیدی مدینہ منورہ بھیجے جا رہے تھے کہ حارثہ نے

[1] طبقات فقهاء اليمن لعمر بن علي الجعدي، ص:36. [2] اليمن في صدر الإسلام للدكتور عبدالرحمٰن الشجاع، ص:283.

راستے میں اشعث بن قیس سے مدد طلب کر لی۔ اس نے قبائلی عصبیت میں آکر خوب تیاری کی اور ایک بڑا لشکر لے کر مسلمانوں کو گھیر لیا۔[1] اس پر زیاد نے حضرت عکرمہ اور مہاجر کو جلد از جلد مدد کے لیے بلا لیا۔ یہ دونوں اصحاب مارب میں موجود تھے۔ جناب مہاجر نے لشکر کی کمان حضرت عکرمہ کے حوالے کی اور خود گھڑ سواروں کی اکثریت کے ساتھ تیز رفتاری سے زیاد کی مدد کو روانہ ہو گئے۔ اس لشکر نے مسلمانوں کو محاصرے سے نکال لیا اور کندہ والے اپنے نجیر نامی قلعے میں قلعہ بند ہو گئے۔ اس قلعے کے تین راستے تھے۔ ایک راستے پر حضرت زیاد دوسرے پر حضرت مہاجر فروکش ہو گئے اور تیسرا رستہ کندہ والوں کے تصرف میں باقی رہ گیا حتیٰ کہ حضرت عکرمہ بھی آ گئے۔ وہ اس رستے پر قابض ہو گئے۔ اس طرح مسلمانوں نے انھیں ہر طرف سے گھیر لیا، پھر حضرت مہاجر رضی اللہ عنہ نے قبائلِ کندہ کی طرف اور پہاڑوں اور میدانوں میں بکھرے ہوئے لوگوں کی طرف کچھ دستے روانہ کیے۔ وہ انھیں اسلام کی دعوت دیتے اور دعوت قبول نہ کرنے والوں سے لڑائی کرتے حتی کہ صرف قلعہ بند لوگ باقی بچ گئے۔[2]

حضرت زیاد اور مہاجر رضی اللہ عنہما کا لشکر پانچ ہزار مہاجرین و انصار صحابہ اور دیگر قبائل پر مشتمل تھا۔ حضرت زیاد اور مہاجر رضی اللہ عنہما نے قلعہ والوں کی سخت ناکہ بندی کر دی حتی کہ وہ بھوک سے تنگ آکر اپنے زعماء سے شکوے کرنے لگے اور بھوک سے مرنے کے بجائے تلوار سے قتل ہونے کو ترجیح دینے لگے، لہٰذا تمام زعماء نے اس بات پر اتفاق کیا کہ اشعث بن قیس مسلمانوں سے امان حاصل کرے اور وہ مسلمانوں کے حکم پر قلعہ سے اتر جائیں۔ اشعث کو یہ اختیار ملنے کے باوجود وہ مسلمانوں کے ساتھ صلح بندی میں اپنی قوم کے مفاد میں کوئی معاملہ طے نہ کر سکا۔ متعدد روایات میں آیا ہے کہ اس نے تمام محصورین

[1] الكامل في التاريخ لابن الأثير: 49/2، و الثابتون على الإسلام للدكتور مهدي رزق الله، ص: 66. [2] اليمن في صدر الإسلام للدكتور عبدالرحمٰن الشجاع، ص: 284، وتاريخ الطبري: 152/4.

کے لیے امان طلب ہی نہیں کی۔ نہ اس پر اصرار کیا بلکہ اس نے صرف سات سے دس افراد کے لیے امان طلب کی، جبکہ شرط یہ تھی کہ وہ نجیر قلعے کے دروازے کھول دے گا۔ اس معاہدے کی وجہ سے قلعے کے اندر سات سو کندی قتل کر دیے گئے، گویا ان کا موقف بنو قریظہ کے یہودیوں جیسا تھا۔[1]

کندہ کے مرتدین کا خاتمہ کر دیا گیا اور حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ قیدی اور خمس کا مال لے کر مدینہ منورہ لوٹ آئے، ان کے ساتھ اشعث بن قیس بھی تھا جو اپنی قوم کی نظروں میں گر گیا تھا، خصوصاً عورتوں کے نزدیک شدید نفرت کا نشان بن گیا تھا کیونکہ وہ اپنی ذلت و رسوائی کا سبب اشعث کو گردانتے تھے۔ یہ نفرت اس لیے بھی تھی کہ اس نے مسلمانوں سے امان طلب کرتے وقت اپنا نام سرفہرست رکھا۔ اس کی قوم کی عورتیں اسے ''عرف النار'' یعنی غدار کے نام سے پکارتی تھیں۔[2] جب اشعث حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انھوں نے فرمایا:

«مَاذَا تَرَانِي أَصْنَعُ بِكَ، فَإِنَّكَ قَدْ فَعَلْتَ مَا عَلِمْتَ»

''تمھارا کیا خیال ہے، میں تمھارے ساتھ کیسا سلوک کروں گا، جبکہ تمھیں اپنے کرتوتوں کا بخوبی علم ہے۔''

اس نے عرض کیا: مجھ پر احسان فرمائیے۔ مجھے بیڑیوں سے آزاد کر دیجیے اور اپنی بہن کا رشتہ عطا فرمائیے کیونکہ میں دوبارہ مسلمان ہو چکا ہوں۔ حضرت ابوبکر نے اس کی یہ درخواست قبول کر لی۔ اور اس کی شادی اپنی بہن ام فروہ بنت ابوقحافہ سے کر دی، پھر وہ فتح عراق تک مدینہ ہی میں رہا۔[3]

ایک روایت میں آیا ہے کہ جب اشعث بن قیس کو خدشہ ہوا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اسے

[1] اليمن في صدر الإسلام للدكتور عبدالرحمٰن الشجاع، ص:286، و تاريخ الردة للكلاعي، ص:167. [2] حركة الردة للدكتور علي العتوم، ص:107. [3] تاريخ الطبري:155/4.

سخت سزا دیں گے تو وہ کہنے لگا: ''کیا آپ خیر کی امید نہیں کرنا چاہتے، آپ میری قید ختم کر دیں، میری غلطی معاف فرمائیں۔ میرا اسلام لانا قبول کر لیں۔ اور میرے ساتھ ویسا ہی سلوک کریں جیسا آپ میرے جیسے افراد کے ساتھ کرتے رہے ہیں اور میری بیوی مجھے لوٹا دیں۔ اشعث جب پہلی مرتبہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا تو اس نے ام فروہ سے منگنی کی تھی۔ آپ ﷺ نے اس کی شادی طے کر دی اور رخصتی کو اگلی دفعہ آنے تک مؤخر کر دیا، پھر رسول اللہ ﷺ وفات پا گئے اور اشعث نے فتنۂ ارتداد میں شمولیت کر لی، لہٰذا اب وہ ڈرا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اسے اس کی بیوی واپس نہیں کریں گے، اس لیے اس نے یقین دلایا کہ اب آپ مجھے پورے علاقے میں اللہ کے دین کا سب سے بڑا پیروکار پائیں گے، لہٰذا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کی خطا معاف کر دی اور اس کی معذرت قبول کرتے ہوئے اس کی بیوی اس کے حوالے کر دی۔ پھر فرمایا:

«اِنْطَلِقْ فَلْيَبْلُغْنِي عَنْكَ خَيْرٌ»

''چلے جاؤ۔ اب مجھے تمھاری طرف سے اچھی خبر ہی ملنی چاہیے۔''

پھر آپ نے دوسرے قیدیوں کو بھی رہا کر دیا، چنانچہ وہ بھی چلے گئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خمس کا مال مستحقین میں تقسیم کر دیا۔ [1]

اسود عنسی کے واقعے سے ماخوذ اسباق، عبرتیں اور فوائد

عورت کا تعمیری کردار (آزاد فارسیہ مسلمہ)

یمن میں مرتدوں کے خلاف جنگ کے دوران عورت کے دو مختلف کردار سامنے آتے ہیں۔ ایک کردار مومنہ، طاہرہ، پاکدامن عورت کا ہے جو اسلام کا دامن مضبوطی سے

[1] تاریخ الطبري 455/4

تھامے ہوئے مرتدوں سے نبرد آزما ہے اور مسلمانوں کے ساتھ مل کر شیطانوں کے سرکش گروہوں کو سبق سکھا رہی ہے۔ یہ عورت شہر بن باذان کی بیوی اور فیروز فارسی کی چچازاد بہن آزاد فارسیہ ہے۔ اس نے مسلمانوں کے ساتھ مل کر یمن کے کذاب اسود عنسی کو موت کے گھاٹ اتارنے کے لیے بڑی مہارت سے خفیہ پلان ترتیب دیا، چنانچہ ہر دور کے مسلمان اس کے غیرت مندانہ دینی کردار کو عزت و توقیر کی نگاہ سے دیکھتے آئے ہیں، جبکہ ڈاکٹر محمد حسین ہیکل کے قلم سے نکلے ہوئے الفاظ کو ہر شخص نے ناپسند کیا ہے۔ ڈاکٹر موصوف نے محترمہ آزاد فارسیہ کے کردار کا جائزہ لیتے ہوئے اسے یمن کے کذاب کے خلاف شہوانی حربوں سے کام لینے والی خاتون باور کرانے کی ناکام کوشش کی ہے۔ ڈاکٹر موصوف اسود کے بارے میں لکھتے ہیں:

''جب اسود عنسی کا معاملہ مستحکم ہوگیا اور اس نے علاقے میں خوب خون ریزی بھی کر لی تو اس نے قیس اور فیروز کو بڑا ذلیل و رسوا کیا۔ وہ سمجھتا تھا کہ یہ دونوں اشخاص اور دیگر فارسی لوگوں کے سینے اس کے خلاف مکروفریب سے بھرے ہوئے ہیں۔ اسود کی فارسی بیوی بھی اسے بھانپ گئی، لہٰذا اس کے دل میں قوم کی محبت کوندنے لگی۔ یوں اس کے دل میں اس بدشکل کاہن کے خلاف نفرت کے الاؤ بھڑک اٹھے جس نے اس کے اُس فارسی خاوند کو بھی قتل کر دیا تھا جسے وہ دل کی گہرائیوں سے چاہتی تھی، پھر وہ اپنی نسوانی خصلت کی بدولت اسود سے اپنی نفرت کو چھپانے میں کامیاب ہوگئی اور اپنی نسوانی وجاہت کو بروئے کار لانے لگی۔ اس طرح اسود اس کی طرف بڑھتا چلا گیا اور اس سے وفا کی امید رکھنے لگا۔''[1]

ڈاکٹر موصوف کے اس اسلوب میں آزاد فارسیہ مسلمہ پر طعن موجود ہے۔ دوسرے

[1] الصدیق أبوبکر لمحمد حسین ھیکل، ص:79۔

لفظوں میں وہ فارسیہ کو اسود کے ساتھ غداری کا الزام دے رہے ہیں اور اس کے کردار کو منافقانہ گردان رہے ہیں، حالانکہ ڈاکٹر موصوف کی یہ توجیہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اس مسلمان نیک سیرت عورت کے خاوند کو اسود نے قتل کر دیا تھا اور پھر زبردستی اس پر قبضہ کر لیا تھا۔ چنانچہ اس نیک سیرت خاتون نے اسود کو کذاب قرار دیا تھا۔ وہ کہتی تھی: ''اللہ کی قسم! اللہ کی ساری مخلوق میں میرے نزدیک اسود سب سے برا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کا کوئی حق ادا کرتا ہے نہ کسی حرام کے ارتکاب سے بچتا ہے۔''[1]

اسی عورت کو اللہ تعالیٰ نے سرکش و باغی اسود عنسی کے قتل کا سبب بنایا۔ اگر اللہ تعالیٰ کی مدد نہ ہوتی، پھر اسی عورت کی مخلصانہ کوششیں شامل حال نہ ہوتیں تو فیروز اور اس کے ساتھی اس کذاب کو قتل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکتے۔[2] اس عظیم عمل کی ترغیب اسے کس نے دی؟ وہ اسی کارروائی کے دوران شہید ہوگئی۔ یہ اس کی اپنے دین، عقیدے اور اسلام سے گہری محبت اور اسود عنسی کذاب کے ساتھ شدید نفرت تھی جس کے باعث اس نے جان کی بازی لگا کر ایسے کذاب کو قتل کرنے میں اہم کردار ادا کیا جو یمن میں اسلام کو نابود کرنے نکلا تھا۔ یہ وہ شاندار کردار ہے جو ایک مسلمان خاتون نے اپنے دین سے محبت کی وجہ سے یمن میں جہاد کے دوران ادا کیا۔

عورت کا تخریبی کردار (حرکۃ البغایا)

دوسرا سیاہ کردار بعض یمنی یہودی عورتوں اور حضرموت سے ان کی ہمنوا عورتوں کا ہے۔ یہ بدبخت خواتین رسول اللہ ﷺ کی وفات پر خوشی سے پھولے نہ سماتی تھیں۔ انھوں نے اس موقع پر فسق و فجور اور لہو ولعب پر مشتمل رنگین راتوں کا اہتمام کیا۔ جس میں وہ بدکاری کی ترغیب دیتی تھیں اور پاکدامنی کا ذرا پاس لحاظ نہ کرتی تھیں۔ ان راتوں

[1] الکامل في التاریخ لابن الأثیر: 310/2. [2] حرکۃ الردۃ للدکتور علي العتوم، ص: 308.

میں شیطان اور اس کے چیلے ان کے ساتھ مل کر رقص کرتے رہے۔ لوگوں کے دین اسلام سے منحرف ہونے، سرکشی اور بغاوت کی دعوت دینے اور مسلمانوں کے خلاف برسرِ پیکار ہونے پر شیطان، اس کے چیلے اور یہ خواتین بے حد خوش تھیں۔ ① یہ بدکار عورتیں جاہلیت اور منکرات کی طرف یوں دیوانہ وار پلٹ گئیں جس طرح مکھیاں گندگی کے ڈھیر پر لپکتی ہیں۔ یہ جاہلیت میں بے حیائی اور فواحشات کی دلدادہ تھیں۔ جب اسلام آیا تو اس نے اپنی نظافت و پاکیزگی کی بنا پر انھیں ان کی بے ہودگیوں سے روک دیا۔ یہ ممانعت انھیں ایسی لگی جیسے وہ ایسی جیل میں بند ہو گئی ہوں جس میں ان کا سانس بند ہو جائے گا اور وہ مر جائیں گی، اسی لیے جب انھیں پیغمبر اسلام کی وفات کی خبر ہوئی تو انھوں نے اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف اپنے خبث باطن کا برملا اظہار شروع کر دیا۔ انھوں نے ہاتھوں پر مہندی لگائی اور خوشی سے دف بجا بجا کر گیت گانے شروع کر دیے۔ اسود عنسی کی نئی حکومت نے ان کی دلی تمنائیں پوری کر دیں۔ ان خواتین کی اکثریت امیر لوگوں میں سے تھی اور کچھ یہودی عورتیں تھیں۔ یہودی اور عربی رؤسا دونوں گروہوں کے بہت سے مفادات اسلام کی بنیادوں کو کھوکھلا کرنے اور اسلام کی عمارت کو گرانے ہی سے حاصل ہوتے تھے۔ تاریخ میں اس تحریک کو ''حرکۃ البغایا'' یعنی بدکار عورتوں کی تحریک کے عنوان سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ تیس کے قریب بدکار عورتیں تھیں جو حضرموت کے دیہاتوں اور بستیوں میں آباد تھیں۔ ان میں سے مشہور ترین ہر بنت یامن یہودیہ ہے۔ اس کی زنا کاری ضرب المثل بن چکی ہے، کہا جاتا ہے: «أَزْنٰی مِنْ هِرٍّ» !! ''ہر سے بھی بڑا زانی۔''

تاریخ کے اوراق بتاتے ہیں کہ بدکردار مرد جاہلیت میں اس کے پاس باری باری آتے تھے۔ لیکن ان بدکردار عورتوں کو کھل کھیلنے کی اجازت نہیں دی گئی مبادا وہ پورے

① حركة الردة للدكتور علي العتوم، ص: 119۔

معاشرے کو برباد کردیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ان کی خبر ملی۔ اہل یمن کے ایک شخص نے انھیں درج ذیل اشعار لکھ کر بھیجے:

أَبْلِغْ أَبَا بَكْرٍ إِذَا مَا جِئْتَهُ ۔۔۔ أَنَّ الْبِغَايَا رُمْنَ أَيَّ مَرَامِ

أَظْهَرْنَ مِنْ مَّوْتِ النَّبِيِّ شَمَاتَةً ۔۔۔ وَّ خَضَبْنَ أَيْدِيَهُنَّ بِالْعُلَّامِ!

فَاقْطَعْ، هُدِيتَ، أَكَفَّهُنَّ بِصَارِمٍ ۔۔۔ كَالْبَرْقِ أَوْمَضَ مِنْ مُّتُونِ غَمَامِ

''جب تم ابوبکر کی خدمت میں حاضر ہوگے تو انھیں اطلاع دینا کہ بدکار عورتوں نے کیا کیا گل کھلائے ہیں۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی وفات پر خوشی کے شادیانے بجائے ہیں اور اپنے ہاتھ مہندی سے رنگے ہیں، لہٰذا آپ تیز دھار تلوار تھامیے اور ان کے ہاتھ اتنی تیز اور سفید تلوار سے کاٹ ڈالیے جس طرح بادلوں میں بجلی چمکتی ہے۔''[1]

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے وہاں پر موجود اپنے امیر مہاجر بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ کو احتیاط سے ایک خط لکھا جس میں ان بدکار عورتوں کے معاملے میں جلدی اور سختی کرنے کا یوں حکم دیا:

«فَإِذَا جَاءَ كَ كِتَابِي هٰذَا فَسِرْ إِلَيْهِنَّ بِخَيْلِكَ وَ رَجِلِكَ حَتّٰى تُقَطِّعَ أَيْدِيَهُنَّ، فَإِنْ دَفَعَكَ عَنْهُنَّ دَافِعٌ فَاعْذِرْ إِلَيْهِ بِاتِّخَاذِ الْحُجَّةِ عَلَيْهِ وَ أَعْلِمْهُ عَظِيمَ مَا دَخَلَ فِيهَا مِنَ الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ، فَإِنْ رَّجَعَ فَاقْبَلْ مِنْهُ وَ إِنْ أَبٰى فَنَابِذْهُ عَلٰى سَوَاءٍ، إِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي كَيْدَ الْخَائِنِينَ»

''جب میرا یہ خط تمھیں مل جائے تو تم اپنے پیدل اور گھڑسوار دستوں کے ساتھ ان عورتوں کی طرف روانہ ہوجانا اور ان کے ہاتھ کاٹ ڈالنا۔ اگر تمھارے راستے میں کوئی شخص رکاوٹ بنے تو اسے دلیل سے سمجھانا اور اس کے سنگین جرم سے

[1] عیون الأخبار لأبي محمد عبداللہ بن مسلم: 133/3

اسے آگاہ کرنا۔ اسے بتانا کہ اس کی یہ مزاحمت گناہ کی حمایت اور اسلام دشمنی کے مترادف ہے، اگر وہ لوٹ جائے تو اس کا عذر قبول کر لینا اور اگر وہ اپنے موقف پر ڈٹ جائے تو تم اس سے بھی جنگ کرنا۔ بلاشبہ اللہ خیانت کاروں کے فریب کو کامیاب نہیں ہونے دیتا۔‘‘

حضرت مہاجر بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ نے جب آپ کا یہ مکتوب پڑھا تو اپنے جوانوں اور گھڑسوار دستوں کو ساتھ لے کر ان خبیث عورتوں کی طرف روانہ ہو گئے۔ لیکن حضرموت اور کندہ کے کچھ لوگ ان کے آڑے آ گئے۔ آپ نے انھیں سمجھانے کی کوشش کی مگر وہ مارنے مرنے پر تل گئے، تاہم ان میں سے کچھ لوگ واپس چلے گئے، چنانچہ مسلمانوں نے باقی ماندہ ان دشمنان اسلام کو عبرتناک شکست دی اور ان باغی خبیث عورتوں کے ہاتھ کاٹ دیے۔ ان میں سے اکثر مر گئیں اور کچھ کوفہ بھاگ گئیں۔[1] انھیں اپنے کیے کی سزا اسلام کے نظام عدل کے مطابق مل گئی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے امیر نے انھیں گرفتار کر کے ان پر بغاوت کی حد جاری کر دی۔[2]

بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ خلیفۃ المسلمین کے نوٹس میں دو خواتین لائی گئیں جن میں سے ایک نے حضرموت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسری نے عام مسلمانوں کی مذمت میں اشعار گائے تھے۔ علاقے کے گورنر مہاجر بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ نے ان دونوں عورتوں کو ان کے ہاتھ کاٹ کر اور ان کے سامنے والے اوپر اور نیچے کے دو دو دانت اکھیڑ کر سزا دی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پہلی عورت کے لیے یہ سزا ناکافی سمجھتے ہوئے اپنے گورنر کو یہ خصوصی خط لکھا:

«بَلَغَنِي الَّذِي سِرْتَ بِهِ فِي الْمَرْأَةِ الَّتِي تَغَنَّتْ وَ زَمَّرَتْ بِشَتِيمَةِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، فَلَوْلَا مَا قَدْ سَبَقْتَنِي فِيهَا لَأَمَرْتُكَ بِقَتْلِهَا؛ لِأَنَّ حَدَّ الْأَنْبِيَاءِ لَيْسَ يَشْبَهُ الْحُدُودَ، فَمَنْ تَعَاطَى ذٰلِكَ مِنْ مُّسْلِمٍ فَهُوَ

[1] حركة الردة للدكتور علي العتوم، ص: 184. [2] حركة الردة للدكتور علي العتوم، ص: 119.

مُرْتَدٌّ، أَوْ مُعَاهِدٌ فَهُوَ مُحَارِبٌ غَادِرٌ»

''جس عورت نے رحمت عالم ﷺ کی شان میں گستاخی کی تھی اور آپ کو سب و شتم کا نشانہ بنایا تھا، اگر آپ اس کے بارے میں فیصلہ نہ کر چکے ہوتے تو میں اسے قتل کرنے کا حکم دیتا کیونکہ انبیائے کرام کی شان میں گستاخی کی سزا دیگر سزاؤں جیسی نہیں ہوتی۔ اگر یہ کام کوئی مسلمان کرے تو وہ مرتد ہو جائے گا اور اگر کوئی معاہد کرے تو وہ غدار اور جنگجو شمار کیا جائے گا۔''[1]

دوسری عورت کے بارے میں لکھا:

«بَلَغَنِي أَنَّكَ قَطَعْتَ يَدَ امْرَأَةٍ فِي أَنْ تَغَنَّتْ بِهِجَاءِ الْمُسْلِمِينَ وَنَزَعْتَ ثَنِيَّتَهَا، فَإِنْ كَانَتْ مِمَّنْ تَدَّعِي الْإِسْلَامَ، فَأَدَبٌ وَّ تَقْدِمَةٌ دُونَ الْمُثْلَةِ وَ إِنْ كَانَتْ ذِمِّيَّةً لَعَمْرِي لَمَا صَفَحْتَ عَنْهُ مِنَ الشِّرْكِ أَعْظَمُ وَ لَوْ كُنْتُ تَقَدَّمْتُ إِلَيْكَ فِي مِثْلِ هٰذَا لَبَلَغْتَ مَكْرُوهًا فَاقْبَلِ الدَّعَةَ وَ إِيَّاكَ وَالْمُثْلَةَ فِي النَّاسِ فَإِنَّهَا مَأْثَمٌ وَّمُنَفِّرَةٌ إِلَّا فِي قِصَاصٍ»

''مجھے خبر ملی ہے کہ تم نے مسلمانوں کی ہجو کرنے والی عورت کے ہاتھ کاٹ دیے ہیں اور اس کے سامنے والے دانت اکھیڑ دیے ہیں۔ اگر یہ عورت مسلمان ہے تو اسے ادب سکھاؤ اور مثلے سے کم تر سزا دو۔ اور اگر یہ ذمی عورت ہے تو پھر تم نے اس کا شرک جیسا جو جرم معاف کیا ہے وہ اس ہجو سے کہیں بڑا گناہ ہے۔ اگر میں اس قسم کے معاملے میں تمھارے پاس آتا تو تمھیں سخت سزا دیتا، نرمی اختیار کرو اور مثلہ کرنے سے اجتناب کرو کیونکہ یہ گناہ کا کام اور لوگوں کو متنفر کرنے کا

[1] تاریخ الطبری: 157/4

باعث ہے، البتہ قصاص میں ایسا کر سکتے ہو۔" [1]

فتنۂ ارتداد میں خطباء کا کردار

کچھ اہل یمن نے حق پر ثابت قدم رہنے، اسلام کی دعوت دینے اور اپنی قوم کو فتنۂ ارتداد سے بچانے کے لیے عظیم کردار کا مظاہرہ کیا۔ انھی مشاہیر میں سے یمن کے ایک سردار اور بادشاہ مران بن عمیر ہمدانی ہیں۔ یہ اپنے علاقے کے لوگوں کے ساتھ مسلمان ہوئے۔ جب ان کے علاقے کے لوگ مرتد ہو گئے اور گھٹیا لوگوں نے نازیبا کلمات کہے تو یہ انھیں وعظ و نصیحت کرنے کے لیے کھڑے ہوئے اور کہا: "اے ہمدان کے لوگو! تم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جنگ نہیں کی۔ اور نہ آپ ﷺ نے تم سے قتال کیا، لہٰذا تم اس لحاظ سے بڑے خوش نصیب ہو۔ تمھیں سلامتی حاصل ہے اور تم پر ایسی کوئی لعنت بھی وارد نہیں ہوئی جو تمھارے پہلوں کو ذلیل ورسوا کرے اور بعد والوں کو کاٹ کر رکھ دے۔ تم میں سے کچھ قومیں اسلام لانے میں سبقت لے گئیں اور کچھ قوموں سے تم سبقت لے گئے، لہٰذا اگر تم اسلام پر ثابت قدم رہو گے تو تم سابقین سے جا ملو گے اور اگر تم نے اسلام کو چھوڑ دیا تو تم سے پیچھے رہنے والے آگے نکل جائیں گے۔" قوم کے لوگوں نے ان کی نصیحت قبول کر لی اور ارتداد سے بچ گئے، پھر انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی وفات پر اپنے رنج وغم کا اظہار درج ذیل اشعار میں کیا:

إِنَّ حُزْنِي عَلَى الرَّسُولِ طَوِيلُ ۝ ذَاكَ مِنِّي عَلَى الرَّسُولِ قَلِيلُ

بَكَتِ الْأَرْضُ وَالسَّمَاءُ عَلَيْهِ ۝ وَبَكَاهُ خَدِيمُهُ جِبْرِيلُ

"یقیناً رسول اللہ ﷺ کی وفات پر مجھے بڑا طویل غم پہنچا ہے۔ لیکن میرا سارا غم بھی بے حد قلیل ہے کیونکہ آپ کی وفات پر تو زمین و آسمان بھی رو دیے ہیں اور

[1] تاریخ الطبری: 157/4

آپ کا خادم جبریل بھی رویا ہے۔‘‘[1]

رسول اللہ ﷺ کے صحابی حضرت عبداللہ بن مالک ارجبی رضی اللہ عنہ بھی اس فتنے کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ انھیں ہجرت کرنے کی سعادت اور دینی فضیلت حاصل تھی۔ ہمدان والے ان کے پاس جمع ہوئے تو انھوں نے فرمایا: ’’اے ہمدان والو! یقیناً تم نے محمد ﷺ کی عبادت نہیں کی، بلاشبہ تم نے محمد ﷺ کے رب کی عبادت کی ہے اور وہ زندہ ہے اسے کبھی موت نہیں آئے گی۔ ہاں! تم نے اللہ کی اطاعت میں رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی ہے۔ خوب جان لو! اس اطاعت نے تمھیں جہنم کی آگ سے نجات دلائی ہے۔ ایسا ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کے صحابہ کو گمراہی پر جمع کر دے۔‘‘ پھر ایک طویل خطبہ دیا جس میں یہ شعر کہے:

لَعَمْرِي لَئِنْ مَّاتَ النَّبِيُّ مُحَمَّدٌ لَّمَا مَاتَ يَا ابْنَ الْقَيْلِ! رَبُّ مُحَمَّدِ

دَعَاهُ إِلَيْهِ رَبُّهُ فَأَجَابَهُ يَا خَيْرَ غَوْرِيٍّ وَّ يَا خَيْرَ مُنَجَّدِ

’’مجھے میری عمر کی قسم! اگر محمد ﷺ وفات پا گئے ہیں تو اے ابن قیل! محمد کا رب تو کبھی فوت نہ ہوگا۔ انھیں ان کے رب نے بلایا تو انھوں نے اپنے رب کی دعوت قبول کر لی۔ اے تہامہ اور نجد کے بہترین فرد!‘‘[2]

اسی طرح کندہ میں شرحبیل بن سمط اور ان کے صاحبزادے بنی معاویہ کو راہ راست پر لانے کے لیے کمربستہ ہوئے کیونکہ انھوں نے زکاۃ کی ادائیگی بند کر دی تھی۔ دونوں باپ بیٹے نے انھیں کہا: ’’آزاد لوگوں کا موقف تبدیل کر لینا قبیح حرکت ہے۔ اگر عزت دار لوگ شبہات پر بھی ڈٹ جائیں تو ان شبہات سے واضح تر چیز کی طرف منتقل ہونے میں بھی وہ اپنی توہین سمجھتے ہیں چہ جائیکہ بہترین اور برحق موقف چھوڑ کر باطل اور قبیح موقف

① الإصابة:6/223. ② ديوان الردة للدكتور علي العتوم، ص:81.

اختیار کیا جائے۔''

پھر شرحبیل بن سمط نے اپنی براءت کا اظہار کرتے ہوئے کہا: ''اے اللہ! ہم اس بارے میں اپنی قوم کی کوئی مدد نہیں کریں گے۔'' لہٰذا وہ علاقے سے نکل کر جناب زیاد بن لبید رضی اللہ عنہ کے ہمراہ ہو گئے اور ان کے ساتھ امرء القیس بن عابس بھی تھا۔ انھوں نے زیاد رضی اللہ عنہ سے کہا: ''بنی معاویہ پر شب خون ماریں کیونکہ ان کے ساتھ سکاسک اور سکون کے کچھ قبائل اور حضرموت کے بد اطوار لوگ جمع ہو رہے ہیں۔ اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو ہمیں ڈر ہے کہ لوگ ہمیں چھوڑ کر ان کے ساتھ جا ملیں گے۔'' لہٰذا زیاد نے شب خون مارنے کا ارادہ کر لیا، پھر انھوں نے اکٹھے ہو کر رات کو ان پر حملہ کر دیا۔ انھوں نے دیکھا کہ وہ لوگ اپنے حجروں میں آگ تاپ رہے ہیں، لہٰذا وہ بنی عمرو اور بنی معاویہ پر ٹوٹ پڑے کیونکہ یہی قبائل زور آور تھے اور تعداد میں بھی زیادہ تھے۔ انھوں نے کندہ کے چار سرداروں اور ان کی بہن عمرّدہ کو گرفتار کر لیا۔ بہت سے لوگوں کو قتل کر دیا اور جو بھاگ سکتا تھا وہ نکل بھاگا۔ جناب زیاد بن لبید رضی اللہ عنہ مال غنیمت اور غلام لے کر لوٹ آئے۔ [1]

یہ اہل ایمان کے کردار کی چند جھلکیاں تھیں جو ان کے گہرے ایمان اور اسلام سے گہری وابستگی کی دلیل ہیں۔ یہی لوگ دعوت ایمان کے خطیب تھے۔

کراماتِ اولیاء

جب یمن میں اسود عنسی کا غلبہ مستحکم ہو گیا اور اس نے نبوت کا دعویٰ کر دیا تو اس نے جناب ابومسلم خولانی کو بلا بھیجا۔ وہ آئے تو کہا: ''کیا تم گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟'' انھوں نے جواب دیا: ''مجھے سنائی نہیں دیا۔'' اس نے کہا: ''کیا تم گواہی دیتے ہو کہ محمد اللہ کے رسول ہیں؟'' انھوں نے جواب دیا: ''جی ہاں۔'' اسود عنسی نے ان

[1] الكامل في التاريخ لابن الأثير: 48/2.

سے اپنی رسالت کی متعدد بار گواہی طلب کی مگر حضرت ابومسلم ہر بار اس کی تردید کرتے رہے اور رسالت محمدیہ کا اقرار کرتے رہے حتیٰ کہ اسود نے غضبناک ہوکر انھیں بھڑکتی ہوئی آگ میں پھینک دیا لیکن آگ نے انھیں ذرہ بھر نقصان نہ پہنچایا۔ اسود کو مشورہ دیا گیا کہ ابومسلم کو اپنے علاقے سے نکال دو، ورنہ وہ تمھارے پیروکاروں کو بھٹکا دے گا، لہٰذا اس نے انھیں جلاوطن کرنے کا حکم جاری کر دیا۔

حضرت ابومسلم مدینہ منورہ آگئے۔ جب آپ مدینہ منورہ پہنچے تو رسول اللہ ﷺ وفات پا چکے تھے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ بن چکے تھے۔ حضرت ابومسلم نے اونٹنی کو مسجد کے دروازے کے پاس بٹھایا اور خود مسجد نبوی میں داخل ہوکر ایک ستون کے پیچھے نماز پڑھنے لگے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں دیکھا تو ان کے پاس تشریف لائے اور پوچھا: ''آپ کون ہیں؟'' انھوں نے عرض کیا: ''میں ایک یمنی باشندہ ہوں۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا: ''جس شخص کو کذاب اسود عنسی نے آگ میں ڈال دیا تھا اس کا کیا بنا؟'' انھوں نے جواباً عرض کیا: ''وہ عبداللہ بن ثوب ہیں۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں اللہ کی قسم دے کر پوچھا: ''کیا آپ وہی شخص ہیں؟'' انھوں نے عرض کیا: ''جی ہاں، میں وہی آدمی ہوں۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خوشی سے روتے ہوئے انھیں گلے لگا لیا، پھر انھیں لے کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھیں اپنے اور ابوبکر رضی اللہ عنہما کے درمیان بٹھایا۔ اور فرمایا:

«اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي لَمْ يُمِتْنِي حَتّٰى أَرَانِي فِي أُمَّةِ مُحَمَّدٍ ﷺ مَّنْ فُعِلَ بِهِ مَا فُعِلَ بِإِبْرَاهِيمَ خَلِيلِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ»

''اللہ تعالیٰ کا بہت بہت شکر ہے جس نے مجھے وفات سے پہلے ایسا مومن شخص دکھایا جس کی ویسی ہی آزمائش ہوئی جیسی ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی ہوئی تھی۔''[1]

یہ اللہ تعالیٰ کے اس صالح بندے کی کرامت ہے جس نے حدود اللہ کی پاسداری کی

[1] أسد الغابة: 304/6، والاستيعاب لابن عبدالبر: 66/2.

اور اپنی محبت ونفرت کو اللہ کے لیے خالص کرلیا اور ہر معاملے میں اللہ تعالیٰ ہی پر کامل بھروسا کیا۔ اسی کی بدولت اللہ تعالیٰ نے انھیں قول وفعل میں ثبات اور امن واطمینان عطا فرمایا اور ان کے ذریعے اس کرامت کا اظہار کیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا یَتَّقُوْنَ ۝ لَهُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ فِی الْاٰخِرَةِ ؕ لَا تَبْدِیْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ۝﴾

"آگاہ رہو! بے شک اولیاء اللہ پر کوئی خوف نہ ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے، یعنی وہ لوگ جو ایمان لائے اور (اللہ سے) ڈرتے رہے۔ ان کے لیے دنیا کی زندگی میں خوش خبری ہے اور آخرت میں بھی، اللہ کی باتوں میں تبدیلی نہیں ہوتی، یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔"[1]

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے نزدیک عفو ودرگزر کی اہمیت

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بڑے صاحب بصیرت، بالغ نظر اور معاملہ فہم خلیفہ تھے، اس لیے وہ سختی کے موقع پر بڑا سخت موقف اختیار کرتے اور بوقت ضرورت عفوودرگزر سے بھی کام لیتے۔ آپ کی دلی تمنا تھی کہ مختلف قبائل اسلام کے جھنڈے تلے جمع ہوجائیں۔ یہ آپ کی حکیمانہ سیاست تھی کہ آپ نے سرکش قبائل کے زعماء کے حق کی طرف لوٹ آنے پر ان سے درگزر کیا کیونکہ جب آپ نے یمن کے مرتد قبائل کو اپنا مطیع کرلیا، اسلامی حکومت اور مسلمانوں کی عظیم قوت وطاقت کا مظاہرہ کر دکھایا اور اپنا عزم بھی واضح کردیا تو مرتد قبائل دوبارہ حلقہ بگوش اسلام ہوگئے، اسلامی حکومت کے زیرنگیں آ گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ کے مطیع وفرماں بردار ہوگئے، چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے

[1] یونس 10: 62-64.

مناسب سمجھا کہ ان قبائلی زعماء کی تالیف قلبی کے لیے ضروری ہے کہ ان کے خلاف قوت استعمال کرنے کے بجائے نرمی اور شفقت کا برتاؤ کیا جائے، لہٰذا انھوں نے ان سرداروں کی سزا معاف کردی اور ان سے نرم رویہ اختیار کیا۔ اور ان کے قبائلی اثر و رسوخ کو اسلام اور مسلمانوں کے مفاد میں استعمال کیا۔ [1]

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان زعماء کی غلطی معاف کردی اور ان سے حسن سلوک کیا۔ آپ نے یہ حسن سلوک قیس بن یغوث مرادی اور عمرو بن معدیکرب سے بھی کیا جو عرب کے عظیم لیڈر، بڑے شہسوار اور نہایت دلیر انسان تھے، لہٰذا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انھیں سزا دینا مناسب نہ سمجھا بلکہ ان کی خدمات اسلام کے لیے مختص کرنے کی خواہش کی اور انھیں اسلام اور ارتداد میں متردد ہونے سے بچانے کی فکر کی۔

چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عمرو سے کہا:

«أَمَا تَخْزٰى أَنَّكَ كُلَّ يَوْمٍ مَّهْزُومٌ أَوْ مَأْسُورٌ؟، لَوْ نَصَرْتَ هٰذَا الدِّينَ لَرَفَعَكَ اللّٰهُ»

''کیا تم اس میں رسوائی محسوس نہیں کرتے کہ تم ہر روز شکست کھاتے اور قیدی بن جاتے ہو؟ اگر تم اپنی قوت و طاقت اس دین حنیف کی خدمت کے لیے استعمال کرتے تو اللہ تعالیٰ تمھیں عزت و شان سے نوازتا۔''

اس پر عمرو نے عرض کیا: ''بے شک، اب میں یہ کام ضرور کروں گا اور دوبارہ کبھی مرتد ہونے کا سوچوں گا بھی نہیں۔'' چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انھیں آزاد کردیا اور عمرو حسبِ وعدہ پھر کبھی مرتد نہیں ہوئے بلکہ بڑے مضبوط اور اعلیٰ ایمان والے مسلمان ثابت ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد کی اور انھیں عظیم فتوحات نصیب ہوئیں۔

اسی طرح قیس بن مکشوح بھی اپنے کیے پر نادم ہوا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسے بھی

[1] تاریخ الدعوة إلى الإسلام للدكتور يسري محمد هاني، ص: 256.

معاف کر دیا۔ یمن کے ان دو عربی ہیروز کی معافی کے بڑے شاندار نتائج برآمد ہوئے۔ ان کے ذریعے سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کی ڈھارس بندھائی جو مرتد ہونے کے بعد خوف یا طمع کی وجہ سے دوبارہ مسلمان ہو گئے تھے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اشعث بن قیس کو بھی معاف کر دیا۔[1] اس طرح آپ نے ان کے دل جیت لیے، چنانچہ وہ مستقبل میں اسلام کے مددگار اور مسلمانوں کی قوت بن گئے اور مرتدین کے خلاف عظیم طاقت کے روپ میں سامنے آئے۔[2]

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کو نصیحت اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا محاسبہ

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب عکرمہ رضی اللہ عنہ کو مسیلمہ کذاب کے مقابلے کے لیے روانہ کیا تو ان کے پیچھے حضرت شرحبیل بن حسنہ کو بھی مدد کے لیے روانہ کیا۔ لیکن عکرمہ رضی اللہ عنہ نے جلد بازی کی اور بنو حنیفہ سے شکست کھا گئے۔ اس امر کی اطلاع حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بھیج دی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انھیں جوابًا لکھا:

«يَابْنَ أُمِّ عِكْرِمَةَ! لَا أَرَيَنَّكَ وَ لَا تَرَانِي عَلٰى حَالِهَا، لَا تَرْجِعْ فَتُوهِنَ النَّاسَ، اِمْضِ عَلٰى وَجْهِكَ حَتّٰى تُسَانِدَ حُذَيْفَةَ وَ عَرْفَجَةَ فَقَاتِلْ مَعَهُمَا أَهْلَ عُمَّانَ وَ مَهْرَةَ وَ إِنْ شَغَلَا فَامْضِ أَنْتَ، ثُمَّ تَسِيرُ وَ تُسِيرُ جُنْدَكَ تَسْتَبْرِئُونَ مَنْ مَرَرْتُمْ بِهِ، حَتّٰى تَلْتَقُوا أَنْتُمْ وَالْمُهَاجِرُ بْنُ أَبِي أُمَيَّةَ بِالْيَمَنِ وَ حَضْرَمَوْتَ»

''اے ام عکرمہ کے بیٹے! تم شکست خوردہ حالت میں میرے پاس مت آنا مبادا تم لوگوں کو بزدل بنا دو بلکہ اپنی مہم پر چلتے رہو اور حضرت حذیفہ اور عرفجہ کے

[1] الصديق أول الخلفاء للشرقاوي، ص: 116,115. [2] تاريخ الدعوة إلى الإسلام للدكتور يسري محمد هاني، ص: 256.

تعاون سے اہل عمان اور مہرہ کے مرتدوں سے جنگ کرو۔ اور اگر یہ دونوں اصحاب مصروف ہوں تو تم اکیلے ہی روانہ ہو جاؤ، تم اپنے لشکر سمیت چلو تو راستے میں آنے والوں سے چھٹکارا پاتے جاؤ حتی کہ تم یمن اور حضر موت میں مہاجر بن ابی امیہ سے جاملو۔''①

ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مسیلمہ کذاب اور مرتدین کے خلاف قتال کے لیے دو لشکر روانہ کیے تھے۔ ایک حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں اور دوسرا حضرت شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں۔ یہ اس بات کی قوی دلیل ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دشمن کی عددی قوت اور جنگی طاقت کا بخوبی اندازہ تھا، اس لیے جب حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کی جلد بازی کی وجہ سے ان کا لشکر شکست کھا گیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انھیں خط لکھا کہ تم اس حالت میں میرے پاس مت آنا۔ تمھارا شکست کھا کر واپس آنا دیگر لوگوں کے لیے مایوسی کا باعث بنے گا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان بھی ان کی جنگی مہارت کا منہ بولتا ثبوت ہے کیونکہ فوجیوں کے روحانی مورال کا نتائج پر گہرا اثر پڑتا ہے، لہٰذا جب یہ شکست خوردہ فوجی واپس آئیں گے اور مرتدین کے خلاف جنگ کے لیے روانہ ہونے والے فوجیوں سے ملیں گے تو یقیناً ان کے دلوں میں دشمن کا خوف بیٹھ جائے گا اور وہ کمزور پڑ جائیں گے، خصوصاً جب شکست خوردہ افراد دشمن کی عددی اور جنگی قوت کا تذکرہ کریں گے تو اس کا بڑا برا اثر پڑے گا۔② حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو جنگی وسائل کے باہمی فرق کا خوب اندازہ تھا، اس لیے آپ نے حضرت عکرمہ کے لشکر کو دیگر علاقوں میں بھیج دیا جس سے انھیں شاندار کامیابی ملی اور حضرت عکرمہ اور ان کے لشکر کا مورال بھی بلند ہو گیا۔

جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ یمن سے واپس مدینہ منورہ آئے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان

① الكامل في التاريخ لابن الأثير: 34/2، و البداية والنهاية: 334/6. ② التاريخ الإسلامي للحميدي: 83/9.

کا استقبال کیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

«اِرْفَعْ حِسَابَكَ» ''اپنا حساب پیش کرو۔''

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کہنے لگے: ''کیا دو حساب دینے ہوں گے ایک اللہ تعالیٰ کو اور ایک آپ کو؟ یعنی ہم تو اللہ تعالیٰ کے سامنے جوابدہی کے خوف سے پہلے ہی ہر قسم کا حساب صاف رکھتے ہیں، لہٰذا آپ کو احتساب کی ضرورت ہی نہیں۔ اللہ کی قسم! میں آئندہ آپ کا کوئی منصب قبول نہیں کروں گا۔''[1]

یمن کا اتحاد، اہل یمن کو اسلام کی فہم و بصیرت اور ان کی اطاعت

مرتدوں کے خلاف جہاد کے خاتمے پر پورا یمن مرکزی قیادت کے تابع ہوگیا جس کا دارالخلافہ مدینہ منورہ تھا۔ یمن کو قبائلی لحاظ سے ہٹ کر انتظامی لحاظ سے تقسیم کردیا گیا۔ یمن کو انتظامی طور پر صنعاء، جند اور حضرموت تین اضلاع میں تقسیم کردیا گیا۔ اس تقسیم میں قبائلی عصبیت کے زیراثر کوئی منصب نہیں دیا گیا بلکہ قبائل کو صرف جنگی دستوں کی تشکیل کی حد تک موثر رکھا گیا اور اسلامی حکومت میں ہر منصب کے لیے تقویٰ، اخلاص اور عمل صالح ہی کو معیار بنایا گیا۔[2]

یمن ہر قسم کے شرک اور اس کے مظاہر سے پاک ہوگیا، خواہ وہ شرک اعتقادی تھا یا قولی یا فعلی۔ اہل یمن خوب سمجھ گئے کہ مقام نبوت اس سے نہایت اعلیٰ وارفع ہے کہ کوئی کھلنڈرا اس کا دعویٰ کرے اور اپنے مذموم مقاصد کے حصول کے لیے اسے وسیلہ بنائے۔[3] انھیں یقین کامل ہوگیا کہ ایمان لوگوں کے ذاتی منافع کے ساتھ میل نہیں کھاتا اور اسلام جاہلیت کے ساتھ کبھی متفق نہیں ہوسکتا۔ انھیں اس حقیقت کا ادراک اس وقت ہوا جب ان کے بہت سے آدمی قتل اور زخمی ہوئے اور ان کی حسرتیں پامال ہوئیں، چنانچہ طرفین

[1] عيون الأخبار لأبي محمد عبدالله بن مسلم: 125/1. [2] اليمن في صدر الإسلام للدكتور عبدالرحمن الشجاع، ص: 290. [3] الخلافة الراشدة والخلفاء الراشدون ليوسف علي، ص: 39.

فتنۂ ارتداد کی جنگیں
خلافتِ ابوبکر رضی اللہ عنہ
(11ھ)
عمرو بن عاص، خالد بن سعید بن عاص اور سوید بن مقرن رضی اللہ عنہم کی لشکر کشی
بابلیون
سویز
ایلہ
عقبہ
معان
دومۃ الجندل
قضاعہ
ودیعہ
تبوک
تیماء
مدائن صالح
خیبر
نطاۃ
مدینہ منورہ
ینبع
صحرائے نفود
سجاح
بزاخہ
طلیحہ بن خویلد اسدی
مالک بن نویرہ
بطاح
مصر
دریائے نیل
صحرائے نوبیہ
سودان
بحیرہ قلزم
ہوازن
مکہ
جدہ
طائف
نجد
جزیرہ نمائے عرب
ربع الخالی
خمیس مشیط
ابہا
نجران
بنو خولان
صنعاء
مأرب
یمن
کہف خبان
مخا
تعز
عدن
رابیہ
کندہ
تریم
حضرموت
مہرہ
شحر
بحیرہ عرب
مصیرہ
عمان
خلیج عمان
صحار
دبا
یمامہ
بنو حنیفہ
مسیلمہ کذاب
دارین
بحرین
خلیج فارس
بندر عباس
ایران (فارس)
بوشہر
شیراز
فارس
اُبلہ
کلومیٹر
1000
800
600
400
200
0
نقشہ: 19

کے بہت سے لوگ مارے گئے اور بے شمار زخمی ہوئے۔ ① اور مرتد لوگ اسلام میں لوٹ آئے اور اپنے قصور کی تلافی میں مصروف ہوگئے۔ ② حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں انھیں جہاد کرنے کی اجازت بھی دے دی گئی۔

فتنۂ ارتداد کی گوشمالی کے دوران جنگی تربیت ومہارت حاصل کرنے والی یمنی قیادت نے بعد میں ہونے والی فتوحات میں کارہائے نمایاں انجام دیے۔ اور یہ قیادت اسلام پر ثابت قدم رہنے والوں پر مشتمل تھی، مثلاً:

- حضرت جریر بن عبداللہ بجلی،
- ذی الکلاع حمیری،
- مسعود بن عکی،
- جریر بن عبداللہ حمیری اور ان کے علاوہ بہت سے لوگ۔

ان قائدین نے فتوحات اسلامیہ اور نئے شہروں کی آباد کاری میں نمایاں کارنامے انجام دیے، مثلاً: کوفہ، بصرہ، عراق، اور فسطاط وغیرہ، اسی طرح بعض یمنی شخصیات نے یمن اور یمن سے باہر عدالتی نظام اور انتظامی امور میں بھی اپنا لوہا منوایا اور بہترین خدمات انجام دیں، مثلاً: حشک عبدالحمید، سعید بن عبداللہ اعرج اور شرحبیل بن سمط کندی وغیرہ۔ ③

اہل یمن اسلامی حکومت میں شامل ہوگئے اور اسلامی قیادت کے تابع ہوگئے، خواہ وہ قیادت براہ راست یمن والوں پر مبنی تھی یا عمومی قیادت تھی جو مدینہ منورہ میں خلیفۃ المسلمین کی صورت میں تھی، اسی لیے جب انھیں خلیفۃ المسلمین نے جہاد کے لیے بلایا تو وہ

① ظاهرة الردة لمحمد بريغش، ص: 159. ② اليمن في صدر الإسلام للدكتور عبدالرحمٰن الشجاع، ص: 289. ③ اليمن في صدر الإسلام للدكتور عبدالرحمٰن الشجاع، ص: 291.

خوشی خوشی تیز رفتاری سے جہاد کے لیے روانہ ہوگئے۔ اس کی تفصیل ان شاء اللہ عنقریب بیان ہوگی۔ اہل یمن نے فتنۂ ارتداد کے دوران عمدہ تربیت حاصل کرلی تھی جس سے ان کا رابطہ اپنی قیادت کے ساتھ مضبوط ہوا تھا اور ان کا اپنی قیادت پر بھرپور اعتماد تھا، اسی لیے ان کے علاقے میں اطمینان، امن اور سکون ہوگیا اور یہ لوگ اسلام اور مسلمانوں کے بہترین مددگار بن گئے۔ [4]

[4] الیمن في صدر الإسلام للدکتور عبدالرحمن الشجاع، ص: 291.

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ
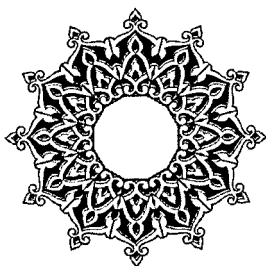
نبی کریم ﷺ کی ذات کے بعد امتِ مسلمہ کے سب سے بڑے قائد اور اسلامی معاشرے کے سب سے عظیم نمونہ ونمایندہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی تھے۔

خلافت راشدہ کی ابتدائی فتوحات، کامیابیاں اور خوبیاں عہد صدیقی ہی کی رہین منت تھیں۔ رسول اللہ ﷺ کی رحلت کے بعد دین حنیف کے فیضانِ تربیت سے فوری طور پر ایسا نظامِ خلافت وجود میں آ گیا کہ صدیوں بعد جب ترکی کی خلافتِ عثمانیہ کے عنوان سے اُس نظام حق کا ایک دھندلا سانا تمام نقش باقی تھا تو اسے لوحِ عالم سے مٹانے کے لیے بھی عالمی سامراجی طاقتوں کے 32 برس صرف ہوئے۔

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایمان و یقین، اطاعت و غلامی، محبت و وارفتگی اور ہمت و حوصلہ جیسی بے مثل خوبیوں سے مالا مال تھے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد منکرینِ ختمِ نبوت، مدعیانِ نبوت، مانعینِ زکاۃ، فتنۂ ارتداد، اندرونی خلفشار اور بیرونی خطرات کے جتنے بھی طوفان اٹھے، سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کا ایسی پامردی سے مقابلہ کیا کہ باطل قوتوں کے سارے سفینے ڈوب گئے اور اسلام کا پرچم پورے شان وشکوہ سے لہرانے لگا۔ یہ کتاب اِسی عدیم النظیر بطل جلیل کی سیرت وشخصیت کے آثار واحوال کی بڑی مستند تفصیل جمیل ہے جسے عرب کے مایہ ناز مؤلف ومحقق دکتور علی محمد محمد صلابی حفظہ اللہ نے بڑے دلنشین اور محققانہ اسلوب میں 200 سے زیادہ قدیم وجدید مصادر ومراجع کی روشنی میں مرتب کیا ہے۔ دار السلام ریسرچ سنٹر کے ارکان اور وابستگان نے ضروری مراحل طے کر کے اس کا اُردو ایڈیشن تیار کیا ہے۔ اعلیٰ طباعت کا یہ شہ پارہ اب آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ فللہ الحمد

9786035001342